سالنامہ جنوری سنہ ۱۹۳۷ء
کنول
آگرہ
مدیر منظر صدیقی اکبر آبادی

HAB - MOBHI - KHAS
Registered
हब्बे मुबही खास

حبّ مُبہی خاص رجسٹرڈ

ضعف باہ کیلئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہیں حلق سے اترتے ہی اپنا اثر دکھاتی ہیں،
سُست اور بیکار اعصاب میں برقی رو کیطرح اثر کرتی ہیں مضر صحت اجزا سے
پاک ہیں بیش قیمت اور نادر ادویہ سے مرکب ہیں جماع کی قوت میں حیرت انگیز اضافہ
کرتی ہیں۔ جماع کے بعد قوت میں کمی نہیں ہونے دیتیں ایک بار کا تجربہ آپکو بتادیگا
کہ حب مبہی خاص کیا چیز ہیں قیمت فی شیشی ۲۰ گولی ۱عہ ۱ر ہو۔ ہمدرد کیٹلاگ کافی ہے

تار کا پتہ "ہمدرد دہلی" ہمدرد دواخانہ یونانی دہلی + ٹیلیفون نمبر ۵۷۷

صرف نمبر ۱ و ۲ کمپٹیشن میں ۱۵۰۰ روپے کے انعامات تقسیم کئے جا چکے ہیں۔ انڈین کارپوریشن انڈین بلڈنگ شاہ بولا دہلی کا نیا کمپٹیشن ملاحظہ فرمائیے

"ناظرین کرام کے لئے"

عید الضحیٰ پر ہر شخص کو انعام ضرور دیا جائیگا خواہ تمام کوپنز غلط ہوں یا صحیح۔ شرائط پڑھئے

Must Be Won Rs. 42000-

IN CASH AND SPECIAL PRIZES.

بیالیس ہزار روپئے کے نقد اور خاص انعامات حاصل کیجئے

دماغ اور قسمت کی بہترین آزمائش

داخلہ ۱۷ فروری ۱۹۳۷ء کو قطعی بند کر دیا جائیگا

فیس داخلہ صرف ایک روپیہ ۱/-/-

حل کرنا بھی آسان ہے اور جیتنا بھی آسان ہے

ہمارا معمہ عام معلومات سے تعلق رکھتا ہے

اوّل انعام دس ہزار روپے بالکل صحیح کوپنز کو دویم انعام سات ہزار روپیہ نقد۔ ایک غلطی کے کوپنز کو سویم انعام پانچ ہزار روپیہ نقد دو غلطی کے کوپنز کو خاص انعام بیس ہزار روپیہ کے مختلف قیمتی انعامات

ناظرین کرام کو یہ بتا دینا ضروری ہے کہ ذیل کے نہایت دلچسپ کوپن میں ہر لفظ کے صحیح حرفوں میں کچھ حرف کا اضافہ کر کے معمہ بنا دیا گیا ہے۔ آپکو نامکمل نام کے کل حرفوں میں سے حسب تحریر حرف کم کرکے ہر نام کو مکمل کر دینا ہے۔ مثال کے طور پر پہلا نام حل کر دیا ہے۔ نمبر ۱ نامکمل نام کے کل گیارہ حرف ہیں۔ (ٹ ام س ٹ ی ٹ ب ا ی ر م) جنمیں سے حسب تحریر ایک حرف کم کرنا ہے اور اشارہ ہے دنیا کی سب سے بڑی بلڈنگ۔ پس ایک حرف ٹ کم کر دیا تو امپائر سٹیٹ بن گیا (اس بلڈنگ کی ۱۰۵ منزلیں ہیں اور امریکہ میں واقع ہے) باقی ناموں کو اسی طرح حل کرکے آج ہی بھیجد یجئے ورنہ دیر ہو جانے پر آپ اس کمپٹیشن میں شریک نہ ہو سکیں گے

فہرست اشیاء خاص انعامات

نمبر ۱۔ نورڈ انگریزی ڈکشنری۔ نمبر ۲۔ اتالیق انگریزی جس سے بغیر استاد کے انگریزی سیکھی جا سکتی ہے ۱۶ کتابوں کا سٹ۔ نمبر ۳۔ معلومات عامہ کی انگریزی کتاب نمبر ۴۔ کہانی کی ایک بہت عمدہ کتاب انگریزی میں نمبر ۵۔ لکھنے کی میز نمبر ۶۔ فولڈنگ کرسی نمبر ۷۔ بلیک برڈ قلم نمبر ۸۔ آپکے سائز کا کوٹ و پتلون۔ نمبر ۹۔ آپکے سائز کا اونی پلوور۔ نمبر ۱۰۔ ٹوپ بہترین قسم نمبر ۱۱۔ دری بڑی سائز نمبر ۱۲۔ کمبل عمدہ قسم نمبر ۱۳۔ ترکی ٹوپی عمدہ قسم نمبر ۱۴۔ ریشمی ٹائی، رومال، جراب نمبر ۱۵۔ پورا سامان شیونگ کا عمدہ قسم نمبر ۱۶۔ آپکے فوٹو کا بلاک بنوا دیا جائیگا نمبر ۱۷۔ اخبار دین و دنیا دہلی ایک سال تک مفت۔ نمبر ۱۸۔ سینے کا بٹن سٹ نمبر دانی کے لئے نمبر ۱۹۔ لیڈیز اونی پلوور کوٹ نمبر ۲۰۔ ایک پونڈ اون عمدہ قسم نمبر ۲۱۔ عورتوں کی ظلیتی یعنی عمدہ قسم کا سوئیدان نمبر ۲۲۔ سنگاردان عمدہ قسم

نمبر ۲۳- وسلی کا جوتہ نمبر ۲۴- امرت بان بڑا سائز نمبر ۲۵- الارم ٹائم پیس- نمبر ۲۶- سولس ہیڈ دستی گھڑی گارنٹی دہ سال نمبر ۲۷- فولڈنگ کیمرہ- نمبر ۲۸- مراد آبادی نفیس کیریر نمبر ۲۹- گراموفون جاپانی مشین نمبر ۳۰- خوبصورت تصویر کا جوڑا نمبر ۳۱ کرکس لنس کا چشمہ (ڈاکٹری نسخہ بھیج دیجیے) نمبر ۳۲ آپ کے سائز کا فلکیس شوز- نمبر ۳۳- ٹی سٹ عمدہ قسم- نمبر ۳۴ بیکلائٹ چائے پیالی ۱۲ عدد نمبر ۳۵- بغیر لیسنس کا جرمنی پستول- نمبر ۳۶- عطر دان قسم اول- نمبر ۳۷- پانچ بتی لگنے والا ہولڈر بجلی کا- نمبر ۳۸- بچہ سائیکل- نمبر ۳۹- چمڑے کا 26 سوٹ کیس- نمبر ۴۰- 72 × 36 سائز کا ہولڈال (جس میں آپ سفر کے وقت بستر رکھ سکتے ہیں) نمبر ۴۱- کیرم بورڈ بڑا سائز- نمبر ۴۲- ڈکیٹر بورڈ بڑا سائز نمبر ۴۳- گیند بلا عمدہ قسم- نمبر ۴۴- ہاکی اور گیند عمدہ قسم- نمبر ۴۵- جاپانی بچہ اونی کپڑے پہنے ہوئے جس کو دیکھکر گمان ہوتا ہے کہ اصلی بچہ بیٹھا ہے- نمبر ۴۶- بچہ کا جھولا عمدہ قسم نمبر ۴۷- ایک بہترین چالیس روز کا نسخہ جو ہر کہ ودیہ عورت مرد کو ضرور استعمال میں لانا چاہیے بہترین طاقت دہ ثابت ہوا ہے- نمبر ۴۸- ایک عدد تھرماس بوتل ولایتی- نمبر ۴۹- جاپانی پیالہ ایک عدد ولایتی قسم عمدہ- نمبر ۵۰- اس کمپٹیشن کے بعد کسی کمپٹیشن میں آپ ایک سال تک بغیر فیس داخلہ کے ایک کوپن روانہ کر سکتے ہیں

کوپن

نمبر	نامکمل نام کے غیر ترتیب حروف	[illegible]	[illegible]	اشارات	[illegible]
۱	ٹ ام س ٹ ی ظ پ ا ر ر	گیارہ	ایک	دنیا کی سب سے بڑی جلد ڈگنے امریکہ میں ہے	[illegible]
۲	ا ر ی ہ ن ق م ک	آٹھ	دو	مشہور ملک	
۳	پ ن ہ و ٹ ا	چھ	دو	ہندوستان کا مشہور شہر	
۴	م ر و د ا ب ی س ڈ	نو	چار	ہندوستان کی بڑی ریاست	
۵	ی ن گ ال ش س ر ر	نو	تین	سیر و تفریح کیلئے پہاڑی جگہ	
۶	ا ر ص ک ر غ ب	چھ	دو	ہندوستان کا مشہور شاعر	
۷	ت ا گ ر ی پ	چھ	ایک	تیر سے ڈالا	
۸	ق ت ق ی ر	پانچ	ایک	ہر بیمار کو اسکی فکر زیادہ رہتی ہے	
۹	ف س ج ل د ا	چھ	دو	اسکا کام ہی خون بہانا ہے	
۱۰	ب ق ت د ی ر	چھ	ایک	انسان اسی رنگ میں مدہوش ہے	
۱۱	ر ن گ ز و ا	چھ	دو	ہندوستانیں پانچ سال والے رہ چکے ہیں	

میں منیجر کے فیصلے سے متفق ہوں
دستخط .... کوپن نمبر ....

شرائط

سادے کاغذ پر جس قدر کوپن چاہیں بنا کر پورا پتہ تحریر کر کے روانہ کر سکتے ہیں- مگر فیس داخلہ بحساب عمہ فی کوپن بذریعہ منی آرڈر یا پوسٹل آرڈر ۱۷ فروری ۱۹۳۰ء تک پہنچ جانی چاہیے (رسید منی آرڈر کوپن کے ہمراہ لگانا ضروری ہے) ہر پانچ کوپن روانہ کرنے والے اشخاص کو نقد انعام کے علاوہ خاص انعام دیا جائے گا-

(صرف پانچ کوپن روانہ کرنیوالے اشخاص کو کوپن غلط ہونے پر بھی خاص انعام ضرور دیا جائیگا) خاص انعامات و نقد انعامات ہر شخص کے پاس عید الضحیٰ سے پہلے پہنچ جائیں گے- صحیح حل اخبارات میں شائع کر دیا جائیگا- ہر شخص کو انعام یافتگان کی فہرست کیلئے ۱ ٹکٹ روانہ کرنا لازمی ہے جن صاحبان کے حل منیجر کے سر بمہر حل سے حرف بحرف مطابق ہوں گے وہ تمام صاحبان انعام حاصل کرنے کے حق دار ہوں گے- نقد انعامات مطابق تعداد داخلہ کے بعد وضع اخراجات ہوں گے مگر انعامات کی رقم قرعہ اندازی پر نہیں بلکہ برابر کے حصوں میں تقسیم کیجائیگی- فیس داخلہ موصول شدہ کسی حالت میں واپس نہیں کیجاوے گی- اس سلسلہ میں منیجر کا فیصلہ آخری قانوناً جائز ہوگا-

نوٹ

دہلی والے صاحبان صحیح حل دفتر میں ۱۸ فروری ۱۹۳۰ء کو خود تشریف لاکر معلوم کر سکتے ہیں پانچ کوپن روانہ کرنے والے اشخاص میں انعامات کی فہرست میں سے ایک انعام حسب منشاء پسند کر کے کوپن کے ساتھ ہی تحریر فرما دیں جس سے انعام عید الضحیٰ سے قبل پہنچ سکے-

انڈین کارپوریشن انڈین بلڈنگ
شاہ بولا دہلی (۱۶)

INDIAN CORPORATION INDIAN BUILDING SHAH BULA, DELHI. (16)

نہایت ہی آسان

ہندوستان کا سفر مفت کیجیے

عید الضحیٰ کا خاص تحفہ

۲۵ ہزار روپیہ کے نقد انعامات جیتیے

WIN Rs. 25000/-/-

نہایت ہی آسان

پہلا انعام ۱۰۰۰۰/- دس ہزار روپے

دوسرا انعام ۷۰۰۰/- سات ہزار روپے

تیسرا انعام ۵۰۰۰/- پانچ ہزار روپے

چوتھا انعام ۲۰۰۰/- دو ہزار روپے

پانچواں انعام ۱۰۰۰/- ایک ہزار روپے

اوپر کے منھ بولتے دائرے آپ کے سامنے ہمارے کمپٹیشن کے انعامات کا ٹھیک ٹھیک منظر پیش کرتے ہیں

فیس داخلہ صرف ایک روپیہ

انعامات بذریعہ تار ۱۹ فروری ۱۹۳۷ء کو روانہ کر دئے جائیں گے

داخلہ ۱۸ فروری ۱۹۳۷ء کو ۲ بجے قطعی بند کر دیا جائے گا

حل کرنیکا طریقہ:- ذیل کے کوپن میں کچھ نامکمل نام دئے گئے ہیں جنمیں کچھ حرف چھوڑ کر انکی جگہ ہر حرف کی بجائے ایک خط (ـ) کھینچ دیا گیا ہے۔ آپ ایک ایک خط پر صرف ایک ایک حرف لکھکر نام مکمل کردیں۔ بطور مثال آخری نام حل کر دیا گیا ہے۔

کوپن

نمبر	نامکمل نام	اشارات	مکمل نام
۱	ـ ارد ـ	اسلامی واقعات میں مشہور شخص	
۲	ـ ـ ستاں	فارسی زبان میں اخلاقی کتاب	
۳	ـــ مال پاشا	ایک فوجی افسر کا نام	
۴	ـ ـ ـ النساء	مغلیہ خاندان کی مشہور خاتون	
۵	ـ ـ ان	کھانے کی چیز	
۶	ف ـ م	اگر ڈائرکٹر اچھے ہوں تو کامیاب ہے	
۷	ـ ـ ـ پور	ایک اسلامی ریاست	
۸	مد ـ ـ ـ	جنوبی ہندوستان کا شہر	
۹	ـ ـ ن بائی	مشہور فلم ایکٹرس	
۱۰	س ر ـ دی	اس کی شدت سے خدا بچائے	سردی

میں منیجر کے فیصلے سے متفق ہوں .... دستخط ....

پورا پتہ .... کوپن نمبر ....

شرائط

سادے کاغذ پر علیحدہ علیحدہ جس قدر کوپن چاہیں صرف نمبر شمار اور حل شدہ جواب لکھکر روانہ کر سکتے ہیں۔ مگر فیس داخلہ بحساب ایک روپیہ فی کوپن بذریعہ منی آرڈر یا پوسٹل آرڈر سے ۱۸ فروری ۱۹۳۷ء تک دفتر میں پہنچ جانا چاہیئے۔ رسید منی آرڈر کوپن کے ہمراہ آنا ضروری ہے۔ پہلا انعام بالکل درست کوپنوں میں۔ دوسرا انعام ایک غلطی کے کوپنوں میں۔ تیسرا انعام دو غلطی کے کوپنوں میں برابر کے حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ چوتھا انعام بالکل درست کوپنوں کو زیادہ دیا جائیگا (دو اسکے سفر ہندوستان) پانچواں انعام سب سے زیادہ کوپن بھیجنے والے کو دیا جائے گا۔ جن صاحبان کے حل منیجر کے سربمہر حل سے مطابق ہوں گے وہ سب صاحبان انعام حاصل کرنے کے حقدار ہوں گے۔ انعامات مطابق تعداد داخلہ کے بعد وضع اخراجات ہوں گے۔ نتیجہ دفتر کی تعطیل کی وجہ سے پہلی مارچ کے بعد شائع ہوگا۔ مگر انعام کے حقداروں کو انعامات ۱۹ ہی فروری کو بذریعہ تار روانہ کر دئے جائیں گے۔ فیس داخلہ کسی حالت میں واپس نہ کی جائے گی۔ ہر بحث طلب معاملہ پر منیجر کا فیصلہ قانوناً قابل تسلیم ہوگا۔

"اس پتہ پر تمام کوپن و منی آرڈر آنے چاہئیں"

ہندوستانی کیمیکل کمپنی (این) پوسٹ بکس نمبر ۱۵۹ دہلی

رسالہ
تیر بہدف جریان کا نمونہ مفت طلب

رسالہ
چشمۂ حیات کا نمونہ مفت طلب
دہلی

طاقت

مستئ جذبات کا مظاہرہ۔ حیرت انگیز ایجاد

ناظرین کو ہم خوش خبری دیتے ہیں کہ دواخانہ کے طبی بورڈ نے سالہا سال کی محنت اور جانفشانی سے اور سرمایہ کثیر خرچ کیئے گئے بعد آخر کار وہ دوا ایجاد کردی جسکا بڑی بیچینی سے انتظار کیا جارہا تھا۔ اس کا نام **"روحِ شباب"** رجسٹرڈ ہے

یہ دوا حلق سے نیچے اُترتے ہی جادو کا اثر کرنے لگتی ہے اور انسان کو اپنی گذری ہوئی جوانی اور امنگیں یاد آنے لگتی ہیں موسم سرما کا یہ بنیظیر تحفہ گذری ہوئی قوتوں کو از سر نو پیدا کرتا ہے۔ بوڑھوں کو جوان اور جوانوں کو نوجوان بنادینا اسکا معمولی سا کرشمہ ہے اگر آپکو اپنی صحت اور تندرستی کی قدر ہے اور زمانہ شباب یاد ہے یا دوبارہ زمانۂ شباب کے لانے کی آرزو ہے تو **"روحِ شباب"** رجسٹرڈ استعمال کیجئے۔ پھر دیکھیئے اس کا کرشمہ کہ آپ چالیس یوم میں از سر نو جوان نہ بنجادیں۔ اور چہرہ پر سُرخی آجاتی ہے۔

عوام تک پہونچانے کے لیۓ قیمت بہت مناسب رکھی گئی ہے۔ یعنی صرف پانچروپیہ (صہ) میں پندرہ خوراکیں پیش کی جاتی ہیں۔ محصولڈاک علاوہ

آرڈر دیتے وقت رسالے کا حوالہ ضرور دیں۔

منیجر ہمدم یونانی دواخانہ پوسٹ بکس ع٦ دہلی

کالے کے سامنے چراغ نہیں جلتا
اِسی لئے
ڈکسن کمپنی کے "کمپٹیشن شوز" کے مقابلے میں
دنیائے بوٹ و شوز انگشت بدنداں ہی
کیوں کہ وہ مقابلہ کی دوڑ میں آجتک سب سے آگے ہے
اپنے شہر کی ڈکسن ایجنسی سے خرید فرمائیے
مینجر ڈکسن فٹ ویر کمپنی - اگرہ

تبلیغی سفرنامہ
ہندوستان میں مسلمان کیا تھے اور کیا ہو گئے
اگر آپ گھر بیٹھے ہندوستان کے مسلمانوں کے کارنامے معلوم کرنا چاہتے ہیں تو موجودہ زمانے کے ایک نومسلم مبلغ کا سفرنامہ ضرور ملاحظہ فرمائیں۔
یہ سفر دہلی سے شروع ہو کر راجپوتانہ، مالوہ، گجرات، بمبئی، مہاراشٹر کوکن وغیرہ پر ختم ہوا ہے تقریباً دو ہزار میل کے اس میں حالات درج ہیں۔
شاہانِ اسلام نے کس طرح ہند پر اسلامی پرچم لہرایا انکی چشم دید عمارات شاہانِ اسلام کا تاریخی مستند تذکرہ فتوحات اور بادشاہوں کے حالات معہ تصاویر۔
صوفی جماعت کی تبلیغ
ہندوستان میں کن صوفیا کرام نے کس طرح تبلیغ کی اور ان کے دستِ مبارک پر کس قوم نے اسلام قبول کیا۔
ہندوستان کی اقوام
چندر بنسی سورج بنسی نومسلم راجپوت چوہان بھیل مینا مٹر۔ مسلم راجپوت بوہرے خوجے میمن، پارسی مہاراجپوت اقوام ہندو پنتھ، سکھ، عیسائی، جینی وغیرہ قوموں کے تاریخی مذہبی حالات۔
عمارات کا تاریخی تذکرہ
ریواڑی۔ الور۔ جے پور، سانبھر، اجمیر، نصیر آباد۔ بھیل واڑہ۔ چتوڑ گڈھ۔ اُدے پور۔ رتلام۔ اُجین۔ احمد آباد۔ گودھرا۔ بھڑوچ۔ سورت۔ راندیر۔ بمبئی۔ پونہ۔ شولاپور کوکن وغیرہ
مختلف مقامات کی تاریخی عمارتوں کے مستند حالات مذہبی انجمنیں اخبارات پریس ہر مقام کی انجمنوں مدرسوں لائبریریوں اخبارات پریس قومی تعلیمی حالات آبادی تفریح گاہیں۔ عجائب گھر۔ پیداوار۔ جغرافیائی حالات۔ عبادت خانے۔ تبلیغی مشن پر تبصرہ کئی مقامات کے فوٹو بلاک اس سفرنامہ کو ان سائیکلو پیڈیا تبلیغ کہا جائے تو بہتر ہے۔ قیمت باوجود اتنی خوبیوں کے صرف ایک روپیہ آٹھ آنہ رکھی گئی ہے جو صاحب پہلے منی آرڈر کر دیں گے اُن کو آٹھ آنہ کی تبلیغی کتابیں مفت روانہ کر دی جائیں گی۔ اس سفرنامہ کی تمام آمدنی نومسلم تبلیغی جماعت کو اسلامی خدمات کے لئے پیش کی جائے گی۔ جس سے خالص اچھوتوں میں تبلیغ کی جائیگی اسلامی انجمنیں اور تاجران کتب فوراً آرڈر بھجوائیں ورنہ کفِ افسوس ملنا پڑیگا۔ چونکہ پانچسو جلدیں صرف انکو دینی ہیں جنکا اسمیں تذکرہ ہے
ملنے کا پتہ
ہیڈ آفس نومسلم تبلیغی جماعت نائی کی منڈی آگرہ

اختیاری المعروف مانع حمل
قیمت
ساڑھے پندرہ روپیہ
عروس زندگی
دہلی گائیڈ
لاکھوں خواتین علالت کمزوری نزاکت کی وجہ سے حمل اور وضع حمل کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتیں۔
اور اکثر غفلت کی وجہ سے ان کی جان خطرہ میں پڑ جاتی ہے جس سے موجودہ بچوں کے سر سے
ان کا سایہ اٹھنے کے بعد آپ کا جنت سا گھر ماتم کدہ بن کر راحت اور زندگی
کو برباد کر ڈالتا ہے مگر اختیاری کے استعمال سے حمل قرار نہیں پاتا یہ مستورات کو نئی
زندگی بخشتی ہے۔ ملک میں آج دھوم ہے اور ہزارہا خاندان اسکے
مشکور ہیں منگوا کر پریشانی سے نجات حاصل کریں بہت ممکن ہے یہ رقم آپ کو
گراں معلوم ہو مگر مصیبت اور دقت گذرنے پر ڈاکٹر کے ایک دن کے خرچ سے بھی کم ہے
ملنے کا پتہ
فادر آف طب حکیم راج نرائن دہلی
پریشانی!
بہن!
سدھا سندھو
اودیات
سکھ سنچارک کمپنی متھرا کی
کف کھانسی، ہیضہ، دمہ، شول، سنگرہنی، آتیسار وغیرہ کی خوش ذائقہ و خوشبودار دوا قیمت آٹھ آنہ ۸/
دو رشج گیسری
داد کی سب سے اچھی دوا۔ قیمت ۴/ آنہ
بال سدھا
دبلے اور کمزور بچوں کو طاقتور بنانے والی دوا۔ قیمت ۱۲/ سب دوا فروشوں کے پاس ملتی ہے

مرض ذیابطیس کی زُود اثر کیمیائی دوا

الذیابطیس

اگر خدانخواستہ آپ یا آپکا عزیز ہمسایہ مرض ذیابطیس میں مبتلا ہے تو اس دوا کو منگا کر قدرت کا تماشا دیکھئے گا۔ جس کے صرف تین ہفتہ کے استعمال سے بار بار پیشاب کا آنا، پیشاب میں شکر آنا، پیشاب کا زیادہ لگنا اور پانی پیتے ہی بذریعہ پیشاب خارج ہوجانا، گھٹنے، پنڈلی وغیرہ میں درد، تمام بدن کی خشکی، کمزوری وغیرہ عوارض دور ہوکر گردہ اور مثانہ کی قطعی اصلاح ہوجاتی ہے، اس کی صداقت میں صرف اسقدر تحریر کرنا کافی ہے کہ آپ صرف دو یوم یا چار خوراک دوا کا نمونہ منگا کر تجربہ کریں اگر دو یوم میں پیاس اور پیشاب کی کثرت میں نمایاں کمی نہ معلوم ہو تو نمونہ کی قلیل اجرت حلفیہ تحریر کرنے پر واپس کردیجائیگی۔ قیمت مکمل خوراک تین ہفتہ چھ روپے۔ نمونہ ۴ خوراک ۱۴ محصولڈاک

نوٹ:- الذیابطیس۔ بول فی الفراش اطفال، سلسل بول۔ بول الدم میں بھی مجرب ہے۔

(پتہ)

حکیم ظہیر الحسن (میونسپل کمشنر) متھرا یو۔پی۔

طاقت و توانگی اور نیا جوش پیدا کرنیوالی مقوی

مدن منجری گولیاں (رجسٹرڈ)

یہ گولیاں سوء ہضمی اور قبض کو دور کرکے قوت ہاضمہ کو بڑھاتی ہیں کسی بھی وجہ سے منی کمزور ہوگئی ہو، پیشاب میں منی خارج ہوتی ہو یا احتلام ہوتا ہو اُسے روک کر گاڑھا بناتی ہیں۔ دماغ کی کمزوری۔ سستی، بیچینی، کم خوابی وغیرہ کو دور کرکے جوش مسرت پیدا کرتی ہیں۔ اور ہر قسم کی کمزوری کو دور کرکے نئی زندگی بخشتی ہیں قیمت ۴۰ چالیس گولیوں کی ڈبی کا ایک روپیہ (عـہ ر)

پنوسکت داری روغن (طلاء)

کسی بھی وجہ سے عضو مخصوص میں آئی ہوئی کمزوری، کجی لاغری وغیرہ اس طلاء کے استعمال سے نابود ہوکر از سر نو اصلی طاقت آجاتی ہے۔ قیمت فی ڈبی ایک روپیہ (عـہ ر)

رمن دلاسنی گولیاں

جوانوں کو مسرت اور بڈھوں کو نیا جوش دینیوالی امساک کیلئے بے نظیر دوا۔ قیمت فی ڈبی ایک روپیہ (عـہ ر)

راج وید نارائن جی کیشوجی
ہیڈ آفس جام نگر (کاٹھیاواڑ)

آگرہ ایجنٹ:- باسدیو پرشاد اینڈ سنس جوہری بازار
دہلی ایجنٹ:- جمنا داس اینڈ کمپنی چاندنی چوک

فینسی بوسکی پھنو

یہ نہایت عمدہ اور بے نظیر فینسی بوسکی ہے جس سے تین قمیض تیار ہو سکتی ہیں۔ یہ بوسکی حسینوں کی جان جنٹلمینوں کی روح رواں اور بچوں کے لئے مہکتا ہوا پھول ہے۔ ولایتی سے بڑھیا فنیش اپیل اور چلنے میں مضبوط ہے۔ اس کا ڈیزائن دلکش اس کا کلر کیفیت خیز، اس کی چمک دلفریب، اس کی لچک دل آویز ہے۔

قیمت ۹ گز عہ محصولڈاک معاف قیمت ۸ گز للعہ محصولڈاک معاف

ملنے کا پتہ

عبدالغنی تاج محمد۔ سوداگران پارچہ (۷) لودیانہ (پنجاب)

دنیائے مقویات باہ میں ایک آسان مقوی ایجاد

برقی بام

«برقی بام» دور حاضرہ کی تمام مقوی خارجی ادویات سے ہر شکل میں مقابلتاً بہتر ثابت ہو رہا ہے۔ برقی بام سہل الترتیب خوشبودار ہر موسم ہر عمر میں یکساں مفید، باندھنے گرم کرنے کی ترکیب سے مبرا، سوزش، جلن سے پاک، آبلہ و پوست گندگی کی تکالیف سے بری۔ اول ہی روز کے استعمال سے عضو مخصوص کی رگ رگ میں وہ برقی لہر موجزن کرتا ہے جس کا سنبھالنا ایک کمزور سے کمزور شخص کے لئے ناممکن ہے۔ متواتر ۱۲ یوم کے استعمال سے عضو توالد کی عام خارجی کمزوری و نقائص مثلاً سستی، استرخاء اعصاب، کجی، دائمی عادات و افعال بد کے اسباب نتائج وغیرہ دور ہو کر دائمی قوت و صلابت و انتشار فرحی پیدا ہو جاتی ہے۔ جریان، رقت و سرعت کے مریضوں کو تحریر کرنے پر «الکیفی» داخلی خرابیاں دور کرنے کو روانہ ہوتا ہے [illegible] قیمت میں شامل ہے۔ شیشی کلاں عہ خورد [illegible]

ملنے کا پتہ۔ حکیم ظہیر الحسن (میونسپل کمشنر) متھرا یو۔پی

تاج محل اور ساحل جمنا کے قریب

اکبر آباد کا مشہور، ممتاز، کامیاب اور

سب سے اچھا آرام دہ

مسلم ستارہ بمبئی ہوٹل

آگرہ

اس ہوٹل میں قیام و طعام کا بہترین اور نفیس انتظام ہے سٹیشن سے بالکل قریب ہے۔ اور شہر کے وسط میں ایک پُر فضا مقام پر

سنہ ۱۹۱۸ء سے قایم ہے

جب کبھی آپ آگرہ تشریف لائیں

مسلم ستارہ بمبئی ہوٹل

کو یاد رکھیے

مفصل حالات و قواعد ایک کارڈ لکھکر معلوم کیجیے اور ایکبار ضرور تشریف لائیے۔ ہمارا پتہ نوٹ کر لیجیے۔

مینیجر مسلم ستارہ بمبئی ہوٹل (رجسٹرڈ)

بازار سیب آگرہ

رائے

میں قریب قریب آٹھ سال سے جب آگرہ آتا ہوں اس ہوٹل میں ٹھیرتا ہوں۔ اگرچہ میرے قیام کے لیے یہاں بہت بہترین ذرایع ہیں۔ مگر ہوٹل کا حسن انتظام اور اس کے ملازمین اور کارکنان کا اخلاق اور مستعدی سے میں اس قدر خوش ہوں کہ اس کو قیام کے لیے بہترین جگہ خیال کرتا ہوں۔ اس ہوٹل اور اسکی تمام انتظامات کی جس قدر تعریف کیجائے کم ہے۔ علاوہ مالک ہوٹل کے خاصکر چاند خانصاحب اور ملازمین ہوٹل بڑے مستعد اور خلیق آدمی ہیں جنسے مسافروں کو بہت آرام اور ہر قسم کی راحت ملتی ہے اور وہ تعریف کے مستحق ہیں اور میرا تو یہ خیال ہے کہ اس ہوٹل کی یہ بھی خوش قسمتی ہے کہ جسکو ایسے بہترین و تجربہ کار ہمدرد منتظم ملازمین ملے ہیں۔

ولادر حسین سینٹری انسپکٹر

رائے

میں اس ہوٹل میں چار یوم سے ٹھیرا ہوں مجھے کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہوئی سامان کھلا چھوڑ کر چلا جاتا ہوں مگر آجتک کوئی چیز گم نہیں ہوئی سب آدمی ایماندار ہیں کرایہ بھی مقابلتاً کم ہے اور مالک ہوٹل ایک نوجوان اور نیک آدمی ہیں انکے والد ماجد کا انتقال ہو گیا جو آگرہ میں ایک مشہور اور نیک آدمی تھے میں اپنے دوستوں سے کہونگا کہ اس ہوٹل میں ٹھہر کر انکی حوصلہ افزائی کیجاوے۔ میں امید کرتا ہوں کہ کسی کو کبھی شکایت کا موقعہ نہ ہوگا اور اس ہوٹل کا خیال کیا جاوے۔

سید ذوالفقار انسپکٹر انشورنس کمپنی

۲۵ اکتوبر ۱۹۳۶ء دہلی

رائے

میں بڑی خوشی کیساتھ یہ کہنے کو آمادہ ہوں کہ مسلم ستارہ بمبئی ہوٹل مسلمانوں کے لئے آگرہ میں ایک اچھی قیام گاہ ہے۔ عبدالرشید صاحب مالک ہوٹل بہت شریف خوش اخلاق انسان ہیں۔ اس ہوٹل میں میں دو مرتبہ کئی کئی دن ٹھیرا ہوں۔ میرے اس قیام میں میرے والد قبلہ جناب خانصاحب منشی جان عالم خانصاحب رئیس جاگیردار و آنریری مجسٹریٹ قایم گنج بھی تشریف رکھتے تھے وہ بھی اس ہوٹل کی خدمات سے مطمئن ہیں۔ مجھے خوشی ہوگی اگر یہ ہوٹل اسی بہتر طریقہ پر مسافروں کی ضروریات پوری کرنے کے قابل ہو جائے۔

[illegible]

آپ نے دیکھا

میرے بال بہت گھونگھر والے اور چمکدار ہیں یہ سب نتیجہ ہیں
ایک بہت نہایت خوشبودار اور مقوی دماغ تیل سندری سہاگ کا
برابر استعمال کرتی ہوں۔ ... عورت یا مرد ... کسی بیماری یا دماغ
کی کمزوری اور ... کی وجہ سے گر گئے ہوں یا کمزور ہوں کنگھی کرتے وقت
ٹوٹتے ہوں تو فوراً **سندری سہاگ** منگا کر استعمال کیجئے

اس تیل کے استعمال سے دماغ میں ٹھنڈک پیدا ہو جاتی ہے آنکھوں کی روشنی
بڑھے گی۔ دماغ میں تراوٹ آجائیگی۔ سندری سہاگ کو چند روز استعمال کرنے
سے بالوں کی جڑ کی خشکی بالکل چلی جائیگی۔ بالوں کی جڑوں میں اس قدر
طاقت پیدا ہوگی کہ بالوں کا ٹوٹنا بند ہو جائیگا۔ اور گرے ہوئے بالوں کی جگہ نئے بال خوب گھنے پیدا ہو جائیں گے
اگر بال سخت اور روکھے ہوں تو **سندری سہاگ** بالوں کو گھونگھر والا اور نرم چمکدار بنا دیتا ہے الغرض
میں نے تو سینکڑوں دوسرے تیل ہندوستانی و ولایتی لگا ڈالے۔ مگر میں **سچ** کہتی ہوں کہ سندری سہاگ
تیل سے بڑھکر میں نے مفید کوئی دوسرا **تیل** نہیں دیکھا۔ یہ سمجھو کہ صرف میں ہی
سندری سہاگ تیل کی تعریف کرتی ہوں بلکہ لاکھوں عورتیں اور مرد (کیونکہ مردوں کو بھی
سندری سہاگ سے بہت فائدہ پہونچتا ہے) اسکی **تعریف** کر رہے ہیں جن میں نواب بیگم صاحبہ
ریاست مالیر کوٹلہ اور مہارانی صاحبہ ریاست جہانگیر آباد۔ خواجہ بانو صاحبہ مرشدنا خواجہ حسن نظامی
درگاہ حضور نظام الدین اولیا دہلی۔ مہاراجہ سرکشن پرشاد مدار المہام حکومت حضور نظام دکن وغیرہ وغیرہ
بھی شامل ہیں۔ ناظرین۔ یہ جھوٹی زبانی نہیں ہے بلکہ ایک ایک لفظ اس اشتہار کا بالکل سچ ہے۔ آپ خود آزما کر دیکھ لیں
قیمت فی شیشی ایک روپیہ۔ تین شیشی کی **قیمت** دو روپیہ آٹھ آنہ۔ محصول علاوہ۔ فرمائش کے وقت کوپن کا حوالہ دیجئے

ملنے کا پتہ۔ **ایس۔ اے۔ بی۔ بخشی۔ کمپنی۔ گھڑی والی کوٹھی نمبر ۳۲ کولو ٹولہ اسٹریٹ کلکتہ**

جاڑوں کا موسم

مدن بہار موُدک

اس کے استعمال کرنے سے جوان نوجوان کی طرح اور بڈھے جوانوں کی طرح توانا و تندرست ہو جاتے ہیں۔ جن لوگوں نے اپنی غلط کاریوں سے اپنے جوہر مردمی کو برباد کر دیا ہے وہ از سر نوئی زندگی حاصل کرتے ہیں اور اس کے استعمال سے کھوئی ہوئی طاقت اور جوانی پھر سے حاصل کر لیتے ہیں۔ اسکا استعمال دیگر امراض کے لئے بھی مفید ہے مثلاً کھانسی، دمہ، پھیپھڑوں کی کمزوری، بلغم، پت، سوداصفرا کے امراض، کمزوری، ناتوانی، حافظے کی کمزوری، جریان، اور دھات کی کمی کی وجہ سے نسل پیدا کرنے کی طاقت کا کم ہونا وغیرہ۔ ان سب امراض کو دور کر کے دھات کو صاف غلیظ اور اولاد پیدا کرنے کے قابل بناتی ہے۔
قلتِ منی کے باعث جو لوگ ناکارہ اور بے طاقت ہو کر اولاد نہ پیدا ہونے کا مجرم اپنی غریب عورتوں کو ٹھہرا کر دو تین شادیاں کرواتے ہیں اور پھر بھی اولاد کی نعمت سے محروم رہتے ہیں۔ اور جو اپنی بیویوں کو خوش نہیں رکھ سکتے ہیں۔ اُنکو چاہیے کہ

مدن بہار مودک

کا استعمال جاڑوں کے موسم بھر ضرور کریں۔ یقیناً فائدہ ہوگا۔ اور گئی ہوئی طاقت پھر سے واپس آجائیگی۔ اور اگر انکی قسمت میں با اولاد ہونا ہے تو ان کے اولاد بھی ضرور ہوگی۔ متذکرہ بالا امراض والے اکثر بیشتر اس دوا سے فائدہ اٹھا چکے ہیں۔ یہ قوت اسی میں ہے کہ کمزور، نامراد افراد بھی اس کے استعمال کرنے سے تندرست اور توانا ہو کر کئی بیویوں کو مسرور رکھ سکتے ہیں اور پھر بھی تسکین نہ ہوگی۔ یہ دوا انسان کو شیر کی طرح توانا بناتی اور جسم کو طاقت پہونچاتی ہے۔ چہرہ گلاب کی طرح بارونق ہو جاتا ہے۔ اور جسم میں پھرتیلا پن آجاتا ہے، بصارت کو تیز کرتی ہے۔ عقل بڑھاتی ہے اور دماغ کو بڑا کر انسان کو بدمست اور متوالا بنا دیتی ہے، سرعتِ انزال کو دفع کرتی ہے۔ کھانے میں خوش ذائقہ ہے، امرا تو اس دوا کو ہمیشہ ہی استعمال کرتے ہیں۔ قیمت فی ڈبہ ۴۲ مودک چاندی کے ورق سے آراستہ کئے ہوئے جسمیں ۴۸ خوراکیں ہوتی ہیں ۸/ محصول نیس صرف ۲/

ملنے کا پتہ

ویدرتن ستیہ دیوجی روپ بلاس کمپنی (۴۸۵) کچھوسی۔ ضلع اٹاوہ (یو۔پی)
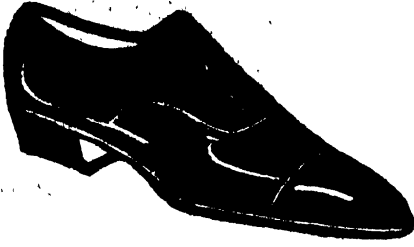
ہندوستان میں سب سے زیادہ مشہور تاج محل ہے
لیکن بوٹ اور شوز کی اعلیٰ تجارت کی وجہ سے بھی آگرہ بہت مشہور ہے
اور ہمبر فٹ ویر نے اس تجارت میں چار چاند لگادیے ہیں
کیوں کہ ہمبر کے شوز اپنی خوبصورتی، پائداری اور نفیس ڈزائنوں کی وجہ سے تمام ہندوستان
میں شہرت حاصل کر چکے ہیں - اور بہت سے بڑے شہروں میں ہمبر کی ایجنسیاں قائم ہیں
ہمبر فٹ ویر کی خاص برانڈس :-
ہمبر برانڈ - ڈیلن برانڈ - ہمایوں برانڈ
اگر آپ اچھے، مضبوط، اعلیٰ ڈزائن کے۔ فیشن ایبل اور قیمتوں کے لحاظ سے مناسب قیمت کے
شوز پہننا چاہتے ہیں تو اپنے شہر کے شوز مرچنٹس سے ہمبر فٹ ویر کے بوٹ اور شوز طلب فرمایئے
شوز مرچنٹس براہِ راست خط و کتابت کر کے اپنی تجارت کو فروغ دیں
منیجر ہمبر فٹ ویر کمپنی حویلی خواجہ نائی منڈی آگرہ

آجکل ہر گھر میں بیاہی ہوئی اور جوان عورتوں کو سفید سفید رطوبت آنے کی شکایت رہتی ہے جسکی وجہ سے اُن کے
بدن میں کمزوری بڑھتی جا رہی ہے اور بہت تھوڑی عمر میں چہرے کی چمک اور بدن کی پھرتی غائب ہو جاتی ہے۔
یہ رطوبت جسکو پرسوت کی بیماری بھی کہتے ہیں مثل پانی کے سفید سفید قطرہ نکلتا رہتا ہے۔ اور اکثر میلے رنگ کی گاڑھی
گاڑھی سفید رطوبت برابر نکلا کرتی ہے۔ اور کپڑے پر دھبہ آجاتا ہے۔ اِسکی وجہ سے تھوڑے دِن میں بدن پیلا پڑکے سوکھنے
لگتا ہے (۱) ٹانگ میں درد (۲) آنکھ تلے اندھیرا (۳) اٹھتے بیٹھتے سر چکرانے لگتا ہے (۴) کوئی چیز کھانے کو جی نہیں
چاہتا (۵) ہاتھ پیر کا تلوہ جلتا رہتا ہے (۶) کمر میں درد (۷) طبیعت میں سستی (۸) بھوک نہ لگنا (۹) مرد کی صحبت سے
جی گھبرانا۔ (۱۰) حمل نہ رہنا (یا حمل گر جانا) (۱۱) اولاد کمزور پیدا ہونا (۱۲) اولاد پیدا ہوکر زندہ نہ رہنا۔ غرضکہ اِن سب بیماریوں
کے لئے آپ نسوانی کا استعمال کرائیں گے تو خدا چاہے تو عورتوں کی جملہ مندرجہ بالا شکایتیں جاتی رہینگی۔ عورت کی کمزوری
سستی۔ لاغری دور ہوکر بدن میں پھرتی۔ ہاتھ پیر میں طاقت۔ چہرہ پر رونق۔ اور دل میں جوانی کی اُمنگ آجائیگی۔
صرف ۲ شیشی پلانے سے رطوبت آنا بند ہو جائیگا قیمت فی شیشی ایک روپیہ۔ ۳ شیشی کی قیمت دو روپیہ بارہ آنہ۔ محصول علاوہ

ملنے کا پتہ۔ ایس۔ اے۔ بی۔ بخشی۔ کمپنی۔ گھڑی والی کوٹھی نمبر ۳۲ کولوٹولہ اسٹریٹ کلکتہ

"His Masters Voice"

"ہز ماسٹرس وائس"

کی یہ تازہ ترین فرشا مشین اپنی
ظاہری و باطنی خوبیوں کے لحاظ
سے دورِ جدید کی بہترین ایجاد ہے
گھر اور سفر میں یکساں طور پر کارآمد
ہے - وزن میں ہلکی - دیکھنے میں
خوبصورت اور پائیدار ہے - ڈبل
سپرنگ موٹر - ٹرن ٹیبل - آٹومیٹک
بریک - رفتار گھٹانے و بڑھانے کا
آلہ اور 5A ساؤنڈ بکس سے
مزین ہے
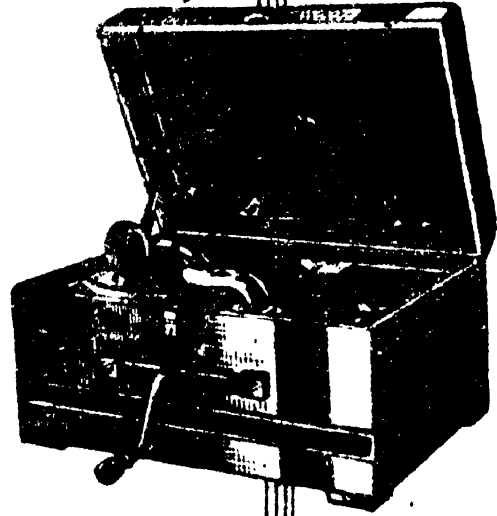
پورٹیبل ماڈل مشین

نمبر ۱۱۸
قیمت صرف ۱۲۰ روپے

مشین کی خوبیاں صرف دیکھنے پر ہی معلوم ہو سکتی ہیں
ہمارے باضابطہ ڈیلران کے شوروم اس نادر الوجود مشین
سے مزین ہیں - ملاحظہ فرما کر خریدیئے

دی گراموفون کمپنی لمیٹڈ دم دم و شاخ بمبئی

جرمنی پستول

ناپسند ہو تو قیمت واپس

(قیمت رعایتی صرف پانچ روپیہ)

ہر شخص بغیر لائسنس رکھ سکتا ہے

(فوراً آرڈر دیجئے)

ایک بار دس کارتوس بھرو دس بار چلاؤ

یہ پستول بالکل اصلی پستول کی مانند ہے۔ یہ بغلی کوٹ کی جیب میں رکھا جا سکتا ہے۔ چور۔ ڈاکو اور خونخوار جانور مثلاً شیر وغیرہ اس کی شکل دیکھ کر ہی بھاگ جاتے ہیں۔ اس کی آواز بھی اصلی پستول کی مانند ہے۔ بوقت ضرورت حفاظت خود کے لئے نہایت اعلیٰ چیز ہے۔ اس کے میگزین میں دس عدد کارتوس بھرے جا سکتے ہیں۔ جو کہ یکے بعد دیگرے چلائے جا سکتے ہیں۔ یعنی یہ آٹومیٹک پستول ہے۔ ہر ایک شخص رکھ سکتا ہے۔ اس کے رکھنے کیلئے کسی قسم کے لائسنس کی ضرورت نہیں پڑتی۔ رعایتی قیمت فی پستول معہ ۵۰ کارتوس صرف پانچ روپیہ۔ محصول ڈاک پیکنگ معاف۔ کارتوس سو عدد کے لئے رعایتی قیمت (ایک روپیہ) پستول کی پیٹی و کھول قیمت ایک روپیہ۔ کمیشن نصف درجن منگوانیوالوں کو ۲۵ فی صدی کمیشن ملیگا۔

نوٹ :- ہم براہ راست مال منگواتے ہیں۔ دیگر اشتہارات والے ہم سے خرید کر کم قیمت پر کم کوالیٹی کا مال بھیجدیتے ہیں۔ دوسرے اشتہار بازوں سے منگوانے سے پہلے ہم سے مفت مشورہ کر لیویں۔ ہم آپ کی پوری تسلی کریں گے

ملنے کا پتہ :- امپورٹ ایجنٹ منیجر جنرل کمرشیل ایجنسی بٹالہ۔ ضلع گورداسپور

جرمنی رسٹ واچ کا آخری چالان

یہ وہ گھڑی ہے جو گذشتہ چار مہینوں میں ہزارہا کی تعداد میں فروخت ہوئی

اس گھڑی کا کیس بے حد چمکدار ہے اور کبھی رنگ نہیں بدلتا جو خاص دھات کا بنا ہوا ہے۔ شیشہ نہایت خوبصورت اور اپ ٹوڈیٹ ہے۔ سیکنڈ کی سوئی بھی لگی ہوئی ہے۔ یور ہے۔ مشین کے پرزے اس قسم کے لگائے گئے ہیں کہ باوجود گر جانے کے بھی کوئی صدمہ نہیں پہنچتا اور برابر چلتی رہتی ہے یہ شیشہ اتنا مضبوط ہے کہ ایک دو مرتبہ ضرب پہنچنے سے بال برابر نقصان نہیں ہوتا۔ اس گھڑی کے کاریگر نے پرزے کچھ اس قسم کے نفیس دھات کے بنائے ہیں کہ نہ تو کبھی صاف کرانے کی ضرورت پڑتی ہے اور نہ کبھی بند ہونے کا نام لیتی ہے۔ اس لئے کمپنی کی طرف سے تمام عمر کی گارنٹی گھڑی پر درج ہے۔ ٹائم کی اتنی سچی کہ دو سو روپیہ کی گھڑی بھی کیا مقابلہ کرے گی۔ بسٹ جرمنی یور ہے۔ چال کی سچی ہے۔ مشین کی خوبصورت ہے۔ ڈائل چمکدار چینی کا ہے۔

جن حضرات کو مذکورہ بالا صفات کی گھڑی کی ضرورت ہو وہ بالکل بھروسے کے ساتھ آج ہی آرڈر دیدیں۔ کیونکہ بطور سیمپل صرف تین سو گھڑیاں دوبارہ آئی ہیں جو ہاتھوں ہاتھ نکل جانے کے بعد نہ مل سکیں گی۔ اس لئے ہم یقین دلاتے ہیں کہ دیر سے آرڈر دیا تو ہم کسی قیمت پر بھی یہ گھڑیاں سپلائی نہ کر سکیں گے۔ قیمت بھی باوجود بے انتہا خوبیوں کے صرف۔ چھ روپیہ (۶/-) اندھیرے میں وقت بتانیوالی قیمت چھ روپیہ آٹھ آنہ۔ محصول ڈاک ایک گھڑی پر پانچ آنے لگتا ہے۔ دو پر بارہ آنے اور تین پر گیارہ آنے۔ گھڑی کیساتھ (اسٹریپ) (تسمہ) مفت اور بکس بھی مفت دیا جاتا ہے۔ دوکانداروں کو جو چھ گھڑیاں اکٹھی منگائیں ۲۵ فیصدی کمیشن ملیگا اس سے زیادہ ہرگز نہیں۔

ملنے کا پتہ :- امپورٹ ایجنٹ منیجر جنرل کمرشیل ایجنسی بٹالہ۔ ضلع گورداسپور (پنجاب)

مبلغ ایکصد روپیہ نقد انعام اُس شخص کو دیا جائیگا جو کہ ثابت کردیگا کہ

بجلی طلاء رجسٹرڈ کے استعمال سے اسکی سُستی، کمزوری اور نامردی کا کوئی بھی نشان باقی ہو

بجلی طلاء رجسٹرڈ

کے استعمال سے ایک ہفتہ کے اندر نامرد سے کامل مرد بن جاتا ہے۔ اس کے استعمال سے جملہ اقسام کی کمزوریاں مثلاً سُستی نامردی۔ کمزوری۔ ڈھیلا پن۔ ٹیڑھا پن۔ جھکاؤ وغیرہ عضو مخصوص کا فوراً دور ہوجاتا ہے اور پورے طور پر استادگی آنی شروع ہو جاتی ہے۔ سستی کمزوری اور نامردی کے مریضوں کے لئے یہ نعمت بے بہا اور اعجاز مسیحا سے کم نہیں ہے کہ جنگل کی جڑی بوٹیوں سے موجودہ سائنٹیفک اصولوں پر تیار کیا جاتا ہے جو کہ بالکل بے ضرر اور کوئی خطرہ نہیں ہے بے کھٹکے استعمال کریں ہر موسم میں یہ یکساں مفید ثابت ہوتا ہے آپ آزمایش کرکے ہماری صداقت کی داد دیں۔ اگر دوائی تحریر کیموافق فائدہ نکرے تو دام واپس۔ اسکے علاوہ ایکصد روپیہ انعام بھی ثابت کرنے پر دیا جاویگا۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ ہم اپنے دعوے کو دوبارہ پھر آپ کے سامنے رکھتے ہیں کہ سستی کمزوری یا کسی قسم کی نامردی کیلئے بجلی طلاء بالکل بے خطا۔ زود اثر۔ آزمودہ۔ اکسیر اور تیر بہدف علاج ہے باوجود ان تمام خوبیوں کے اس کی قیمت دو روپیہ فی شیشی رکھی گئی ہے جو ہر ایک آدمی خرید سکتا ہے۔ محصولڈاک علاوہ ہے۔ اس کے ہمراہ ہمارے کارخانے کی امرت پلز بھی ضرور استعمال کیجئے۔ وہ آپ کی جملہ اندرونی کمزوریاں رفع کرکے از سرِ نو قدرتی طاقت پیدا کریں گی۔

ہر شہر کے بڑے بڑے دوا فروشوں سے ملسکتی ہے

ملنے کا پتہ :- امرت فارمیسی۔ پریڈ کانپور

۳
علمی، ادبی، تنقیدی، مصوّر
ماہنامہ
کنول آگرہ
مدیر: منظر صدیقی اکبرآبادی
۳۷ ۱۹ء
ممالک غیر سے
۶ شلنگ
فی پرچہ ۸
قیمت سالانہ
۳
ذریعہ وی پی
مرکز اشاعت آگرہ
SAJJAD
37

فردوسِ رنگ و بُو

کرشمہ سازئ ذوقِ نظر کو روتا ہوں — نہیں خبر مجھے بیدار ہوں کہ سوتا ہوں
کہاں غریب کدہ اور کہاں یہ وہمِ نظر — کہاں وہ تیرہ نصیبی کہاں یہ نورِ سحر
چلا ہے لے کے کہاں پیکرِ خیال مجھے — مٹا نہ دے کہیں یہ پرتوِ جمال مجھے

نفس ہے شعلہ فشاں روح پر مصیبت ہے
نظر کے سامنے "جنت" ہے، کیا قیامت ہے

ہیں ذرّے ذرّے سے پیدا بہار کے جلوے — کلی کلی سے عیاں لالہ زار کے جلوے
شگفتِ لالہ و گُل ہے شباب دَر آغوش — ہوائیں مست ہیں اور ماہتاب در آغوش
ہے آبشار کہ ہے آبِ زر کی ارزانی — ہجومِ کیف سے مستی کی ہے فراوانی

کنارِ آب فروکش ہے ایک مہ پارہ
طلوع یا لبِ کوثر ہوا ہے اک تارہ

درازِ زُلف، یہ چشم، اور تبسم ریز — جوانی اور صباحت! دو آتشہ اور تیز!!
کہیں تخیلِ فطرت کا شاہکار جسے — نظر یقین کرے جنتِ بہار جسے
نہاں قیامتیں جس کے دراز بالوں میں — جواں ہے جس کا تصور مرے خیالوں میں

بچا بچا مجھے اے خالقِ جمال بچا
نہ لُوٹ لے کہیں یہ حُسنِ بے مثال بچا

بنا کے شاعرِ حُسن و شباب اے فطرت — مجھے نہ دے غمِ دل کا عذاب اے فطرت
مرے خیال میں عالم کو جگمگانے دے — دماغِ فکر کو تا عرش بار پانے دے
جو تیرا حکم ہے "فردوسِ رنگ و بُو" میں رہوں — تو پھر خراب میں کیوں اسکی جستجو میں رہوں

مرے نصیب کو ہم اوجِ کہکشاں کردے
خیال میں جو "کلی" ہے اُسے عیاں کردے

منظر

(متعلقِ تصویر)

اودیس رنگ و بو
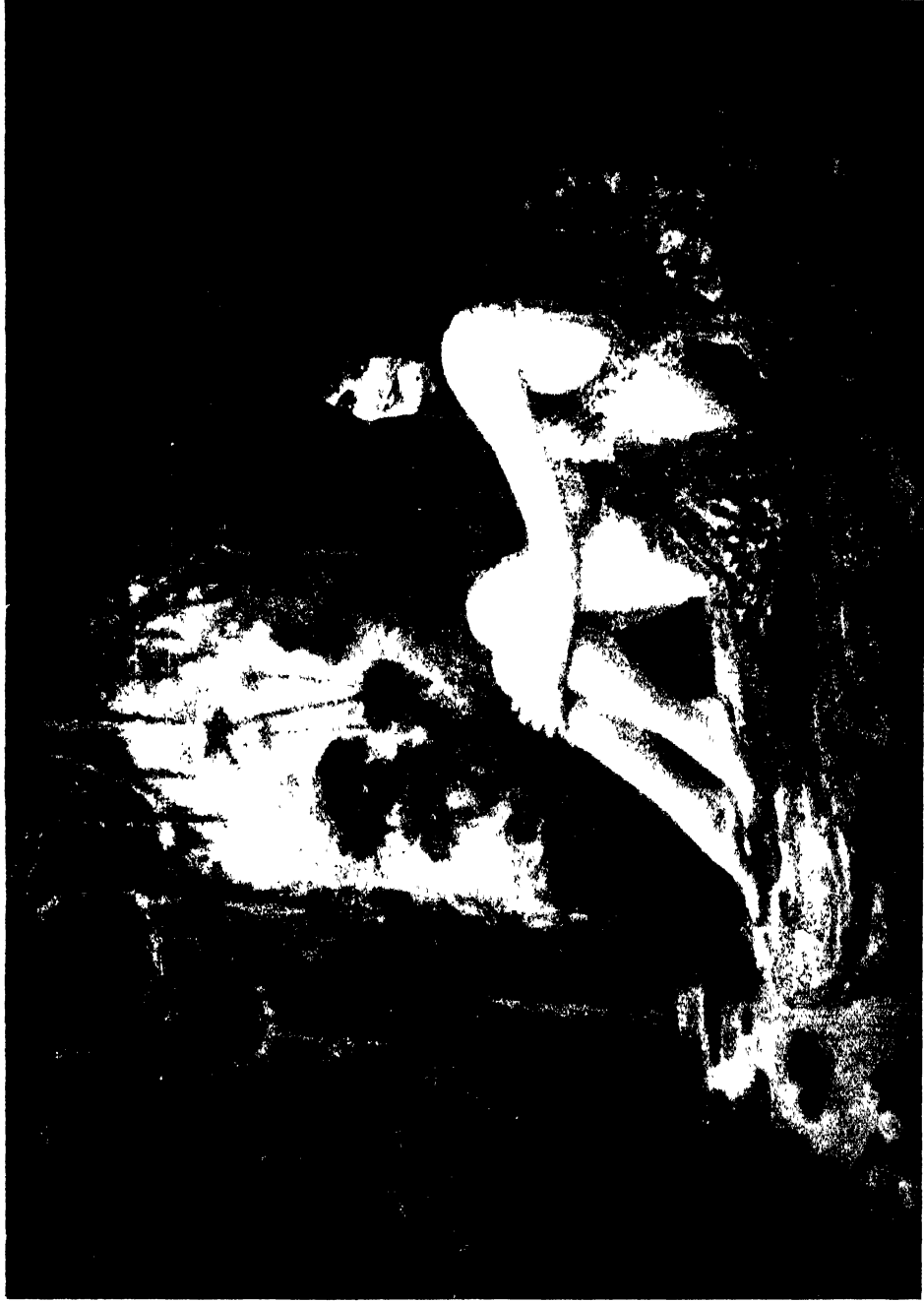
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف

تصاویر:- (۱) فردوسِ رنگ و بُو (رنگی) --- (۲) اعلیحضرت نواب صاحب جاؤرہ دام اقبالہٗ --- (۳) پرچھائیاں
(۴) ماہر القادری --- (۵) لطیف الدین احمد اکبرآبادی --- (۶) پروفیسر آرگا موآف جاپان
(۷) شاہد احمد بی۔ اے آنرز --- (۸) نقوشِ قدم --- (۹) مہرلال ضیا فتح آبادی ایم۔ اے
(۱۰) مولوی مفتی انتظام اللہ اکبرآبادی --- (۱۱) ریاض الدین احمد اکبرآبادی --- (۱۲) ابوظفر نازش رضوی
(۱۳) ابوالفاضل راز چاندپوری --- (۱۴) مدیرِ کنول اپنے رفیقوں کے ساتھ

جلد ۴ | سالنامہ جنوری سنہ ۱۹۳۷ء | نمبر ۱

۷۸۶

ادبیاتِ مشرق کے اس شہ پارے کو

دودمانِ اسلام کے ذی علم، ادب نواز اور عالی مرتبت حکمراں

اعلیٰحضرت لفٹنٹ کرنل فخر الدولہ نواب سر محمد افتخار علیخاں صاحب بہادر دام اقبالہٗ

صولتِ جنگ۔ کے۔ سی۔ آئی۔ ای، تاجدارِ جاورہ

کے

"جشنِ سالگرہ" کی یادگارِ سیمیں میں نوازشاتِ خسروانہ

اور علم پروری کی شعاعِ مہر افروز سے

معنون

کرتا ہوں

ہے افتخار سے معنونِ صبح زارِ کنول
یہ امتیازِ کنول ہے، یہ افتخارِ کنول

خادمِ ادب:۔ منظر صدیقی اکبر آبادی

Lt. Col. His Highness Fakhrud Daula

Nawab Sir Mohammed Iftekhar Ali Khan Sahab Bahadur

Saulat-e-Jang K. C. I. E.

Ruler of Jaora State [C. I.]

ذوقِ نظر

(اثرِ خامۂ گرامی عالیجناب شاہزادۂ والاشان کرنل نواب معظم جاہ بہادر **شجیع** بہ القابہٗ)

ہم نے کچھ دیکھ کر نہیں دیکھا
تم کو دیکھا مگر نہیں دیکھا

دو جہاں تم نے دیکھ ڈالے ہیں
میرا ذوقِ نظر نہیں دیکھا

دے کے انکو شباب قسمت نے
آنکھ بھر کر اُدھر نہیں دیکھا

پاؤں پھیلائے ہیں صحرا میں
جوشِ وحشت نے گھر نہیں دیکھا

دل کی میّت خدا نہ دکھلائے
تم نے غم کا اثر نہیں دیکھا

اک قیامت سہی نظر اُنکی
ہم اُدھر تھے جدھر نہیں دیکھا

تڑپ اس دل کی کیا تڑپ تھی **شجیع**
اُس نے منہ پھیر کر نہیں دیکھا

(براہِ راست کنول کے لئے)

پرچھائیاں

عشق نے کر دیں عطا سرشاریاں — حسن کی قسمت میں تھیں بیداریاں
روح میں ہیں مرتسم گلکاریاں — لے رہا ہے جذبِ دل انگڑائیاں
خود جوانی بھی تو ہے اک میکدہ — پھر یہ کیوں معیوب ہیں میخواریاں
زندگی کو مل گئی تابندگی — وہمِ باطل ہو گئیں رسوائیاں
ہے تصور خالقِ دنیائے دل — کسقدر پرکیف ہیں دلداریاں
اللہ اللہ وسعتِ دامِ خیال — ہیں نظر میں سینکڑوں رعنائیاں
آشنائے غم ہوئے ہیں روح و دل — راحتِ جاں ہو گئیں بیماریاں
جاگتی ہے روح، آنکھیں بند ہیں — دیکھ اُلفت کی کرشمہ سازیاں
دل ہوا لذتِ شناسِ عاشقی — کام آئیں حسن کی لاچاریاں
کعبۂ اُمید ہے مسجودِ عشق — اب کہاں باقی رہیں دشواریاں
ہے تصور میں کسی سے گفتگو — خامشی کو مل گئیں گویائیاں
سایہ فرما ہے محبت روح پر — ہیں بڑی رنگین کوثر باریاں
خلوتِ دل میں ہے کوئی باریاب — اور یوں کہنے کو ہیں تنہائیاں
غرقِ رنگینی ہے ہر تارِ نفس — جیسے کچھ قوسِ قزح کی دھاریاں
آہ یہ کافر محبت الاماں — مٹ گئیں سب حسن کی خودداریاں
اللہ اللہ یہ محبت کا مآل — ہو گئیں پابند خود آزادیاں

پاپ کی دُنیا سے چھٹکارا ملا
حسن ہے اور عشق کی "پرچھائیاں"

(متعلقِ تصویر)

منظر

پرچھائیاں

شذرات

شکر کے سجدے

سالنامہ "کنول" کی ترتیب و تدوین، انتظامی مصائب اور مشکلیں، اقتصادی الجھنوں کا مقابلہ اور ایسے ہی متعدد اسباب و علل کے پیش نظر میں ہی جانتا ہوں کہ سالنامے کی تکمیل میرے لئے کس قدر مشکل اور صبر آزما تھی۔ بیک نظر ان حالات و واقعات کا کسی کو بھی یقین نہیں آسکتا، اور نہ آنا چاہئے کیونکہ سچی بات کا اظہار گناہِ عظیم کا درجہ رکھتا ہے اور پھر ہم ہندوستانیوں کی ذہنیت اس قدر مسخ ہو چکی ہے کہ ہم کسی چیز سے محفوظ ہونا تو جانتے ہیں مگر یہ سمجھنا اپنے لئے عیب سمجھتے ہیں کہ ہمیں محفوظ کرنے والی شے کیونکر مہیا کی گئی۔

سالنامے نے مجھے جس قدر مصائب کے مقابلے کی دعوت دی اور کئی ماہ تک مجھے جو شدید محنت کرنی پڑی، "دوستوں کی بے اعتنائی اور اپنوں کی غیریت" نے مجھے جس قدر صدمے پہونچائے جی چاہتا تھا کہ ان سب واقعات و مشاہدات کو بے نقاب کرکے اپنی تکلیف میں ادب نواز و ادب دوست طبقے کو بھی شریک کروں مگر

"پھر تری پچھلی وفاؤں کا خیال آجائے ہے"

کے پیش نظر خاموشی ہی کو اپنے درد کا ترجمان سمجھتا ہوں اور ایک ایسے لمحۂ سرور میں جبکہ سالنامے کے تکمیل آثار خوبیاں دماغی اور کثرتِ کار کے اضمحلال کو دعوتِ کیف دے رہے ہیں سوائے شکر کے سجدے ادا کرنے کے اور کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ میں خدائے بزرگ و برتر کی نوازش اور دوستوں کی کرم فرمائیوں سے اپنی روح کی گہرائیوں کو معمور دیکھ رہا ہوں اور ایک اطمینان آفریں سانس لیتے ہوئے سالنامے کے تحفۂ بیش بہا کو آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں کہ ایک خادمِ ادب کی جگر کاویوں کا مطالعہ فرمائیے اور مسرت و سرخوشی سے ہمکنار ہو جائیے۔

سالنامے پر ایک نظر

اس تبصرے میں نے بہترین کوشش کی ہے کہ سالنامے کے تمام مضامین نثر و نظم بالکل معیاری اور خصوصی ثابت ہوں، نہیں کہہ سکتا میں اپنی اس کوشش میں کس حد تک کامیاب ہوں لیکن اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ مضامین کے اعتبار سے آپ کے سامنے ایک خاص چیز پیش کر رہا ہوں اور شاید اسی کو سالنامے کا طرۂ امتیاز کہا جا سکتا ہے۔ حصۂ نثر کی طرح بابِ نظم میری توقع سے کہیں زیادہ کامیاب ہے اور ابتدائی نظموں کے علاوہ جو چلتے پھرتے غریب مدیر کنول نے جواہر خانۂ الہام سے چن لی ہیں تمام نظمیں حد درجہ کامیاب، وجدان و کیف کی صحیح ترجمان اور خصوصیاتِ شعری سے لبریز ہیں۔

وقت کی کمی، کام کی زیادتی اور اقتصادی مشکلات نے اب بھی میرے ذوق کی تشنگی کو بصورتِ تکمیلِ ذوق پیش نہیں ہونے دیا۔ یعنی میں سالنامے کو جس درجہ ممتاز بنانا چاہتا تھا معنوی حیثیت کے علاوہ صوری حیثیت سے ویسا نہ بنا سکا، بہت سی آرزوئیں دل کی دل ہی میں رہ گئیں بہت سے جذبے

شذرات

شکر کے سجدے

سالنامہ "کنول" کی ترتیب و تدوین، انتظامی مصائب اور مشکلیں، اقتصادی اُلجھنوں کا مقابلہ اور ایسے ہی متعدد اسباب و علل کے پیش نظر میں ہی جانتا ہوں کہ سالنامے کی تکمیل میرے لئے کس قدر مشکل اور صبر آزما تھی۔ بیک نظر ان حالات و واقعات کا کسی کو بھی یقین نہیں آ سکتا، اور نہ آنا چاہیے کیونکہ سچی بات کا اظہار گناہِ عظیم کا درجہ رکھتا ہے اور پھر ہم ہندوستانیوں کی ذہنیت اس قدر مخلوج ہو چکی ہے کہ ہم کسی چیز سے محفوظ ہونا تو جانتے ہیں مگر یہ سمجھنا اپنے لئے عیب سمجھتے ہیں کہ ہمیں محفوظ کرنے والی شے کیونکر مہیا کی گئی۔

سالنامے نے مجھے جس قدر مصائب کے مقابلے کی دعوت دی اور کئی ماہ تک مجھے جو شدید محنت کرنی پڑی، "دوستوں کی بے التفاتی" اور "اپنوں کی غیریت" نے مجھے جس قدر صدمے پہونچائے جی چاہتا تھا کہ ان سب واقعات و مشاہدات کو بے نقاب کر کے اپنی تکلیف میں ادب نواز و ادب دوست طبقے کو بھی شریک کروں مگر

"پھر تری پچھلی وفاؤں کا خیال آجائے ہے"

کے پیش نظر خاموشی ہی کو اپنے درد کا ترجمان سمجھتا ہوں اور اب ایک ایسے لمحۂ سرور میں جبکہ سالنامے کے تکمیلی آثار خود میری تکانِ دماغی اور کثرتِ کار کے اضمحلال کو دعوتِ کیف دے رہے ہیں سوائے شکر کے سجدے ادا کرنے کے اور کچھ نہیں کہنا چاہتا، میں خدائے لایزال کی نوازشوں اور کرم فرمائیوں سے اپنی روح کی گہرائیوں کو معمور دیکھ رہا ہوں اور ایک اطمینان آفریں سانس لیتے ہوئے سالنامے کے تحفۂ محقّر کو یہ کہتے ہوئے آپکی خدمت میں پیش کرتا ہوں کہ ایک خادمِ ادب کی جگر کاویوں کا مطالعہ فرمایئے اور مسرّت و سرخوشی سے ہمکنار ہو جایئے۔

سالنامے پر ایک نظر

اس تبہ میں نے بہترین کوشش کی ہے کہ سالنامے کے تمام مضامین نثر و نظم بالکل معیاری اور خصوصی ثابت ہوں، نہیں کہہ سکتا میں اپنی اس کوشش میں کس حد تک کامیاب ہوں لیکن اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ مضامین کے اعتبار سے آپ کے سامنے ایک خاص چیز پیش کر رہا ہوں اور شاید اسی کو سالنامے کا طرّۂ امتیاز کہا جا سکتا ہے۔ حصّۂ نثر کی طرح بابِ نظم میری توقع سے کہیں زیادہ کامیاب ہے اور اُن ناقابلِ ذکر نظموں کے علاوہ جو چلتے پھرتے غریب مدیرِ کنول نے جواہر خانۂ الہام سے چن لی ہیں تمام نظمیں صد درجہ کامیاب، وجدان و کیف کی صحیح ترجمان اور خصوصیاتِ شعری سے لبریز ہیں۔

وقت کی کمی، کام کی زیادتی اور اقتصادی مشکلات نے اب بھی میرے ذوق کی تشنگی کو بصورتِ "تکمیلِ ذوق" پیش نہیں ہونے دیا۔ یعنی میں سالنامے کو جس درجہ ممتاز بنانا چاہتا تھا معنوی حیثیت کے علاوہ صوری حیثیت سے ویسا نہ بنا سکا، بہت سی آرزوئیں دل کی دل ہی میں رہ گئیں بہت سے جذبے

وہ

مری جانب سے وہ منہ پھیر کر بیٹھی ہیں محفل میں
خدا جانے سمائی کیا ہے اُنکے زعمِ باطل میں

یہ مانا اُنکا حسنِ عالم آشوب اک قیامت ہو
یہ مانا حشر کر سکتی ہیں بپا وہ ہر اک دل میں

یہ مانا اُنکی آنکھیں نور کے دو ایسے ٹکڑے ہیں
ستارے آسماں کے ماند ہیں جنکے مقابل میں

یہ مانا جبتک اُنکے ہونٹ جنبش میں نہیں آتے
کلی دلکی نہیں کھلتی پڑا رہتا ہے مشکل میں

یہ مانا اہلِ بینش بھی تفاوت کر نہیں سکتے
رخِ روشن میں اُنکے اور جبینِ ماہِ کامل میں

مگر اُن کو خبر کیا جو مری آنکھوں کا تارا ہے
ہزاروں ماہ رہجاتے ہیں پیچھے اسکی منزل میں

منصور احمد

آمدِ صبحِ بہار

اے نگارِ خوبرو، اے ہفت جنت در کنار (۱) سادہ دل، سادہ رخ و سادہ جبیں، سادہ عذار
پیکرِ حسن و ادا، ہم رتبۂ برق و شرار　　اے جہانِ رنگ و بو، اے آمدِ صبحِ بہار
حسرتِ مردہ میں جان آئی ترے اعجاز سے
آئی تو اور آئی عالم میں عجب انداز سے

گیسوئے لیلائے شب میں بل کے سلجھاتی ہوئی (۲) چھیڑتے تاروں کی طرح پلک کو جھپکاتی ہوئی
طائرانِ خوشنوا کے لحن میں گاتی ہوئی　　ہر طرف رنگیں شفق کے پھول برساتی ہوئی
ہاتھ میں تیغِ شعاعی سر پہ تاجِ آفتاب
یا سنہری جام میں چھلکی ہوئی زرّیں شراب

ہلکی ہلکی سی تجلی ہے سرِ چرخِ کبود (۳) اُڑتے اُڑتے بادلوں کی ہے کناروں پر نمود
یہ لچکتی ڈالیاں یہ ان کا مستانہ سجود　　یہ حضوری روح و دل کی اور یہ کیفِ شہود
سب ترے الطاف ہیں، سب تیرا فیضِ عام ہے
سونے مردوں کو جگانا صرف تیرا کام ہے

اُف یہ غنچوں کا تبسم، اُف یہ پھولوں کی شمیم (۴) اُف یہ رقصِ بادِ سحر، اُف یہ اندازِ نسیم
قمریوں کے یہ ترانے سرو پر بے خوف و بیم　　اور کیا ہے گر نہیں ہے سب ترا فیضِ عمیم
تو نے ہر ویرانے کو آتے ہی گلشن کر دیا
تو نے ہر اک دشت کو وادیِ ایمن کر دیا

گیسوئے سنبل میں خم، نرگس کی آنکھوں میں خمار (۵) سبزہ میں جوشِ نمو، مستی میں سیلِ آبشار
گل کی شاخوں میں لچک، بادِ صبا میں اضطرار　　ابر کی مستانہ لرزش، مینھ کی ہلکی سی پھوار
مور کا شور، اور بلبل کے ترانوں کا سماں
یہ پپیہے کا ترنم، یہ صدا، یہ پی کہاں

آج میخانہ میں ہر رند ہے ساغر بدست (۶) صحنِ مسجد میں سرِ سجادہ ہے ہر حق پرست
یاں ہے حسن اور دخترِ رز دست بدست　　وہ اُدھر دل میں لئے ہے شورشِ جامِ الست
اِس طرف منبر پہ جوشِ واعظِ حق کوش ہے
اُس طرف مستوں میں [illegible] شورِ نوشا نوش ہے

ہلکا ہلکا جب نسیمِ صبح کا جھونکا چلا (۷) سبزۂ خوابیدہ اُٹھا کروٹیں لیتا ہوا
کھا رہے ہیں بل سرِ بستر حسینِ پُرجفا　　زیرِ عارض ہاتھ، عارض پر پڑی ہے زلفِ دوتا
سونے والے شب کو سب خاموش ہو کر رہ گئے
کھا کے کچھ سو گئے، سوتے تو سو کر رہ گئے

جب کہ صحنِ چمن گھر گھر کے آتی ہے گھٹا (۸) اور فضائے سبزہ و صحرا پہ چھاتی ہے گھٹا
جو نہیں پیتے ہیں اُنکو بھی پلاتی ہے گھٹا　　ہوشیاروں کو بھی دیوانہ بناتی ہے گھٹا
ہوتے ہوتے عام ہو جاتا ہے پھر لطفِ سحاب
ساتھ بارش کے زمانہ میں برستی ہے شراب

تو نے دی غم کو فنا، دل کو صفا، آنکھوں کو نور (۹) باغ کو بخشی طراوت، جان کو بخشا سرور
ہر در و دیوار پہ ڈالی ضیائے کوہِ طور　　ہے ظہورِ نورِ یزدانی ترا نورِ ظہور
زاہدِ خود بیں بجوشِ آہ و زاری مست ہے
بت ہیں خاموش اور مندر میں پجاری مست ہے

کھل گئے سب مسجد و میخانہ و دیر و کنشت (۱۰) سج گئے سب باغ و راغ و بر و بحر و جو و کشت
عاشق و معشوق، رند و پارسا، خوب و زشت　　سب ترے شیدا ہیں، دنیا تیرے دم سے ہے بہشت
مرحبا اے آمدِ صبحِ بہاری مرحبا!
مرحبا اے دفعِ رنجِ بے قراری مرحبا!

جوش ملیح آبادی

جمالِ راہنما

کھڑی ہوئی ہے سرِ شام ایک پیکرِ نور
سنہری جسم پہ پوشاک ارغوانی ہے

اک آفتاب ہے بالائے بامِ حسن طلوع
اک آفتاب لبِ بامِ آسمانی ہے

ہوا پروں پہ لئے ہے ہوائے زلفِ تاتار
شفق کی گود میں جھومتی ہوئی جوانی ہے

بھرا ہوا ہے کلائی کے لوچ میں شہ زور
کہ جیسے گردشِ قسمت نے آن ٹھانی ہے

مرے خیال سے چھپا یا ہوا ہے نشۂ حسن
مری نگاہ سے چھلکی ہوئی جوانی ہے

نگاہوں کے لئے سامان ہے تسلی کا
دلوں کے واسطے پیغامِ خوں فشانی ہے

سبھی شہید ہیں کس سے مبارزت طلبی
مٹائے دہر کو وہ تیری ناتوانی ہے

تجھے بھی حق نے دیا ہے جمالِ راہنما
مری بھی راستہ بھولی ہوئی جوانی ہے

تری شمیم سے مہکے مری سحر کا وجود
کہ تو زمین پہ تنزیلِ آسمانی ہے

مٹائے آ کے مرے کفرِ ہوش کو ورنہ
مری طرف ہی نہ دیکھے تو مہربانی ہے

میکش اکبرآبادی

فیلسوفِ ہند ــــ "علّامہ فضلِ حق خیرآبادی"

نام و نسب مولانا فضل حق بن مولانا فضل امام بن شیخ ارشد ہرگامی ابن محمد صالح بن عبدالواجد بن عبدالماجد بن قاضی صدرالدین بن قاضی اسمٰعیل بن قاضی عمادالدین بدایونی بن شیخ ارزانی بن شیخ منور بن خطیرالملک بن حنیرالملک بن سالارشام بن وجیہ الملک بن بہاالدین بن شیرالملک بن عطاالملک بن ابوالفتح ملک بن عمر الحاکم ملک بن عادل ملک بن قارون بن جبیر حسین بن احمد بن محمد شہریار بن عثمان بن ہامان بن ہمایوں بن قریش بن سلیمان بن عفان بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ۔[1]

خاندانی حالات علّامہ کے اسلاف میں بعض حضرات نے ایران کے ایک قطعۂ ملک کی عرصۂ دراز تک فرمانروائی کی جب زمانہ کے ہاتھوں تاج و تخت سے محروم ہوئے تو علمی خدمت میں لگ گئے۔ شیرالملک کے دو صاحبزادے تھے ایک مفتی شمس الدین۔ دوسرے بہاالدین، مفتی شمس الدین کی اولاد میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ہیں۔[2] بہاالدین کے پوتے شیخ ارزانی تھے۔

شیخ ارزانی بدایوں کے قاضی مقرر ہوئے۔ انکے خلف عمادالدین بغرض تحصیل علم ہرگام آئے بعد تکمیل قاضی ہرگام نے دامادی میں قبول کیا اور اپنا جانشین بنایا ان کے خلف قاضی اسمٰعیل تھے۔ انہیں کے صاحبزادے قاضی صدرالدین ہرگامی تھے۔

قاضی صدرالدین عالم تبحر فاضل متدین نواسہ شیخ سعدالدین سعدی کاکوروی کے تھے۔ مفتی عبداللہ الشہابی گوپاموی متوفی ۱۰۶۰ھ ان کے داماد تھے۔[3]

---

[1] تذکرۃ الانساب مرتبہ مولوی مصطفٰے علیخاں گوپاموی [2] آیات اللہ الکاملہ ترجمہ حجۃ اللہ البالغہ حالات مصنف صفحہ ۲

[3] سیرالعلما صفحہ ۱۵

قاضی کے پوتے ملّا عبد الواجد مشاہیر وقت سے تھے۔ مولانا فضل امام لکھتے ہیں

ملا عبد الواجد ہرگامی جدّ اعلیٰ محرر اوراق فاضلے بود متبحر بر کافیہ شرح مبسوط و بر تحریر اقلیدس

حاشیہ و تعلیقات متفرقہ بر ہدایہ نوشتہ بود............ او در ہرگام وفات یافت ہمانجا

[illegible][1]

مولانا فضل امام نے مولوی سید عبد الواجد خیرآبادی (تلمیذِ رشید ملا والاجاہ الدین گوپاموی متوفی [illegible]) سے تحصیل علوم کی بعدہٗ پٹیالہ گئے وہاں ملازم ہوئے کچھ عرصہ بعد دہلی چلے آئے اور صدر الصدور ہو گئے۔ مولانا شاہ صلاح الدین صوفی گوپاموی کے مرید تھے۔ مرقات۔ تخبتہ السیر۔ تلخیص الشفا میر زاہد۔ ملا جلال میر زاہد کے رسالہ پر حواشی لکھے۔ ایک ضخیم کتاب فارسی کی بنام آمد نامہ مرتب کی طلبا کے لئے مفید معلومات کے ساتھ علمائے خیرآباد، لاہرپور، ہرگام، گوپامئو، لکھنؤ وغیرہ کے حالات بھی جمع کئے ہیں۔ ۵، ذیقعدہ سنہ ۱۲۵۹ھ کو انتقال ہوا۔

ولادت مولانا فضل حق سنہ ۱۲۱۲ھ میں پیدا ہوئے باپ کے سایہ میں نشو و نما پائی۔

تحصیلِ علم چار سال کی عمر میں بسم اللہ ہوئی ۸ برس کی عمر میں رسائل صرف و نحو پڑھنے لگے۔ علوم معقول کی تکمیل باپ سے کی[2] اور علم حدیث مولانا شاہ عبد القادر دہلوی سے حاصل کیا۔ بہت کم عمری میں فارغ التحصیل ہو گئے۔

مولوی فیض الحسن سہارنپوری، مولوی ماجد علی اور مولوی احمد علی خیرآبادی۔ یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ مولوی فضل حق صاحب اور مفتی صدر الدین صاحب جس روز خود کتاب لے کر جاتے[3] اس روز شاہ عبد القادر صاحب سبق پڑھاتے اور جس روز کتاب خدمتگار کے ہاتھ لاتے اس روز سبق نہ پڑھاتے۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی نے فرمایا کہ مولوی فضل حق اور مفتی صدر الدین یہ کہا کرتے تھے کہ اس خاندان کے لوگ علوم دینیہ جیسے حدیث، تفسیر، فقہ وغیرہ خوب جانتے ہیں مگر معقولات نہیں جانتے۔ چنانچہ ایک روز جس وقت پڑھنے جا رہے تھے۔ ابھی یہ دو شاہ صاحب تک پہنچے بھی نہ تھے کہ شاہ صاحب نے اپنے خادم کو حکم دیا کہ ایک بوریا مسجد سے باہر ڈالدو اور ایک مسجد کے اندر۔ اور جب فضل حق اور صدر الدین آئیں تو ان کو وہیں بٹھا دو، بوریئے حسب الحکم بچھا دیئے گئے اور جب وہ دونوں آگئے تو ان کو وہیں بٹھا دیا گیا۔ جب ان کے آنے کی شاہ صاحب کو اطلاع ہوئی تو شاہ صاحب تشریف لائے اور آکر بوریئے پر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ میاں فضل حق اور میاں صدر الدین آج سبق پڑھانے کو تو جی نہیں چاہتا۔ البتہ جی چاہتا ہے کہ

---

[1] آمد نامہ [2] آثار الصنادید صفحہ ۱۲۴ [3] امیر الروایات صفحہ ۱۵۳ (رسالہ الہادی شوال ۱۳۴۵ھ)

کچھ معقولیوں کے خرافات میں گفتگو ہو۔ انھوں نے فرمایا کہ جیسے حضرت کی خوشی ہو۔ اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ متکلمین کا کون مسئلہ ایسا ہے جو فلاسفہ کے مقابلہ میں بہت ہی کمزور رہا ہو انھوں نے عرض کیا کہ حضرت متکلمین کے تو اکثر مسائل کمزور ہی ہیں مگر فلاں مسئلہ تو بہت ہی کمزور ہے اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ اچھا تم فلاسفہ کا مسئلہ لو اور ہم متکلمین کا اور پھر گفتگو کریں انھوں نے عرض کیا کہ بہت اچھا اس پر گفتگو ہوئی اور شاہ صاحب نے دونوں کو عاجز کر دیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ اچھا اب یہ بتاؤ فلاسفہ کا کونسا مسئلہ سب سے کمزور ہے۔ اس پر انھوں نے عرض کیا کہ فلاں مسئلہ بہت کمزور ہے۔ اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ اچھا اب تم متکلمین کا پہلو لو اور ہم فلاسفہ کا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور شاہ صاحب نے اب بھی ان کو چلنے نہیں دیا۔ جب ہر طرح ان کو مغلوب کر دیا تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ میاں فضل حق و میاں صدر الدین تم یہ نہ سمجھو کہ ہم کو معقول نہیں آتی بلکہ ہم نے اُن کو ناقص اور واہیات سمجھکر چھوڑ دیا ہے۔ مگر انھوں نے ہمیں اب تک نہیں چھوڑا۔ وہ اب تک ہماری قدم بوسی کئے جاتے ہیں۔[۵]

غرضکہ ۱۳ برس کی عمر میں مولانا فارغ التحصیل ہو گئے۔ حافظہ اتنا قوی تھا کہ ۴ ماہ میں کلام مجید حفظ کر لیا۔[۲]

درس و تدریس بعد فراغت علمی باپ کے ارشاد پر طلبا کو درس دینے لگے۔ جس قدر والد ماجد کی خدمت میں طلبا حاضر رہتے تھے۔ ان سب کو مولانا ہی سبق پڑھایا کرتے تھے۔

مولانا سید غوث علی شاہ قلندر پانی پتی سے منقول ہے کہ

"مولوی فضل امام نے ایک طالب علم سے فرمایا کہ جاؤ فضل حق سے سبق پڑھ لو، وہ آیا۔ غریب آدمی۔ بدصورت۔ عمر زیادہ علم کم۔ ذہن کند۔ یہ نازک طبع۔ نازپرورد۔ جمال صورت و معنی سے آراستہ چودہ برس کا سن سال نئی فضیلت۔ ذہن میں جودت بھلا میل ملے تو کیسے ملے۔ صحبت راس آئے تو کیونکر آئے۔ تھوڑا سبق پڑھایا تھا کہ بگڑ گئے، جھٹ اُس کی کتاب پھینکدی بُرا بھلا کہہ کر نکال دیا۔ وہ روتا ہوا مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا، اور سارا حال بیان کیا، فرمایا کہ بلاؤ اس خبیث کو۔ مولوی فضل حق صاحب آئے۔ دست بستہ کھڑے ہو گئے، مولانا نے ایک تھپڑ دیا ایسے زور سے کہ ان کی دستار فضیلت دور جا پڑی۔ پھر فرمانے لگے کہ تو تمام عمر بسم اللہ کے گنبد میں رہا، ناز و نعم میں پرورش پائی جس کے سامنے کتاب رکھی اسنے خاطر داری سے پڑھایا۔ طالب علموں کی قدر و منزلت تو کیا جانے اگر مسافت کرتا، بھیک مانگتا اور طالب علم بنتا تو حقیقت معلوم ہوتی طالب علم کی قدر ہم سے پوچھو۔

درازیٔ شب از مژگان من پرس کہ یک دم خواب در چشمم نگشت ست

---

[۵] امیر الروایات صفحہ ۳۴ [۲] سیر العلما

خبردار تم جانوگے اگر آئندہ ہمارے طالب علموں سے کچھ کہا۔ یہ چپ کھڑے روتے رہے، کچھ دم نہ مارا خیر قصہ رفع دفع ہوا، لیکن پھر کسی طالب علم کو کچھ نہیں کہا۔[۵۱]

سوانح آپ دوران قیام دہلی میں عدالت ضلع میں سررشتہ دار ہوگئے یہ وہ زمانہ تھا کہ مرزا جان عرف مرزا جانی کوتوال شہر تھے۔ عرصہ تک عدالت دیوانی یا کمشنری کے سررشتہ دار رہے۔ مگر حکام کی ناقدری سے استعفیٰ دے دیا۔ جس کے بعد نواب فیض محمد خاں رئیس جھجر نے پانصد روپیہ ماہوار معارف کے لئے مقرر کرکے اپنے یہاں بلالیا۔ روانگی کے وقت ولیعہد سلطنت دہلی صاحب عالم میرزا ابوظفر بہادر شاہ نے اپنا ملبوس دوشالہ مولانا کو اڑھا دیا اور آب دیدہ ہو کر کہا کہ چونکہ آپ جانے کے لئے طیار ہیں۔ میرے لئے بجز اس کے کوئی چارہ کار نہیں کہ میں ہی اس کو منظور کر لوں۔ مگر خدا علیم ہے کہ لفظ وداع دل سے زبان پر لانا دشوار ہے۔[۵۲]

نواب جھجر کے یہاں سے رام پور گئے، نواب زادہ زیر تعلیم رہا مگر وہاں سے بھی چل کھڑے ہوئے۔ لکھنؤ میں قیام کیا۔ مولوی رحمان علیخاں اپنا مشاہدہ لکھتے ہیں کہ "میں نے ۱۲۶۴ھ میں بمقام لکھنؤ مولانا کو دیکھا ہے کہ حقہ نوشی کی حالت میں شطرنج بھی کھیلتے جاتے تھے اور ایک طالب علم کو افق المبین کا درس اس خوبی سے دیتے تھے کہ مضامین کتاب طالب علم کے ذہن نشین ہوتے جاتے تھے"۔[۵۳]

علمی تبحّر سر سید احمد خاں مرحوم لکھتے ہیں۔

"منتجع کمالات صوری و معنوی جامع فضائل ظاہری و باطنی ..... جمیع علوم و فنون میں یکتائے روزگار تھے"۔ منطق و حکمت کی تو گویا انھیں کے فکر عالی نے بنا ڈالی ہے

علمائے عصر بل فضلائے دہر کو کیا طاقت کہ اس سرکردہ اہل کمال کے حضور میں مناظرہ آراستہ کر سکے۔"[۵۴] خان بہادر مفتی انعام اللہ شہابی گوپاموی متوفی ۱۲۷۵ھ خزینۃ الاولیا میں لکھتے ہیں

"مولوی فضل حق خیرآبادی از علمائے زمان و یگانہ دوراں بود خصوصاً در علوم عقلیہ گوئے سبقت ربودہ و بوفور علم و دانش در اطراف و اکناف عالم بغایت مشہور اند"۔

شمس العلما مولوی عبدالحق قدس سرہ سے کسی نے دریافت کیا کہ دنیا میں کتنے حکیم ہیں۔ آپ نے فرمایا ساڑھے تین ایک معلم اول (ارسطو) دوسرے معلم ثانی ابونصر فرابی تیسرے والد ماجد (مولانا فضل حق) اور نصف بندہ۔

---

۵۱ تذکرۂ غوثیہ ۵۲ آب حیات صفحہ ۱۸۴ و سیر العلما صفحہ ۲۲ ۵۳ سیر العلما و تذکرۂ علما ۵۴ آثار الصنادید صفحہ ۱۲۱

مولوی رحمان علی جامع "تذکرہ علمائے ہند" آپ کے متعلق لکھتے ہیں۔

"در علوم منطق و حکمت و فلسفہ و ادب و کلام و اصول و شعر
فائق الاقران و استحضارے فوق البیان داشت[51]"

غرضکہ مولانا اپنے زمانہ میں ایک فخرِ روزگار فاضل اور فلسفی تھے۔ آپ کی جودت طبع رسائی ذہن، بلند خیالی، دقیق النظری بے نظیر تھی۔

شعر و شاعری فضل و کمال و علمی حیثیت سے علامہ جیسی قدر و منزلت کا شخص تھا اُس کی نظیر مشکل سے ملے گی۔ علوم معقول کے تو مجتہد و امام تھے ہی مگر علم ادب جو عربیت کا بڑا جوہر ہے۔ اس میں وہ کمال حاصل تھا جسے آج تک ماہرینِ فن تسلیم کرتے چلے آئے ہیں۔ نثر ایسی لکھتے تھے جس کی مثال علمائے ہند میں ملنا مشکل ہے۔ شاعری کی طرف متوجہ ہوئے تو عرب کے معاصرین شعراء سے گوئے سبقت لے گئے۔ قدمائے عرب کے کلام سے نتائج افکار کسی طرح خیالات و جذبات میں کم نہیں رہے۔ علامہ کو عربی نظم پر بڑی قدرت حاصل تھی، عروض و علم شعر میں اہل عصر سے ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ چار ہزار سے زیادہ اشعار لکھے۔ آپ کے کلام کا بڑا ذخیرہ مولوی سبحان اللہ خاں صاحب گورکھپوری کے کتب خانہ میں منتقل ہوگیا۔ دو ایک بیاضیں مولوی ولایت حسین لاہرپوری کے کتب خانہ میں موجود ہیں۔

کمال علامہ نے ایک قصیدہ عربی میں امرا القیس کے قصیدہ پر کہا اور حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی کی خدمت میں لائے۔ شاہ صاحب نے ایک مقام پر اعتراض کیا، اس کے جواب میں انھوں نے بیس شعر متقدمین کے پڑھ دیئے مولوی فضل امام بھی اس وقت وہاں موجود تھے وہ فرمانے لگے کہ بس حد ادب' علامہ نے جواب دیا کہ حضرت یہ کوئی علم تفسیر و حدیث تو ہے نہیں، فنِ شاعری ہے۔ اس میں بے ادبی کی کیا بات ہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ برخوردار تم سچ کہتے ہو مجھ کو سہو ہوا[52]۔

غرضکہ آپ کی قادر الکلامی اور انشاء عربی بڑے پایہ کی تھی۔ آپکی عربی نظم و نثر علمِ ادب کی جان اور ادیبوں کی روح ہے۔
اس جگہ آثار الصنادید سے قصیدہ کے چند شعر نقل کئے جاتے ہیں۔ جن سے آپ کا زورِ قلم جولانیٔ طبع تیزیٔ ذہن ثابت ہو سکے گی۔ فرماتے ہیں:۔

لا تنصبغ بهوى بيض أماليد ... فاحمر الموت في أجفانها السود
في غمز ألحاظها فتك الأساود لا ... حاكين ريما لغلا بالطرف والجيد

---

[51] تذکرہ علمائے ہند صفحہ ۱۶۴ [52] تذکرہ غوثیہ

بیعت مولوی فیض الحسن کہتے تھے کہ میرے استاد مولوی فضل حق رام پوری کا بیان ہے کہ علامہ کہتے تھے میں حضرت مجدد صاحب کے سلسلہ کا زیادہ معتقد نہ تھا۔ لیکن جب سے میں نے شاہ عبدالقادر کو دیکھا اس سلسلہ کا بہت معتقد ہو گیا۔ کیونکہ اگر وہ سلسلہ فی الحقیقت ناقص ہوتا تو ایسے لوگ اس سلسلہ میں داخل نہ ہوتے۔[51]

مولانا زہد و تقویٰ کے مجسم پیکر تھے۔ خوش اخلاقی منکسر مزاجی۔ تورّع۔ زہد۔ اتّقا۔ احتیاط حد درجہ کی تھی۔
آپ حضرت شاہ دہومن دہلوی کے مرید خاص تھے۔

"مرید شاہ دہومن دہلوی بود"[52]

ظرافتِ طبع مولانا باایں علم و فضل خشک طبیعت نہ رکھتے تھے۔ زندہ دلی رفیقِ طبیعت تھی۔ مولانا مرحوم انگریزی حکومت کے ملازم تھے اس لئے ڈاڑھی میں خضاب بھی لگاتے تھے ان کے ایک مولوی دوست کو اس پر بہت اعتراض تھا اور وہ ہمیشہ مولانا مرحوم سے کہا کرتے تھے کہ آپ خضاب کیوں لگاتے ہیں۔

مولانا مرحوم ہمیشہ اپنے مولوی دوست کا یہ اعتراض سُن کر خاموش ہو جاتے تھے۔ لیکن ایک دن ضبط نہ ہو سکا تو کہنے لگے کہ مولوی صاحب، کوئی دنیا کمانے کے لئے مسجد میں مولوی بن کر بیٹھتا ہے، کوئی پیری مریدی کرتا ہے، کوئی لوگوں کو تعویذ لکھکر دیتا ہے۔ میں بھی آخر دنیا دار ہوں۔ دنیا کمانے کے لئے مریدوں اور غریبوں کی جیب نہیں کاٹتا صرف اپنا ہی منہ سیاہ کر لیتا ہوں۔

مولوی صاحب جو اتفاق سے پیر جی بھی تھے۔ اور فال تعویذ والے بھی اس جواب سے بہت منفعل ہوئے[53]

مولانا پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری مجھ سے یہ واقعہ بیان فرماتے تھے کہ مولانا فضل حق جس زمانہ میں لکھنؤ میں مقیم تھے تو منشی نولکشور نے مولانا کی خدمت میں یہ درخواست کی کہ فرصت کے اوقات میں عربی کتب کی کاپیوں کی تصحیح فرما دیا کریں تو عین بندہ نوازی ہوگی۔ مولانا نے قبول فرما لیا۔ اس زمانہ میں مجتہد العصر کی ایک مناظرہ کی کتاب نولکشور کے یہاں طبع ہونے آئی تھی اُس کی کاپیاں تصحیح کے لئے آپ کی خدمت میں آئیں۔ آپ کتاب کی تصحیح بھی کرتے جاتے تھے اور اعتراضات کا جواب بھی حاشیہ پر لکھتے جاتے۔ جب کتاب چھپ کر مجتہد العصر کے پاس پہونچی تو انھوں نے سر پیٹ لیا کہ تمام عمر کی کمائی برباد گئی اور منشی نولکشور سے دریافت کیا تو اصلی واقعہ انھوں نے کہدیا، آخر بش کتابوں کے انبار میں آگ لگوا دی گئی۔

سیاسیات میں شرکت علامہ ایک فاضل حکیم ہی نہ تھے، بلکہ ایک سیاست داں بھی تھے۔ آپ کے سامنے جو بساطِ سیاست بچھی ہوئی تھی وہ ثابت کر رہی تھی کہ مسلمانانِ ہند عنقریب نہیں ہی اور قریبی عہد میں موجودہ وقار سے بھی

---

[51] امیر الروایات صفحہ ۲۸ [52] تذکرہ علمائے ہند صفحہ ۱۶۴ [53] اوراق پارینہ ریاست اخبار دہلی ۲۵ جنوری ۱۹۳۲ء

یہ قوم محروم ہو جائے گی، حسنِ اتفاق سے ۱۸۵۷ء کا واقعہ انقلاب پیش آیا۔ علمائے حق نے نعرۂ آزادی بلند کیا اور فتاویٰ سے اپنی قوم میں سیاسی سرگرمی پیدا کرنا چاہی مگر تدبیر ناکام رہی اکثر علما دار و رسن کے نذر ہوئے کچھ اربابِ علم آزادی کی خاطر حبس دوام کی سزا کے مستحق قرار دیے گئے ان لوگوں میں ایک علامہ فضل حق بھی تھے۔ ۱۸۵۹ء میں سلطنت مغلیہ کی وفاداری میں فتوئے جہاد کی پاداش یا جرمِ بغاوت میں ماخوذ ہو کر سیتاپور سے لکھنؤ گئے اور وہاں حبس دوام کا حکم ہوا۔ آپ کے ایک عزیز منشی کرم احمد مرحوم خیرآبادی پیروکار مقدمہ تھے۔ انھوں نے ایک خط حالات کا لکھنؤ سے سید اعظم علی کے نام خیرآباد لکھا، اس خط کی عبارت یہ ہے۔

"مدت یکماہ و چند روز است کہ جناب مخدوم والا خوان بحسب تقدیر مبتلائے حبس شدہ از سیتاپور بلکھنؤ برائے روبکاری صفائی روانہ کردہ شدہ اند ز بانی آیندگان و ہم از تحریرات آنجا ہر روزہ منکشف میشود کہ امروز فردا بفضلہ تعالیٰ رہائی خواہد شدی روز بنا برادائے شہادت صفائی مولوی صاحب مکرم مولوی نبی بخش صاحب و مشفقی مولوی قادر بخش صاحب برخوردار مولوی فضل حسین بموجب درخواست مولوی عبدالحق بمعیت ایشاں روانہ لکھنؤ شدہ اند ہمگیان را امید از خدائے کریم است بعدہ دیگر روز بلعفو در مخلصی یافتہ وارد دولتخانہ خواہند شد او تعالیٰ ہمچنیں کند ہمہ ہا از خورد و کلاں و ذکور و اناث چشم براہ انتظار کشادہ میباشند و رنجے و قلقے عظیم دارند ایزد جل و علیٰ بر جمیع کساں رحم خود فرمایند"

دوسری جگہ خط میں تحریر ہے :۔

برادرِ من تا دہ عشرہ بسبب عدم بہرسی حال ایں لفافہ افتادہ ماند حالیا آدمی خاص مقرر کردہ فرستادہ می شد کہ جواب شافی یابد و حال پر ملال جناب مولوی (فضل حق) صاحب انچہ از لکھنؤ دریں عرصہ نوشتہ آمد لایق گریستن و واویلا کردن است یعنی حکم حبس دوام از پیش گاہ حکم صدور یافت فواویلاہ واحسرتا او تعالیٰ رحم فرماید۔ محررہ بستم فروری ۱۸۵۹ء مطابق ۱۷ ار رجب ۱۲۷۵ھ

آخر کار مولانا کو کالا پانی ہو گیا مگر پیروی مقدمہ جاری رہی آپکے دوسرے صاحبزادہ شمس الحق دہلوی نے سعی جاری رکھی منشی غلام غوث بیخبر خان بہادر زود القدر میر منشی لفٹنٹ گورنر مغربی و شمالی جو خان بہادر مفتی انعام اللہ شہابی گوپاموی کے داماد تھے مفتی صاحب اور علامہ سے خاندانی قریبی قرابت تھی۔ جس کی وجہ سے منشی صاحب اور علامہ سے تعلقات خاص تھے۔ منشی صاحب نے مولوی شمس الحق کیساتھ بے انتہا کوشش کی اور کامیاب ہوئے۔ مولوی شمس الحق پروانۂ آزادی ہمراہ لیکر رنگون روانہ ہوئے جس وقت جہاز سے اتر کر شہر میں داخل ہوئے خلائق کا ہجوم نظر پڑا، معلوم کیا تو مولانا کا تابوت تھا۔ غرضکہ مولوی صاحب بعد حسرت و یاس گھر لوٹ آئے۔

وفات :۔ ۱۲ ار صفر المظفر ۱۲۷۸ھ میں وفات پائی رنگون میں دفن ہوئے۔

تصانیف :۔ الجنس الغالی شرح جواہر العالی۔ حاشیہ شرح سلم قاضی مبارک گوپاموی۔ حاشیہ افق المبین۔ حاشیہ تلخیص الشفاء الہدیۃ السعیدیہ۔ روض المجود در تحقیق وجود رسالہ قاطیغوریاس۔ رسالہ در تحقیق علم و العلوم۔ مجموعۃ القصائد۔ رسالہ تاریخ غدر ہند۔ شرح ہدایت الحکمت وغیرہ

انتظام اللہ اکبرآبادی

۱؎ ڈپٹی محتشم الدین مرحوم ساکن کوچہ سعد اللہ خاں دہلی نے یہ واقعہ راقم الحروف سے بیان کیا۔

آنکھیں کھول — "ایک گیت"

من کی آنکھیں کھول مسافر من کی آنکھیں کھول

جگ مگ جگ مگ تارے چمکیں موتی سے انمول
یہ دولت ہے تیری پیارے رول سکے تو رول
پریم نگر کی ریت جدا ہے ڈگر ڈگر مت ڈول
من کی آنکھیں کھول مسافر من کی آنکھیں کھول

دل کی نیا ڈوب نہ جائے آن پڑی منجدھار
تو خود بن جا کھیون ہار خود ہی ہو جا پار
من مندر پر بھینٹ چڑھا دے پریم کے میٹھے بول
من کی آنکھیں کھول مسافر من کی آنکھیں کھول

میٹھے میٹھے شبد سنانا ہے تجھ کو آسان
کھوٹ ابھی تجھ میں ہے باقی پھر بھی اے نادان
پہلے اس کا بھید تو پا لے تجھ میں ہے کیا جھول
من کی آنکھیں کھول مسافر من کی آنکھیں کھول

سب کچھ تجھ میں، سب کچھ تیرا جو چاہے ہو جائے
دھرتی کیا آکاش بھی تیری شکتی سے تھرائے
لیکن تو انجان ہے پیارے بول جرأت بول
من کی آنکھیں کھول مسافر من کی آنکھیں کھول

منظر

(جملہ حقوق محفوظ)

فلسفی اور پیغمبر کا فرق ـــــ عقل و نبوت / روحانیت کا تقابل

التماس! ـــــ نوجوانوں کی خدمت میں

بعض نا فہموں نے فلسفی، حکیم اور پیغمبر کو ایک صف میں لا کر کھڑا کر دیا ہے، حالانکہ یہ تینوں ہستیاں فرقِ مراتب کے لحاظ سے بعد المشرقین رکھتی ہیں۔ میرے خیال میں اس غلط فہمی کے پیدا ہونے کا سبب مسئلہ الٰہیات سے لاعلمی اور روحانیت سے عدم واقفیت ہے۔ اس نوع کے لوگ ہر عقلمندی کی بات کو "الہام و وحی" سمجھنے لگتے ہیں۔ اس لئے وہ فلسفی و حکیم کے مقالات اور انبیا کے ارشادات میں کوئی فرق نہیں کر سکتے۔ فلسفہ محض دماغی تفکر کا نام ہے، فلسفی تمام تر عقل کی قوتوں سے کام لیتا ہے، اور عقل ہی کی چٹان پر نظریوں کا ایوان تعمیر کرتا ہے، ظاہر ہے کہ عقل، کائنات کے تمام مسائل کا نہ تو احاطہ کر سکتی ہے اور ان کی تہہ کو کو پہنچ سکتی ہے، عقل کی کوتاہی اور لغزش ہی کا باعث ہے کہ فلسفہ کے مسائل میں رد و بدل ہوتی رہتی ہے، نظریوں کے گھروندے ہمیشہ بنتے اور بگڑتے رہتے ہیں اور مستقبل کا فلسفی ہمیشہ ماضی کے فلسفیوں کی تکذیب کرتا ہے، ارسطو کے کتنے نظریئے آج تسلیم کئے جاتے ہیں؟ برعکس کے زاویۂ نگاہ پر آج کس کا عمل ہے؟ فیثاغورث کی تعلیمات کہاں رائج ہے؟ کانٹ اور ہیوم کی تھیوریوں پر دورِ حاضر کا فلسفہ کس حد تک لبیک کہتا ہے؟ ـــــ فلسفہ کی تاریخ فلسفیوں کی معرکۃ الآرا جنگوں سے بھری پڑی ہے۔ تاریخِ فلسفہ کی ہر صدی ایک نیا نظریہ پیش کرتی ہے اور آنے والی صدی اُس نظریئے کے پرخچے اُڑا ڈالتی ہے۔ بہت سے بہت اتنا ہوتا ہے کہ اسی نظریہ کے تحت چند اصول و ضوابط وضع کئے جاتے ہیں، مگر نظریہ کی یہ اضافی ہیئت خود اصل نظریہ کی صورت کو مسخ کر دیتی ہے، فلسفی کو کسی منزل میں بھی یقین حاصل نہیں ہوتا، اُس کے ایقان کا سفینہ ہمیشہ تشکیک و ارتیاب کے طوفانی سمندر میں ڈانوا ڈول رہتا ہے، کسی لہر نے سفینہ کو مشرق کے ساحل کے قریب پہنچا دیا، اور کسی موج نے مغرب کے ناہموار پہاڑوں سے ٹکرا دیا۔ وہ ایقان حاصل کرنے کی بہت کچھ سعی کرتا ہے، مگر اُس کا پندار اُسے ایقان کے قریب بھی پھٹکنے نہیں دیتا۔ وہ مرنے کے بعد دنیا والوں کے لئے اپنے خود ساختہ نظریوں کا ایک انبار چھوڑ جاتا ہے اور دنیا ایک عرصہ تک ان بھول بھلیوں کے چکر کاٹتی رہتی ہے،

حکیم، کا مرتبہ فلسفی سے کچھ بلند ہے، اُس کی دانائی میں فلسفی کے مقابلہ میں زیادہ گہرائی ہوتی ہے۔ وہ جب کائنات کا عرفان

کی نگاہ سے مشاہدہ کرتا ہے، تو اُس کی زبان ایسے اسرار بیان کرتی ہے، جو حقایق سے قریب تر ہوتے ہیں، اُسے کبھی کبھی ایقان کی جھلکیاں بھی نظر آنے لگتی ہیں، مگر اُس کی عقل، اس کے تخیلات کو ایک مرکز پر قایم نہیں رہنے دیتی ——— اُس کے خیالات و تصورات پر ایقان کا پرتو پڑتا ہے، مگر بالکل اسی طرح، جیسے شبنم کے قطرے، پھولوں کی پتیوں پر نمودار ہو کر فنا ہو جاتے ہیں۔

پیغمبر اور نبی، کو کسی بات میں شک نہیں ہوتا، وہ جو بات کہتا ہے یقین و اطمینان کے ساتھ کہتا ہے۔ وہ اپنے نظریوں کی سچائی پر آفتاب کے وجود سے زیادہ یقین رکھتا ہے، وہ ترجمانِ حقیقت اور مظہرِ فطرت ہوتا ہے، وہ اپنی بات سے کبھی نہیں ہٹتا، خواہ دنیا اِدھر کی اُدھر کیوں نہ ہو جائے، دنیا اس پر پتھر برساتی ہے، مگر وہ سچائی کے پھول برسانے سے باز نہیں آتا، زمانہ والے اُس کی آبِ خنجر سے تواضع کرتے ہیں، مگر وہ آبِ حیات کے ساغر پر ساغر انڈیلے ہی چلا جاتا ہے، اُس کی ہر بات دانائی اور تدبر کا پیکر ہوتی ہے، مگر اُس کی ہر دانائی پر ربانی تائید کی مُہرِ تصدیق ثبت ہوتی ہے، اسی نقطہ سے فلسفی، حکیم اور پیغمبر کی منزل جُدا ہو جاتی ہے فلسفی اور حکیم کو اپنی عقل و دانائی پر بھروسہ ہوتا ہے، وہ کسی بالاتر قوت سے اکتسابِ فیض نہیں کرتے، برخلاف اس کے پیغمبر قدم قدم پر خدا کی رہنمائی حاصل کرتا ہے، اس لئے اُس کے پیروں کو لغزش نہیں ہوتی، اور اتفاق سے کہیں پیر ڈگمگاتے ہیں تو ربانی تائید ہاتھ تھام لیتی ہے، فلسفی اور حکیم کو اپنی دانائی پر بھروسہ ہوتا ہے اور پیغمبر ربانی تائید پر اعتماد کرتا ہے۔ اسی چیز کا سبب ہے کہ فلسفیوں میں ہمیشہ جنگ رہی ہے مگر انبیاء میں کبھی اختلاف واقع نہیں ہوا، حضرتِ آدم علیہ السلام نے جو نغمہ دُنیا کو سنایا تھا۔ حضرتِ سیدنا محمد الرسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زبانِ فیض ترجمان نے بھی اُسی کو دُھرایا، اور وہ اس لئے کہ حقیقت کبھی نہیں بدلتی۔ یہ مجاز ہے جو اولتا بدلتا رہتا ہے، حقیقت تو ازل سے جیسی ہے ابد تک ویسی ہی رہے گی، حقیقت میں کوئی تغیر نہیں ہو سکتا خواہ سورج، پورب کے بجائے پچھم سے کیوں نہ نکلنے لگے، اور پھول کی نازک پتیوں سے بجلی کے خوفناک شرارے کیوں نہ برسنے لگیں۔ سیدھے طور پر اس بات کو یوں سمجھئے کہ فلسفی اور حکیم عقل کے تابع ہوتے ہیں اور انبیاء، خدا کے تابع! ظاہر ہے کہ ربانی ہدایت کے سامنے پندارِ عقل کا چراغ کس طرح جل سکتا ہے۔

تمہید قدرے طویل ہو گئی، لیکن میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں، اُس کے ذہن نشین کرنے کے لئے اس تمہید کے بغیر چارہ نہ تھا۔ میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ فلسفہ سے تھوڑی دیر کے لئے دماغی ورزش تو ہو جاتی ہے، مگر روحانیت کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور دل کی تاریکی بدستور باقی رہتی ہے۔ فلسفہ دماغ کو جِلا دے سکتا ہے، لیکن قلب و ضمیر کے آئینہ کو چھو بھی نہیں سکتا، چونکہ فلسفہ، شکوک و اوہام کی تخلیق کرتا ہے، اس لئے دنیا کو اس سے فائدہ کے بجائے نقصان پہنچتا ہے۔ فلسفیانہ مباحث سے کوئی شک نہیں کہ ادب میں بعض جدید اصطلاحات کا اضافہ ہو جاتا ہے، استدلال و استنتاج کی جدید راہیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ طلاقت و صحافت کو فائدہ پہنچ جاتا ہے، مگر قلب و روح کو تسکین نہیں ہوتی اور یہ ظاہر ہے کہ قلب و روح کی تسکین کے بغیر یہ مادّی فوائد کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔

اگر کوئی شخص درخت کی جڑ کو سوکھا چھوڑ کر، پتوں پر پچکاری سے آبِ حیات بھی چھڑکے، تو بیکار ہے، اس فعل سے ممکن ہے کچھ دن کے لئے درخت کے پتے سبز رہ سکیں، مگر اس تروتازگی کا انجام معلوم!——

فلسفی کے پیالہ میں شراب خانہ ساز ہوتی ہے اور نبی کا میخانہ شرابِ ربّانی سے لبریز ہوتا ہے، اس لئے دونوں شرابوں کے اثرات بھی جُداجُدا ہوتے ہیں، مقصدِ گزارش یہ ہے کہ فلسفہ نے داعوں کو ہمیشہ اُلجھائیں ڈال کر، یقین و اطمینان کی سرحد سے دور رکھا ہے—— میں اس بحث کو زیادہ طویل بنانا نہیں چاہتا، کیونکہ "کنول" کے قارئین جو غالباً رومان آفریں نظموں اور مضامین کے خوگر ہیں، اس خشک مضمون سے اُکتا جائیں گے، لیکن جب سکنے پر آیا ہوں، تو بات ختم کرکے دم لوں گا، آپ اُکتاتے ہیں، اُکتا جائیں، میں تو فسانہ کو ناتمام نہیں چھوڑ سکتا——

ابنِ رُشد کو کون نہیں جانتا، جس طرح دوسرے فارسی شعرا کے مقابلہ میں یورپ نے عمر خیام کی زیادہ قدر کی ہے، اسی طرح مغرب نے ابنِ رُشد کی بارگاہِ تفلسف میں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے، مغربی کتب خانوں کی الماریاں، ابنِ رشد کی تصنیفات اور اُن کی شرح سے لبریز نظر آتی ہیں، اور مذہبی تعصب اور صنف و رنگ کے اختلاف و امتیاز کے باوجود، یورپ کا فلسفی آج بھی ابنِ رشد کا نام ادب و احترام کے ساتھ لیتا ہے، کاش یورپ غزالی اور ابنِ تیمیہ کو پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کرتا، مگر اس کو کیا کیجئے:-

"فکرِ ہر کس بقدرِ ہمتِ اوست"

ابنِ رشد کے فلسفیانہ اجتہاد سے کسے انکار ہو سکتا ہے، یہ وہی شخص ہے جس نے ابنِ سینا جیسے عظیم المرتبت فلسفی کی غلطیاں نکالی ہیں، اور ارسطو کی بلند پایہ تصانیف کی شرح لکھی ہیں—— ابنِ رُشد کا عیسائی فلسفیوں پر بھی بے حد اثر ہوا، لیکن یہودی فلسفی بھی کچھ کم متاثر نہیں ہوئے، چنانچہ جب ابنِ رشد کی تصنیفات کی اشاعت ہوئی تو یہودی علماء نے بھی اپنی تشنگی اُس پانی سے بجھائی جو سراب کی ماہیت رکھتا ہے، یعنی جتنا پیجئے، اُتنی ہی پیاس بڑھتی جاتی ہے۔

مُوسیٰ ابنِ میمون ایک مشہور فلسفی گزرا ہے، جو مذہباً یہودی تھا، ابنِ میمون نے ابنِ رشد کی تصانیف کو پڑھکر ایک نیا مذہب دنیا کے سامنے پیش کیا، جو جدت و تنوع کے لحاظ سے اگرچہ حسین معلوم ہوتا ہے، مگر حقیقت میں وہ خیالات کا بازیچہ اور تصورات کا گورکھ دھندا ہے، ابنِ میمون کا عقیدہ تھا کہ ہم خدا کی صفات کا تعین نہیں کر سکتے، ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ خدا رحیم ہے، کریم ہے، غفور ہے، اور وہ اس لئے کہ یہ صفات تو انسانوں میں بھی پائی جاتی ہیں، اس لئے جب ہم نے خدا کو صفات سے متصف کر دیا، تو خدا کا درجہ مخلوق کے برابر رہ گیا، یعنی ہم خدا کی صفات کا ایجابی صورت میں تعین نہیں کر سکتے، ابنِ میمون اس قدر حد سے گزر گیا ہے کہ وہ خدا کو وحدہٗ لاشریک کہنا بھی پسند نہیں کرتا، کیونکہ اُس کے خیال میں وحدت بھی ایک صفت، منجملہ دیگر صفات ہے، اس عجیب و غریب مذہب کا نام "تعطیل" تھا، یہودی تو پہلے ہی سے گمراہ اور مغضوب تھے، اور حضرتِ کلیم کی شریعت کو مسخ کر چکے تھے، ابنِ میمون کی یہ فلسفیانہ

جدت اُن کو بہت پسند آئی اور مغرب کے تمام یہودی مذہب تعطیل کے پیرو یعنی "معطلہ" بن گئے اور وہ علی الاعلان خدا کی صفات کا انکار کرنے لگے۔

یہ تو یہود کا حال ہے، خود مسلمانوں کو فلسفیانہ مباحث نے بہت سی ٹکڑیوں میں تقسیم کر دیا۔ اور طرح طرح کے شکوک و اوہام پیدا ہو گئے۔

یہ ہیں فلسفہ کے گمراہ کن اثرات، اور پندارِ عقل کے خبیث مظاہر ——— !

وہ نوجوان جو دورِ حاضر کے فلسفی انشا پردازوں کے مضامین پڑھکر مرعوب ہو جاتے ہیں۔ میں اُن کی خدمات میں التماس کرتا ہوں کہ وہ اسلام کی تعلیم پر بھی ایک نظر ڈال لیں ——— دماغی تفریح بُری نہیں ہے مگر اس تفریح پر روح کی تفریح کو قربان نہیں کیا جا سکتا، بڑا بدبخت ہے وہ انسان جو چھلکے کی قدر کرتا ہے اور مغز کو پیروں سے مسل دیتا ہے ——— !

ماہر القادری

عشق کا آخری مقام

جھک گیا آج سر ترے کبر و غرورِ ناز کا — صبر پڑا ہے یہ مرے قلبِ ستم نواز کا
ہلکی سی اک جھلک کی بھی تاب نہ لا سکے کلیم — پردہ ابھی اٹھا نہ تھا اُن کے حریم ناز کا
آنکھ میں اشک، رنگ زرد، لب پہ فغاں ہے دل میں درد — کتنا محیط ہے اثر اک غمِ جانگداز کا
شکرِ خدا کہ آج وہ تیغ بدوش آ گئے — سجدے میں سر جھکے نہ کیوں وقت ہوا نماز کا
حور و ملک کھڑے ہیں سب نعش کے گرد باادب — دیکھ تو مرتبہ ذرا اپنے شہیدِ ناز کا
نکلے گی ایک سرد آہ دل سے بجائے واہ واہ — نغمہ جو تو نے سن لیا میرے شکستہ ساز کا
خار بھی سرنگوں ہوئے غنچوں کے دل بھی خوں ہوئے — دشت میں رنگ دیکھ کر قیسِ جنوں نواز کا
قلبِ حقیقت آشنا کہتا ہے روحِ قدس سے — میں بھی تو ایک پھول ہوں گلکدۂ مجاز کا
کندہ ہے جس کی لوح پر "عشق کا آخری مقام"
ہاں وہ یہی مزار ہے نازشِ پاکباز کا

نازش رضوی

حضرت ماہرالقادری
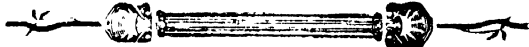
حضرت لطیف الدین احمد اکبرآبادی
مشہور ادیب اور فسانہ نگار آپ اب کے سال یو پی اسمبلی
کی ممبری کے لئے آگرہ شہری حلقے سے نامزد ہوئے ہیں

پروفیسر آر گامو
آپ ٹوکیو یونیورسٹی جاپان میں اردو کے پروفیسر ہیں
اور آجکل بغرض سیاحت ہندوستان آئے ہوئے ہیں

ادیب کی بیوی

ذکی اور ذکیہ ان ناموں سے جس حد تک ذکاوت کا پہلو نکلتا ہے اُس حد تک ہم دونوں خداداد نعمت سے مشترک تھے ورنہ ویسے ہماری زندگیاں دو علیحدہ گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں۔

مجھ کو ایم۔ اے میں جہاں اسپنسر بننے کا شوق رہتا تھا وہاں ڈکنس کی خصوصیات بھی میرے اندر موجود تھیں اور ذکیہ جہاں جین آسٹن کے "مبادیات" کے تتبع میں اپنی ذہنی قابلیتوں کو صرف کر رہی تھی وہاں ایک ادیب کی طرح دنیائے صحافت میں کسی "ادبی مبارز" کی جویا بھی تھی، لیکن ؎

کتابِ ہفت ملت گر بخواند آدمی عامی است نخواند تا ز جزوِ آشنائی داستانے را

میں طبیعیات سے جس قدر مس کھتا تھا اسی قدر بعض اوقات مجھ پر ایک دور ایسا آتا تھا کہ عامیانہ حیثیت سے بھی گذر کر نظیری سے اس کے اس شعر کے مفہوم میں کامل طور پر اتفاق کرتا نظر آتا تھا ؎

درسِ ادیب اگر بود زمزمہ محبتے!!! جمع بمکتب آورد طفلِ گریز پائے را

گو اب تک اس "بانگِ بامعنی" کے برعکس میں نے اپنے کو "طفل گریز پا" ثابت ہونے سے محفوظ رکھا لیکن تاوقتیکہ میں اپنے دعوے میں سراپا ثبوت نہ بن جاتا ذکیہ سے توقع نہ تھی کہ وہ باور کر سکتی ——————!

حیرت کی بات ایک یہ ہے کہ جس سال میں نے ایم۔ اے پاس کیا اسی سال ذکیہ بھی اپنی تعلیم سے فارغ ہوئی اور جس زمانہ میں میں معاشرتی زندگی کے دائرے میں کسی پُر سکون مشغلۂ حیات کے لئے تگ و دو میں معروف تھا اسی زمانہ میں موخر اپنی مسلسل ذہنی کاوشوں کو قدرے آسودگی و راحت دینے کے لئے ایک تسکین بخش ماحول کی متلاشی تھی۔

میں بھی ذرا آرام لوں تم بھی ذرا آرام لو

طبیعیات و فلسفہ سے میں عاجز آ چکا تھا۔ میرا ذہن اب ادب کی طرف مائل تھا اور تعجب ہے کہ اس میدان میں میرے دماغ نے روزمرہ کی زندگی کا ایسا سچا فوٹو پیش کرنا شروع کیا کہ کوئی گمان نہیں کر سکتا تھا کہ یہ ایک تغلسف مآب دماغ کا مظاہرہ ہے ذکیہ اس وقت

بالکل جین آسٹن کے جامہ میں تھی مگر چونکہ سینے میں نسوانی دل رکھتی تھی وہ ان تمام حقایق سے کلیتہً اتفاق کیا کرتی تھی، جن کی آجکل میرے قلم سے بڑے زور و شور سے بارش ہو رہی تھی۔ اس خیال سے نہیں

بہر جنسے کہ میگیرند اخلاص و وفا خوب است

ذکیہ کے مضامین اس طبقے میں زیادہ مقبول تھے جن کے لئے روحانی دنیا بالکل ویران ہے۔ لیکن یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ میں بعض وقت اس مشرقی خاتون کے نفسیاتی نکات کی وساطت سے گھنٹوں ایک وجدانی کیفیت میں مبتلا رہا کرتا تھا۔

ایک روز میں کشتی رانی کے بعد کنارے پر بیٹھا دم لے رہا تھا آفتاب ہنوز غروب نہیں ہوا تھا کہ میں نے اپنے سامنے سے ایک عورت کو گذرتے دیکھا۔ اس کا سن تو زیادہ معلوم نہیں ہوتا تھا۔ لیکن اس کے اعضاو جوارح پر ایک افسردگی و اضمحلال سا مسلّط نظر آتا تھا۔ جس سے اس کو بجائے ۱۹ سالہ جوان عورت کہنے کے مسن عورت کہنا زیادہ موزوں معلوم ہوتا تھا۔ اس کا جسم ایک کثیف سی چادر میں چھپا ہوا تھا۔ جس کے دونوں پلو گیلی مٹی سے لگ کر بالکل اس کی ہی سی شکل اختیار کر چکے تھے باوجود ان تمام باتوں کے اس کا چہرہ مطالعے کے لئے ایک غائر نظر کو بھی ناکافی ثابت کرتا ہوا عمیق تفحص کا محتاج نظر آتا تھا۔ مجھے دیکھکر وہ ٹھٹکی اور قریب آکر ملائم مگر دلدوز آواز میں بولی "کیا آپ میرا ایک خط لکھدیں گے؟ ثواب ہوگا، مجھے ابھی ڈاک میں ڈالنا ہے۔" یہ کہہ کر بلا انتظار جواب اس نے ایک سلا سلایا سا کاغذ نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔ اس وقت میں ایسے کاموں کے لئے بالکل غیر آمادگی محسوس کر رہا تھا مگر اس عورت کا انداز تخاطب اور اطوار اس قسم کے تھے جنہیں اصرار سے زیادہ قوت پنہاں تھی۔ میں نے اپنا فاؤنٹن پن نکال لیا اور کاغذ کو شکنوں سے صاف کرتے ہوئے عورت سے مخاطب ہوا...... "ہوں! بولو کیا لکھواتی ہو......؟

چند منٹ تک خاموشی رہی ایسا معلوم ہوتا تھا گویا وہ مکتوب الیہ کے لئے مضمون سوچ رہی ہے۔ آخر ایک گہری سانس کے بعد یہ الفاظ نکلے، لکھئے......

"کیا تم یقین کر سکتے ہو کہ تمہاری اس چند روزہ غیر حاضری نے مجھے بالکل ہی تمہارا نام لیوا بنا دیا ہوگا؟ نہیں، ایسا نہیں ہے، اب تم میرے لئے جائز شوہر ہو چکے ہو، ہمارے جذبات میں اب وہ وارفتگی نہیں رہی.........."

میرا قلم رک گیا میں کچھ سوچنے لگا، لیکن عورت نے آگے لکھنے کو کہا.........

"تم اپنے مطالبات میں سخت گیر رہے اور مجھ سے ایسی توقعات کرنے لگے جنکا مجھے وہم و گمان بھی نہ تھا، تم شوہر سہی لیکن میں بھی بیوی ہوں، تم کو بھی میری اطاعت کرنی پڑے گی، تمہیں متوقع نہیں رہنا چاہئے کہ میں تمہاری محکوم نہ بنوں۔"

میں جو نہی ٹھہر گیا اور قلم سے سیاہی نکالنے کے حیلے سے کچھ سوچنے لگا۔ اس خط کا مضمون میرے لئے بالکل نیا تھا۔ میں نے ہر قسم کے مضامین لکھے تھے۔ لیکن معاشرتی زندگی جس کی مجھے ہوا بھی نہیں لگی تھی میرے لئے بالکل نئی شئے تھی۔—

بسا اوقات میں اس پر غور کیا کرتا تھا مگر ہر بار ایک بیش بہا افادہ بحث خیال کرکے اس کو چھوڑ دیا کرتا تھا۔ آج اس نو عمر عورت کے خط نے میری آنکھیں کھولدیں اور میرے لئے بالکل نیا" مواد" فراہم کردیا۔

تھوڑی دیر بعد میں اُٹھ کھڑا ہوا اور کھیتوں کا چکر کاٹتا ہوا مکان پر پہونچا۔ کئی روز تک کوشش کرتا رہا کہ اپنے جدید تخیلات کو الفاظ میں منتقل کروں۔ لیکن اس فیصلہ پر پہونچنے سے قاصر رہا کہ عورت کے مطالبات کا حامی بنوں یا مخالف ہ ذکیہ چونکہ "ہم پیشہ وہم مشرب وہم راز ہے میرا" کی کامل طور پر مصداق تھی تو پھر" اس کو بُرا کوئی کہے کیوں مرے آگے" کہدینے میں میرے خیال میں بالکل حق بجانب تھا، میں تاب نہیں لاسکتا تھا کہ اُس کی مخالفت میں کوئی لفظ سُن سکوں۔ میں نے اس کی توجہ، نہیں اُس کے بیرحم تغافل آب التفات پر، اپنی جانب منعطف کرنے میں کیدور یا۔ تصنع یا غیر شریفانہ نمود سے کام نہیں لیا اور میں یہ بھی جانتا تھا کہ

"کار ما ہست کہ عشق ست ہمیں پیشہ ما"

کی صدا بھی اس کے حریم ناز پر جاکر لگانا بے سود ہے۔ اب اگر ایک فاضلانہ مضمون لکھ کر اس پر" گرویدگی زا" مرعوبیت کے ذریعہ فتح وظفر حاصل کرنے کی ٹھانتا تو یوں بھی دال گلتی نظر نہیں آتی تھی۔ کئی روز تک اپنی ادبی خصوصیات کا جائزہ لیتا رہا اور نسکر ہے میرے اندر شاعرانہ حسیات کی کمی نہ نکلی اب میں کسی حسن اتفاق کا جویا تھا جو ایسے مواقع پر اکثر "ناشدنی" بنجایا کرتا ہے۔

کشتی رانی سے مجھے خاص لگاؤ تھا اور حقیقت یہ ہے کہ میں آبی وسعت میں بیٹھکر اکثر ایسے ایسے بلند مضامین اور گراں پایہ نظمیں لکھ لیا کرتا تھا جو" پُر آشوب" زمین پر مجھ سے نہیں لکھی جاسکتی تھیں۔ خفیف بوندیں پڑرہی تھیں۔ میں نے کشتی کنارے سے لگادی اور خلاف معمول پہاڑی پر چڑھ گیا۔ جس کی بلندی بھیڑوں سے زیادہ خراج کی طالب نہ تھی۔ یہاں سے جھیل کا نظارہ بہت صاف نظر آتا تھا۔ قبل اس کے کہ میں وسیع جھیل کے نظارہ کا لطف حاصل کرسکوں میری نظر ایک مرتفع ٹیلے پر پڑی۔ عجیب منظر تھا، ایک عورت جس کا برقعہ ڈھاک کے درخت پر لٹکا ہوا تھا۔ سر کو ہاتھ کا سہارا دیئے ایک عالم محویت میں وہاں پڑی ہوئی تھی۔ میں چونک اُٹھا پہلے تو میں نے اس کو محض واہمہ کا فریب تصور کیا۔ لیکن میری آنکھیں دھوکا نہیں دے رہی تھیں۔ جسم متحرک ہوا اور فوراً یوں ہی سی گردن پھیر کر مجھے دیکھ لیا گیا۔ میں قریب پہونچکر چند لمحہ ششدر سا کھڑا رہ گیا۔ اگر گفتگو کا مفہوم خاموشی بھی ادا کرسکتی ہے تو ہم نے کئی منٹ تک اس قسم کی گفتگو جاری رکھی دفعتاً میں ہوشیار ہوا مجھے اپنی مداخلت کا منفعلانہ احساس ہوا اور معذرت کے لہجہ میں صرف اس قدر کہہ سکا " معاف کیجئے میں بلا قصد اس طرف آنکلا" اس کے بعد اپنے غیر آمادہ پیروں کو حرکت دی۔" یہ پہاڑی آخر کچھ میری ملکیت تو ہے نہیں جناب" مجھ سے کہا گیا، میں تھم گیا، اور بولا " مگر میری مداخلت پھر بھی قابلِ اعتراض تھی"۔

"نہیں! مولانا ذکی آپ آزادانہ یہاں لطفِ سیر حاصل کر سکتے ہیں۔"

میں "آپ کو میرا نام معلوم ہے" میں نے انتہائی حیرت سے دریافت کیا۔

آپ متعجب کیوں ہیں کیا رسائل آپ کے قیمتی خیالات سے مزّین نہیں ہوتے......؟

میں "غالباً مجھے مس ذکیہ سے ہمکلام ہونے کا شرف حاصل ہے؟"

ذکیہ: (دھیمے لہجہ میں) جی!

مجھے اس کی متفحصانہ نگاہیں یاد دلا رہی تھیں کہ وہ آج بالکل پہلی بار میری نظروں سے متصادم نہیں ہوئی ہیں بلکہ چند روز ہوئے کہ خط لکھنے میں وہ مجھ پر مسلسل پڑ رہی تھیں، آہ! تو کیا وہ اس روز کا متین چہرہ جس کی قابلِ وہ انتہا پسند عورت تھی آج میرے سامنے زیرِ نقاب تھا! میں یہی سوچ رہا تھا کہ نقاب میں سے دو جگر دوز آنکھیں میری جانب متوجہ ہوئیں پھر یہ آواز آئی۔

"میں دیکھتی ہوں آپ کچھ یاد کر رہے ہیں۔ کوئی فراموش کردہ روایت؟ حکایت؟ شکایت؟"

میں "کیا وہ آپ نہیں جنھوں نے اُس روز مجھ سے خط لکھوایا تھا یا اللہ" (میں خود ہی بڑبڑاتا ہوا بولا) یا اللہ یہ کیا اسرار ہے یہ تو خود خواندہ خاتون ہیں، آخر انھوں نے مجھ سے کیوں خط لکھوایا تھا۔

"وہ خط آپ نے مجھ سے کیوں لکھوایا تھا؟ آخر میں نے وفورِ حیرت و استعجاب سے عاجز آکر دریافت کیا۔

"کیا اس خط نے آپ کے لئے کوئی نیا مواد فراہم نہیں کیا؟"

میں "(بے اختیارانہ) "آہ تو کیا، کیا اس کی غائت محض یہی تھی تب تو آپ خطرناک حد تک کسی کی فطرتِ خفتہ کو بیدار کرنے میں مشّاق ہیں۔"

ذکیہ "یہ مسئلہ میرے لئے بھی لاینحل تھا، میرا قیاس تھا کہ اس روز کے بعد سے آپ ضرور اس پر کچھ روشنی ڈالیں گے۔"

میں "ہاں! میں معروفیت کے باعث اس امر میں قاصر رہا۔" میں نے ایک عورت کے آگے اپنی کمزوری کو چھپائے رکھا۔ چند لمحہ بعد پھر بولا۔

مس ذکیہ! یہ مسرت آفریں ملاقات بالکل غیر متوقع ہے، ہم نہ معلوم آئندہ اب پھر کب ملیں گے۔ مجھے ایک امر میں آپ سے استصواب کرنا تھا، کیا اس کے لئے میں کسی وقت کا تعین کر سکتا ہوں؟

ذکیہ "بذریعہ تحریر جب جی چاہے مجھے اپنے ما فی الضمیر سے آگاہ کر سکتے ہیں" چند منٹ بعد ہم کارڈ تبدیل کر کے جُدا ہو گئے۔

میں تمام راستہ عجیب ادھیڑ بن میں مبتلا رہا، آخر ذکیہ نے ایک جاہل عورت کے جامے میں آکر مجھ سے ازدواجی تعلقات کو اس غلط پیرائے میں ظاہر کرنے میں کیا مصلحت مدِ نظر رکھی، کیا وہ بھی اپنے دل میں اسی آرزو کو جاگزیں پا رہی تھی جو میرے قلب کے اعماق

میں موجزن تھی یعنی؟ .... اور زندگیوں .... محبت پرست زندگیوں کا اتصال باہمی؟ یا اُس نے معاشرتی زندگی کے اس تاریک پہلو کو اپنے حقوق کی نگہداشت میں میرے لئے روشن کرنے کی کوشش کی تھی جو اس جنس کو قبل نکاح تحت اضطراری اور خائفانہ کیفیت میں مبتلا رکھتا ہے۔

میں اپنے قلب میں سکون پیدا کرنے کی کوشش کر رہا تھا تاکہ اپنی تجاویز پر اطمینان سے ایک بار محاسبانہ نظر ڈال سکوں۔ لیکن انسان جس طرح دیگر عواقب کو نظر انداز کر دینے میں غیر محتاط ہے اسی طرح میں نے اپنے ارادوں پر سطحی نظر ڈال کر "مابعد" کی فکر کو دل سے نکال دیا۔

ذکیہ اب بھی وہی خشک مگر کارآمد مضامین لکھے جا رہی تھی اور ادھر میں بھی اپنے پُرلطف ادبی مقالات سے غافل نہ تھا مگر معلوم ایسا ہوتا تھا کہ قدرت ہمیں کسی امر میں متفق ہوتے دیکھنا پسند نہیں کرتی، جو موضوع اُس کی تحریر کا ہوتا تھا، حیرت ہے اسکی تحلیل نکات کے ذریعہ میرے قلب سے بھی ہوا کرتی تھی، لیکن ہمیشہ اختلاف کے ساتھ۔

کئی روز ہماری اس ملاقات کو گذر گئے تھے آخر ایک روز ذکیہ کو لکھ ہی دیا کہ ہم اپنی زندگیوں کو باہم متحد کیوں نہ کرلیں، یہ اتصال ہر طرح سے ایک خوشگوار و پُرمسرت مستقبل کا حامل نظر آتا تھا اور توقع کی جاتی تھی کہ ازدواجی زندگی کی تمام خوش آیند برکات کا اتمام قدرت اس شاداں جوڑے کے کرنے میں دریغ نہ کرے گی۔

ہفتہ تک انتظار کیا۔ آخر جواب باصواب آگیا۔ فہیم ذکیہ نے میری زرّین تجویز کا خیر مقدم کیا اور ہم دوسرے ہفتہ میں دائمی طور پر ایک دوسرے کے معاون، مددگار، غمخوار، اور انیس بننے کو شرعی رشتہ میں منسلک ہوگئے۔ اگرچہ ہمارے اس اتحاد کی تاسیس سطح محبت سے نہیں کی گئی تھی تاہم بظاہر یہ یقین کرلینے کو کافی اسباب موجود تھے کہ یہ دونوں دریا ملکر اب خوب بہیں گے۔ میں ان توقعات کے ساتھ پیاری ذکیہ سے منسوب ہوا تھا کہ علاوہ میرے ذہنی سرمائے میں مزید اضافہ کرنے کے بے نظیر بیوی بھی ثابت ہوگی اور کہہ نہیں سکتا کہ ذکیہ بھی یہی "تصورات" رکھتی ہوں۔ کہ میں اُس کیلئے نہایت محبت پرور شوہر ثابت ہونگا گویہ "توقعات" ماقبل کی تھیں اور ان کے "مابعد" کے حشر سے ہم دونوں ناواقف نہیں بیخبر تھے۔

کاش مجھ کو علم ہوتا کہ فلسفہ، ادب، سیاست وغیرہ سے "خانگی زندگی" کوئی بالکل علیحدہ شے ہے اور اُسے پرمسرت بنانے کے لئے نہ پریسیڈنٹ ولسن یا مصطفےٰ کمال کے اوصاف والا شخص درکار ہے نہ جون آف آرک کے اوصاف والا شخص بلکہ ایک عورت محض عورت اپنی کامل نسائیت میں!

ذکیہ کے جن اوصاف کی نشو و نما کامل طور پر ہوئی تھی یا جو اخلاقی شعبہ اس کا بہت ترقی و تربیت یافتہ تھا۔ اس میں وہ اطمینان بخش حد تک میرے لئے قابل محبت بیوی ثابت ہوئی لیکن جس حد تک خانگی زندگی کا ہم دونوں کی حیات سے تعلق تھا وہ ویران، برباد، اور قطعی بے لطف تھی، ہم دونوں محسوس کر رہے تھے کہ "خانگی زندگی" میں ہم خوش نہیں۔ یہ ایک بہت بڑا صدمہ تھا۔ ایک ناقابلِ تلافی

نقصان اگر خانگی زندگی جس میں ہم کو اپنی پُر معروفیت حیات کے بیشتر اوقات صرف کرنے پڑتے ہیں .... پُرسکون و طمانیت بخش نہیں تو ہمارے تمام نظام حیات کے تہ و بالا ہو جانے کا اندیشہ یقینی ہے اس رُوح فرسا تشویش سے ہم دونوں خالی نہ تھے۔

میں ذکیہ سے متوقع تھا کہ وہ ہر امر میں جرح و قدح سے باز آکر ایک محبت پرست بیوی کی طرح بالکل میری ہمخیال بنجایا کرے۔ بحث و مباحثہ کے لئے میرے احباب ہی کافی تھے۔ گھر میں آتے ہوئے تو مجھے یہ خوف نہیں لگا رہنا چاہئیے کہ میرے احباب سے بھی قابل ترین ہستی، استدلال و اسباب سے بات کرنے والی ابھی میرا دماغ چاٹنے کو اور موجود ہے۔ میری آرزو یہی تھی کہ وہ قائد بننے کے کوشش کرنے کے عوض اپنے کو بالکل میرے سپرد کردے۔ میں اُس کی حیات کی تمام مسرتوں کا کفیل تھا۔ اُس کو مجھ پر اعتماد کرنا لازم تھا، انانیت تو اس میں باقی رہنا ہی نہیں چاہئے، لیکن وہ اب بھی "ادیبہ" بنی ہوئی تھی اب بھی اُس کو یہ احساس نہیں ہوا تھا کہ ازدواجی مسرت حاصل کرنے کے لئے اس کو اپنی جانب سے گرانقدر قربانی پیش کرنی ہے۔

جب دیکھو تب میز کے سامنے بیٹھی ہوئی "فکرِ سخن" میں محو، رات دن قلم دوات تھی اور وہ تھی، اگر میں کبھی مخاطب بھی کیا جاتا تو ان جملوں سے ——— جن کو سنتے سنتے میں عاجز آگیا تھا، کمبخت کیا اس کے علاوہ دنیا کی اور کوئی بات چیت ہی نہیں ہی تھی، دیکھنا ذرا ....." اس مضمون میں مَیں نے نفسیات کو کس خوبی سے نبھایا ہے، مانا کہ تم اپنے رنگ کے اُستاد ہو، مگر یہ بات کہاں، اور وہ ہنسنے لگتی، ایک پُروقار تمکنت کے ساتھ! وہ ہنسی بھی تو اس کے شباب کی شوخیوں کا نتیجہ نہیں ہوتی تھی، بلکہ خود پسندی سے مملو! ایسے مواقع پر میں اپنی شکست مان لیتا، تو وہ اس کو میری "ہزیمت واقعی" سمجھ جانیکی غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتی، اتنا نہیں سمجھتی کہ میں شاعرانہ حسیات کا انسان محض ازراہ دلجوئی و ناز برداری اس ذلت کو گوارا کر رہا ہوں

میں نے بارہا کہا "ذکیہ واللہ میں اب تو تمہاری ان لایعنی باتوں سے عاجز آگیا ہوں، آؤ خدا کے لئے ایسی باتیں کرو جو رسائل میں شایع ہونے کے لئے نہیں بلکہ دل بہلانے کے لئے ہوں" اور اس کے بعد ہی ہماری یکسالہ یکجائی کی پیدا کردہ گرویدگی سے متاثر ہو کر اسکی طرف جھپٹتا مگر "اختلاط و اپسیں" کے عوض سرد مہری ایک "غیر مانوس محبت ادا" اور ایک اجتناب سے دوچار ہو جاتا۔"

میں اسکے کان کے پاس منہ لیجا کر اُس کو چھیڑنے کی غرض سے چیخ کر کہتا "ذکیہ، اب لکھنا بند کردو، بھئی۔ لاحول ولاقوۃ! ہر وقت کاغذ اور پنسل ہی سے کیا مشغلہ رکھتی ہو، اس سے تو بہتر تھا کہ تم میری بیوی بننے کی بجائے کسی اخبار کی اڈیٹر ہوتیں، دیکھو تو سہی، تمہیں قسم ہے چند منٹ کے لئے ہماری اس نظم کو سُن لو، خواہ داد نہ دینا" وہ بیدلی کے ساتھ کرسی کی پشت سے لگجاتی اور میری نظم کو اسطرح سنتی جیطرح بچوں کے بہلانے کو سنجیدہ لوگ ذرا کام ترک کر دیا کرتے ہیں، مجھے بھی اس موقع پر نہ معلوم کیا ہو جایا کرتا تھا کہ ان بلند پایہ اشعار کو جنکے متعلق مجھے یقین تھا کہ رسائل میں شایع ہو کر ایک بار تو دنیا میں ہلچل مچادیں گے، اس بُری طرح پڑھتا کہ آگے پڑھنے کو پھر جی ہی نہیں چاہتا۔

وہ اپنی عادت مستمرہ کے مطابق محو مطالعہ یا وقفِ مضمون نگاری ہوتی اور میرے پُر محبت فقروں اور الفت پاش نگاہوں کا کوئی جواب نہیں دیتی تو میں اُس کو مع کرسی کے اُٹھا کر اپنی میز کے قریب لا بٹھاتا پھر آہستہ سے اُس کے ملائم ہاتھوں میں سے چھپ کر قلم چھیننے لگتا،

تو ناراضگی سے کرسی پر سے کود پڑتی اور چیں بجبیں ہو کر دور جا بیٹھتی۔

میری تمام ضروریات ماما کے ہاتھوں میں تھیں اور اگر اس سے (ماما سے) کوئی فروگذاشت ہو جاتی تو پھر وہ مجھے خود پوری کرنی پڑتیں۔ کوٹ کے بٹن نکالنا، دُھلا ہوا رومال جیب میں رکھنا عینک صاف کرنا سگریٹ کیس میں سگریٹ چننا کتابیں ترتیب سے رکھنا۔ یہ کام ماما کے نہیں نہ یہ کام اس کے ہاتھوں اچھے معلوم دیتے ہیں! میں تو اپنا ہر کام اپنی بیوی کے ہاتھوں سے انجام دئیے جانیکا متمنی تھا کیونکہ ان میں بھی ایک قسم کی لذت محسوس ہوتی تھی مگر اس خدا کی بندی کو تو کبھی ازراہ شوہر نوازی میرے مُنہ سے لگے ہوئے سگریٹ کو دیا سلائی لگانے تک کی قسم تھی۔

میں نے آخر اپنی اب تک کی تمام ناکامیوں کا راز معلوم کر لیا ——— اوہ! میں کس قدر غلط طرز زندگی اور کمزور اصولوں کا پابند تھا۔ یہ تمام فنا دگی کی حرکات جو مجھ سے سرزد ہو رہی تھیں دراصل ذکیہ کا حصہ تھیں، اپنی اس پستی کا میں خود ذمہ دار تھا، میری مردانہ خودداری فنا ہو کر ذکیہ کے نسوانی پندار میں جان ڈال رہی تھی۔ میں اس نئی دُلہن کی دلجوئی، اس "ادیب بیوی" کی بے محل ناز برداری میں اپنے وقار و تمکنت کو غارت کئے ڈال رہا تھا تمام "فنا دگی" کا اظہار آخر میری جانب ہی سے کیوں ہو! بس ٹھان لی کہ ہم اکڑ جائیں۔

پندرہ روز تک اپنی فطرت پر ظلم کر کے ارسطو کی تمام غلط و صحیح روایات کو میں نے سنجیدہ بن کر زندہ کر دیا۔ ایسی چُپ سادھی ایسا سنجیدگی کا جامہ پہنا کہ دیکھنے والے حیرت زدہ رہ گئے، لیکن اس سے یہ ضرور ہوا کہ وہ کمرہ جس میں میرے پُرجوش اشعار اور ذکیہ کی تعدید کی صدائے بازگشت بہت دیر تک گونجا کرتی تھی، وہ اُسرائے کے کمرے سے کسی طرح آداب تکلم کے باب میں کم نہ تھا۔ اِدھر بیگم بیٹھ موٹے لکھے ہی ہیں اُدھر ہم زبردستی قلم تھامے میز پر جُھکے ایک نظر ذکیہ پر ڈال لیتے ہیں تو پندرہ منٹ تک کتاب پر سے گردن نہیں اٹھاتے، لیکن قسم لے لیجئے جو ان پندرہ دن میں ایک سطر بھی لکھی ہو، لکھتا کیا، خاک، وہ مادہ ہی نہیں رہا حیات چونکہ آجکل بالکل مجروح تھیں اور اُن کا رُخ دوسری جانب مڑ گیا تھا۔ انتقام، بس انتقام،

اِدھر ذکیہ بھی اپنے "داد دینے والے" کو خاموش دیکھکر ( ) "روزانہ کی زندگی" میں ایک عجیب بات محسوس کرنے لگی، میری خاموشی نے اس کی روزمرہ کی زندگی میں سے بھی تو ایک شعبہ کم کر دیا تھا کیا اس کی کا احساس اس کو نہ ہوتا؟

ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق — نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی

اب ہم چُپ تھے اور ذکیہ بھی چُپ، مگر یہ قدرے متغیر چُپ تھی جس نے تدریجی انقلاب سے کچھ عرصہ بعد بالکل دوسری صورت اختیار کر لی۔ اس کے جذبات بھی اب رو بہ تنزل نظر آتے تھے، چھ ماہ میں جتنے اس کے مضامین میری نظر سے گذرے وہ بالکل کسی دوسری ذکیہ کے خیالات معلوم ہوتے تھے، مضمون کی وہ اٹھان اور تخیلات کی بلندی مفقود ہو چکی تھی، اور اپنا تب تو بالکل ہی کوڑے دگئے تم لکھنا کیسا کوئی بات سوجھتی ہی نہ تھی، ہم دونوں نے اپنے اپنے وہ جوہر جو "آزادی" کے زمانے میں ہمارے اندر بدرجۂ اتم موجود تھے ضائع کر دیئے اور طبیعتیں غبی ہو کر رہ گئیں، کیا "خاموشی" ایسی ہی نابکار شے ہے؟ نہیں یہ ہمارا موجودہ رویہ مسہل تھا، ہمارے تمام معاملات کے لئے ہم کو قطعی ہر بات سے خالی الذہن ہو جانے کی ضرورت تھی اگرچہ اس ضرورت کے بھینٹ ہمارا تمام ادبی ذوق ہو گیا تھا۔

چند روز بعد ہی ذکیہ ایک طفلِ نو مشق کی مانند نہیں تو کم از کم اس خیال کو دل میں لئے ہوئے کہ وہ میرے مقابلہ میں اچھی لکھنے والی نہیں ہے، اپنے لکھے ہوئے منتشر قرطاس میرے پاس لیکر آ بیٹھتی اور میں استادانہ شان سے ' بصد ناز شوکت، سے ذرا بے التفاتی کے ساتھ اس کے مضامین دیکھتا وہ دل میں کڑھتی، جھلاتی، مگر کر کچھ نہیں سکتی تھی! ہاں اب میرا انتقام پورا ہو رہا تھا، میں فتح پاتا جا رہا تھا۔

میں نے آجتک غیر ضروری فقرے اسکے منہ سے نہیں سُنے تھے مگر اب وہ اکثر بالکل بے محل گفتگو کرنے لگتی، صرف اس لئے کہ میری منحوس خاموشی سے بچا پائے۔ مجھے مخاطب بنائے، جس ضرورت کے لئے میں اپنی جگہ سے اٹھتا، اب اس کی اُس پر نظریں لگی رہتیں۔ وہ بھی اُٹھتی اور اس کے اتمام میں یا تو میرا ہاتھ بٹا دیتی یا خود انجام دے لیتی۔

میں باہر جانے کے لئے کپڑے پہنکر کھڑا ہوتا تو وہ اوّل ہاتھ اور چند لمحوں کے بعد..... اپنا رخسار میرے شانے سے چھوا دیتی، اس کے بعد دھیمی آواز میں یہ الفاظ زبان سے نکلتے "جلد لوٹنے کی کوشش کیجئے، میرا دل تنہائی میں گھبراتا ہے" اس وقت مجھے نہیں معلوم میں اس کو اپنے بازوؤں میں لے لینے کی خواہش کو کون سے فرعونا جذبہ کے ماتحت فرو کرنے میں کامیاب ہو جاتا تھا آہستہ سے اُس کے سر کو اپنے شانہ پر سے ہٹا کر اس کی درخواست کے جواب میں "اچھا" کہکر چل دیتا۔

اب کیا تھا ایک سال کے اندر ہم ایک مسلّمہ طور پر فتحمند ہو گئے۔ ذکیہ کی انانیت مٹ گئی، ضائع ہو گئی، وہ مجھے اپنے مضامین کا اصلاح دہندہ ہی نہیں بلکہ زندگی کے تمام شعبوں کا "مصلح کار" مان گئی، مان گئی، کہ میں تھا حکمرانی کے لئے نہ کہ وہ (خود) اسی عرصہ میں میرا تمام طرزِ عمل اس قدر پختہ کاری پر مبنی تھا کہ ذکیہ قطعی اس قسم کے التباس کا موقع نہ پا سکی کہ یہ میری محض ایک شاطرانہ چال تھی، وہ اب بہتر لکھنے لگی تھی، اور خوب لکھنے لگی تھی، مگر میرے بل بوتہ پر، اس زعم پر کہ میں دیکھنے والا موجود ہوں، اسی طرح ہر معاملہ میں مجھ سے استصواب کرنا اب گویا اُس کی عادت میں داخل ہو گیا تھا وہ بہت سرعت سے ایک کامل "اہلیہ" ثابت ہونے کی اپنے اندر صلاحیت پیدا کرتی جا رہی تھی اور اُس نے بہت ہی قلیل مدت میں "خانہ دار" بیوی کے تمام و کمال اوصاف کے ساتھ میری خانگی زندگی میں جان ڈالدی۔

فلسفہ، ادب، سیاست، وغیرہ سے خانگی زندگی کوئی علیحدہ ہی شئے ہے اور اُس کو پُر مسرت بنانے کے لئے نہ پریسیڈنٹ ولسن یا مصطفےٰ کمال کے اوصاف والا شخص درکار ہے نہ جون آف آرک کے اوصاف والا شخص بلکہ ایک عورت، محض عورت، اپنی کامل نسائیت میں!

قیسی رامپوری

نوٹ:- اس افسانے کو راقم کے واقعاتِ حیات سے اسی قدر بُعد ہے جس قدر دنیا میں ذکیہ جیسی عورت کا وجود۔ چنانچہ کوئی صاحب اس حسنِ خیال کے ساتھ اس کے مطالعے کی تکلیف نہ فرمائیں کہ ہم مصنف کی زندگی کے حالات پڑھ رہے ہیں ——— قیسی

کوہِ نور ═══ "ایک نیم تاریخی افسانہ"

ہیرا تمام جواہرات میں سب سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔ گولکنڈہ دنیا کے ہر خطّہ کے جوہریوں کا مرکز تھا کیونکہ اس وقت صرف سرزمینِ دکن ہی تمام دنیا کے لئے ہیرے فراہم کرتی تھی ابھی اور کہیں ہیروں کی کانوں کا پتہ نہ لگا تھا۔ ان ہیروں کی تلاش میں ایران و توران اور مصر و چین کے لکھ پتی تاجروں کے علاوہ یورپ سے بھی متعدد متلاشی مثلاً فرڈرک، میتھولڈ، برنیر۔ ٹیورنیر اور تھیونو وغیرہ بارہا گولکنڈہ آچکے تھے اور ایک ایک شخص ہر مرتبہ تین تین چار چار لاکھ کے ہیرے خرید لے جاتا تھا۔ ٹیورنیر نے یہاں کی کانوں کے سلسلہ میں لکھا ہے :-

"اہلِ یورپ میں سے میں ہی وہ پہلا شخص ہوں جس نے ان کانوں تک فرنگیوں کا راستہ کھولا ہے۔ اور وہ مقام ان کو بتادئے جن کے سوا تمام دنیا میں کہیں سے ہیرا نہیں نکلتا ہے۔"

گولکنڈہ کے ہیرے کی ایک ایک کان میں ساٹھ ساٹھ ہزار آدمی مصروفِ کار رہتے۔ ان کی فروخت پر بادشاہ کو صرف دو فی صدی حق مالکانہ دیا جاتا تھا جن سے خزانۂ شاہی کو چوبیس لاکھ روپیہ سالانہ سے زیادہ کی آمدنی ہو جاتی تھی۔ یہ تو فروخت کا معاملہ تھا۔ جو ہیرے خود بادشاہ سلامت کے لئے نکالے جاتے اُن کی قیمت کا اندازہ ناممکن ہے۔

ان ہیروں نے جہاں گولکنڈہ کی قسمت کو بنایا اور قطب شاہیوں کو دولتمندی کے انتہائی عروج پر پہنچا دیا۔ انھیں کی وجہ سے ان کو پریشانیوں میں بھی مبتلا ہونا پڑا۔ اور رفتہ رفتہ ان رفیع المرتبت قطب شاہیوں کو اپنی سلطنت سے بھی ہاتھ دھونا پڑا۔ دولت کو حاصل کرنا اتنا مشکل نہیں جتنی اس کی حفاظت مشکل ہے۔

تاجروں اور جاں نثاروں کے ساتھ گولکنڈہ کے محلات اور بازاروں میں ایسے بد معاملہ اور خود غرضوں کی بھی آمدورفت ہونے لگی۔ جن کا مقصد محض حصولِ زر تھا اور ان کی تمنا یہی تھی کہ جس طرح بن پڑے مال و دولت حاصل کریں اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے انھوں نے ایسے ایسے طریقے بھی اختیار کرنے شروع کئے، جو سلطنت کے آداب و تنظیم، امیروں اور کارپردازوں کے اخلاق و عادات، اور رعایا کے امن و اطمینان میں خلل ڈالنے کا باعث ہوئے۔ سعی و سفارش لوٹ مار، فریب و ریا، غرض کوئی ذریعہ ایسا نہ تھا، جن سے ان لالچیوں کی ہوسناکیوں نے کام نہ لیا ہو۔

انہی ہوس رانوں میں محمد سعید اردستانی اصفہانی کا نام گولکنڈہ میں رہنے اور حیدرآباد کے بسنے والوں کے ذہن سے کبھی محو نہ ہوسکے گا۔ یہ وہ احسان ناشناس شخص ہے جو حیدرآباد کی دولت سے ایک ٹوٹ پونجیئے سے لکھ پتی اور محمد سعید سے وزیراعظم بن گیا اور اپنے محسنوں کو اور اس ملک کو جس کی بدولت اس کو دولت ملی برباد و تباہ کرکے چھوڑا۔ گولکنڈہ کی تاریخ میں اس کا نام ہمیشہ کے لئے ایک بدنما داغ رہے گا اور آنے والی دنیا اس کو لالچی احسان فراموش اور محسن کش جیسے ناموں سے یاد کرے گی۔

ایسی عجیب و غریب شخصیت کے متعلق ہم کو اس وقت تفصیلی معلومات حاصل ہوئیں جب ہم قلعہ گولکنڈہ میں میرجملہ کی بارہ دری اور ہاتھی باؤلی کی سیر میں منہمک تھے وہاں ہمارے رہنمانے ہم سے کہنا شروع کیا:۔

محمد سعید اردستان کے ایک تیلی کا بیٹا تھا اور محمد قلی کے زمانے میں ایک ایرانی جوہری کے معمولی ملازم کی حیثیت سے گولکنڈہ آیا تھا۔

یہاں اس کی طماع فطرت نے جوہری کے کاروبار کی وسعت، اُس کے یہاں ہیروں کی فراوانی اور مال و دولت کی کثرت دیکھکر اپنے آقا کے قتل پر اُس کو اُبھارا۔ چنانچہ کچھ ہی عرصے میں ایسی ترکیب کی کہ جوہری مردہ پایا گیا اور محمد سعید اپنے آقا کی دولت و ثروت کا مالک اور ایک متمول تاجر بن گیا۔ مگر وہ محض تاجر کی حیثیت پر کیونکر قانع ہوسکتا تھا وہ گولکنڈہ میں بیدر کے ملک التجار محمود گاواں کا تعدد سُن چکا تھا۔ اُس نے شاہی ملازمین اور درباریوں کے ساتھ ایسا ساز باز کیا کہ قطب شاہی سلطنت میں اُس کو بہت جلد ایک عہدہ بھی مل گیا۔ غالباً یہ پہلا موقع تھا کہ گولکنڈہ کے امیر رشوت لینے پر مجبور ہوگئے تھے۔

محمد سعید سمجھتا تھا کہ یہ خدمت عہدہ صدر اعظمی اور میرجملگی کی طرف پہلا قدم ہے اور ظاہر ہے پہلا ہی قدم مشکل سے اُٹھتا ہے۔ اس دشوار راہ کو اُس نے خوشامد، رشوت، اور سازشوں کے ذریعہ سے آسانی سے حل کرلیا۔ لیکن بُرائی ہمیشہ چھپی نہیں رہ سکتی۔ باطل ہر وقت حق پر غالب نہیں آسکتا۔ اس کی قلعی کھُل گئی اور اس کو گولکنڈہ چھوڑنا پڑا۔

عرصہ تک غائب رہنے کے بعد نوعمر سلطان عبداللہ مرزا کے عہد حکومت میں وہ پھر گولکنڈہ کے دربار میں نظر آنے لگا اور چند ہی روز میں اس دربار میں بھی ایسی اہمیت و رسوخ حاصل کرلیا کہ بادشاہ نے میرجملہ اور امیرالملک جیسے رفیع الشان خطابات اور سپہ سالاری اور صدر اعظمی کے جلیل المرتبت خدمات عطا کئے، لیکن کم عمر اور نیک دل بادشاہ کو کیا خبر تھی کہ جس شخص کو یہ اعزاز بخشا جارہا ہے۔ وہ اس کا اہل بھی ہے یا نہیں۔

محمد سعید کی حرص کے آگے اب میرجملگی اور صدر اعظمی جیسے جلیل القدر عہدے ہیچ تھے وہ اب بادشاہت کے خواب دیکھ رہا تھا۔

بریدیوں کی مثال ہر وقت اس کے پیش نظر رہتی تھی وہ سوچتا تھا کہ بہمنیوں کا خاتمہ کس آسانی سے ہوگیا تھا، علاءالدین

حسن گنگو، محمد شاہ بہمنی اور احمد شاہ ولی جیسے پرشکوہ عظمت حکمرانوں کے جانشینوں اور ان کے محلات کو معمولی خدمتگاروں نے کس طرح ذلیل کرکے ختم کیا تھا وہ اس قت ان سے زیادہ طاقتور تھا۔ لیکن اس کو معلوم تھا کہ محسن کش بریدی شایانِ شان اقتدار اور دولت حاصل کئے بغیر حکومت بیدر کی عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر زیادہ عرصہ تک اُس کو سنبھال نہ سکے۔ اس لئے وہ اپنے اثر و اقتدار اور مال و دولت میں اور بھی اضافہ کرنے کے لئے جائز و ناجائز وسیلے ڈھونڈھنے کی فکر میں لگ گیا۔

اسی اثنا میں میر جملہ نے گولکنڈہ پر اتنا اثر جمالیا تھا کہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی غیر شخص بادشاہ سے نہیں مل سکتا تھا اُس کی رائے اور مشورہ کے بغیر تاجروں کا مال و اسباب خریدنا تو کجا دیگر بادشاہوں کے تحفے و تحائف بھی تو قبول نہیں کئے جاسکتے تھے۔ وہ اپنے گمراہ و عیاش بیٹے محمد امین کو گولکنڈہ کے دربار میں اپنا جانشین مقرر کرکے دولت و اقتدار کے اضافہ کے لئے گولکنڈہ سے باہر نکلا۔ بادشاہ اور اُس کے طرفداروں کو اس نے اس کی یہ وجہ بتائی کہ قطب شاہی سلطنت میں اضافہ کرنے کے لئے اس سفر کی ضرورت ہے لیکن اُس کا مقصد کچھ اور ہی تھا۔ اُس کے جاسوس ہر طرف پھیلے ہوئے تھے۔ بادشاہ اور ملکہ کی ہر حرکت کا اُس کو علم ہو جاتا تھا۔ لیکن اُس کی بڑی سے بڑی سازش اور بے ایمانی ان سے چھپی رہتی۔ اس کے ملازمین اور ہواخواہ اُس کی ہر نازیبا حرکت کو بادشاہ کے سامنے حسن پیرائے میں بیان کرتے۔ اُس نے علاقہ کرناٹک میں قتل و غارت اور بیدردی کا ریکارڈ توڑ دیا۔ بادشاہ کی نظر میں اُس کا سب سے بڑا جرم یہ تھا کہ اُس نے قطب شاہیوں کی قدیم روایات اور صریح شاہی احکام کے خلاف مندروں کو لوٹنا شروع کیا۔ کسی مذہبی، یا سیاسی خیال سے نہیں بلکہ ان کی بے شمار دولت پر قبضہ کرنے کے لئے۔ اُس نے ہیروں کی کانوں پر اپنا قبضہ کرلیا اور نہ صرف بادشاہ کے دو فیصدی حقوق المالکانہ کو سلب کردیا بلکہ بڑے بڑے نایاب ہیروں کو بھی بادشاہ کے یہاں بھجوانے کے عوض اپنے ذاتی خزانہ میں داخل کرلیا۔ دوسروں کے نام سے ہیروں کی کانوں کا خود ٹھیکہ لے لیا۔ بادشاہ کی اجازت کے بغیر ہیروں کی کئی کانیں خود کھدوائیں اور بارہ بارہ پندرہ پندرہ ہزار غریبوں کو کھیتی باڑی کے کاموں سے چھڑا کر اپنی کانوں کے کام میں لگادیا۔ اور اس طرح زراعت کو نقصان پہنچایا۔ اپنی ذات کے لئے علیحدہ لشکر جمع کرنا شروع کیا۔ فرنگیوں کی ایک جداگانہ فوج اپنے یہاں نوکر رکھی۔ یہ سب کام بادشاہ کی نگاہ سے کب تک چھپ سکتے تھے۔ جلوخانہ عالی میں غریب ہندو رعایا کی ٹکڑیاں دور دور سے دادخواہی کے لئے آنے لگیں۔ اور ہر طرف ملک میں اُدھم مچ گئی۔

ایک روز بادشاہ گولکنڈہ سے حیدرآباد جارہے تھے کہ راستہ میں کاروان ساہوان کے قریب ایک تباہ حال غریب بادشاہ کے گھوڑے کے سامنے گر پڑا۔ بادشاہ نے گھوڑا روک کر دریافت کیا تو اُس غریب نے ایک عجیب و غریب بہت ہی بڑا ہیرا نذر دیا۔ معلوم ہوا کہ یہ ایک مشہور جوہری ہے۔ جس نے کولور کی کان میں ہیروں کا ٹھیکہ لیا تھا۔ یہ مقام گولکنڈہ سے "چھتر" میل کے فاصلہ پر ہے۔ وہاں کچھ دنوں قبل چند بہت بڑے اور غیر معمولی وزن و آب و تاب کے ہیرے نکلے تھے۔ جن میں

سے ایک وہ ہیرا بھی تھا جس کا نام بعد میں کوہ نور مشہور ہو گیا۔ ایسے ہیرے ٹھیکہ دار ہمیشہ بادشاہ کے یہاں لایا کرتے تھے۔ لیکن میر جملہ نے سب ہیرے زبردستی چھین لئے۔ جوہری آنکھ بچا کر ایک ہیرا جوں کا توں نگل گیا اور بعد میں اُس کو نکال لیا۔ تاکہ بادشاہ کو لے جا کر دکھائے اور حقیقت حال سے واقف کرے۔

بادشاہ یہ واقعہ سُن کر خشمگیں ہو گئے۔ اُنھوں نے فوراً میر جملہ کے یہاں کہلا بھیجا کہ وہ سب ہیرے لیکر حاضر ہو۔ اس عرصہ میں میر جملہ کے بیٹے محمد امین سے بھی نازیبا حرکتیں سرزد ہو رہی تھیں۔ لیکن بادشاہ کو یا تو ان کا علم نہیں ہونے پاتا تھا اور اگر ہوتا بھی تو وہ اپنی فطری نیکدلی کی بنا پر درگذر کر جاتے۔ اب جو سب کو معلوم ہوا کہ میر جملہ سے بادشاہ ناراض ہو گئے ہیں تو ہر گوشہ گوشہ سے شکایتیں پہنچنے لگیں۔ کسی نے عرض کیا "حضور تین مہینے ہوئے حسین شاہ ولی صاحبؒ کی درگاہ میں مینا بازار بھرا تھا معلوم ہوا ہے کہ عورت کا بھیس بدل کر محمد امین اپنی چند خواصوں کے ساتھ اس میں شریک ہوا۔ اور دو حسین لڑکیوں کو جن کی شادی ہوئے صرف دو ہفتے ہوئے تھے راستہ سے پکڑ لے گیا۔ دوسرے نے کہا "سرکار میرے آدمی ہاتھی کو ندی میں نہلانے کے لئے لے جا رہے تھے اتفاق سے محمد امین اُس طرف سے گذرا۔ میرے ملازمین کی صرف اتنی خطا تھی کہ ہاتھی کو راستہ سے جلد نہ ہٹا سکے اُس نے غصہ میں آکر دونوں کو مار ڈالا" شکایتوں کی انتہا نہ تھی یہاں تک کہ بادشاہ کے فرنگی طبیب نے بھی ایک روز دست بستہ عرض کیا کہ:۔

"حضور کئی ماہ سے ٹیورنیر اور دوسرے فرنگیوں کا قافلہ جواہرات لئے ہوئے گولکنڈہ آیا ہے تاکہ بندگان عالی کے ملاحظہ میں پیش کریں مگر اُن سے کہا گیا کہ جب تک میر جملہ نہ دیکھ لے بادشاہ کی خدمت میں تم لوگ باریاب نہیں ہو سکتے۔ مجبوراً وہ سب گولکنڈہ سے گنڈی کوٹ چلے گئے۔ جہاں میر جملہ عرصہ سے ہیروں کی تلاش میں قیام پذیر ہے۔ کئی دن تک اس کے خیمہ گاہ پر حاضری دی اور بڑی مشکل سے باریابی نصیب ہوئی۔ اُس نے کئی دفعہ پھرانے کے بعد جواب دیا کہ میرے بیٹے محمد امین سے جا کر ملو وہ تمہیں بادشاہ سے ملا دے گا۔ وہ لوگ اب ایک مہینہ سے گولکنڈہ میں ہیں اور محمد امین کی ڈیوڑھی پر حاضری دیتے ہیں۔ مگر وہ دربار سے آکر سیدھا حرم میں گھس جاتا ہے اور پھر دنوں باہر نہیں نکلتا۔ یہی فرنگی بیان کرتے ہیں کہ شاہ ایران نے پچیس ۲۵ گھوڑے بطور تحفہ آپ کی خدمت میں روانہ کئے تھے۔ وہ گھوڑے حیدرآباد آئے مگر یہیں آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی جگہ میر جملہ کے کارپردازوں نے اُن کو گنڈی کوٹ روانہ کیا تاکہ وہ پہلے دیکھ لے۔ یہ گھوڑے بھی حیدرآباد سے تاجروں کے قافلے کے ساتھ وہاں پہنچے۔ اثنائے سفر میں پانچ گھوڑے مر گئے اور باقی گھوڑے اب تک میر جملہ کے اصطبل میں موجود ہیں"۔

ان خبروں سے بادشاہ پریشان ہو گئے۔ اُنھوں نے دربار میں محمد امین سے دریافت کیا۔ وہ گستاخانہ جوابات دینے لگا۔ بادشاہ غصے میں اٹھ کھڑے ہوئے اور محل کی طرف بڑھنے۔ اشارہ پاکر جاں نثاروں نے اُس کی خوب ہی خبر لی اور نہایت ہی ذلت کے ساتھ دربار سے باہر نکال دیا۔

یہ ایک معمولی واقعہ نہیں تھا اسی وقت تمام ملک میں یہ خبر مشہور ہو گئی۔ میر جملہ نے اپنے انجام کو تاڑ لیا۔ اُس نے دیکھا کہ اب ہیروں کو بچانا بھی آسان نہیں ہے۔ اُس نے فوراً شہزادہ شجاع کو جو اس وقت شاہجہاں کی طرف سے بنگالہ کا گورنر تھا عریضہ لکھا کہ آپ اپنی فوج کے ساتھ گولکنڈہ کا رُخ کیجئے۔ وہاں کی تمام فوج میرے ساتھ ہے۔ کوئی مقابلہ کرنے والا نہیں۔ مفت میں آپ اس سلطنت کے بادشاہ ہو جائیں گے شہزادہ شجاع نے جواب دیا کہ :-

"جو شخص اپنے محسن اور آقا سے غداری کرنے پر آمادہ ہو اُس کی رائے اور اعانت پر بھروسہ کرنا عقلمندوں کا شیوہ نہیں۔ آج تم سلطان عبداللہ جیسے نیکدل حکمراں کے ساتھ بے ایمانی کرنا چاہتے ہو، کل میرے ساتھ بے ایمانی کرنے میں کیا کمی کروگے؟"

وہاں سے ناامید ہو کر میر جملہ نے شہزادہ اورنگ زیب کو خط لکھا جو اس وقت اورنگ آباد کا صوبہ دار تھا۔ اورنگ زیب ایسے بے ایمان کے ساتھ معاملہ کرنا جانتے تھے اُنھوں نے فوراً منظور کر لیا۔ میر جملہ نے رائے دی کہ آپ علی الاعلان حملہ نہ کریں۔ چونکہ اورنگ آباد سے بنگالہ کو جانے کا راستہ بھاگ نگر ہی سے گذرتا ہے آپ یہ مشہور کیجئے کہ آپ کا فرزند شہزادہ محمد سلطان اپنے چچا شہزادہ شجاع کی لڑکی سے شادی کرنے جا رہا ہے۔ ادھر میر جملہ نے سلطان عبداللہ کو لکھا کہ میں ہیرے لے کر حاضر خدمت ہو رہا ہوں مگر شاید دیر لگے۔ اس اثنا میں شہزادہ محمد سلطان بھاگ نگر کے قریب سے گذرے گا آپ اُس کی شایان شان دعوت کریں تو فریقین میں ازدیاد محبت اور استحکام تعلقات کا باعث ہوگا۔

حیدرآباد میں شہزادہ کی دعوت کی عالی شان تیاریاں ہونے لگیں۔ تمام محلات شاہی کو آراستہ کیا گیا۔ باغوں اور راستوں کی زیب و زینت کے لئے پانی کی طرح روپیہ بہایا گیا۔ شہزادہ کے لئے عالیشان تحفے مہیا کئے گئے اور سلطنت کی وہ سڑک جو اورنگ آباد سے بنگالہ کو جاتی ہے خاص طور پر بعجلت تمام درست کی گئی تاکہ شہزادہ کو سفر میں کوئی زحمت نہ اُٹھانی پڑے۔ جگہ جگہ پانی اور غلہ کے ذخیرے قائم کئے گئے۔ جوں جوں شہزادہ حیدرآباد کے قریب پہنچتا گیا ان انتظامات کی دھوم دھام میں اضافہ ہوتا گیا۔ اور جب حسین ساگر پر اُس کی سواری پہنچی تو مغرب کا وقت تھا۔ تمام شہر میں جشن چراغاں منایا جا رہا تھا۔ چراغوں اور آتش بازی کی کثرت کی وجہ سے حیدرآباد بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ سلطان عبداللہ بڑے طمطراق کے ساتھ شہزادہ کے استقبال کے لئے جلوخانۂ عالی سے نکلے۔ نوبت اور نقاروں کی آواز آسمان تک گونج رہی تھی۔ لیکن فلک کجرفتار موقع تک رہا تھا، اور بدکیش میر جملہ بھولے

حیدرآبادیوں کی سادہ لوحی پر ہنس رہا تھا۔

سلطان عبداللہ کا جلوس شہزادہ کے استقبال کے لئے ابھی بادشاہی عاشور خانہ تک نہ پہنچنے پایا تھا کہ خود میر جملہ کے ایک حبشی غلام نے جو مخبری اور جاسوسی کے لئے سلطان عبداللہ کے پاس متعین تھا لیکن بچپن میں بادشاہ کی خدمت کرچکا تھا۔ اس کے احسانات اور نیکدلی کے بدلے میں اس کے گھوڑے کے قریب بڑھکر چشم پرنم عرض کیا۔

"حضور پلٹیئے۔ اس سے زیادہ دیکھا نہیں جاسکتا۔ آپ کی جان خطرہ میں ہے۔ میر جملہ چاہتا ہے کہ آپ کو حسین ساگر کے کٹہ پر گرفتار کرکے قتل کرڈالے! اور صرف محمد سلطان ہی نہیں اورنگ زیب بھی ساتھ ہے۔"

بادشاہ حیران رہ گئے۔ انھیں یقین نہ آسکتا تھا۔ بوڑھا حبشی گھوڑے کے پیروں میں گرگیا۔ اُسی وقت کسی نے اُس کے خنجر بھونک دیا تھا۔ بادشاہ مجبورًا محل کو واپس ہوئے۔ شہزادے کو جب یہ خبر پہنچی تو فورًا حملہ کا حکم دیا۔ کیونکہ اندیشہ تھا کہ کہیں باشندگان حیدرآباد کو جنگ کی تیاری کا موقع نہ ہاتھ آئے۔

جشن چراغاں مرگِ انبوہ سے بدل گیا۔ مغل سپاہی ہر گلی کوچے میں قتل و غارتگری میں مشغول ہوگئے۔ شاہی محلات پر قبضہ کرلیا۔ بادشاہ کی تلاش ہوئی۔ وہ پہلے ہی اُس خفیہ رستہ سے جو داد محل سے گولکنڈہ کے بالاحصار تک شہر اور ندی کے نیچے نیچے سرنگ کھود کر بنایا گیا تھا قلعہ میں پہنچ گئے اس بھنیارے کے نشان اب تک چوک کی مسجد کے قریب جہاں داد محل واقع تھا موجود ہیں۔ یہ اتنا وسیع تھا کہ وقت واحد میں دو سوار مل کر ہاتھ میں برچھے لئے ہوئے قلعہ تک جاسکتے تھے۔ مغل سپاہیوں نے غریب شہریوں کو جس بے دردی اور درندگی سے لوٹا اُس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ خاصکر ایسے موقع پر جبکہ وہ انہی مغلوں کی ضیافت کے لئے جشن منا رہے تھے۔ مگر میر جملہ کی خوشی کے مقابلے میں ان غریبوں کی خوشی کی کیا ہستی وہ تو ہیروں کو ہضم کرنا چاہتا تھا۔

تمام رات چراغوں اور آتشبازی کی روشنی میں شہر حیدرآباد جلتا اور لٹتا رہا۔ اور صبح کو اتنا مالِ غنیمت جمع ہوگیا کہ اس کی قیمت کا اندازہ لگانے سے ہر مورخ قاصر رہا۔ شاہی محلات میں سونے کی چادروں کا فرش تھا۔ وہ سب لوٹ لیا گیا۔ دولت خانۂ عالی کا خالص سونے اور ہاتھی دانت کا بنا ہوا عظیم الشان دروازہ غارت گیا۔ بڑے بڑے قالین جب محلوں سے اٹھائے نہ جاسکے تو اُن کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے بانٹ لیا گیا۔ ہفت منزلہ شاہی کتب خانہ کی بیش قیمت مطلّا و مذہّب کتابیں سلاح خانہ کے عجوبۂ روزگار ہتھیار، جواہرخانہ کے نادرالوجود جواہرات، اور شاہی کارخانوں اور کوٹھوں کے پارچہ جات، قدیم چینی، نقروی اور طلائی برتنوں کے انبار غرض سب کے سب لٹ گئے۔ معلوم ہوتا تھا کہ اب شہر میں صدیوں تک افلاس کا دور دورہ رہے گا۔ لیکن آفریں ہے قطب شاہیوں پر کہ مغلوں کے ٹلنے کے بعد ہی پھر اپنے شہر کو رشک ارم بنا دیا اور یہ محسوس بھی نہ ہونے

دیا کہ شہر پہ کوئی بلا نازل ہوئی تھی۔

اس وقت تو میر جملہ یہی سمجھ رہا تھا کہ میں ہیروں کو بچا لینے میں کامیاب ہوگیا اور ہیرے دینے کی جگہ اپنے آقا کو ایسی زک دی ہے کہ وہ اب ہیرے مجھ سے طلب کرنے کے قابل بھی نہیں رہے۔ لیکن زمانہ بڑا ستم ظریف ہے وہ ہر فرعون کے لئے ایک موسیٰ پیدا کر دیتا ہے۔ اگرچہ اورنگ زیب کی تخت نشینی تک میر جملہ کی بڑی قدر و منزلت رہی۔ شاہجہاں نے اُس کو معظم خاں کا خطاب دیا اور وہ وزیر اعظم بھی بنایا گیا۔ لیکن اس اثنا میں اُس کو اپنے وہ تمام عزیز از جان ہیرے سلطان محمد اورنگ زیب اور خود شاہجہاں کو نذر کرنے پڑے جن کی خاطر وہ حیدر آباد کی تباہی کو ہیچ سمجھتا تھا۔

اسی ہڑبونگ میں اُس کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور اُس کے اکلوتے بیٹے محمد امین سے زیادہ عزیز اور مایہ ناز اُس کے ہاتھ سے نکل گیا جو آج "کوہِ نور" کے نام سے چار دانگ عالم میں مشہور ہے۔

باوجود اس تمام مکر و فریب کے میر جملہ کو مغل دربار میں وہ اعزاز اور اعتماد حاصل نہ ہو سکا جس کا وہ متمنی اور آرزومند تھا اور نگ زیب اسکو ہمیشہ شک کی نگاہوں سے دیکھتے رہے وہ جانتے تھے کہ اپنے ہر محسن اور ہر دوست کے ساتھ میر جملہ کا برتاؤ اچھا کبھی نہیں تھا۔ بلکہ اُس کا مقتضائے طبیعت ہی یہ تھا۔

اورنگ زیب نے اس کے اہل و عیال اور اس کے فرزند محمد امین کو ہمیشہ اپنے دربار میں بطور میر عمّال کے رکھا۔ اور آخری وقت جب وہ بنگالہ میں مغل صوبہ دار کی حیثیت سے مقیم تھا اُس کی یہ خواہش تھی کہ میں خود تو ناکام رہا۔ کم از کم اپنے بیٹے کے لئے بنگالہ کی سلطنت چھوڑ جاؤں۔ اُس نے بارہا کوشش کی کہ محمد امین شہنشاہ اورنگ زیب کی قید سے بھاگ نکلے مگر اورنگ زیب کا پنجہ اتنا کمزور نہ تھا جو یہ اُس سے نکل سکتا مرض الموت میں وہ بار بار محمد امین کو پکارتا تھا۔ ہیروں کے تھیلے اس کے لئے اب بارِ گراں تھے۔ جن کو تمام عمر اُس نے اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھا تھا اور سمجھا تھا کہ کسی نہ کسی روز میرا بیٹا اورنگ زیب کے قبضہ سے نکلے گا اور اس دولت کی مدد سے اپنی بادشاہت کو مستحکم کر سکے گا اس حالت میں بھی جب کہ وہ اورنگ زیب اور شاہجہاں کو بہت کچھ نذر کر چکا تھا۔ بیس آدمیوں کے وزن کے برابر گولکنڈہ سے لائے ہوئے ہیرے اس کے پاس موجود تھے۔ اس کی زندگی کی آخری گھڑیوں میں نوعمر اور نیکدل سلطان عبداللہ مرزا کے ساتھ اُس کی مشہور آفاق بے ایمانی عزرائیل کی شکل میں اُس کی روح سلب کرنے کے لئے اس کو ڈرا رہی تھی۔

سید محی الدین قادری زور

ایم۔ اے

دو قلمی مثنویاں

اصناف شاعری میں قصیدہ، غزل، قطعہ، رباعی سبھی داخل ہیں۔ کوئی غزل سرائی میں یکتا ہے تو کوئی قصیدہ گوئی میں کوئی رباعی لکھنے میں مشاق ہے تو کوئی قطعہ لکھنے میں مگر ان تمام اصناف میں مثنوی کو جو خصوصیت حاصل ہے وہ قصیدے وغیرہ میں نہیں پائی جاتی۔ اس میں ہر واقعہ نہایت سادگی سے نظم کیا جا سکتا ہے۔

مثنوی کی تمام بحریں ایسی ہیں جن میں دل آویزی اور دلربائی پائی جاتی ہے۔ یہ نظم کی سب سے بڑی اور قدیم صنف ہے۔ شعرائے اُردو نے مثنوی کی ان تمام بحروں میں طبع آزمائی کی ہے۔ یہی ایک ایسی قسم ہے جس میں بہت وسعت ہے اور نہایت بے تکلفی سے اس میں ہر قسم کے خیالات نظم کئے جا سکتے ہیں۔

دراصل مثنوی ایران کی پیداوار ہے اور اصناف شاعری کی طرح یہ بھی ایران سے آئی۔ اب تو ہر طرف اُردو کا چرچا ہے جسے دیکھئے اُردو زبان کا راگ گاتا ہے۔ زندگی کی ضروریات نے اس کی ترقی میں چار چاند لگا دئے ہیں۔

ہندی اُردو کا قضیہ کتنا ہی ناخوشگوار ہو مگر ہم اپنے ہندو بھائیوں سے دست بستہ عرض کریں گے کہ ہمارا آپ کا چولی دامن کا رشتہ ہے۔ آپ ہم سے کیوں بگڑتے ہیں کیوں ناراض ہوتے ہیں مل کر رہئے اور وہ زبان جو اتفاق سے پیدا ہوگئی ہے اُس کی بیخ کنی نہ فرمائیے۔ حضرت علامہ راشد الخیری مرحوم کی نصیحت ہمارے کانوں میں گونج رہی ہے کہ:-

"اردو کو زندہ رکھنا چاہتے ہو تو مل کر کام کرو اور اُردو کو زندہ رہنا چاہئے۔
ہندوؤں کو ملاؤ انھیں تم الگ نہیں کر سکتے۔ ہندوؤں نے بھی اُردو کو ترقی
دی ہے کوئی انجمن بناؤ انھیں برابر کا شریک کرو ان سے مل کر کام لو یہ کام
اب تمہارے کرنے کے ہیں۔"

منشی لالہ موہن چند۔ منشی جوالا پرشاد۔ منشی دیا نرائن شنکر۔ منشی نند کشور۔ جناب چکبست کیا ان کی خدمتوں پر آپ پانی پھیر دیں گے۔ نہیں نہیں جس طرح انھوں نے اس اُردو زبان کی خدمت کی ہے آپ بھی کیجئے۔ براہِ کرم زبان کے معاملہ میں تفریق کو

دخل نہ دیجئے۔ شکر میں زہر نہ ملائیے۔ اُف میں کہاں سے کہاں چلا گیا معاف فرمائیے۔

حضرت مولانا رومؒ کی مثنوی کی آج تک بہت سی شرحیں اور ترجمے ہوئے مگر ہم جس ترجمہ کا تذکرہ کرنا چاہتے ہیں یہ ایک قلمی منظوم ترجمہ ہے کتاب ناتمام ہے اس وجہ سے افسوس ہے کہ مصنف کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ شروع میں دیباچہ کے بعد حضرت مولانا جامیؒ کے چند اشعار کا ترجمہ ہے جو اُنھوں نے مولانا کی مثنوی کی شرح میں بزبان فارسی لکھے تھے۔ پہلے دیباچہ کا انتخاب ملاحظہ ہو۔

اے خدا اے قبلۂ جانِ جہاں ڈھونڈھنے تجھ کو بتا جاؤں کہاں
اے خدا مطلوب جانِ عاشقاں نورِ چشم بیدلان وجانِ جاں
آتشِ ہجراں سے ہے گا دل کباب یا ملا مجکو ادھر یا آشتاب
گو یہ دل ہے آئینہ آہن بنا پر تری صورت گئی اس میں سما
واسطہ اپنا گذر فرما ادہر جلوہ گر ہو آئینہ میں کر نظر
گو دل اپنا آہنِ بکلیس ہے پر جمالِ یار مقناطیس ہے
ہے رگِ گردن سے تو میرے قریب وائے محرومی نہیں ملنا نصیب

مولانا جامیؒ کے چند اشعار کا ترجمہ

ایک دن وہ تھا کہ جز شاہِ وجود غیر کو ہرگز نہ تھی بود و نمود
غرق تھی بحر ہویت میں جاں حرف غیریت نہیں تھا درمیاں
چوں کیا دل قیدئی ہستی گواہ چھپ گیا کیونکر بزیر ابر ماہ
قید ما و من سے جی بے تاب ہے نالہ و زاری میں بھی مانند نے

اس کے بعد مولانا رومؒ کی مثنوی کا ترجمہ اس طرح شروع کیا ہے کہ اوپر مولانا کا شعر ہے اور نیچے ترجمہ والا شعر۔ اس میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ترجمہ کرنے والے صاحب نے اس کی کوشش کی ہے کہ مولانا کی مثنوی میں جو شیرینی ہے ترجمہ بھی اسی لذت کا حامل رہے۔

سنیو۔ نے سے کیا حکایت کہتی ہے کیوں جُدائی سے شکایت کرتی ہے
جب سے کی ہے کاٹ کر تن سے جُدا جسکے مونہہ لگتے ہی نالاں ہے صدا
پارہ پارہ کر یہ سینہ اے فراق تا کہوں بیخود ہو دردِ اشتیاق

جس کو ہووے شوق اپنی اصل کا کیوں نہ ڈھونڈے ہے وہ زمانہ وصل کا
مجکو ہر مجلس میں ہے نالے سے کام کو مراد ساز ہووے شاد کام
اپنی اپنی بوجھ کے سب یار ہیں کب یہ میرے واقفِ اسرار ہیں
نے ہے کوئی زہر۔ یا تریاق ہے یار کی دمساز یا مشتاق ہے
گر نہ ہوتا نالۂ نے میں اثر نے سے کب ہوتا یہ عالم پر شکر
حال عاشق کب سمجھتے ہیں یہ خام بس سخن کوتاہ کیجے والسّلام
کوزۂ چشمِ حریصاں پُر نہ ہو چوں صدف قانع نہ ہو پُر در نہ ہو
واہ واہ اے عشق خوش سودا مرے تو ہے درماں دردِ باطن کا مرے
ہے علاجِ نخوت و ناموس تو ہے مرا بقراط و جالینوس تو
جسمِ خاکی تجھ سے ہو نچا تا سما طور تیرے فیض سے رقصاں ہوا

عشق جانِ طور ہے اے عاشقاں
خرِّ موسیٰ عشق ہی کا ہے نشاں

چونکہ اس مثنوی کے سر ورق پر سنہ ۹۷۱ لکھا ہے اس لحاظ سے اردو زبان کی مثنوی کی اوّلیت کا سہرا اسی کے سر ہے۔ مثنوی شریف مولانا رومؒ کے اشعار دفتر اوّل "نعت تعظیم مصطفٰے" کی حد تک یہ ترجمہ ہے۔ جو ریاست علی صاحب کا نقل کیا ہوا ہے۔ نقل کے ختم پر تاریخ ۲۲ ذیقعدہ سنہ ۱۲۵۱ھ لکھی ہے۔ اب سنہ ۱۳۵۵ھ ہے اس حساب سے نقل کو ایک سو چار سال ہوئے اور سنہ تصنیف کے اعتبار سے ۳۸۴ سال ہوتے ہیں یوں تو ایک اور مثنوی کا پتہ چلا ہے جو سنہ ۹۷۰ کی ہے گر ابھی تک وہ دستیاب نہیں ہوئی ہے اور جبتک مل نہ جائے کوئی صحیح رائے قائم نہیں ہو سکتی۔

دوسری قلمی مثنوی

اس قلمی مثنوی کا گلزار ابراہیم نام ہے۔ اور یہ حضرت حافظ ابوالحسن رحمتہ اللہ علیہ کی مصنفہ ہے اس میں حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کے قصہ کو حضرت مولانا روم کی مثنوی کے طرز میں نظم کیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کی مصیبت کی داستان ناظم نے نہایت دلگداز پیرائے میں بیان کی ہے۔ افسوس کہ طوالت مضمون کی وجہ سے نفس داستان پر کچھ لکھنے کا موقع نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ گلزار ابراہیم نام ہونے کی وجہ سے مرزا لطف علی کی کتاب گلزار ابراہیم کی طرف خیال جائے مگر نہیں یہ کتاب اس سے

بالکل علیحدہ ہے۔ اس وقت تک دیباچہ دیکھنے سے یہ رائے قائم ہوتی ہے کہ اس مثنوی کے دو حصے ہیں۔ کیونکہ قلمی مثنوی کا جو حصہ اس وقت میرے سامنے ہے۔ اس میں لکھا ہوا ہے "یہ دفتر دوسرا ہے بحرِ حقیقت کا"

اُردو میں آج تک بہت سی صوفیانہ مثنویاں لکھی گئی ہیں مگر اس صوفیانہ مثنوی کو قدرت نے جو اندازِ بیان عطا فرمایا ہے وہ عجیب دلکش ہے۔ مضمون آفرینی کے ساتھ ساتھ وہ صوفیانہ سوز و گداز بھی لئے ہوئے ہے۔

یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ فارسی میں مثنوی مولانا رومؒ کو جو مرتبہ حاصل ہے اُردو زبان میں اس مثنوی کو وہی درجہ دیا جائے تو بجا ہے۔ مولانا رومؒ اپنی مثنوی میں ایک قصہ بیان کرتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں نادر استدلال اور دلکش مثالیں دے کر نصائح بھی فرماتے جاتے ہیں۔ یہی اندازِ بیان اِن کا ہے۔ غرض مولانا حافظ ابوالحسنؒ نے اپنے دماغ کے خزانہ سے صفحۂ قرطاس پر جو لعل و گوہر بکھیر دیئے ہیں۔ اس کی قدر و قیمت جوہری ہی جان سکتے ہیں۔

سببِ تالیف کتاب خود مؤلف کی زبان سے سُنئے

گوشۂ خلوت میں کر کے بند باب | ایک دن کرتا تھا میں سیرِ کتاب
شوقِ دل سے باہزاراں التماس | دیکھتا تھا میں کتابِ اقتباس
اس میں ہے سطور حالِ انبیا | من و عن تفسیر بیّن سے لکھا

کاتب نے غالباً سہو کتابت سے سطور کو (ت) سے لکھدیا ہے اسی طرح اولیا کی جگہ انبیا۔

حال پیدائش کا ابراہیم کی | دیکھکر مجکو عجب حیرت ہوئی
تھا پدر ان کا فقیرِ بے نوا | کہتی تھی ادہم اُسے خلقِ خدا
اتفاقاً وہ بفرمانِ قضا | دخت شاہِ بلخ پر عاشق ہوا
عشق کا اُن کے ہے افسانہ عجیب | ہے بہت نادر حکایت اے لبیب
اس سے پیدا ہونا ابراہیم کا | ہے عجب دلچسپ رنگیں ماجرا
دل میں یوں آیا کہ لبِ داستاں | کیجیے ہندی میں لطافت سے بیاں
تھا یہ قصہ خلق میں گو مشتہر | میں نے کھولے اور رازِ مستتر

اس مثنوی کے قدیم ہونے کی بڑی دلیل یہ ہے کہ اکثر جگہ مؤلف نے پُرانے الفاظ استعمال کئے ہیں مثلاً آجکل "دل کو" لکھتے ہیں قدیم ہندی (اُردو) میں "دل کوں" استعمال کیا جاتا تھا ملاحظہ ہو۔

گوشِ دل کوں کھول تو اے بے خبر | تاکہ ان باتوں کا دل پر ہو اثر

آجکل سننے ملا کر لکھا جاتا ہے مگر مثنوی نے علیحدہ علیحدہ لکھا ہے۔

سُن نے کے مشتاق ہیں اہلِ جہاں ۔۔۔ پھیر تو بھی اپنے گھوڑے کی عناں

غرض اسی طرح بہت سی جگہ قدیم رسم الخط پایا جاتا ہے۔

حضرتِ ابراہیم بن ادہم کے اس قصہ میں بعض بعض ایسے مقامات بھی ہیں جہاں شاعر کے شاعرانہ جذبات و کمالات بھی بے نقاب نظر آتے ہیں۔ عشق کے موقع پر ذرا عشق کی تعریف سُنئے کلام کی پختگی بندش کی صفائی اس پر عشق کی چاشنی سونے پر سہاگہ ہے۔

عشق کی ہر دم نئی ہے ایک شان ۔۔۔ عشق ہے صیقل گرِ مرآتِ جاں
عشق سے پیدا ہوئے کون و مکاں ۔۔۔ عشق سے روشن ہوئے دونوں جہاں
عشق ہے بیماریٔ دل کا طبیب ۔۔۔ عشق ہے تریاق فاقہ اے لبیب
عشق جس دل میں نہیں وہ دل نہیں ۔۔۔ گِل سے بدتر ہے وہ دل اے مردِ دیں
تا ابد سر سبز ہے گلزارِ عشق ۔۔۔ روز افزوں رونقِ بازارِ عشق
مرحبا اے عشق عالی مرتبت ۔۔۔ مرحبا اے عشق فرخندہ صفت
مرحبا اے شہ سوارِ لامکاں ۔۔۔ مرحبا اے رہنمائے گمرہاں
ہے فلک سرگشتۂ سودائے عشق ۔۔۔ ہے جہاں پر فتنۂ غوغائے عشق
بے خزاں ہے گلشنِ گلزارِ عشق ۔۔۔ عقل سے باہر ہے کاروبارِ عشق
عشق کی ساری ہیں یہ گلکاریاں ۔۔۔ جس سے ہے سرسبز گلزارِ جہاں
آتشِ گل سے کیا بلبل کو خاک ۔۔۔ دل چکوروں کا قمر سے چاک چاک
شمع پر پروانے کو مائل کیا ۔۔۔ سرو سے قمری کا دل گھایل کیا
عشق ہے قطع علائق میں مگر ۔۔۔ تیغ براں سے زیادہ تیز تر

جبر و توکل کے متعلق فرماتے ہیں۔

کسب کر لیکن خدا کے نام پر ۔۔۔ کچھ بھروسہ رکھ نہ اپنے کام پر
جبر یہ باتیں نہ جان اے جان تو ۔۔۔ یہ توکل ہے اسے پہچان تو
جبر مردود و توکل مغزِ دیں ۔۔۔ جبر ہے صبر و توکل انگبیں
فرق اِسمیں اُسمیں ہے صد سالہ راہ ۔۔۔ تجھ کو اے غافل ہے لازم انتباہ

اب جذب کی تعریف سنئے:۔

جذب ہی کرتا ہے کہ کو کہربا — پر کشش نے عشق سے نسبت ہے کیا
جذب آہن کو ہو مقناطیس سے — جذب دل کا پر نہیں رتبہ اُسے
جاذب و مجذوب میں ہے گو گدراہ — فرق اُنہیں اُنہیں ہے صد سالہ راہ
جذب اس میں گو کہ ہے رقت گناں — وہ رجا وہ خوف وہ اُلفت کہاں
جذب گو ہے لیک درد و غم نہیں — لذتِ دیدار چشم نم نہیں

قبولیت دُعا میں دیر ہونے کا فلسفہ اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

مالکِ افلاک داراے جہاں — رد نہیں کرتا سوالِ عاجزاں
دیر ہو تیری دُعا میں گر کہیں — تو۔ توقف خالی از حکمت نہیں
ہے اگر وہ شے ترے حق میں بُری — رد ہے اس کا سوا اجابت سے فزوں
بہتر اس سے دیگا رب العالمیں — یعنی جائے ستم قاتل انگبیں
لیک سوچے کب اسے عقلِ بشر — عقلِ کل کے فہم سے جو ہو بدر

کیا خوب مثال دیتے ہیں سنئے:۔

جو بِش خوں۔ گر طفل کو ہوئے پسر — قند کے دینے سے ہے ہی مزد
طفل گو رو رو کے مانگے انگبیں — باپ حنظل کے سوا دیتا نہیں
کیونکہ معلوم اس کو ہے اس کا مزد — طفل ہے نفع و زیاں سے بے خبر
تو۔ تو ہے جو یائے مال و سیم و زر — اس کے اندر ہے ترے جی کا خطر
تو حماقت سے کیا چاہے سوال — اور وہی ہے جان کا تیری وبال
اس لئے کرتا ہے رد اُس کو خدا — تا نہ ہو تو سو بلا میں مبتلا
جانتا بہتر ہے وہ ردِّ قبول — اس کے درپے تو نہ ہوئے بوالفضول

رضا و تسلیم کے مقام کو ایسے خوبصورت پیرایہ میں بیان کیا ہے کہ سبحان اللہ

بندۂ عاجز کی یہ طاقت ہے کیا — آگے مولا کے کرے چون و چرا
کچھ نہیں دم مارنے کا یہ مقام — ہے رضا تسلیم ہم بندوں کا کام
جسم ہے صندوق ہر عضو جاں — جی بدن میں ہے ودیعت اے جواں

ہے یہ دنیا ایک باغِ دلستاں ۔۔۔ مالک اس کا ہے وہ دارائے جہاں

ہیں یہ موجودات اس کے پھول و پھل ۔۔۔ رنگ و بو اس کی ہیں یہ علم و عمل

توڑے مالک گر کوئی گل یا ثمر ۔۔۔ ہے حماقت ہم اگر ہوں چشم تر

ہیں اُسی کے گل اُسی کے سب ثمر ۔۔۔ ہے اسی کا باغ و برگ و خشک و تر

مِلک میں مالک تصرف گر کرے ۔۔۔ کس کی طاقت ہے کہ اس کو کچھ کہے

وجود و عدم کے مراتب کا یوں تذکرہ فرماتے ہیں۔

ہے محیطِ اوّل عدم ہر چیز کو ۔۔۔ جب خدا نے چاہا وہ موجود ہو

کہہ کے وہ لبیک پھر بے کیف و کم ۔۔۔ رکھتی ہے نفسِ نباتی میں قدم

جب عدم سے ہو گئی اُسکی نمود ۔۔۔ حکم حاکم سے چلی سوئے وجود

ظلم اور جہل کی بے مثل اور حقیقی تعریف۔

ظلم کیا ہے؟ صرفِ شے نا بے محل ۔۔۔ جہل کیا ہے؟ قولِ شیطاں پر عمل

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو قوتیں عطا فرمائی ہیں ان کی عطا کا فلسفہ:۔

عقل و نطق و حفظ و ذہن و فہم و فکر ۔۔۔ قوتِ تخیل و استعدادِ ذکر

تو اگر ان سب کو۔ کھو دے رائگاں ۔۔۔ کیوں نہ ہو تیرا جہنم میں مکاں

عقل دی تھی تا کہ سمجھے بات کو ۔۔۔ اور کرے دریافت اسکی ذات کو

حفظ تو نہیں مگر نطق کو خوب بیان فرمایا ہے:۔

حفظ سے تا حافظِ قرآں ہو ۔۔۔ نطق سے سر دفترِ انساں ہو

ذہن کی تیزی سے سمجھے رازِ غیب ۔۔۔ فہم سے دریافت ہوں باطن کے عیب

فکر سے سوچے کہ کیوں پیدا کیا ۔۔۔ ہے غرض ایجاد سے بندگی کیا

قوتِ تخیل تھی اسواسطے ۔۔۔ تا کہ تو فاسد خیالوں سے بچے

قوتِ تذکیر سے مطلب یہ تھا ۔۔۔ ذکر قلبی تا رہے جاری سدا

صرف تو نے بے محل ان کو کیا ۔۔۔ دیکھئے تا ہو ترا انجام کیا

ہم نے اس مضمون میں دو مثنویوں کا تذکرہ کیا ہے۔ پہلی مثنوی سنہ ۱۱۹۱ھ اور یہ دوسری عہدِ شاہجہاں کی ہے۔ نگار جنوری سنہ ۲۵ء میں ایک مضمون چھپا تھا جو اب مثنویات کے نام سے کتابی شکل میں شایع ہو گیا ہے۔ اس کتاب کے صفحہ ۲ میں صاحبِ کتاب

مثنویات نے قدیم نظم اُردو کے متعلق اظہارِ خیال فرمایا ہے۔ اس کے متعلق تو عرصہ ہوا ہم ایک تفصیلی مضمون لکھ چکے ہیں اب ہی مثنوی کی ابتدا تو معلوم ہوتا ہے کہ قلمی مثنوی ہونے کی وجہ سے مؤلف کتاب مثنویات اس سے لاعلم رہے ہیں واقعہ یہ ہے کہ جس قدر اس قسم کی کتابیں دستیاب ہوتی جائیں گی اتنا ہی دائرہ تحقیق وسیع ہوتا جائے گا فہرست مختصر تعداد معہ سنہ و عہد

مثنوی شیخ رزق اللہؒ[1]	سنہ ۹۷۰ھ	مطابق سنہ ۱۵۶۲ء	عہدِ سکندر لودی
ترجمہ مثنوی بطرز مثنوی مولانا رومؒ	سنہ ۹۷۱ھ	مطابق سنہ ۱۵۶۳ء	عہدِ اکبری
مثنوی گلزار ابراہیم	سنہ ۹۹۲ھ	مطابق سنہ ۱۵۸۴ء	عہدِ شاہجہاں
عشقیہ مثنوی از افضل میرٹھی	سنہ ۱۰۲۰ھ	مطابق سنہ ۱۶۱۱ء	عہدِ شاہجہاں

افضل میرٹھی کی اس مثنوی کا مؤلف "پنجاب میں اُردو" نے تفصیل سے تذکرہ کیا ہے۔ ملاحظہ ہو معارف مارچ سنہ ۱۹۳۰ء جس میں جناب نصیر احمد صاحب ہاشمی نے لکھا ہے کہ دیوان ولی موجودہ یورپ میں وہ مخلص کا پتہ نہیں۔ واللہ اعلم

اب ہم مثنوی گلزار ابراہیم کے چند مناجاتیہ اشعار پر اپنا مضمون ختم کرتے ہیں

اے خدا اے مالکِ ہر دو جہاں ۔۔۔ مرہمِ ریشِ دلِ غم خوارگاں
گر نہ ہو تیری طرف سے فتحیاب ۔۔۔ پھر بھلا کیونکر ہو کوئی باریاب
حبِ دنیا میں نہ کر مجکو ذلیل ۔۔۔ راہِ باطن کی مرے ہو تو دلیل
مجکو یوں سرگشتہ و رسوا نہ کر ۔۔۔ راہ کا میرے تو ہی ہو راہ بر
یوں نہ رہنے دے پریشان و تباہ ۔۔۔ دستگیری کر مری اے بادشاہ
ہے شبِ تاریک رہ میں تیری چاہ ۔۔۔ رہنما تو ہو تو میرا ہو نباہ
دستگیری کر مری تو اے کریم ۔۔۔ تو ہے خود غفار و ستار و رحیم
ہے یہ رحمت سے تری مجکو یقیں ۔۔۔ سامنے میں جب ہوں با جانِ حزیں
رحم کا اس وقت تیرے ہو ظہور ۔۔۔ ظلمتِ عصیاں مبدل ہو بنور
عشق مجکو لے گیا کس جا حسین
رہ گیا بیچارہ ادہم نعرہ زن

درد کاکوروی

---

[1] اُردو میں اِن کا دیوان موجود ہے۔ یہ حضرت شیخ سعد اللہ کے صاحبزادے ہیں دیوان میں مثنوی وغیرہ بھی کچھ ہے۔ اس کے علاوہ متانن۔ جوت۔ نرنجن بھی اِن کی تصانیف سے متعلق بزبانِ اُردو میں مصباح العاشقین صفحہ ۳۶ یہ بزرگ عہدِ سکندر لودی میں تھے جن کا سال جلوس سنہ ۸۹۴ھ ۱۴۸۸ء وفات سنہ ۹۲۳ھ ۱۵۱۷ء

کنول بالخصوص بدھ مذہب کا پھول سمجھا جاتا ہے۔ اس کا نام "ہوتو کینو ہانا" ہے جس کے معنی ہیں "بدھ کا پھول"۔ یہ پھول پاکیزگی کی علامت اور لطافت کا مظہر ہے۔ کیونکہ کیچڑ سے اس کے حسین پھول نشو و نما پاتے ہیں لفکاڈیو ہرن کہتا ہے:-

"گندی سے گندی کیچڑ سے یہ پھول اُگتا ہے مگر پھول پاکیزہ اور ستھرا رہتا ہے۔
اور وہ شخص جو لالچوں میں گھرے رہنے کے باوجود خراب نہیں ہونے پاتا۔ اُس کی
روح کنول کے مثل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مندروں میں آپ جا بجا کنول
منقش دیکھتے ہیں اور اسی سبب سے آپ کو بدھ اوتار کی شبیہ کے ساتھ کنول بھی
نظر آتا ہے۔ جنت میں نیک بندے شہرے کنول کے پھولوں پر بیٹھیں گے۔"

جولائی کے آخری ہفتے سے شروع ستمبر تک کنول کی بہار ہوتی ہے۔ اگست میں اس کے کھلے ہوئے پھول مندروں کے باغیچوں اور کھیتوں میں نظر کو بہت بھلے لگتے ہیں۔ ان کا رنگ کبھی سفید اور کبھی گلابی ہوتا ہے۔ پھول کی پتیاں پو پھٹتے ہی کھل جاتی ہیں۔ دوپہر کو بند ہو جاتی ہیں تاکہ پھر اگلے دن علی الصباح کھلیں۔ اسی طرح چند روز تک یہ پھول کھلتا بند ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ ایسا بند ہوتا ہے کہ پھر نہیں کھلتا۔

کنول کی خوبصورتی صرف اُس کے پھول میں نہیں ہوتی بلکہ اُس کے چوڑے چوڑے سبز پتّوں میں بھی ہوتی ہے۔ صبح سویرے جب ان پتوں پر شبنم کے قطرے پڑے نظر آتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سبز سیپیوں میں موتی ڈھلک رہے ہیں۔ خزاں میں بھی جب ان پتوں کا رنگ بھورا ہو جاتا ہے۔ جاپانی لوگ اس کے ڈنٹھلوں اور پتوں کی تعریف کرتے ہیں۔ کیونکہ اب یہ مرجھا کر نگوں سار ہو جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جب کنول کی کلیاں کھلتی ہیں تو ان کے چٹکنے کی آواز سنائی دیتی ہے۔ یہ ایک پرانی روایت ہے۔ جس کی تصدیق کسی عالم کی تحقیق کے شاہدے سے نہیں ہوتی۔

کنول کے متعلق عام خیال ہے کہ یہ جاپان کا پھول ہے کیونکہ کوجیکی میں اس کا حوالہ موجود ہے۔ اس پھول کی بعض قسمیں چین سے بھی لائی گئی تھیں۔

حضرت شاہد احمد بی اے آنرز دہلوی
مدیر "ساقی" — سکریٹری انجمن ترقی پسند مصنفین دہلی

نقوش قدم
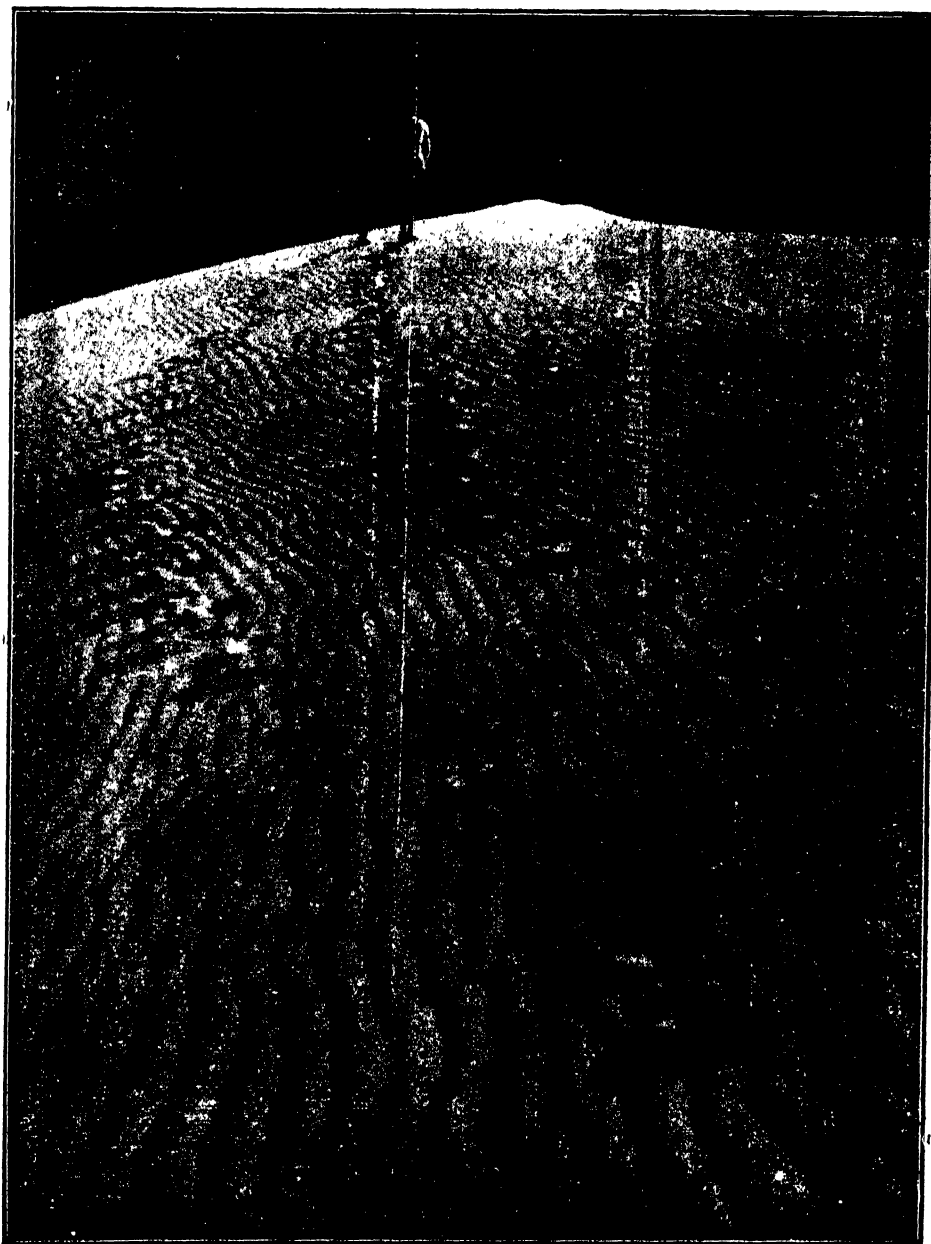
جاپان میں کنول جا بجا پانی کی سطح پر تیرتا نظر آتا ہے۔ مندروں کے آگے جو حوض ہوتے ہیں اُن میں اور خندقوں اور کھائیوں میں اُس کے پھول کھلے نظر آتے ہیں۔ اس کی بے شمار قسمیں ہیں مگر سفید اور گلابی عام ہیں۔ جب اس کی پتیاں گر جاتی ہیں تو بیجوں کی تھیلی میں بہت خوشنما معلوم ہوتی ہے۔ اس کے اندر بھورے رنگ کے موتی کے برابر بیج ہوتے ہیں۔ جن کی تسبیحاں بنائی جاتی ہیں اوبون کے موسم میں یعنی مردوں کے تہوار پر کنول کے پتوں پہ کھانا رکھا جاتا ہے۔ جاپانیوں کا عقیدہ ہے کہ مُردے کی روح آکر یہ کھانا نوش جاں کرتی ہے۔

جاپان میں کئی مقامات کنول دیکھنے کے لئے مشہور ہیں۔ توکیو میں شینو بذزو کا تالاب کماکیورا میں ہچی مان کی زیارتگاہ کیوتو میں ہر مندر کے پاس باغ میں کنول دیکھ لیجئے کویا سان میں جتنے باغ ہیں سب میں کنول دیکھنے کے لایق ہوتا ہے کھیتوں اور گڑھوں میں جو کنول عام طور سے نظر آتا ہے سفید ہوتا ہے۔ کنول کی جڑیں کھائی جاتی ہیں اور جاپان میں ہر باورچی انہیں خوب پکاتا ہے۔ خشکے کے ساتھ اکثر کنول کے باریک باریک کٹے ہوئے پتے بھی کھائے جاتے ہیں۔

کنول کے ساتھ کئی تاریخی مذہبی اور حسن کاری کی روایات وابستہ ہیں۔ جاپان کا مشہور پہاڑ فوجی سان، فویوہو بھی کہلاتا ہے جس کے معنی ہیں کنول والی چوٹی۔ فوجی کا دہانہ کنول کی کلی سے مشابہ سمجھا جاتا ہے اور کویا سان کی چوٹی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کی تشکیل کنول کی آٹھ پتیوں کے سرے ملنے سے ہوئی ہے۔ شن گون تائی زو منڈل کا درمیانی احاطہ۔ آٹھ پتیوں والا احاطہ کہلاتا ہے۔ اس کے اندر بڑے پانچ بدھ اور چار بدھی ستوا ہیں۔

سورج سے بھی کنول کا خاص تعلق سمجھا جاتا ہے گابلٹ دانویلیا اپنی کتاب میں لکھتا ہے:-

"روزانہ صبح کو سورج کی پہلی شعاعیں کنول کو کھلاتی ہیں اور شام تک پھول کھلتے رہتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پانی کی سطح سے پھول اُگ رہے ہیں۔ کنول سورج سے زیادہ سورج کی آرامگاہ کی تمثیل ہے۔ اور یہ پراسرار آرامگاہ وہ ہے جہاں روزانہ شام کو سورج آسودہ ہوتا ہے تاکہ نئی زندگی حاصل کرے۔ جاپانیوں کے عقیدے میں یہ اعجاز ہر روز دُہرایا جاتا ہے اور اسی کو موجودات کا مبدا سمجھا جاتا تھا .... ہندوؤں کی بعض مقدس کتابوں میں دیوتاؤں کے کنول سے برآمد ہونے کا اکثر مذکور ہے۔ جب وقت کی ابتدا ہوئی تو برہم اس طرح ظاہر ہوئے کہ سونے کے کنول پر براجمان تھے اور اسی پودے کے مختلف حصوں سے اُنھوں نے دنیا بنائی ...... ایک پرانی روایت ہے،

کہ برہم برس میں چھ مہینے جاگتے رہتے ہیں اور دیکھتے رہتے ہیں۔ اور باقی چھ مہینے ایک نہایت حسین کنول کے پھول میں سوتے رہتے ہیں۔"

بدھ مذہب کے لوگ کنول کو زندگی کا پھول سمجھتے ہیں۔ چکر جو سورج کی تمثیلی شکل ہے کنول کی ساخت سے مشابہ ہے اور اس سے دائرۂ زندگی مراد ہے اور قانونِ سبب و مسبّب اس سے عبارت ہے۔ شن گون منڈل میں بدھ اور بدھی ستوا سب کنول پر براجمان نظر آتے ہیں۔ گوکوراکو (بدھی جنت) کو اس طرح دکھایا گیا ہے کہ کنول کے پھولوں سے پٹی پڑی ہے۔ جن پر بدھ اور بدھی ستوا س بیٹھے ہیں اور یا وہ لوگ ہیں جنھیں اس جنت میں داخل ہونے کی اجازت ملی ہے۔ زن و شو کو توقع ہوتی ہے کہ ایک ہی کنول پر ان دونوں کو جگہ ملے گی۔ اس لئے عاشق و معشوق جب دونوں ایک ساتھ خودکشی کرتے تھے تو ان کا عقیدہ ہوتا تھا کہ ان دونوں کو ایک ہی کنول پر جگہ ملے گی۔

کنول کو جاپانی دیوی کوانان سے خاص مناسبت ہے۔ بدھ اور بدھی ستوا س کی طرح وہ بھی ایک کنول پر بیٹھی ہے اور اس کے ہاتھ میں ایک کنول ہے شو کوانان کو اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ وہ ہاتھ میں کنول لئے کھڑی ہے۔ بعض دفعہ اس طرح بھی دکھایا ہے کہ اس کے ایک ہاتھ میں کھلا ہوا کنول ہے اور دوسرے سے آہستہ آہستہ کنول کی کلیاں کھول رہی ہے۔ اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ فطرتِ انسانی میں عرفانی جزو کو شگفتہ کر رہی ہے۔ بدھی مندروں میں جتنے مقدس ظروف اور سامانِ آرایش ہوتا ہے عموماً کنول کے پھول، کلیوں یا پتوں سے مشابہ ہوتا ہے۔ سنہرے اور روپہلے کاغذ کے بنے ہوئے پھول بطور نذر کے پیش کئے جاتے ہیں۔

لیکن جاپانی مصوّر اس پھول کو اس کی سادگی و پاکیزگی کی وجہ سے بنایا کرتے ہیں۔ کوسی نو۔ کانا و کانے کنول کے وہ حسین پردے رنگے ہیں جو ہوریوجی کے مندر میں محفوظ ہیں۔ ایسی تصویریں بہت ملتی ہیں جن میں صرف پھول بنائے گئے ہیں۔ لیکن جاپانی مصوّروں کا محبوب موضوع یہ ہے کہ خزاں کے موسم میں کسی تالاب میں مرجھائے ہوئے ڈنٹھل اور پتے دکھائیں جاپانی چیزوں کے متعلق لکھتے ہوئے ایک مصنف ان مرجھائے ہوئے پتوں کے بارے میں لکھتا ہے کہ "یہ نظر خراش ہوتے ہیں" لیکن جاپانی لوگ ان چیزوں کی قدر اس لئے کرتے ہیں کہ وہ اسے ذوقِ جمالیات کا عطر سمجھتے ہیں۔ جس طرح مصوری میں کنول اہم ہے اسی طرح ادب میں بھی اس کا ذکر اکثر ہوتا ہے اس کی سب سے بڑی مثال ہوک گکیو ہے جس کو ہم "صحیفۂ کنول" کہہ سکتے ہیں۔

کنول کے متعلق بہت سی کہانیاں بھی مشہور ہیں۔ ان میں سے ایک "سنہری کنول کی کہانی" ہے۔ مسٹر ایڈورڈ گری کی زبانی اسے سنیئے:-

"دان دوکیو پہاڑ پر جب بُدھ اوتار گیان دھیان سے فارغ ہوئے تو ایک پہاڑی پگڈنڈی پر سے آہستہ آہستہ اُتر کر شہر کی جانب چلے۔ رات کی تاریکی شہر پر چھا رہی تھی اور چاروں طرف سناٹا تھا۔ جب وہ شہر کے قریب پہونچے تو انھوں نے کسی کو پکار کر کہتے سُنا "شو۔ میو۔ جو۔" (ظاہر ہمیشہ باطن کا آئینہ نہیں ہوتا۔) بُدھ اوتار یہ سُن کر بیحد مسرور ہوئے اور اُن کے دل میں آرزو پیدا ہوئی کہ معلوم کریں وہ کون ہے جس نے ایسی عقلمندی کی بات بتائی۔ بار بار انھیں یہی الفاظ سُنائی دیئے اور جب اس کی توجہ میں وہ ایک باہر نکلی ہوئی چٹان پر پہونچے تو اس پر سے اُنھوں نے نیچے وادی میں جھانک کر دیکھا۔ وہاں انھیں ایک بڑا بدہئیت اژدہا نظر آیا جو غصہ بھری نظروں سے ان کیطرف گھور رہا تھا۔

بُدھ اوتار اس چٹان پر بیٹھ گئے اور اژدہے سے پوچھنے لگے کہ تو نے بُدھ مذہب کے بلند ترین راز کی باتوں میں سے ایک بات کیسے معلوم کرلی؟ ایسی گہری عقل کی بات تو کسی چھُپے ہوئے روحانی سچائیوں کے خزانے کا پتہ دیتی ہے۔ اور بُدھ اوتار نے اژدہے سے درخواست کی کہ ایسی ہی اور عقل کی باتیں بتائیے اژدہا پہاڑی سے لپٹ گیا اور بل دیکر زور سے چیخا "زی۔ شو۔ متسو۔ پو۔" (تمام ذی حیات بدھ کے قانون کے خلاف ہیں۔) یہ الفاظ کہنے کے بعد اژدہا تھوڑی دیر تک خاموش رہا۔ پھر بدھ اوتار نے التجا کی کہ کچھ اور کہے "شو۔ متسو متسو۔ آئی۔" (ہر ذی روح کو مرنا ہے) اژدہے نے دہاڑ کر کہا۔

یہ کہہ کر اژدہے نے بدھ اوتار کی طرف نظر اٹھائی — اُس کے بھیانک چہرے پر بھوک کے خوفناک آثار نمایاں تھے — اُس نے بُدھ اوتار کو بتایا کہ ایک اور صداقت جس کا اظہار وہ کرنے والا ہے۔ آخری ہے اور اس قدر بیش قیمت کہ جب تک اسکی گرسنگی دور نہ کردی جائے گی بیان نہیں کی جائے گی۔ اس پر اوتار نے کہا کہ "میں تیرے کسی مطالبے کو پورا کرنے سے انکار نہیں کروں گا۔ بشرطیکہ تو مجھے چوتھی صداقت بتا دے۔" اور اژدہے سے پوچھا کہ اس کا مطالبہ کیا ہے۔ جب بُدھ اوتار کو یہ معلوم ہوا کہ اس چوتھی صداقت کے معاوضے میں انسان کا گوشت طلب کیا جارہا ہے تو اُنھوں نے

اژدھے سے کہا "میرے مذہب میں جیو ہتیا ممنوع ہے لیکن اپنے متعقین کی بھلائی کے لئے
میں اپنا جسم دان کر دوں گا" اژدہے نے اپنا منہ پھاڑا اور کہا "جاکو۔ تمو۔ امی ۔ راکو"
(سب سے بڑی خوشی اس وقت حاصل ہوتی ہے جب روح جسم سے علیحدہ ہو جاتی ہے)
بدھ اوتار نے سر جھکا لیا اور خوشی سے اژدہے کے پھٹے ہوئے منہ میں کود پڑے۔ جیسے ہی
وہ اژدہے کے منہ سے چھوئے وہ آٹھ حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ اور آٹھ جیتا تے میں سنہرے
کنول کی آٹھ پتیوں میں تبدیل ہو گیا"

چینی لٹریچر میں ٹی کو کی ایک کہانی ہے کہ اس نے موسم بہار میں ایک دن اپنے دوستوں کو جمع کیا اور کنول کے پتوں میں ان کے لئے شراب پیش کی۔

کوجسکی میں شہنشاہ یوریا کی ایک کہانی درج ہے کہ ایک دن کسی دیہات کے باہر اسے ایک حسین لڑکی ملی۔ جس سے اس نے وعدہ کر لیا کہ میں تجھے اپنی بیوی بناؤں گا۔ جب تک میں واپس آؤں تم میرا انتظار کرنا۔ وہ انتظار کرتی رہی لیکن شہنشاہ کبھی واپس نہیں آیا۔ لڑکی نے کسی سے شادی نہیں کی اور جب وہ اسی برس کی ہو گئی تو اس نے یہ نظم لکھی:۔

"جب جوان تھی تو وہ ایسی حسین تھی جیسے کنول
لیکن اب اسی برس کی عمر میں ———
صرف اس کے سفید بال ہی کنول جیسے ہیں"

شاہد احمد دہلوی بی۔ اے (آنرز)

فریبِ نظر

ملے ہوئے کی تلاش کیسی اگر فریبِ نظر نہیں ہے
اسے خبر مل چکی تمہاری جسے خود اپنی خبر نہیں ہے

ہزار وہ حسن کو چھپائیں وہ لاکھ پردے میں چھپ کے بیٹھیں
یہ میں مانوں نگاہ ان کا جلوہ ادھر ہے جیسا ادھر نہیں ہے

نہ آپ آئیں نہ موت آئے نہ درد بڑھ جائے حسبِ خواہش
کہا تو سب کچھ ہوا نہ کچھ بھی دعا میں جیسے اثر نہیں ہے

فریبِ الفت کے جانتا ہوں مگر نہیں بات اپنے بس کی
نہ اٹھتا ان کا حجاب کیونکر نظر میں جذبِ نظر نہیں ہے

یہ کنجِ مرقد وہ بزمِ ہستی یہ اور دنیا وہ اور دنیا
ادھر سے عالم گزر رہا ہے ادھر کوئی رہگزر نہیں ہے

تجلیاں ہوں جو آشکارا تو عشق ہو مثلِ کلیمِ عالم
فریبِ رنگِ مجاز کھانا طریقِ اہلِ نظر نہیں ہے

حجاب ہے یہ کہ بے حجابی یہ راز کھلتا نہیں ہے مسلم
قدم قدم پردہ جلوہ گر ہے کہیں بھی وہ جلوہ گر نہیں ہے

مسلم صدیقی بنارسی

نقدِ نظمِ اردو — "مختلف اصنافِ شاعری کی مختصر تاریخ"

۱۳۵۵ھ

غزل

غزل کی تعریف غزل کے معنی ہیں عشق و جوانی کا ذکر کرنا۔ شاعری میں غزل اس نظم کو کہتے ہیں جس میں حُسن و عشق، اخلاق، تصوف وغیرہ مختلف مضامین ہوں اور ہر شعر الگ مضمون کا ہو۔

غزل کی صورت غزل کے پہلے شعر کے دونوں مصرعوں میں قافیہ ہوتا ہے اُس کو مطلع کہتے ہیں۔ اگر ایک کے بعد دوسرا مطلع ہو تو اس کو حسنِ مطلع کہتے ہیں۔ سب مطلع شروع میں ایک دوسرے کے بعد ہوتے ہیں۔ باقی اشعار میں صرف دوسرے مصرع میں قافیہ ہوتا ہے آخری شعر میں شاعر کا تخلص ہوتا ہے۔ اس کو مقطع کہتے ہیں۔ غزل کے سب سے عمدہ شعر کو شاہ بیت یا بیت الغزل کہتے ہیں۔

غزل کی ایجاد اُردو شاعری فارسی شاعری کی تقلید ہے اور فارسی عربی کی۔ عربی قصائد کی تشبیب میں غزل بھی شامل تھی۔ یعنی قصیدوں کی تمہید میں عاشقانہ مضامین لکھتے تھے اور اس کو غزل و تغزل کہتے تھے۔ لیکن یہ تمہید غزل مسلسل ہوتی تھی۔ فارسی والوں نے اس ٹکڑے کو غزل کے نام سے مستقل صنف شاعری بنا لیا۔ رفتہ رفتہ غزل عشق و محبت کے مضامین تک محدود نہ رہی بلکہ مختلف و متضاد مضامین لکھنے لگے۔ ایک شعر میں محبت دوسرے میں نفرت۔ تیسرے میں وصل۔ چوتھے میں ہجر۔ پانچویں میں اخلاق۔ چھٹے میں تصوّف۔ اس طرح ہر غزل تمام اقسام کے مضامین و خیالات کا مجموعہ ہو گئی۔ اور یہ رنگا رنگی غزل کی مقبولیت کا سبب بن گئی۔

غزل کی تاریخ (پہلا دور) جس وقت اُردو زبان بنی اور بول چال میں آنی شروع ہوئی۔ اسی وقت سے فارسی شاعروں نے ایسی غزلیں کہنی شروع کر دی تھیں جن میں آدھا مصرع فارسی آدھا اُردو، یا ایک مصرع فارسی ایک اُردو ہوتا تھا۔ چنانچہ حضرت امیر خسرو دہلوی (وفات ۱۳۲۵ء) کی بعض غزلیں اسی طرح کی موجود ہیں۔ مثلاً امیر خسرو کی غزل کا ایک شعر یہ ہے ؎

یکایک از دل دو چشم جادو بصد فریبم ببرد تسکیں — کسے پڑی ہے جو جا سناوے پیارے پی کو ہماری بتیاں

اس کے بعد اردو ہی میں غزلیں لکھی جانے لگیں۔ کبیر داس (وفات ۱۴۹۸ء) مشہور درویش اور شاعر گزرے ہیں انکی غزل کا مطلع ہے ؎

ہمن ہے عشق مستانہ ہمن کو ہوشیاری کیا رہیں آزاد یہ جگ میں ہمن دنیا سے یاری کیا

اس کے بعد اکبر و جہانگیر کے زمانے میں بھی بعض شعرا نے غزلیں لکھیں۔ اسی زمانے میں دکن کی سلطنت گولکنڈہ کا بادشاہ محمد قلی قطب شاہ (وفات ۱۶۱۱ء) بڑا زبردست اُردو کا شاعر تھا۔ اس کا کلیات نظم جس میں غزلیں، قصیدے، مثنویاں، رباعیاں، مرثئے سب کچھ ہیں، حیدرآباد کے سرکاری کتب خانۂ آصفیہ میں محفوظ ہے۔ اس کے دو شعر یہ ہیں۔

قطب شہ نہ دے مُج دوانے کو پند دوانے کو کچ پند دیا جائے نا

مُج عشق کے گدا کو اورنگ شاہی دیتا سب عاشقاں منج انگے ہیں طفل جوں دبتاں

(دوسرا دور) قطب شاہ کے زمانے کے بعد غزل کا سب سے بڑا شاعر ولی اورنگ آبادی ہے۔ ولی کے کلام میں پہلے دکھنی الفاظ اور محاورے زیادہ ہوتے تھے۔ جب وہ دہلی آئے تو یہاں کی زبان لکھنے لگے۔ شروع میں ولی نے بھاشا کی شاعری کا انداز بیان اور خیالات و جذبات اختیار کئے اور ایسے شعر بھی لکھے۔

بروگی جو کہاتے ہیں انھیں گھر بار کرنا کیا ہوئی جو گن جو کوئی پی کی اسے سنسار کرنا کیا

پھر فارسی کا اثر قبول کیا اور ایسا بھی کہا:۔

مسندِ گل منزل شبنم ہوئی دیکھ رتبہ دیدۂ بیدار کا

اس دور کے اور شاعر آبرو، ناجی، مضمون، یکرنگ، آرزو وغیرہ ہیں اس زمانے میں ایہام گوئی اور رعایت لفظی کا بہت شوق و رواج تھا۔ مثلاً یکرنگ کا شعر ہے:۔

اس زُلف کا یہ دل ہے گرفتار بال بال یکرنگ کے سخن میں خلاف ایک مو نہیں

(تیسرا دور) اس زمانے میں شاہ حاتم دہلوی (۱۶۹۹ء تا ۱۷۹۲ء) نے غزل کی زبان الفاظ، محاوروں میں اصلاح کی۔ مرزا جانجاں دہلوی (۱۶۹۹ء تا ۱۷۸۱ء) نے ایہام گوئی کو ترک کیا اور سلاست و واقعیت، لطف و تاثیر کا خیال کیا۔ مثلاً

ستم سے تیرے میں جاتا ہوں، پھر نہ کہیو تو کہ آشنائی کا حاتم نباہ بھی نہ کیا

کوئی آزردہ کرتا ہے سجن اپنے کو ہے ظالم کہ دولت خواہ اپنا، مظہر اپنا، جانجاں اپنا

(چوتھا دور) اس دور کے تین شاعر غزل گوئی میں سب سے مشہور ہیں۔ سودا۔ درد۔ میر۔ ان کے بعد میر سوز، میر حسن، یقین بیان کا درجہ ہے۔ اس زمانے میں غزل میں جس قدر خوبیاں اور دلکشیاں زبان بیان، سادگی، صفائی، لطف و اثر کے اعتبار سے پیدا ہوئیں۔ اس سے پہلے اور اس کے بعد ان کی نظیر نہیں ملتی۔ مثلاً

تو نے سوداؔ کے تئیں قتل کیا کہتے ہیں — یہ اگر سچ ہے تو ظالم اسے کیا کہتے ہیں
سمجھے تھے ہم تو میرؔ کو عاشق اسی گھڑی — جب سن کے تیرا نام وہ بیتاب سا ہوا

(پانچواں دور) اس زمانے کے شاعر گزشتہ دور والوں کے ساتھی ہیں، لیکن ان سے کچھ چھوٹے۔ یعنی مصحفیؔ، میر اثرؔ، جراتؔ، انشاؔ رنگینؔ وغیرہ۔ ان شاعروں کی غزل میں اکثر وہی خوبیاں ہیں جو پہلے تھیں۔ صرف میر تقیؔ کا سوز و گداز اور میر دردؔ کا تصوف نہیں ہے۔ اس کے علاوہ جراتؔ، انشاؔ اور رنگینؔ نے ادنیٰ جذبات اور بازاری معاملات و زبان کا اضافہ کر دیا ہے، زبان پہلے سے کچھ زیادہ صاف و صحیح ہو گئی ہے۔ نمونہ یہ ہے:-

پھٹ چکا جب سے گریباں اپنا — ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں
مصحفیؔ یار کے گھر کے آگے — ہم سے کتنے نکھرے بیٹھے ہیں
دلِ وحشی کو خواہش ہے تمہارے در پہ آنے کی — دوانہ ہے ولیکن بات کہتا ہے ٹھکانے کی

(چھٹا دور) یہ زمانہ جو ۱۸۰۰ء سے شروع ہوتا ہے "زمانۂ انقلاب" ہے دہلی کے قدیم شاعروں کی سی سادگی اور شیرینی ختم ہو گئی لکھنؤ کی شاعری اور اس کے ساتھ مضمون آفرینی، تصنع، آورد شروع ہو گئی۔ لیکن ناسخؔ لکھنوی نے زبان اور شاعری میں اصلاح کر کے اور قاعدہ مقرر کر کے بالکل صحیح و فصیح بنا دیا اور بیہودہ مضامین بھی ترک کر دئیے۔ اس زمانے کے مشہور شاعر نصیرؔ دہلوی، ناسخؔ لکھنوی آتشؔ لکھنوی، شہیدیؔ بریلوی وغیرہ ہیں۔

(ساتواں دور) یہ زمانہ غزل میں بلند مضامین، نازک خیالات اور نئے نئے اندازِ بیان کا ہے۔ دہلی کے شعرا مومنؔ و ذوقؔ و غالبؔ کی غزلیں زبان یا بیان کے اعتبار سے اردو میں نہایت قیمتی جواہر ہیں۔ لکھنؤ میں وزیرؔ، رندؔ، صباؔ، رشکؔ وغیرہ نے اپنے استادوں سے بہتر مضامین نہیں پیدا کئے، لیکن زبان محاورات کو اور زیادہ صاف کر دیا۔

(آٹھواں دور) اس زمانے میں (جو ۱۸۵۷ء سے ۱۹۰۰ء تک ہے) ناسخؔ اور وزیرؔ کی سی مضمون آفرینی بھی نہیں ہے اور مومنؔ و غالبؔ کی سی نزاکت اور باریکیٔ خیال بھی نہیں۔ بلکہ یہ سب خوبیاں کسی قدر کم اور معتدل طریقے سے پہلے سے زیادہ دلکش زبان کے ساتھ مل گئی ہیں۔ دہلی کے داغؔ، حالیؔ، ظہیرؔ، انورؔ وغیرہ اور لکھنؤ کے امیرؔ، جلالؔ، تسلیمؔ وغیرہ مشہور غزل گو شعرا ہیں۔

(نواں دور) موجودہ بیسویں صدی کے شروع میں یعنی امیرؔ، داغؔ، جلالؔ کے انتقال کے بعد قدیم طرز کی غزل کے ساتھ ساتھ جدید رنگ کی غزل گوئی بھی جاری ہو گئی۔ جو شاعر پرانے انداز و خیالات کے دلدادہ تھے مثلاً بیخودؔ، سائلؔ، ریاضؔ، جلیلؔ مضطرؔ وغیرہ وہ اپنی وضع پر قائم رہے۔ لیکن بعض بزرگ شعرا مثلاً شادؔ عظیم آبادی، صفیؔ لکھنوی وغیرہ نے پامال روش کو چھوڑ کر غزل کو سنجیدہ اور پاکیزہ بنا دیا۔ رشک و رقابت کے مضامین معشوق کے حلیہ اور زیب و زینت کا ذکر۔ پست و ادنیٰ جذبات و معاملات

سب ترک کر دیئے اور غزل کو روحانی کیف و نشاط سے بھر دیا۔ یہ بزرگ غزل جدید کے پیش رو ہیں۔ ان کے علاوہ اس زمانے میں ان سے کم عمر شاعر بھی ہیں، جن کی شاعری بیسویں صدی ہی میں شروع ہوئی۔ مثلاً حسرت موہانی، عزیز لکھنوی، صفدر مرزا پوری، فانی بدایونی جگر مراد آبادی آصغر گونڈوی وغیرہ۔ ان شعرانے اس سنجیدگی و پاکیزگی، روحانیت و حقیقت، نزاکت و لطافت کو جو شاد و صفی نے شروع کی تھی، اپنے اپنے مذاق و طبیعت اور فکر و تخیل کے ذریعہ سے کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔

قصیدہ

قصیدہ کی تعریف لغت میں قصیدہ مغز اور گودے کو کہتے ہیں اور شاعری میں اُس نظم کو کہتے ہیں، جس میں کسی کی مدح یا ہجو بیان کی جائے۔ لیکن شعرانے اور مضامین کے لئے بھی قصیدے لکھے ہیں۔ مثلاً شہر آشوب مرثیہ، اخلاق وغیرہ

قصیدہ کی صورت قصیدہ اپنی شکل نظم میں غزل سے مشابہ ہے۔ یعنی قصیدہ میں بھی غزل کی مثل پہلا شعر مطلع ہوتا ہے جس کے دونوں مصرعوں میں قافئے ہوتے ہیں۔ اس کے بعد غزل کی طرح صرف دوسرے مصرعوں میں قافیہ ہوتا ہے۔ پہلے میں نہیں۔ لیکن قصیدہ میں اتنی زیادتی ہوتی ہے کہ طویل نظم ہونے کے سبب سے درمیان میں فاصلے فاصلے سے کئی کئی مطلع آسکتے ہیں۔ جبکہ غزل میں جتنے مطلع ہوتے ہیں سب یکے بعد دیگرے شروع غزل ہی میں ہوتے ہیں۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ شاعر کا تخلص غزل کے آخری شعر میں ہوتا ہے اور قصیدہ میں قریب اختتام کہیں آسکتا ہے۔

قصیدہ کی اقسام دو ہیں:- (۱) خطابیہ، جس میں شروع ہی سے مقصد بیان کرنا شروع کر دیں۔ مثلاً مدح مقصود ہو تو پہلے شعر سے ممدوح کو مخاطب کر کے مدح کا آغاز کر دیا جائے۔ یا وعظ و نصیحت کرنا ہے تو اپنی ذات یا کسی سے خطاب کر کے مضمون شروع کر دیں۔ (۲) تمہیدیہ۔ جس میں اوّل کوئی تمہید بیان کی جائے اور پھر مدعا۔ تمہید کے معنی ہیں" فرش بچھانا" گویا اصل مدعا کے لئے فرش بچھایا جاتا ہے۔ تمہید کا دوسرا نام "تشبیب" بھی ہے۔ اس لفظ کے معنی ہیں" ذکرِ شباب" چونکہ اوّل اوّل عربی قصائد کا آغاز حسن و شباب اور عشق و محبت کے ذکر سے کیا جاتا تھا اور پھر اصل مقصد بیان کیا جاتا تھا۔ اس لئے قصیدے کی تمہید کو تشبیب کہتے تھے۔ اب قصیدہ کی تمہید میں بہار۔ برسات۔ بے ثباتی دنیا وغیرہ جو کچھ ذکر کیا جائے اُس کو تشبیب ہی کہتے ہیں۔ مضمون تشبیب کے لحاظ سے قصیدے کو بہاریہ۔ عشقیہ وعظیہ وغیرہ کہتے ہیں۔

قصیدہ کے اجزا عام طور پر قصیدے مدحیہ و تمہیدیہ لکھے جاتے ہیں۔ ایسے قصائد کے اجزا یہ ہوتے ہیں (۱) تشبیب (۲) گریز، جس کو تخلیص اور رجوع بھی کہتے ہیں۔ یعنی تشبیب لکھتے لکھتے اصل مقصد (مدح) کی طرف رجوع کرنا۔ ایک یا چند اشعار میں اس

بات کو ظاہر کر دیتے ہیں (۳) مدعا یعنی مدح (۴) خاتمہ جس میں اکثر ممدوح کے لئے دعا کی جاتی ہے۔

قصیدہ کی خوبیاں

قصیدہ کسی عظیم الشّان مقصد کے لئے لکھا جاتا ہے، طویل اور مسلسل ہوتا ہے اس لئے اس میں بلاغت یعنی حسب موقع کلام کا خاص طور پر لحاظ رکھنا ہوتا ہے۔ قصیدہ میں زبان، انتخابِ الفاظ شاندار، پُر شکوہ بیان زور دار، مضمون بلند ہونا ضروری ہے لیکن ثقیل۔ مغلق۔ غیر مستعل الفاظ نہ ہوں۔ قصیدہ کی تشبیب کے اشعار مدحیہ اشعار سے زیادہ نہ ہوں۔ تشبیب میں اگر عاشقانہ مضامین ہیں تو سنجیدہ و متین ہوں۔ شوخ و رندانہ نہ ہوں اور ان کا انداز بیان قصیدے کے لئے موزوں ہو۔ تشبیب میں جدتیں پیدا کی جائیں تاکہ شروع ہی سے سُننے والا متوجہ ہو جائے اور توجہ و استعجاب برابر قائم رہے۔ مدح میں فرقِ مراتب قائم رکھا جائے۔ یعنی حمدِ خدا، نعتِ نبیؐ۔ منقبت ائمہ و اولیاء کے قصائد میں رندانہ و عاشقانہ تشبیہات و مضامین خصوصاً بوالہوسانہ رنگ نہ آنا چاہئے۔ اسی طرح اہلِ دنیا کو خدا اور رسول تک نہ پہونچا دیا جائے۔

قصیدہ کی تاریخ

(پہلا دور) اردو شاعری کے آغاز ہی سے قصیدہ گوئی شروع ہو گئی تھی چنانچہ سلطنت گولکنڈہ کے قطب شاہی بادشاہ سلطان محمد قلی قطب شاہ (متوفی ۱۶۱۱ء) نے بھی اُردو میں قصیدے لکھے ہیں۔ لیکن اس زمانے میں دکنی زبان کی آمیزش زیادہ تھی۔ دکن کے اور شعراء نصرتی وغیرہ نے بھی قصائد لکھے۔ لیکن زبان و مضامین دونوں کے لحاظ سے ناکمل ہیں۔

(دوسرا دور) اُردو کے سب سے مشہور قصیدہ گو مرزا سوداؔ دہلوی (۱۷۱۳-۱۷۸۰) ہیں۔ سوداؔ نے بے شمار قصیدے لکھے جن میں حمد و نعت۔ منقبت۔ مدح۔ ہجو۔ شہر آشوب وغیرہ سب کچھ ہے۔ زور بیان، شوکت الفاظ، مضمون آفرینی، واقعہ نگاری، جوشِ مدح، نئی تشبیب، نرالی گریز سب خوبیاں موجود ہیں۔ سوداؔ کے بعد مصحفیؔ و انشاؔ نے بھی قصیدے لکھے لیکن کوئی اضافہ نہیں کیا۔ ان کے بعد ذوقؔ کا نمبر ہے۔ ذوقؔ کے قصائد بھی شاندار اور مکمل ہیں۔ لیکن واقعہ نگاری کی کمی ہے۔ ذوق کے ہم عصر مومنؔ و غالبؔ نے بھی قصائد لکھے اور بعض اچھے لکھے۔

(تیسرا دور) لکھنؤ اسکول کے شعرائے قصیدہ کا ہے۔ جس میں منیرؔ شکوہ آبادی (وفات ۱۸۸۱ء) امیرؔ مینائی جلالؔ لکھنوی ممتاز ہیں۔ ان سب نے کثرت سے قصائد لکھے اور مکمل و اعلیٰ لکھے۔ اس زمانے میں مرزا داغؔ دہلوی نے بھی قصیدے لکھے۔ اگرچہ کم لکھے ہیں اور ان میں قصیدوں کا سا زور و شکوہ کم ہے تاہم بعض قصیدے خوب ہیں۔ اس زمانے میں محسنؔ کاکوروی (وفات ۱۹۰۵ء) ممتاز نعتیہ قصیدہ گو تھے۔

(چوتھا دور) بیسوی صدی میں قصیدہ گوئی تقریباً متروک ہو گئی۔ اس لئے کہ حمد و نعت و منقبت کے قصیدے جوشِ عقیدت

اور ولولۂ مذہبی کے زیر اثر لکھے جاتے ہیں۔ اب دلوں سے مذہب کا اثر اور بزرگانِ دین سے عقیدت اُٹھتی جاتی ہے۔ بادشاہوں اور اہلِ دولت کی مدح ان کے التفات و انعامات کے لئے کی جاتی تھی۔ اب والیانِ ریاست اور امراء و رؤسا بھی نئے خیال کے ہوگئے ہیں۔ اپنی مدح سرائی سے خوش نہیں ہوتے صرف بعض تہذیب قدیم کے باوضع رئیس حیدرآباد، رام پور، ٹونک وغیرہ میں ابھی قدردانِ شعر و سخن باقی ہیں۔ ان کے لئے کسی جشن کے موقع پر اب بھی کبھی کوئی قصیدہ لکھکر پیش کر دیتا ہے۔ لیکن اس کی فنِ قصیدہ گوئی کے اعتبار سے کوئی وقعت نہیں ہوتی۔ اور قصیدے سے عام دلچسپی نہ رہنے کے سبب سے شہرت بھی نہیں ہوتی۔

بعض شعرا نے مثلاً عزیز لکھنوی (وفات سنہ ۱۹۳۴ء) نجم اکبرآبادی وغیرہ نے ائمۂ کرام کی شان میں قصائد لکھے ہیں اور ان کے مجموعے شایع ہوگئے ہیں۔ لیکن ان میں قصائد سے زیادہ عقیدت مندانہ نظموں کی شان ہے۔ تاہم عزیز کے بعض قصیدے کافی طویل، پُرزور و شاندار ہیں۔ عزیز کی خصوصیت جدت طرازی سب میں موجود ہے۔

مرثیہ

مرثیہ کی تعریف مرثیہ اُس نظم کو کہتے ہیں جس میں کسی کی موت پر اظہار غم و الم کیا جائے اور اس کے اوصاف بیان کئے جائیں اس تعریف کے لحاظ سے مرثیہ عام ہے۔ لیکن اُردو میں چونکہ شہدائے کربلا کے مرثیئے مشہور و مقبول اور شایع و عام ہیں۔ اس لئے اب تنہا لفظ مرثیہ سے وہی نظم سمجھی جاتی ہے۔ جس میں حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے اعزہ و رفقا کی شہادت کا ذکر ہو۔ اور کسی کے مرثیہ کے لئے توضیح کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً "مرثیۂ غالب" "مرثیۂ حکیم محمود خاں" "مرثیۂ داغ"

مرثیہ کی صورت شہدائے کربلا کے علاوہ اور لوگوں کے مرثیہ کے لئے پہلے بھی کوئی خاص شکل اور کوئی خاص صنف نظم مقرر نہ تھی، اب بھی نہیں ہے، قصیدہ، مسدس، ترکیب بند وغیرہ مختلف صورتوں میں مرثیئے لکھتے تھے اور لکھتے ہیں۔ مولانا حالی نے غالب کا مرثیہ چھوٹی بحر کے ترکیب بند میں لکھا تھا۔ وہ اس قدر مقبول ہوا کہ مولانا احسن مارہروی نے داغ کا مرثیہ بھی اسی بحر میں لکھا اور پھر آزاد رامپوری نے مولانا محمد علی مرحوم کا مرثیہ لکھنے کے لئے بھی اسی بحر و صنف کو اختیار کیا۔ بہرحال کوئی قید متعین نہیں ہے۔

شہدائے کربلا کے مرثیئے پہلے تمام اقسام نظم میں لکھے جاتے ہیں۔ قصیدہ، مثنوی، مثلث، مربع، مخمس، مسدس وغیرہ سب اوضاع و اصناف میں پرانے مرثیئے پائے جاتے ہیں۔ پھر میر ضمیر لکھنوی نے مرثیہ کے لئے مسدس کو مخصوص کر دیا۔ جب سے اب تک تمام مرثیئے مسدس ہی میں لکھے جاتے ہیں۔

مرثیہ کے اجزا (۱) تمہید، پہلے ایک یا چند بند تمہید کے طور پر لکھے جاتے ہیں۔ جن کو کبھی دُعا سے شروع کرتے ہیں، کبھی مدح ہوتی ہے

کبھی اور کوئی مضمون ہوتا ہے (۲) تمہید کے بعد سراپا بیان کرتے ہیں (۳) پھر واقعاتِ جنگ لکھتے ہیں۔ اس موقع پر بڑی تفصیل سے کام لیتے ہیں، جنگ کی تیاری، تلوار اور گھوڑے کی تعریف، رجز خوانی۔ جنگ کا منظر سب کچھ لکھتے ہیں (۴) شہادت کے بعد بین یعنی ماتم اور گریہ و بکا کے متعلق چند بند لکھ کر مرثیہ ختم کر دیتے ہیں۔ لیکن ان اجزا کی ترکیب و تفصیل مرثیہ کی مقدار کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ ہر مرثیہ میں سب کا ہونا ضروری نہیں ہے۔

مرثیہ کی خوبیاں

(۱) مرثیہ ادب اور شاعری کے اعتبار سے نہایت اعلیٰ نظم ہے۔ انیس اور دبیر اور ان کے اہل خاندان نے مرثیہ کے ذریعہ سے زبان و ادب شعر کی بھی بڑی خدمت کی ہے۔ روزمرہ، محاورہ، صنائع لفظی و معنوی حسن بیان، جدت ادا، مناظرِ قدرت، جذباتِ فطرت، واقعہ نگاری سب کچھ بہتر سے بہتر مرثیوں کے اندر موجود ہے۔

(۲) مرثیہ رزمیہ نظم (ایپک پوئم) کا قائم مقام ہے۔ اگرچہ فردوسی کے شاہنامہ اور ہومر کی ایلیڈ کی بعض خوبیاں مرثیوں کے اندر نہیں ہیں، تاہم مرثیہ کے انتخاب و ترتیب سے ایسی مسلسل نظم بن سکتی ہے (اور بعض اصحاب نے مرتب کر دی ہے) جو مرثیہ کو ایپک پوئم کے مرتبہ پر لا سکتی ہے۔ اردو میں اور کوئی ایپک پوئم نہیں ہے۔

(۳) مرثیہ میں اخلاقِ حسنہ کی تعلیم بھی بہترین اسلوب کے ساتھ موجود ہے۔ خدا و رسول کے حقوق اور ان کی محبت، عزیزوں اور دوستوں کے حقوق و تعلقات، دشمنوں سے سلوک، ایثار، قربانی، رواداری، صداقت، شجاعت وغیرہ ہر قسم کے اخلاق مرثیہ سے حاصل ہو سکتے ہیں۔

مرثیہ کی تاریخ

(پہلا دور) جہانگیر بادشاہ (سال جلوس ۱۶۰۵ء) کے زمانے میں نوری نے اردو میں مرثیے لکھے۔ دکن میں گولکنڈہ و بیجاپور کی سلطنتوں کے عہد میں بھی مرثیے لکھے گئے۔ ہاشم و کاظم کے مرثیے اب بھی موجود ہیں۔ عالمگیر کی حکومت دکن کے زمانے میں شاہی کے مرثیے مشہور تھے۔ لیکن یہ سب مرثیے دکنی اردو میں تھے۔

(دوسرا دور) دہلی کے شعرائے قدیم کا ہے۔ مسکین، گدا، سکندر، فضلی، آمانی، یکرنگ وغیرہ نے کثرت سے مرثیے لکھے۔ ان کی زبان و انداز بھی قدیم ہے۔ اس زمانے میں کبھی غزل کی صورت میں لیکن اکثر مربع کی شکل میں مرثیہ لکھتے تھے۔

(تیسرا دور) سودا و میر کا ہے۔ سودا نے ہر صنف شاعری میں مرثیے لکھے ہیں۔ جن میں مسدس بھی ہے۔ اس زمانے کے مرثیے زبان کے اعتبار سے پہلے سے بہتر ہیں۔ باقی ہر لحاظ سے بالکل ابتدائی حالت میں ہیں۔ کوئی خاص صورت اور ترتیب مقرر نہیں۔

(چوتھا دور) میر ضمیر و میر خلیق (وفات ۱۸۵۰ء) کا ہے۔ میر ضمیر مرزا دبیر لکھنوی کے استاد تھے اور میر خلیق میر انیس لکھنوی کے والد۔ میر ضمیر نے مرثیہ کے لئے مسدس کو مخصوص کر دیا اور ترتیب و تفصیل اور ایجادات سے مرثیہ کو مستقل اعلیٰ نظم بنا دیا۔ یعنی سراپا ایجاد کیا۔ تلوار، گھوڑے وغیرہ کی تعریف لکھی، جنگ کا پورا منظر بیان کیا۔ چھوٹے بڑے سب واقعات تفصیل کے ساتھ

لکھے۔ زبان و بیان کی خوبیاں پیدا کیں۔

(پانچواں دور) میر انیسؔ (وفات سنہ ۱۸۷۴ء) اور مرزا دبیرؔ (وفات سنہ ۱۸۷۵ء) کا ہے اس زمانے میں ان دونوں بزرگوں نے خصوصاً میر انیسؔ نے مرثیہ کو معراج کمال پر پہونچا دیا۔ مرثیئے کے تمام اجزا بہترین اسلوب کے ساتھ لکھے۔ مرثیہ کی جملہ خوبیاں زبان و (درت) فن کے لحاظ سے ایسی پیدا کیں کہ ان سے بہتر تصوّر میں نہیں آسکتیں۔ خصوصاً مناظر و جذبات کی محاکات (تصویر کشی) میں تمام متقدمین و معاصرین سے نہایت ممتاز ہیں۔ بَین اور سوز و الم کے مضامین بھی سب سے زیادہ دلگداز لکھے۔

مثنوی

مثنوی کی تعریف مثنوی اقسام نظم میں بھی شامل ہے اور اصناف شاعری میں بھی۔ نظم کی وہ قسم مثنوی کہلاتی ہے جس کا ہر شعر الگ قافیہ کا ہو۔ صنف شاعری کے اعتبار سے مثنوی کی تعریف میں یہ اضافہ ہوگا کہ تمام نظم مسلسل ہو، یعنی کوئی ایک واقعہ یا پوری داستان یا منظر یا تقریر وغیرہ نظم کی جائے۔

مثنوی کی بحر قدیم زمانے سے مثنوی کے لئے چھوٹی چھوٹی تین رکن کی بحریں مستعمل و مروّج تھیں۔ جیسے مثنوی میر حسن گلزار نسیم مولانا حالیؔ کی حب وطن، برکھا رت، بیوہ کی مناجات، مولانا شبلی کی صبح امید لیکن مولانا آزاد دہلوی نے بڑی بحروں میں مثنویاں لکھیں۔ ان کے بعد شوقؔ قدوائی نے چھوٹی بحر کی مثنویوں (ترانۂ شوق اور قاسم و زہرہ وغیرہ) کے علاوہ بعض چھوٹی مثنویاں بڑی بحروں میں لکھیں مثلاً "بہار" اور "عالم خیال" موجودہ زمانے میں حفیظؔ جالندہری بھی اپنی مشہور طویل تاریخی مثنوی (شاہنامۂ اسلام) بڑی بحر میں لکھ رہے ہیں۔

مثنوی سے ہمارا مقصود اس انتخاب میں حصۂ مثنویات کو علیحدہ کرنے سے ہماری مراد چھوٹی اور متفرق نظمیں نہیں ہیں۔ ان کا تذکرہ و انتخاب جدید نظموں میں شامل ہوگا۔ یہاں ہمارا مقصود طویل داستانیں ہیں جو مثنوی کی صورت میں نظم کی گئی ہیں۔

مثنوی کی خوبیاں طویل قصہ ہونے کے سبب سے مثنوی میں مناظر، موسم، مقامات کا بیان، افراد قصہ کے حالات، معاملات جذبات، ملک و شہر کے رسم و رواج، جشن و تقریب، بزم و رزم، عوام و خواص کے مکالمے وغیرہ بہت سی باتیں ہوتی ہیں جن کے بیان کرنے میں موزوں الفاظ، مناسب انداز بیان اور حسب موقع مصوّری کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے مثنوی کی بڑی کامیابی یہ ہے کہ ہر بیان اور ہر حصہ بالکل فطری و قدرتی معلوم ہو۔ مبالغے اور لفظی صنعتیں حد سے زیادہ نہ ہوں۔ سب سے زیادہ واقعہ نگاری اور اثر اندازی کو پیش نظر رکھا جائے۔ اس اعتبار سے سب سے زیادہ کامیاب مثنوی میر حسن ہے اس کے بعد موجودہ زمانہ میں شاہنامۂ اسلام میں یہ جوہر نظر آرہے ہیں۔

مثنوی کی تاریخ

(پہلا دور) مثنویاں لکھنا بھی غزل و قصیدہ و مرثیہ کی طرح اُردو شاعری کے آغاز ہی سے شروع ہو گیا تھا۔ اکبر و جہانگیر کے عہد میں افضل میرٹھی نے مثنوی لکھی۔ دکن میں گولکنڈہ و بیجاپور کے شعرا غواصی، نصرتی، ابن نشاطی نے مثنویاں لکھیں۔ طویل قصے اور داستانیں نظم کیں۔ ولی اورنگ آبادی کی بھی ایک ناپید مثنوی کا ذکر تذکروں میں ہے، یہ مثنویاں زبان و بیان کے لحاظ سے قدیم ہیں۔

(دوسرا دور) اٹھارویں صدی عیسوی میں میر تقی میر کی مختصر مثنویوں کے علاوہ میر حسن کی غیر فانی مثنوی بے نظیر و بدرِ منیر تصنیف ہوئی۔ اس سے بہتر مثنوی آج تک نہیں لکھی گئی۔ اگرچہ اس کی زبان اب بہت پرانی نظر آتی ہے لیکن زبان و بیان کی جملہ خوبیاں آج تک لطف انگیز ہیں۔ میر اثر اور مصحفی کی مثنویاں بھی خوب ہیں۔

(تیسرا دور) اُنیسویں صدی میں پہلے دوروں سے زیادہ مثنویاں لکھی گئیں۔ مومن خاں دہلوی نے متعدد مثنویوں میں اپنی داستانِ محبت لکھی۔ لیکن اس زمانے میں دیا شنکر نسیم شاگرد آتش لکھنوی کی "مثنوی گلزارِ نسیم" سب سے زیادہ مقبول ہوئی۔ اگرچہ اس میں صنائع لفظی و معنوی کی کثرت اور اختصار بیان کا غیر معتدل ہونا کہیں کہیں اثر کم کر دیتا ہے۔ تاہم نہایت دلکش و دلچسپ مثنوی ہے۔ اسی سبب سے اس کے بہت سے مصرع اور شعر ضرب المثل بن گئے ہیں۔ اس کے علاوہ آفتاب الدولہ قلق کی "مثنوی طلسم اُلفت" نواب مرزا شوق کی "زہرِ عشق" وغیرہ منیر شکوہ آبادی کی "معراج المضامین" تسلیم لکھنوی کی "نالۂ تسلیم" وغیرہ اپنے اپنے رنگ میں خوب ہیں اور پڑھنے کے قابل ہیں، نواب واجد علی شاہ آخری تاجدار اودھ نے بھی "حزنِ اختر" وغیرہ چند مثنویاں لکھیں۔ لیکن وہ خاص چیزیں نہیں ہیں۔ اسی طرح مرزا داغ دہلوی کی مثنوی "فریادِ داغ" نے بھی شہرت و قبولِ عام نہ پایا۔

(چوتھا دور) اُنیسویں صدی کے آخر سے مثنوی کی طرف شعرا کی توجہ بہت کم ہو گئی۔ اس لئے کہ مثنویوں میں عموماً فسانۂ محبت نظم کیا جاتا تھا، فسانہ بھی مومن خاں کی طرح اپنا یا سچا نہیں بلکہ فرضی یا خلافِ عقل و عادت داستان لکھتے تھے۔ اُنیسویں صدی کے آخر میں زمانہ و مذاق بدل جانے سے اور قومی و مذہبی اور نیچرل وغیرہ اقسامِ نظم کے رواج کے سبب سے داستان گوئی و قصہ خوانی کا زوال شروع ہو گیا تھا۔ تاہم اس زمانے میں احمد علی شوق قدوائی نے قدیم طرز اور گلزارِ نسیم کی بحر میں مثنوی "ترانۂ شوق" لکھی جو گویا اُردو میں رنگ قدیم کی آخری مثنوی ہے۔ اس میں زبان و بیان و قصے کی سب دلچسپیاں موجود ہیں۔ شوق قدوائی نے ایک مثنوی ڈراما کے طرز پر بھی "قاسم و زہرہ" کے نام سے لکھی۔ یہ بھی ان کی سلاست و روانی و خوش بیانی کا دلچسپ نمونہ ہے۔ شوق کے علاوہ مولوی محسن کاکوروی (متوفی ۱۹۰۵ء) کی مذہبی مثنویاں "صبحِ تجلی" اور "چراغِ کعبہ" محاسن معنوی و لفظی اور شوکت بیان میں اپنے رنگ کی پہلی اور آخری چیز ہیں۔

(پانچواں دور) بیسویں صدی میں "داستانی مثنوی" کا خاتمہ ہو گیا۔ گزشتہ دس سال سے پنجاب کے مشہور شاعر حفیظ جالندھری

نے تاریخ اسلام "شاہنامۂ اسلام" کے نام سے مثنوی کی صورت نظم کرنی شروع کر دی ہے۔ زمانۂ قبل اسلام سے جنگِ اُحد تک کے تاریخی و تحقیقی حالات دو جلدوں میں شایع ہو چکے ہیں۔ جن میں ساٹھ ہزار شعر سے کم نہ ہوں گے۔ اس مثنوی کی بحر طویل ہے، لیکن شاعرانہ خوبیاں، آمد، زور، جوش، اثر سب کچھ ہے۔

رُباعی

رباعی کی تعریف و خصوصیت رباعی چار مصرع والی نظم کو کہتے ہیں۔ اس کو پہلے دوبیتی بھی کہتے تھے۔ قطعہ میں تین چار مصرعوں سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں۔ رُباعی میں چار ہی ہونے شرط ہیں۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ قطعہ کے صرف آخری مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ پہلے مصرع میں قافیہ نہیں ہوتا لیکن رباعی میں پہلے دوسرے اور چوتھے مصرع ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ کبھی تیسرے مصرع میں بھی قافیہ ہوتا ہے لیکن ضروری نہیں۔ اُردو رباعی میں عموماً تیسرے مصرع میں قافیہ نہیں ہوتا۔ تیسرا فرق یہ ہے کہ رباعی کی بحر اور تمام اصناف شاعری (قصیدہ، غزل، مثنوی) سے بالکل جدا ہوتی ہے۔ رباعی کا وزن (لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہ) مقرر ہے۔ اس میں حرکت و سکون کے تھوڑے تھوڑے اختلاف سے ۲۴ صورتیں یا اوزان پیدا ہو جاتے ہیں۔

رباعی کی معنوی خصوصیت رباعی میں جس قسم کا مضمون بیان کیا جائے (حسن و عشق، اخلاق، تصوف، عبرت و موعظت وغیرہ) جدید و عجیب، لطیف و بلند ہونا چاہیے۔ انتخاب الفاظ و ترتیب بیان متین و موزوں ہو۔ دوسرا شعر اور خصوصاً چوتھا مصرع نہایت بلند و عجیب ہونا چاہیے، جس میں تمام مضمون رباعی کا خلاصہ اور نچوڑ ہو کر سننے والا متحیر ہو جائے۔ رباعی کا آخری مصرع حسنِ خوبی کے لئے مشہور ہے اور شعرا نے اس سے تشبیہ کا کام لیا ہے مثلاً اس نعتیہ رباعی میں:۔

دنیا میں رسول اور بھی لاکھ سہی — زیبا ہے مگر حضور کو تاجِ شہی
ہے خاتمۂ حسنِ عناصر اُن پر — ہیں مصرعِ آخر اس رباعی کے وہی

رباعی کی تاریخ (پہلا دور) رُباعیاں بھی اور اصناف شاعری کی طرح شروع ہی سے پائی جاتی ہیں۔ مثلاً ۱۱۰۰ء سے پہلے کے ایک شاعر میر عبدالقادر حیدرآبادی کی یہ رُباعی اپنے رنگ میں خوب ہے۔

ہر چند ہمن سب سے اٹھایا ہے ہات — اس پر بھی نہ آزاد کہائے ہیہات
عالم میں ہمنے ہر ایک یہ کہتا ہوگا — دکھن میں ہے قادر ابھوں در قیدِ حیات
ابھی

(دوسرا دور) شعرائے دہلی و لکھنؤ میں ہر صاحبِ دیوان شاعر نے غزلیات و قصائد وغیرہ کے ساتھ رباعیاں بھی لکھی ہیں۔ میرؔ، دردؔ، سوداؔ، میر حسنؔ، حسرتؔ، جراتؔ، انشاؔ، مصحفیؔ، رنگینؔ، مومنؔ، غالبؔ وغیرہ صدہا شاعروں کی رباعیاں کلیات میں شامل ہیں۔ نمونہ کے لئے دو تین رباعیاں لکھی جاتی ہیں:-

میر تقی میرؔ دہلوی

ہر صبح غموں میں شام کی ہے ہم نے　　خونابہ کشی مدام کی ہے ہم نے
یہ مہلتِ کم کہ جس کو کہتے ہیں عمر　　مر مر کے غرض تمام کی ہے ہم نے

میر حسنؔ دہلوی

دنیا داری میں اور نہ دینداری میں　　چاہت میں کسی کی ہیں نہ بیزاری میں
حیرت کدہ دہر میں تصویر کی طرح　　سویا کرتے ہیں عین بیداری میں

جعفر علی حسرتؔ

دل درد نہاں سے آہ کیونکر نہ کرے　　پر آہ تو تب کرے جو اس سے نہ ڈرے
وہ مشکل ہے جیسے دشمنوں میں گھائل　　دم لیوے تو سر کٹے نہ دم لے تو مرے

اس زمانے میں (یعنی غدر تک) رباعیات صرف ضمنی طور پر لکھی جاتی تھیں۔ شعرا کو کوئی خاص توجہ نہ تھی۔ کوئی خاص موضوع و مضمون بھی رباعی کے لئے مقرر نہ تھا۔ شکایت زمانہ، اخلاق، محبت وغیرہ ہر مضمون رباعی میں لکھ دیتے تھے۔

(تیسرا دور) انیسؔ و دبیرؔ اور شعرائے مرثیہ نے رباعی کی طرف خاص توجہ کی۔ ایک ایک شاعر نے صدہا رباعیات لکھیں۔ ان حضرات کو رباعی لکھنے کی تحریک اس طرح ہوئی کہ مجالس عزا میں مرثیہ پڑھنے سے پہلے حاضرین کو متوجہ کرنے اور دلچسپی پیدا کرنے کے لئے اوّل چند رباعیاں پڑھتے تھے۔ اس لئے انیسؔ و دبیرؔ وغیرہ نے مضامین حسن و عشق کو موضوع رباعی سے خارج کر دیا۔ صرف اخلاق یا مدح اہلِ بیت یا نوحہ و غم کے متعلق رباعیاں لکھیں۔ انیسؔ کے اور کلام کی طرح اُن کی رباعیاں بھی اردو شاعری کی جان ہیں۔ انیسؔ کے بعد پیارے صاحب رشیدؔ نے بڑی کثرت سے نہایت اعلیٰ رباعیاں کہی ہیں۔ "پیری" کو موضوع خاص بنایا ہے اور بڑے نادر مضامین نکالے ہیں۔

(چوتھا دور) انیسؔ اور دبیرؔ کی تقلید میں رباعی مستقل صنف شاعری بن گئی اور دورِ اصلاح کے شعرا نے اپنے پیغام کا ذریعہ رباعی کو بھی قرار دیا۔ اس گروہ میں حالیؔ اور اکبرؔ الہ آبادی ممتاز ہیں۔ حالیؔ نے اخلاقی و اصلاحی مضامین کی بے شمار رباعیاں لکھیں جو نہایت مقبول ہوئیں۔ لیکن حالیؔ کی رباعیوں میں رباعی کے محاسن شاعرانہ (جن کا پہلے ذکر کیا گیا) کم ہیں۔ البتہ

قومی و مذہبی و اصلاحی مضامین اور ان کے اندازِ بیان نئے نئے پیدا کئے ہیں۔ اکبر الٰہ آبادی کی رباعیاں حالی سے تعداد میں کم اور حُسن نظم میں زیادہ ہیں۔

(پانچواں دور) عصرِ حاضر میں رُباعی مرتبۂ کمال پر پہونچ گئی ہے۔ تقریباً سنہ ۱۹۱۱ء سے اب تک ۲۵ سال کے عرصہ میں جس کثرت تعداد، وسعت مضامین، جدّت بیان کے ساتھ اُردو میں رباعیاں لکھی گئی ہیں۔ گزشتہ دو سو برس کی مدت میں نہ لکھی گئی تھیں۔ بعض شعرا نے رباعی کو اپنا خاص موضوع بنالیا ہے۔ شعرائے عصرِ حاضر میں امجد حیدر آبادی، اَنگر مراد آبادی۔ جوش ملیح آبادی یگانہ چنگیزی۔ سیماب اکبر آبادی۔ ساغر نظامی۔ مشہور و ممتاز رباعی گو ہیں۔

نوٹ:۔ "نظم جدید" کا حصہ آیندہ نمبر میں شایع ہوگا۔

حامد حسن قادری

ساغرِ جم

اللہ۔ عجب عالمِ حسرت شبِ غم ہے
ویران نگاہوں میں نہ ہستی نہ عدم ہے

دنیا کا بھی غم ہے مجھے عقبیٰ کا بھی غم ہے
سب کچھ ہے مگر پھر بھی تری یاد سے کم ہے

پروانہ بھٹک جائے جواب بھی تو ستم ہے
جو شمعِ کلیسا ہے وہی شمعِ حرم ہے

آثار ہیں پیدا سحرِ وصل کے شاید
نکہت کی طرح روح مری مائلِ رم ہے

یہ ہوشِ وفا اور یہ احساسِ مصیبت
اے تکملۂ شوق محبت ابھی کم ہے

دشواریٔ منزل تھی فقط ہوشِ طلب تک
بیخود جو ہوا ہوں تو نہ جادہ نہ قدم ہے

ہر لفظ ہے رومانِ مرے عہدِ وفا کا
جو بات میں کہدوں وہی افسانۂ غم ہے

شاید ہے پرستش کی یہی آخری منزل
اب دیر مرے پیش نظر ہے نہ حرم ہے

سینے میں مرے سینکڑوں نشتر سے بھرے ہیں
گو تیری نگاہوں کی خلش پھانس سے کم ہے

مجھ کو ہو کس اُمید پہ احساسِ محبت
قربانِ تغافل نہ ستم ہے نہ کرم ہے

تقدیر کے سلجھاؤ یہ ہے میری نظر بھی
لیکن ابھی سرکار کی زلفوں میں تو خم ہے

ساقی ترے الطاف کا ممنون ہوں لیکن
پیمانے میں جو کچھ ہے مرے ظرف سے کم ہے

یہ ذوقِ شفیقؔ اور یہ طبیعت کی قناعت
مٹّی کا پیالہ بھی مجھے ساغرِ جم ہے

شفیق کوٹی

اَللّٰہُ باقی مِن کُلِّ فانی

چمن میں پھول صرفِ گریہ شبنم بھی ہوتے ہیں
جو ہیں دلشاد وہ اندوہ سے محرم بھی ہوتے ہیں

تبسم جن کو اک لحہ میں بڑھ کر چھوڑ دیتا تھا
کبھی وہ زخمِ دل ناقابلِ مرہم بھی ہوتے ہیں

تری گردش کبھی اے چرخ دنیا کو بتاتی ہے
ترے دورے کبھی برہم زنِ عالم بھی ہوتے ہیں

غم و اندوہ کی کثرت بھی ہوتی ہے زمانے میں
نشاط و عیش کے جذبے دلوں سے کم بھی ہوتے ہیں

نگاہِ چرخ کھاتی ہے باہم سینے والوں کو
زمیں میں دفن اکثر یارو ہمدم بھی ہوتے ہیں

"خدا دیتا ہے جن کو عیش اُن کو غم بھی ہوتے ہیں
جہاں بجتے ہیں نقارے وہاں ماتم بھی ہوتے ہیں"

بہاروں میں نہفتہ ایک تمہیدِ خزاں بھی ہے
ہنسی کے ساتھ ہی اندیشۂ آہ و فغاں بھی ہے

فقط دن کے اُجالے پر بھروسہ کر نہ اے غافل
کہ بعدِ روزِ روشن رات کا ظلمت نشاں بھی ہے

اسیرِ نالہ ہے بلبل، قفس رکھا ہے گلشن میں
جہاں عشرت کی کلیاں ہیں وہاں غم کا دھواں بھی ہے

کوئی ایسا نہ پیدا ہو سکا جس کو نہ موت آئی
حیاتِ عارضی کے ساتھ مرگِ ناگہاں بھی ہے

کسی حالت کو مستحکم نہ جان، اے پیکرِ فانی
ہر اک حالت میں پنہاں انقلابِ آسماں بھی ہے

"خدا دیتا ہے جن کو عیش اُن کو غم بھی ہوتے ہیں
جہاں بجتے ہیں نقارے وہاں ماتم بھی ہوتے ہیں"

انھیں معلوم ہو جن کو غرورِ زندگانی ہے
جسے کہتے ہیں دُنیا، صرف سانسوں کی کہانی ہے

بقا پر جس کا قبضہ ہے فنا پر جس کو ہے قدرت
فقط وہ ایک ہی تو ذات، ذاتِ جاودانی ہے

شرابِ عیش پی کر جو ہوا سرشارِ سرمستی
وہ ہی اک دو گھڑی کے بعد صرفِ سرگرانی ہے

یہاں مہلت ٹھہرنے کی نہ فرصت سانس لینے کی
حباب آسا ہے انساں اور جہاں پانی ہی پانی ہے

نہ اترا اپنی بزمِ عیش کی آرائشوں پر تُو
کہ دُنیا کی طرح دُنیا کی ہر اک چیز فانی ہے

"خدا دیتا ہے جن کو عیش اُن کو غم بھی ہوتے ہیں
جہاں بجتے ہیں نقارے وہاں ماتم بھی ہوتے ہیں"

نیّر خورجوی

نذرِ غالب

میرا آغوش نظر یاد آیا جلوۂ دوست کو گھر یاد آیا
آنکھ ہنگامۂ محشر میں کھلی فتنۂ راہ گذر یاد آیا
غیرتِ عشق بھی ہاتھوں سے گئی دل اگر بارِ دگر یاد آیا
اب ملاتے نہیں دُنیا سے نظر کوئی گستاخ نظر یاد آیا
آپ کے در پہ ملا سر اپنا سجدہ یاد آیا تو سر یاد آیا
ہوشِ ہستی پہ ہوا جوش کرم دل اِدھر درد اُدھر یاد آیا
پھر ازل چاہئے ہستی کو مری مجھ کو اک خوابِ نظر یاد آیا
آج بیٹھے ہیں وہ شمشیر بکف کس گنہ گار کو سر یاد آیا

نجم یہ فکر ہے نذرِ غالب
غالبِ خستہ جگر یاد آیا

نجم آفندی اکبرآبادی

پھر وہ نیرنگِ نظر یاد آیا اور بہ اندازِ دگر یاد آیا
پھر وہ نظریں طرفِ در اُٹھیں پھر کوئی بندۂ در یاد آیا
ہم ترے جور کا احسانِ عظیم بھول بیٹھے تھے مگر یاد آیا
ترکِ درمان و دوا کی سُوجھی چارۂ زود اثر یاد آیا
عزمِ دعوائے نظر کرتے ہی عجزِ یارائے نظر یاد آیا
جب سکوں لکھ کو سکوں دے نہ سکا نسخۂ دردِ جگر یاد آیا
نخلِ راحت کی طرف بڑھتا تھا تشنہ نخلِ راحت کا ثمر یاد آیا
قصدِ ممنوعہ شجر کرتا تھا جورِ ممنوعہ شجر یاد آیا

تم اور آزاد مسلسل یہ سجود
سچ کہو کس کا یہ در یاد آیا

آزاد انصاری سہارنپوری

گل وگلرو

کس وقت نہیں زیب دہِ حسنِ بشر پھول — ہر عہد میں رہا کشش قلب و نظر پھول

عشرت کدۂ نور جہاں پھولوں سے مہکے

سرشارئ عشقِ جہانگیر نہ بہکے

[illegible] نہ بنے شعبدہ گر پھول

ہر روز [illegible] نظر پھول — [illegible] ان کے تبسم کی ادائے مجھے ہر پھول

[illegible] دو غنچوں دو ترانے

اُف [illegible] دو شبستاں دو محافل دو زمانے

[illegible] حیرت سے [illegible] نظر پھول

جاتا ہوں جدھر میں ادھر آتے ہیں نظر پھول — تو ساتھ ہے گلزار ادھر پھول ادھر پھول

یہ ہی نہیں کرتا ترے انداز پہ عش عش

جانِ چمنستاں ہے ترا خندۂ دلکش

کھلتے ہیں تجھے دیکھ کے اے رشکِ قمر پھول

ہیں ہیچ ترے سامنے گو اے رشکِ قمر پھول — لیکن ہے تصدق تری اس شان پہ ہر پھول

حسنِ چمنستاں کے نگہبان نہ ہوتے،

معلوم یہ ہنستے ہوئے ہر آن نہ ہوتے

مسرور تری دید سے ہوتے نہ اگر پھول

کچھ زندہ دلی کا نہیں سامان مگر پھول — دلچسپ تری وجہ سے ہیں تازہ و تر پھول

گلشن کی فضاؤں ترے جلووں سے بدل جائے

چھیڑے جو نسیم سحری کیوں نہ ہنسی آئے

غنچے بھی نظر آنے لگے وقتِ سحر پھول

قدرت کے مناظر کی سناتے ہیں خبر پھول — فطرت کی بہاروں کا جتاتے ہیں اثر پھول

ہر پھول کی تنویر ہے آئینۂ اسرار

خالی کہیں ہوتا بھی ہے گنجینۂ اسرار

روزانہ لٹائیں گے اسی طرح سے زر پھول

علی منظور حیدرآبادی

آس ——— (گیت)

پیا ملن کی آس
سکھی ری پیا ملن کی آس

جیون ساگر ٹھاٹھیں مارے
گھور اندھیرا، دُور کنارے
من کی نیّا پریم سہارے

پیا ملن کی آس
سکھی ری پیا ملن کی آس

کوئی پھول چڑھانے آئی
کوئی گیت سُنانے آئی
میں بھی پریم جتانے آئی

پریم ہی میرے پاس
سکھی ری پیا ملن کی آس

پریم کی جوت جلے جس من میں
وہ من بھی رہتا ہے تن میں
کوئل کوک رہی ہے بن میں

پھولوں میں ہے باس
سکھی ری پیا ملن کی آس

کیونکر روؤں، شور مچاؤں
پریمی منوا کو بھکاؤں
اُن کے نینن سے گر جاؤں

مورکھ ہوت اُداس
سکھی ری پیا ملن کی آس

ضیاؔ فتح آبادی ایم۔اے
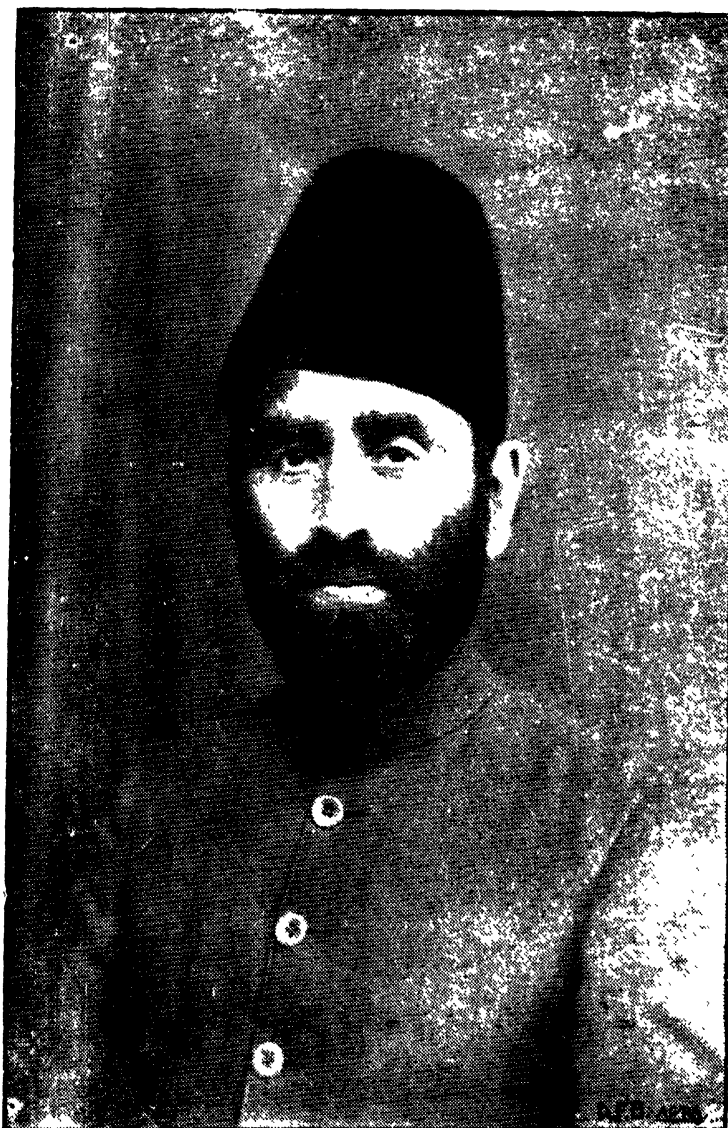
حضرت مولوی مفتی انتظام اللہ صدیقی اکبرآبادی

خواب و خیال

اہلِ دل کو نہ سرخوشی نہ ملال — اب تو بس وہ ہیں اور تیرا خیال
کیا یہ بے تابیٔ فراق و وصال — عشق کو ان مصیبتوں میں نہ ڈال
یہ دھڑکتا ہے دل کہ سینے میں، — کوندتی ہے کسی کی برقِ جمال
زندگی کروٹیں بدلتی ہے — تھرتھراتی ہے نظمِ ماضی و حال
لئے جاتے تھے لوگ اک میت — آہ وہ شامِ ہجر و صبحِ وصال
تا ابد ایک دورِ حاضر ہے — عشق کی عمر میں نہ ماہ نہ سال
موجزن ہے ازل سے بحرِ حیات — کہنے کی بات ہے کمال و زوال
اب کہاں وہ جمالِ دل افروز — صحبتیں ہوگئیں وہ خواب و خیال
جوشِ پروازان فضاؤں میں — دوش پر کیوں وبال ہیں پر و بال
زندگی ہے تو بیقراروں کی — بن گئے ہیں کسی کی برقِ جمال
عشق کو دل لگی سمجھتے تھے — ہوگیا اب وہ جان کا جنجال

عاشقی میں **فراق** اُمیدِ نشاط
ہم کہے دیتے ہیں یہ روگ نہ پال

فراق گورکھپوری

تماشا دیکھنے والے

کھلائے گُل ہیں ارمانوں نے کیا کیا دیکھنے والے
دلِ پُر داغ بھی دیکھا ہے میرا دیکھنے والے

دلِ پُر درد پیدا کر تماشا دیکھنے والے
کچھ احساسِ تپش بھی ہے تڑپنا دیکھنے والے

اُڑے جاتے ہیں دل کے پُرزے پُرزے کچھ خبر بھی ہے
کنکھیوں سے لڑے او سوئے شیدا دیکھنے والے

وفورِ شوق ہے خود رہنمائے کوچۂ جاناں
کھڑا کیا سوچتا ہے عزم دل کا دیکھنے والے

جہاں کے ذرّے ذرّے میں ترا عکسِ تجلّی ہے
مگر آنکھیں کہاں سے لائیں دنیا دیکھنے والے

کہو اُن کو نہ کچھ مجبور ہیں اپنی طبیعت سے
جو بدبیں چھوڑ کر گل کو ہیں کانٹا دیکھنے والے

اُڑا کر جذبِ صادق ہمکو کوئے یار میں لایا
بھٹکتے رہ گئے نقشِ کفِ پا دیکھنے والے

حقیقت میں اُنھیں منظور ہے ہنگامہ آرائی
رہیں اب منتظر تا حشر جلوا دیکھنے والے

تلاشِ گوہرِ مقصود میں کیا ڈر تلاطم کا
تہِ دریا سکوں ہے موجِ دریا دیکھنے والے

مثالِ آئینہ بیخود ہیں، حیرت میں ہیں، ساکت ہیں
کسی کے روئے روشن کا تماشا دیکھنے والے

یہ حسنِ ظاہری ہے پردہ دارِ جلوۂ جاناں
پسِ پردہ بھی کچھ دیکھا ہے پردا دیکھنے والے

رہا کرتے ہیں چکر میں یوں ہی سرگشتۂ الفت
بصیرت شرط ہے دیکھیں بگولا دیکھنے والے

نگاہِ لطفِ جاناں ہی حکیم اک داروئے دل ہے
وہ ہوں گے اور کوئی چشمِ عیسیٰ دیکھنے والے

حکیم اورنگ آبادی

جنت کیا ہے

اک تماشہ ہے مرا ذوقِ محبت کیا ہے
آج تک یہ بھی نہ سمجھا مری حسرت کیا ہے

غور کر غور، کہ اندازِ طبیعت کیا ہے
کہہ تجھے میری محبت سے شکایت کیا ہے

غائبانہ اُسے کرتا ہوں سلام و سجدہ
مجھ سے پوچھے کوئی آئینِ محبت کیا ہے

اب تو رگ رگ میں محبت کی خلش پھیل گئی
آپ کو زہر ملانے کی ضرورت کیا ہے

شکوۂ کم نگہی مسلکِ عشاق نہیں،
دل لگے کڑھنے کے سوا اور اذیت کیا ہے

بجلیاں کرتی ہیں کیوں میرے نشیمن کا طواف
چار تنکوں سے انھیں ایسی محبت کیا ہے

ہو اجازت تو تری شانِ کرم سے پوچھوں
زندگی میں جو میسر ہو وہ جنت کیا ہے

حسن ہمت شکنی کی نہ اٹھائے زحمت
مجھ کو معلوم ہے انجامِ محبت کیا ہے

خواب گونگے کا ہے ہر ذرۂ امکاں کا سکوت
کس سے پوچھوں تری جلووں کی حقیقت کیا ہے

ذرہ ذرہ ہے حیاتِ ابدی کی تصویر
میں سمجھتا ہوں ہوائے درِ دولت کیا ہے

ایک بیکس بھی ہے آسودۂ خوابِ راحت
شورِ محشر سے یہ کہہ دو ابھی عجلت کیا ہے

حسن دریافت کرے عشق سے فطرت اپنی
سادگی نام ہے اس کا تو شرارت کیا ہے

کوئی کہتا ہے کہ آغوشِ لحد خالی کر
یہ قیامت ہے کہ اندازِ قیامت، کیا ہے

حسن سے آنکھ چرانا مجھے منظور نہیں،
عشق بدنام نہ ہو دل کی حقیقت کیا ہے

مجھ پہ الزامِ محبت نہ دھرو خود سوچو
جو نگاہوں میں سما جائے وہ صورت کیا ہے

عشقِ معذور کی فرسودہ خیالی کی قسم
مژدۂ عید ہے، پیغامِ قیامت کیا ہے

حسن خود جذب ہوا جاتا ہے مجھ میں سرشار
رحمتِ عشق ہے، فیضانِ محبت کیا ہے

سرشار کسمنڈوی

پہاڑ اور ندی

پہاڑ :—

دیکھ اے چھوٹی سی ندی میرا جبروت و جلال — کس قدر ہیبت فزا ہیں میرے آثارِ کمال
خندہ زن ہے آسمانوں پر مرا اوج و وقار — عظمت و رفعت میں ہوں میں سطوتِ پروردگار
ہوں غرورِ دہر کے جلووں کا میں آئینہ — جس کو قدرت نے جہاں میں ہے بنا کر رکھ دیا
زحمتِ دورِ حوادث سے نہیں آشفتہ کام — بے اثر ہے مجھ پہ نیرنگِ انقلابِ صبح و شام
نور دیتی ہے مجھ کو غسلِ شب کی چاندنی — چومتی ہے میری چوٹی کو کرن خورشید کی
ہو نہیں کسی کو کتنا ہی اوج و کمال — ہے مری عالی نظر میں سب حقیر و پائمال
سربلندی جو میسر ہے غرور و ناز میں — ہے کہاں وہ سرفرازی فرشِ پا انداز میں
سب ہیں مجھ سے پست کمتر اور میں سب سے بلند — ہوں جو پابستِ اصولِ جمیل و ارجمند
اس میں ہوں آسودہ جلوت کہ ہوں خلوت نشیں — مجھ پہ جھکتا ہے جہاں سارا عقیدت کی جبیں
عظمتِ نظارہ سے ہے شوکت و رفعت عیاں — چوٹیوں سے میری کرتا ہے فلک سرگوشیاں
سامنے گزرا ہے میرے دورِ عشرت ہمکنار — میں نے دیکھی ہے گذشتہ عہدِ ہستی کی بہار

ہوں جواں نیرنگِ عصرِ انقلابِ شام میں
مسکراتا ہوں شبابِ گردشِ ایام میں

ندی :—

گر تجھے قدموں میں بہتی ہوں مگر اے کوہسار — تجھ سے برتر ہے مری تقدیر میں عز و وقار
دیکھ کر مجھ کو زمانے کی نگاہیں دنگ ہیں — دیکھ ساحل پر مرے گلہائے گلنار رنگ ہیں
جنگلوں کی آبیاری سبزکاری مجھ سے ہے — رحمتِ شاداب ہوں اک خیر جاری مجھ سے ہے
خار و خس کیوں سے اک دیدۂ پرآب میں — سب کو سینے سے لگا لیتی ہوں بیتابی میں
جنگلوں کی وسعتوں میں جب رواں ہوتی ہوں میں — فائزِ منزل مثالِ کارواں ہوتی ہوں میں
کارواں میرے کنارے آ کے ہوتے ہیں مقیم — یعنی ساحل سے ہیں رحمت کی ہوں نہرِ عظیم
تو فقط اک پتھروں کا بدنما انبار ہے — زندگی ہی خودی کی جو نہیں سرشار ہے
خود نظر بینی جہاں کی سرفرازی ہے تری — خود تری پستی جہاں سے بے نیازی ہے تری
مجھ سے ذرے میں ہے تابش یعنی گوہر مجھ میں ہیں — مستتر ہیں جو خزانے وہ سراسر مجھ میں ہیں
میں ہوں دہقانوں کی امیدوں کا مرکز اے پہاڑ — کر رہے آباد میں نے ساری دنیا کے اجاڑ
میں جہاں ہوں فطرتاً سیراب کامی ہے وہاں — میں جہاں ہوں ایک تسکینِ دوامی ہے وہاں
ابر کے فیضان سے جب جوش میں آتی ہوں میں — سینکڑوں کہسار دامن میں بہا لاتی ہوں میں

مختصر یہ مجھ میں تجھ میں کوئی نسبت ہی نہیں
میں سمندر کی ہوں بیٹی تو ہے فرزندِ زمیں

شفق ٹونکی

دھرم کے داتا ــــ کرشن

(ایک ایکٹ کا سماجی ڈراما)

افرادِ ڈرامہ بترتیبِ سلسلہ

بلونتا چودھری ... ... کپڑے کے میل کا مزدور

گجراج ... ... ایضاً

تلسی ... ... کپڑے کے میل کا مستری

بنسو ... ... کپڑے کے میل کا مزدور (تلسی کا دوست)

چمپا ... ... تلسی کی نوجوان بیوی

جے پرکاش ... ... (نام نہاد) مہیلا آشرم کا منتری

مہتر ... ... اسپتال کا نوکر

گنگو ... ... ایک بیسوا

چاندمل ... ... چمپا کا بھائی

زمانہ ... ... حال

مقام ... ... دہلی

پہلا سین

(تقریباً آٹھ بجے رات کا وقت ہے۔ کارخانے کے مزدوروں کے مکانوں کی قطار کے سامنے دو آدمی چارپائیوں پر بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔ دور سے گراموفون کی آواز آ رہی ہے۔)

ایک ــــ گجراج، ابھی تلسی نہیں آیا۔

گجراج ــــ ہاں آتا ہوگا۔ لو، حقّا پیو، چودھری۔ اے لو وہ تلسی بھی آ رہا (رہا) ہے۔

(تلسی آتا ہے)

تلسی —— رام رام بلونتا چودھری، رام رام گجراج

دونوں —— رام رام بھیا، رام رام

تلسی —— (چارپائی پر بیٹھتے ہوئے) چودھری، کچھ تم نے بھی سنا، سرکار گانوں گانوں ریڈیو کی مشینیں

بلونتا چودھری —— لگا ری (رہی) ہے!
بھیا تلسی گے (یہ) مشینیں ڈھکوسلائی (ہی) ہیں۔ ہمارے گانوں کے جمعدار (زمیندار) نے بھی کھیت کاٹنے کی میشن منگائی ہتی (تھی) ایکو نا بھی نا چلی، پڑی سڑ رہے ہے

تلسی —— چودھری، ریڈیو پھسل (فصل) کاٹنے کی میشن نہیں ——

چودھری —— (بات کاٹ کر) کیوں جی، میں پوچھوں ہوں گے (یہ) کانگریسے جو کہیں ہیں کہ سرکار ہر کام کی مشینیں منگا منگا کر سارا روپیا تو بلات (ولایت) بھیجے دے رہی ہے اور بھارتی پوت بھوکوں مر رہے ہیں، گے (یہ) بات ٹھیک ہے؟

تلسی —— اجی چودھری، ابتو کانگرس اور سرکار دونوں دہاتیوں (دیہاتیوں) کا جیون سدھارنے میں لگے ہیں۔

گجراج —— کسانوں کا دھن بھاگ —— (حقہ گڑگڑاتا ہے۔)

تلسی —— بڑے جی۔ مہاتما جی نے کسانوں کی دُردشا دیکھی تو کانگرس کی ساری پھوج (فوج) کو گرام سدھار میں لگا دیا۔ اور سرکار نے سوچا کہ اب سارے کسان کانگرسی ہو جائیں گے تو وہ بھی لگی ان کا اُدھار کرنے۔ اسی کارن اُس نے ریڈیو چلایا ہے۔ جی کھول کر روپیا اٹھا رئی ہے۔ پر چودھری گے ریڈیو گانے اور باتیں کرنے کی مشین ہے۔ پھسل کاٹنے کی میشن اور ہی چیج (چیز) ہے

چودھری —— ہوں ہوں بھیا، میں جانوں ہوں۔ پھونوگراپھ (فونوگراف) کہو نا۔ نئے نئے نام کیوں رکھو ہو؟ اب تو آٹھ آٹھ روپیا میں آرہے ہیں۔ گھر گھر باجہ ہو گیا ہے۔ لو، سُن لو جا گھڑی (اس گھڑی) بھی تین طریپھ (تین طرف) سے آوا جیں (آوازیں) چلی آ رہی ہیں۔

تلسی —— پر چودھری ریڈیو دوسری چیج ہے۔ اس میں پلیٹیں لیٹیں نئیں (نہیں) بجتی ہیں۔ دلی میں ایک دپھتر (دفتر) بنا ہے، واں سے گویّوں کے گانے اور بابو لوگوں کی باتیں ہوا پہ سوار کر کے سب اور بھیجیں ہیں، اور جس جس کے پاس مشین ہے وہ ہجاروں (ہزاروں) کوس پہ بیٹھا سنے ہے۔

چودھری —— لو بھیا گجراج، گے چھورا میرے ساتھ ٹھٹھول کرے ہے۔ مجھے کوئی ایسا بیکوپھ (بیوقوف) جانا ہے کہ تیری باتوں میں آ جاؤں گا۔
(حقہ پینے لگتا ہے)

گجراج —— نئیں چودھری، گے تو ٹھٹول کی بات نئیں ہے۔

چودھری —— رام کا نام لو بھیا، بھلا دلّی سے گانے کی اواج (آواز) ہجاروں (ہزاروں) کوس کیسے جائیگی؟ اواج نہ ہوئی بادلوں کی گرج ہو گئی۔

تلسی —— اجی چودھری، یہ بڑے کام کی چیج نکلی ہے اس میں ایک ہی سمے آدمی کا گانا دنیا بھر سُن لے ہے۔ ایک آدمی کا واکھیان سارے سنسار میں پہنچ جائے ہے۔ بڑے کام کی باتیں بتائی جائیں ہیں۔ کسانوں کو بتاتے ہیں کہ پھسل (فصل) اچھی کیسے ہوگی، ہیجا بکھار (ہیضہ، بخار) کس ڈھب رُکے گا۔ سپھائی (صفائی) کے کیا پھائدے (فائدے) ہیں، ایسی ایسی بھتیری (بہتیری) باتیں سنائی جاویں ہیں۔

چودھری —— رام دہائی!

تلسی —— نہیں تو کیا۔

چودھری —— لو گجراج، حُقّا لو،

گجراج —— پیو چودہری۔ میں نے سگرٹ جلالی ہے

چودھری —— پلے ہو گئی بھائی، گے تو دیوتا سکتی کے کام ہیں۔ انگریج (انگریز) سرکار ہے بڑی ہی مان، کیسی کیسی چیجیں (چیزیں) چلا دے ہے۔

گجراج —— اجی چودھری جپان (جاپان) نے سرکار کو بھی سٹھیا دیا ہے۔ وہ انگریج (انگریز) سے بھی بڑا بدہی مان نکلا ہے۔ ایسی سستی چیجیں (چیزیں) بھیجے ہے کہ بلاتی (ولایتی) مال کو کوئی چھوئے نا ہے۔

تلسی —— جپانی کپڑا اِتنا سستا نہ ہوتا تو اس بے روجگاری (بیروزگاری) کے سمے سنسار کو تن ڈھانکنا دو بھر ہو جاتا۔

(بنسو آتا ہے)

بنسو —— رام رام

چودھری —— رام رام بھیا، کون ہے؟

گجراج —— بنسو ہے چودھری

چودھری —— آؤ بھائی۔

بنسو —— (بیٹھتے ہوئے) تلسی، چل بائیسکوپ دیکھیائیں (دیکھ آئیں) بہت بھاری کھیل ہے۔

تلسی —— یار آج تو تھکن بڑی ہے کل چلیں گے۔

بنسو —— کل تو تماسا بدلی ہو جائے گا۔ بڑا سندر ہے روج ایسی بھیڑ رہوے (رہ وے) ہے کہ تل دھرنے کو جگا نئیں (جگہ نہیں) ملے ہے۔

تلسی —— اچھا تو میں کوٹ لیاؤں (لے آؤں)

(تلسی جاتا ہے)

بنسو —— جلدی آیو (آئیو) دیر ہو جائے گی

(حقہ برابر گڑ گڑ کرتا رہتا ہے۔ پس منظر میں موسیقی سنائی دیر ہی ہے۔
تین طرف سے گراموفون کی آوازیں آ رہی ہیں پاس کا گراموفون
ایک گیت بجا رہا ہے جس کے بول پُر رمز ہیں۔)

تلسی ——— (آتا ہے) چل بھئی۔ رام رام

دو آدمی ——— رام رام، رام رام بھائی

(تلسی اور بنو جاتے ہیں)

چودھری ——— گجراج گے (یہ) موڑھا جب سے متری بھیا ہے، اس کا سر پھر گیو ہے آج پیرگاڑی لایا، کل پھونوگراپھ (فونوگراف) لایا، بابوؤں کی ریس کرے ہے۔ کوا چلا ہنس کی چال، اپنی بھی بھول گیا۔

گجراج ——— ہے تو بڑا رسیا۔ مہینا بھر کی موڑی ماندی پڑی ہے اور اُسے سیل سپاٹے کی سوجی ہے۔

چودھری ——— چھورا کی طلب کیا بڑھی ہے، پورا بابو بن گیا ہے۔ گے (یہ) ڈھنگ گجراج بُرے ہیں۔

گجراج ——— پر تو ہے ہیار (ہوشیار) ہڑتال کر کے مجوریاں بڑھوائی (ہی) لیں۔

چودھری ——— ہاں، پر مجوریاں بڑھنے سے بچت تو نا ہوئی۔ کھرچ کچھ جاستی (خرچ کچھ زیادہ) بھے گیو

گجراج ——— (ہنس کر) چودھری، تم بوڑھے تو بھے گئے پر رہے بچپا کی باوائی۔ مجوری اور بڑھی کا ہے کو تھی۔ اسی کارن کہ پیٹ بھر کھاؤ سواپھ (صاف) کپڑا پیرو (پہنو) بال بچوں کو اچھی سکھشا دو۔

چودھری ——— اور اڑی بھڑی، دُکھی باری (بیماری) کو کچھ نا رکھو۔ تلو کھوٹی دنیا میں کوئی اڑے نہیں آے ہے۔ گانٹھ کا پیسا ہی کام دے ہے مر جیوں کو کیتے (کہتے) نئیں سنا "کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں"۔

گجراج ——— بچت کو چودھری میں برا تھوڑی بتاتا ہوں پر پیٹ کاٹ کے جوڑنا بھی کس کام کا۔ جتی چادر ہو اُتے پیر پسارنا ٹھیک ہے، پر آدمی اُتنی کمائی کرے کہ سکھ سے کھائے بھی اور کچھ بچائے بھی۔

چودھری ——— مورکھ، کمائی کرنا کوئی اپنے بس کی بات ہے؟

گجراج ——— بس کی بات کیوں نئیں (نہیں) مانس میں ہمت چھئے (چاہیے)

چودھری ——— آجکل کے موڑے بھگوان کو بھی بھولے جائیں ہیں۔ کلجگ ہے نا! بھیا من کا چاہا (ہا) کبھی ہوئے ہے؟

گجراج ——— اپنے سیٹھ جی کو دیکھ لو، مارواڑ سے کلکتہ گئے تھے تو ان کے پاس کیا تھا۔ آج لاکھوں کروڑوں میں کھیلیں ہیں۔

چودھری —— بھیا گے (یہ) پرامید ہے۔ بھگوان ہات پکڑیں ہیں تو سدھ بھی اچھی دیدیں ہیں اور جب رام دکھ دلدّر دے دیں ہیں تو مت پہلے ہرلیں ہیں۔ گے چھورا تلسی تو وہ کرے ہے کہ چکھ ڈال مال دھن کوڑی نرکھ کبھن (کفن؟) کو۔ گرہستی کی ناؤ اس بد پار نا لگے!

گجراج —— گے بات تو چوکس ہے جو آنکھ بند کرکے چلے گا، ٹھوکر جرور (ضرور) کھائیگا۔

(حقہ گڑگڑ کرتا رہتا ہے)

چودھری —— ہلّا جل گیا کیا؟

گجراج —— ہاں اتبو اونگھ بھی آنے لگی (اُٹھتے ہوئے) رام رام چودہری۔

چودھری —— رام رام بھیا، جاؤ سوؤ۔

(دور ایک گراموفون بجے جارہا ہے۔)

دوسرا سین

تلسی کا گھر۔ رات کا ایک بجا ہے۔ تلسی کی بیمار بچّی رو رہی ہے اسکی ماں چمپا تھپک تھپک کر سُلا رہی ہے۔

چمپا —— (بچی کو تھپ تھپاتے ہوئے) آجا ری نندو

(دروازہ کھٹکھٹایا جاتا ہے۔ چمپا (تلسی کے لئے) دروازہ کھولنے کو اُٹھتی ہے۔)

بنو —— اری تلسی کی بہو

چمپا —— (بچّی رو رہی ہے) ہاں جی، آئی۔

بنسو —— جلدی کواڑ کھول۔

چمپا —— کھولتی ہوں جی (اپنے آپ سے) بھگوان بھلی کریں (دروازہ کھولتے ہی) وہ کاں (کہاں) ہیں؟

بنو —— اری تلسی کے چوٹ آگئی ہے موٹر سے دب گیا۔

(چمپا رونے لگتی ہے) کوئی بڑا رہیس چلا رہا تھا، روکی بھی نئیں اور بھگا لے گیا۔

(ماں بیٹیاں، دونوں، روتی ہیں)

چمپا —— (روتے ہوئے) وہ ہیں کاں (کہاں) جی؟

بنو —— کتوالی (کوتوالی) یں۔ اب تو سپا کھانے (شفاخانے) لے گئے ہوں گے۔

چمپا —— (بتیاب ہوکر) گھاؤ بڑا تو نئیں ہے؟ لو (لہو) گھنا نکلا ہے؟

بنو —— بھی کچھ پتا نہیں، کھون نکل تو آیا تھا۔

چمپا —— گھنا سارا؟

بنو —— نئیں، اور سچی تو گے ہے کہ میں ڈر کے مارے پاس نئیں گیا۔ سپائی مجھے بھی رات بھر تھانے میں رکھتے۔

چمپا —— (روتے ہوئے) گئی تھی تمھاری مترتا! (زور سے روتی ہے)

بنو —— اری بِسّرن تجھے کھبر (خبر) کون دیتا۔ سویرے تجھے سپا کھانے لے چلونگا۔

چمپا —— (روکر) نئیں جی، میں تو ابھی تُرت جاؤں گی۔

بنو —— باؤلی، آدھی رات کو اِتّی دور کیسے جائیگی اور واں تو کیا کریگی۔ سپا کھانے والے گھنے بھی نہ دینگے

چمپا ـــــ پر میں یاں کس جی سے بیٹھوں گی۔ سپا کھانے کے باڑے (باہر) بیٹھ رہوں گی۔

بنسو ـــــ تو جان بھئی، چل چوراہے (چوراہا) سے تانگا کرادوں۔ آدھی رات بیتے تانگا بھی کیا ملے گا۔

(دونوں جاتے ہیں۔ بچی رو رہی ہے۔)

تیسرا سین

(صبح کے وقت اسپتال کے "مردہ گھر" کے سامنے ایک درخت کے تلے چمپا اپنی بچی کو گود میں لئے، بیٹھی رو رہی ہے، میلا آشرم کا منتری بے پرکاش، ہاتھ میں اخبار لئے اس کو مخاطب کرتا ہے۔ پس منظر میں المناک موسیقی کے مدھم سُر سنائی دیتے ہیں۔

چمپا ـــــ (اوں اوں ہونہہ ہونہہ اوں)

منتری ـــــ (کھنکارتا ہوا آگے بڑھتا ہے) دیوی، آپ ہی کے پتی کا دیہانت ہوگیا ہے؟

چمپا ـــــ (زور سے رونے لگتی ہے)

منتری ـــــ دیہانت ہوا کیسے؟ (چمپا روتی رہتی ہے) بتائیے، ڈریئے مت۔ میں آپکی سہائتا کرنا چاہتا ہوں۔

چمپا ـــــ (آواز کو قابو میں لانے کی کوشش کرتے ہوئے) بابو جی، وہ اور بنسو رات کو بائیسکوپ دیکھنے گئے تھے (سسکی بھرتی ہے) رستے میں موٹر سے دب گئے

(زور سے روتی ہے)

منتری ـــــ موٹر کس کی تھی؟

چمپا ـــــ (روتی ہوئی آواز میں) پتا نئیں جی، کسی بڑے آدمی کی تھی۔

منتری ـــــ موٹر والا پکڑا نہیں گیا؟

چمپا ـــــ (ٹھنڈی سانس بھر کر) نئیں جی، وہ بھگا لے گیا پکڑا جاتا بھی تو کیا ہوتا۔

منتری ـــــ تمہارے پتی کیا کام کرتے تھے؟

چمپا ـــــ کپڑے کے میل میں مستری تھے جی۔

منتری ـــــ دلّی میں کوئی تمہارے رشتے ناتے کا نہیں ہے؟

چمپا ـــــ (روتی ہوئی بچی کو چپ کرتے ہوئے) نئیں بابو جی، یاں ہمارا کوئی نئیں ہے، پردیس میں بپتا پڑی ہے!

منتری ـــــ تم کہاں کی رہنے والی ہو؟

چمپا ـــــ جی، اٹاوے کی،

منتری ـــــ دیکھو، میں میلا آشرم کا منتری ہوں، ہم ہندوؤں کی اناتھ لاشوں کو اسپتال سے لیکر شمشان پہنچاتے ہیں اور داہ دلواتے ہیں۔ یہاں تمہارا کوئی نہیں ہے تو تمہارے پتی کے شریر کو ہم داہ دلوائیں گے پر تو تمہارا اکیلے رہنا ٹھیک نہیں۔ آجکل ملکش لوگ ہندو استریوں اور بالکوں کو پکڑے جاتے اور زبردستی مسلمان بنا لیتے ہیں۔ تم ایسا کرو کہ آشرم میں ٹھہرو، ایک آدھ روز میں ہم تمہیں تمہارے پتا کے گھر پہنچوا دیں گے۔

چمپا ـــــ منتری جی آپ بڑے دیا کرن ہیں۔

منتری ـــــ نہیں، ہمارا تو یہ کرتو ہے۔

چمپا ——— اس سنسار کا چلن تو ایسا نہیں ہے۔ بنسواُن کا بڑا پریمی تھا پر اُنھیں گھائل چھوڑ کے چلا گیا، پھر یہاں تک شاید میل والوں میں سے بھی کسی نے کچھ دھیان نا دیا۔

منتری ——— اس ٹوشٹ سنسار میں منش سیوا ہمارے آشرم کا دھرم ہے۔ ہم نے کئی مہیلاؤں اور بالکوں کو ملکشوں کے پنجے سے چھڑایا ہے۔ تم بانچ لیتی ہو؟

چمپا ——— (ٹھنڈی سانس بھر کر) نہیں، منتری جی۔

منتری ——— (اخبار کو اس کی طرف بڑھا کر) یہ دیکھو آج ہی کے پتر میں ہمارے آشرم کی واہ واہ چھپی ہے۔

چمپا ——— جی، پتر میں جو چھپا ہے تو اوش ٹھیک ہے۔ آپ کرپا کر کے مجھے لین تک پہنچا دیں (رونے لگتی ہے) وہاں میری گرہستی کی چیچ بست پڑی ہے۔ پتا جی تو دکھی رہتے ہیں۔ بھیا کو آگرے تار دلوا دوں گی وہ آکر مجھے اٹاوے پہنچا دیں گے۔

منتری ——— دیوی، بُری دشا میں اپنے پرائے ہو جاتے ہیں لین والوں کا حال تم نے دیکھ لیا، کسی کو پروا ہوتی تو کوئی تمھاری خبر لیتا۔ آجکل سوارتھ کی متر تا ہے۔ سب تمھیں ٹھگنے کو ڈول ڈالیں گے تم چنتا نہ کرو ہم اپنا آدمی تمہارے ساتھ کر دیں گے تو جا کر اپنا سامان لے آنا۔

چمپا ——— (بچی کو چپ کرتے ہوئے) مہاراج، آپ کی کرپا کا بدلا تو کیسے ہو گا پر میں جیون بھر آپ کے بال بچوں کے لئے پرارتھنا کروں گی۔

منتری ——— دیوی، ہمارا کاج ہی ہمارا بدلا ہے۔ جنتا کی سیوا ہی ہمارا نیم ہے۔ چلو میں تمھیں آشرم میں پہنچا دوں تو پھر لڑکی وا کا ٹھیک ٹھور کروں۔

چمپا ——— ایشور آپ کا بھلا کرے (رو کر) آشرم دور ہے؟

منتری ——— نہیں دور تو نہیں پر میں تانگا منگواتا ہوں ——— لالی رو رہی ہے۔

چمپا ——— (حسرتناک لہجے میں) کئی دن سے اس کا جی ہی اچھے نہیں ہے۔

منتری ——— ہم آج ہی آشرم کے ڈاکٹر کو دکھائیں گے۔ بچی کو ترت دوا ملنا چاہئے۔ (دوسری طرف) اے مہتر ایک تانگا بلا لو، تمھیں پیسہ ملے گا۔

مہتر ——— اچھا حضور۔

(تانگا آتا ہے۔ اور یہ بیٹھ کر روانہ ہو جاتے ہیں)

چوتھا سین

(تین دن بعد اٹاوے کے نام سے چمپا آگرے لیجائی جاتی ہے اور ایک اڈے والی ناکر ساہ گنگو کے ہاتھ فروخت کر دی جاتی ہے)

چمپا ——— (رو کر) بائی جی تم مار مار کے مجھے جان سے بھلے مار ڈالو پر مجھ سے یہ تو کبھی نہ ہو گا (پھر رونے لگتی ہے) ایشور میرے اوپر تو بپتا پہ بپتا ڈالی ہے۔

گنگو ——— ہوں! آشرم والوں کو چار سو کی رقم میں نے دان کی خاطر دی ہے، اور میں نے سدا برتا کھولا ہے

کر تجھے کھلایا بھی کروں اور اس پوتڑے کی
دوادارو بھی کروں!

چمپا —— (بسور کر) میں کب کہتی ہوں، تم مجھے چھوڑ دو
تم نے تو مجھے جیل میں ڈال رکھا ہے۔ یہاں سے
کوئی چیخ پکار بھی تو نہیں سنتا (زور سے
رونے لگتی ہے)

گنگو —— لا، میری رقم دے اور چلی جا۔ میں بھی
تھک گئی ہوں۔ کہاں تک سمجھا دوں گی۔

چمپا —— (سسکیاں بھرتے ہوئے) میں کرموں
جلی کیا جانتی تھی کہ "جنتا اُنتی" کے "ادتار"
میرے ساتھ یہ چھند کریں گے (روتی ہے)

گنگو —— مورکھ، سنسار میں تو یہ روز کے دھندے
ہیں، جیور کھشا کے لئے لندن جیو ہتیا ہوتی
ہے۔ میری رقم حرام کی تو تھی نہیں، اپنا
پیسہ پیسہ تک تیری ارتھی سے وصول کرونگی۔

چمپا —— (غصے میں) رقم کیا مجھ سے پوچھ کے دی تھی
میں کیا کسی کی باندی ہوں۔ میرے بیچنے
کھوچنے کا کسی کو کیا ادھکار ہے!

گنگو —— پگلی، جگ میں قابو سچا ہے اور جھگڑا
جھوٹا۔ تو نے رو پیٹ کے دیکھ لیا، چیخ چلا کے
دیکھ لیا، اب بھی ڈھنگ پہ نہ آئی تو یاد رکھ
بُرا اَدّد کروں گی۔

چمپا —— پیٹ پیٹ کے گھائل تو کر دیا ہے ——
اس سے بڑھ کے اور کیا کرو گی۔

گنگو —— ہوں، ابھی بھوجن ملے جا رہا ہے ——
کڑاکے ہوں گے تب بل نکلیں گے۔

چمپا —— میں تو پران دے کے بھی اس پاپ کی کوٹھری سے
نکل جاؤں تو دھن بھاگ!

گنگو —— کہنے اور کرنے میں بڑا بل ہے، اور تجھے مرنا ہے
تو مر جا، میں تو اس تیری بالکا سے وصول
کرونگی۔ سودے کے وقت میں نے سب بچار
کر لئے تھے۔ نہیں تو چار سو میں تجھ سے اچھی
چار مل جاتیں۔

چمپا —— (اپنی بچی کے متعلق اشارہ سُن کے تڑپ جاتی ہے)
تو ڈائن ہے —— چنڈال کہیں کی!

(ایک طمانچے کی آواز آتی ہے اور پھر سسکیوں سے رونے کی، اسی
کے ساتھ پڑوس میں گراموفون بجنے لگتا ہے۔ اور حسب حال پُرالم
گیت سُناتا ہے)

گنگو —— لاتوں کے دیو باتوں سے کب سمجھتے ہیں، باؤلی،
کیوں اپنی میری جان ہلکان کرتی ہے۔ جگ میں
ہزاروں لاکھوں جنیاں اسی کام کی بدولت
مگن چین سے رہ رہی ہیں۔ برابر والے گھر
میں لاجو کو دیکھ لے، دو مہینے آئے نہیں ہوئے
اور باجہ خرید لیا۔ ہر وقت ہنستی کھیلتی رہتی ہے
میں بھی بال ودھوا تھی۔ دھن بھاگ کہ پرماتما
نے مجھے اس دُردشا سے نکالا، یاد رکھ سُسرال میں

چوبیسوں گھڑی کی دُر دُر ہوگی اور کوا کھنی بنکر رہنا پڑیگا۔

چمپا —— اس جیون سے وہ سب اچھا ہوگا —— میں استری دھرم کے لئے سب کچھ تج دوں گی!

گنگو —— چمپا تو نادان ہے، تیرا یہ گھمنڈ جھوٹا ہے۔ جب پڑتی ہے تب خبر پڑتی ہے۔ کڑاکے ہونگے تو ہوش آ جائیگا یاد رکھ فاقے کے سامنے نہ گھمنڈ ٹھہرتا ہے اور نہ دھرم کی چلتی ہے۔

چمپا —— (دیوار پر ٹنگی ہوئی تصویر کو اچانک دیکھکر) دھرم کے داتا یہ ہیں میرے دھرم کی رکھشا کرشن بھگوان کریں گے۔

گنگو —— اچھا تو اب ڈٹی بھی انھیں سے مانگ لیجو (بڑبڑاتی ہوئی چلی جاتی ہے)

(تیسرے دن شام کے وقت گنگو پھر چمپا کے کمرے میں داخل ہوتی ہے)

گنگو —— (بچی رو رہی ہے) بھگوان نے بھوجن کرائے! کچھ سدھ آئی؟ خالی پیٹ پانی سے نہیں بھرا کرتا!

چمپا —— میرا جی تو بھگوان نے بھر دیا ہے، پر اس بچی نے تمھارا کچھ نہیں بگاڑا ہے۔ اس پر دیا کرو اور مجھے جانے دو۔ آج سویرے سے دودھ نہیں اترا ہے۔ یہ بھوک سے تلملا رہی ہے۔

گنگو —— مورکھ کہیں کی! تو یہ بتا کہ اس نے تیرا کیا بگاڑا ہے جو تو اسے اپنی ہٹ پر بھینٹ چڑھائے دے رہی ہے؟ اُٹھ، بدھی سے کام لے، منہ ہات دھو ڈال، کھڑکی میں کنگھی درپن رکھا ہے۔ سر سنوار لے وہ رہی، کنگھی چوٹی کرلے۔ کیسا اچھا بڑا سا درپن تھا۔ نگوڑے بندر نے ٹکڑے کر ڈالے۔ یہ دھوتی میلی پڑی ہے، لا میں اسے دھو دونگی۔ کچھ سرت آگئی ہے تو میں کھانے کو لاؤں۔

(بچی رونے لگتی ہے)

یہ ننھی سی جان دودھ بنا کیسے جئے گی۔

چمپا —— (ایک لمبی سانس لے کر) اس کو دودھ تو منگا دو۔

(اسی دن دو گھنٹے بعد چمپا کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا جاتا ہے۔)

چمپا —— کون ہے؟

گنگو —— کوئی نہیں۔ کنڈی کیوں لگا رکھی ہے؟

(چمپا دروازہ کھولتی ہے)

گنگو —— دیکھ تو سئی (سہی) کنگھی چوٹی کرنے سے بسنتی ساری میں کیسی سندر لگتی ہے۔ ایک آدمی آیا ہے۔ لا، لالی کو میں نیچے لیجاؤں۔ ذرا اچھی طریاں (طرح) بات چیت کر لیو۔

{بچی روتی ہے۔ گنگو جاتی ہے اور نیچے سے اُس کی آواز سنائی دیتی ہے۔}

گنگو —— اوپر چلے جاؤ۔ دروجا (دروازہ) کھلا ہے۔

{پڑوس کا گراموفون ایک پُر مزگیت بجا رہا ہے۔ سیڑھیوں پر بھاری قدموں کی چاپ سنائی دیتی ہے۔}

چمپا ——— (گھبرائی ہوئی آواز میں) کرشن مراری، میرا دھرم بچاؤ ——— گردھر گوپال، میری رکشا کرو! دروپدی کے رکھشک مجھے بچالو! (قدموں کی چاپ دروازہ پر پہنچ کر بند ہو جاتی ہے، چمپا، تصویر کے آگے جھکی ہوئی ہے۔)

زینے والا ——— چمپا!

چمپا ——— (مڑ کر دیکھتی ہے) کون، بھیا!

چاندمل ——— تو یاں کاں (یہاں کہاں)

چمپا ——— یہ کیا آگرہ ہے؟

چاندمل ——— اور نہیں تو کیا۔

چمپا ——— بھیا، مجھے جھنڈ دے کر اس جیل خانے میں لا ڈالا ہے۔ تم پہلے اس ڈائن سے میری بچی کو لے لو۔

(چاندمل نیچے جاتا ہے اور چمپا بھی اُس کے پیچھے پیچھے جاتی ہے)

گنگو ——— ہیں! کیا بات ہوئی!

چمپا ——— (جھپٹ کر) میری بچی، میری لالی (بچی کو گنگو سے لے لیتی ہے)

چاندمل ——— یہ میری بہن ہے۔ تو نے اسے دھوکا دے کر جبر جستی (زبردستی) بند کر رکھا ہے۔

گنگو ——— میں نے تو آشرم والوں کو چار سو روپے دئے ہیں، مجھے کیا خبر کس کی بہن ہے اور کس کی بیٹی۔

چمپا ——— (رو کر) بھیا، موٹر سے دب کر پتی دیو کا دیہانت ہو گیا (روتی ہے) تو میں اسپتال گئی۔ وہاں آشرم کے منتری جی نے مجھے ڈرایا کہ مسلمان پکڑ لیجائیں گے اور یہ صلاح دی کہ آشرم چلو ہم تمہارے پتی کے شریر کو داہ دلوا کر تمہیں اٹاوے بھجوا دیں گے۔ دوسرے دن مجھے ساتھ لیکر لینے سے میری سب چیج بست اور گہنا پاتا لیکر اپنے پاس رکھا اور پھر اٹاوے کے نام سے مجھے یہاں لا کر بند کر دیا ہے۔ اس ڈائن نے میرا استری دھرم لینے کے لئے مار مار کے میرا بدن سجا دیا ہے۔ (روتی ہے اور بھائی کے پہلو سے لگ جاتی ہے۔)

چاندمل ——— بچی، ٹھہر تو سہی، میں بھی تھانے میں خبر کرتا ہوں۔

گنگو ——— تھانے میں تمہاری بہن کی بھی بھتی ہوگی۔ کچھ گڑا تو ہے نہیں اپنی بہن کو لیجاؤ، میری تو ساری پونجی ہاتھ سے گئی۔

(ٹروس کا گراموفون کرشن مراری کی شان میں ایک بھجن بجا رہا ہے دونوں اس گھر سے نکلتے ہیں)

گنگو ——— پھوٹے کرم ——— بڑھاپے میں اتنی بڑی رقم یوں ہات سے نکل جائے۔ اب میں کس کے سہارے جیوں گی۔ میں تو سمجھی تھی کہ ایک سندر چھوکری کے سہارے بڑھاپا بسر ہو جائیگا سچ ہے پاپ نہیں پھلتا ——— پاپ کی نیّا منجدھار میں ڈوبتی ہے۔ اب میں پاپ کے جیون سے ہات اٹھاتی ہوں۔ کسی کی رسوئی کر کے پیٹ پالونگی، جس بھگوان نے چمپا کی سہایتا کی وہی میرا جیون بھی سدھاریں گے۔

ل۔ احمد اکبرآبادی

جبر و قدر پر ایک نظر

آج کی صحبت میں ایک ایسے موضوع پر قلم فرسائی کرنے کی جرأت کر رہا ہوں، جس کا صحیح فیصلہ بڑے بڑے فلاسفر اور متفکرین نہ کر سکے ——— مسئلہ کی اہمیت اور میری ہیچمدانی ——— اس کے بعد میری رہی سہی ہمت بھی ٹوٹ جاتی ہے، لیکن بھائی نظر کے حکم سے اعراض کرنا میرے مذہب محبت میں کفر ہے۔ اس لئے بغیر کچھ لکھے چارہ نہیں ہے۔ جہانتک ہو سکیگا۔ اس مسئلہ پر روشنی ڈالنے کی کوشش کرونگا۔

جبر و قدر کے متعلق متضاد و متبائن نظریے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ انسان مجبور محض ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ انسان آزادِ مطلق ہے۔ یہی دو نظریے آپ کے سامنے ہیں۔ دونوں صحیح نہیں ہو سکتے کیونکہ دونوں میں تضاد تام ہے یا یوں کہئے دونوں Contradictories ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ دونوں غلط ہوں اور کوئی تیسرا نظریہ حقیقت کا حامل ہو۔ یعنی انسان نہ تو آزادِ مطلق ہے اور نہ مجبور محض بلکہ اس کی سرحد دونوں سے ملی ہوئی ہے۔

(۱) فلسفۂ جبر ——— NECESSARIANISM OR DETERMINISM ———

بعض گروہوں کا خیال ہے کہ انسان مجبور محض ہے۔ اس کے سارے افعال کسی مستتر طاقت کے ماتحت ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ انسان میں قوتِ ارادی کا فقدان ہے۔ مثلاً Robert owen کو لیجئے۔ اس کا خیال ہے کہ دنیا نظامِ اسباب ہے۔ علت و معلول کی مسلسل کڑیوں کی ہیئتِ ترکیبی کا نام امکان یا کائناتِ رنگ و بو ہے۔ بہار اور بہار کی فردوس آفرینیاں، خزاں اور خزاں کی تباہ کاریاں، نظام کہکشاں کے ہبوط و صعود، غرضکہ حصار و شہود کی ساری طلسم سامانیاں مختلف اسباب و علل کا نتیجہ ہیں۔ اسی طرح انسان کے سارے قوائے ذہنی اور نظام جسمانی مختلف کیفیات و حالات سے متاثر ہوتے رہتے ہیں۔ اگر انسان کی دوربین نگاہیں تمام کیفیات اور حالات کا مشاہدہ کر سکیں تو انسانی اعمال و افعال کا صحیح معیار قائم کیا جا سکتا ہے۔

سب سے پہلے انسانی خواہشات اور جذبات کی جبرئیت اعمال ارادی کی بنیادیں ہلا دیتی ہیں۔ یہ خواہشات و جذبات بھی مختلف ماحول میں پروان چڑھتے ہیں۔

(الف) خواہشات و جذبات ماحول سے بہت متاثر ہوتے ہیں۔

(ب) قوائے دماغی، خاندانی خصوصیات اور اصول پرورش کے اثرات بھی خواہشات و جذبات پر مترتب ہوتے ہیں

"مل" کا بھی یہی خیال ہے کہ انسانی جذبات و خواہشات قوتِ ارادی کو معطل کر دیتی ہیں

"یہ سب بھی (یعنی جذبات و خواہشات) مختلف اسباب کے نتائج ہیں جن میں بعض خالص ذہنی اور دماغی ہیں جو خود مخصوص تعلیم مخصوص اخلاقی اور طبیعیاتی اصول سے اثر پذیر ہوتے ہیں" (جے ایس مل)[1]

"مل" کی سحر نگاری تو پڑھ چکے اب آگے چلئے اور لگے ہاتھوں ذرا ڈی۔ آر۔ سی، کی فلسفی موشگافیاں ملاحظہ فرمائیے۔

"خواہشات کی ہمہ گیری ارادیہ کو مغلوب کر دیتی ہے۔ کبھی انسان بلا پس و پیش ایک ہی خواہش سے متاثر ہو جاتا ہے کیونکہ بعض وقت صرف ایک خواہش، ایک غرض، ایک مقصد کار فرما ہوتا ہے۔ لیکن انسان پر کبھی ایسا وقت بھی آتا ہے۔ جب مختلف اغراض و مقاصد اور مختلف جذبات و خواہشات کا تصادم ہوتا ہے اور مختلف خواہشات تمام قوائے فکریہ کو مغلوب کرنا چاہتے ہیں۔ اس وقت انسانی اعمال قوی اور غالب کا دامان لیتے ہیں"[2]

آپ کو نہایت حیرت ہوگی کہ اکثر فلسفی اصولِ جبر ہی کی ترجمانی کرتے ہیں۔ مثال میں مادیت ((Materialism)) اور فلسفۂ ہمہ اوست ((Pantheism) (حقیقی فلسفۂ ہمہ اوست کی بگڑی ہوئی صورت) کو لیجئے۔ یہ دونوں فلسفی نظریئے متضاد

---

[1] "All these again are effects of causes, those of them which are mental, being consequence of education, and of other moral and physical influence"—— Mills Examination of Hamilton's philosophy page 561.

---

[2] "In every case volition is determined by strongest motive. In most cases the man yields at once because there is just one motive. But some-times there is a conflict, opposing motives meet in his mind and which ever motive is strongest prevails and consequently determines the action."—— D'Arey.

---

[3] (Freedom of will) ———— (Freevotion) کے لئے اصطلاح عام میں "قوت ارادی" یا اسی طرح کا کوئی مرکب لفظ استعمال ہوتا ہے میرے خیال میں "ارادیہ" اس سے زیادہ بہتر ہے۔ مفرد الفاظ میں جو بے معنی نہ ہوں جو فصاحت ہے وہ مرکب میں نہیں ہے ———— امید کہ ارباب علم و ادب اس نئے محاورہ کو شرف قبولیت بخشیں گے۔ صبا

تباین ہوتے ہوئے بھی انسان کو فطرت یا قدرت کے ہاتھوں کا کھلونا سمجھنے میں متحد الخیال ہیں۔ حالانکہ ایک کی منزل" اجزائے دیمقراطیسی کا نگار خانۂ شہود ہے۔ اور دوسری کی معراجِ حیات محض تعینات کی وہمی اور تخریبی تاویل، اور تشکیک کا سدرۃ المنتہیٰ۔

مادیت کی، ماننے والی دنیا" روحانیت" اور "متخیلہ" کو محض دھوکا اور فریب سمجھتی ہے۔ اس کا خیال ہے کہ ذہن انسانی ایک لوحِ سادہ ہے۔ —— (Tabula Resa) —— "قوتِ حاسہ" محض دماغ کے مادی اجزا کے تصادم اور" حرکت معکوس" کی وجہ سے رونما ہوتی ہے۔

طبیعیاتی، کیمیائی، اور برقی طاقتیں ذہنِ انسانی کو آلۂ کار بنا دیتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ انسان کے سارے اعمال و افعال "غیر ارادی" اور "غیر متفکر" ہوتے ہیں۔

مادئین "محسوسات" اور "مرئیات" کی وادیوں میں گم ہو کر رہ گئے۔ مناظر کی فردوس نگاہی میں ایسے کھو گئے کہ وہ اپنی شخصیت یا —— (True Self) نہ سمجھ سکے۔ جہاں مشاہدہ کی رنگینیاں "متخیلہ" کو بے چین کر دیتی ہیں وہاں "متخیلہ" کی عکاسی بھی اس میں چار چاند لگا دیتی ہے ——— مادئیں اپنی دھن میں کچھ ایسے لگے کہ روحانیت کی وسیع کائنات اور ہمہ گیریت کی تخیل سے بھی عاری رہے۔

وہ نہیں سمجھ سکے کہ شخصیت اعلیٰ یا خودی میں کس بلا کی منتشر طاقت ہے جس سے وہ مادیت کی سرزمین پر حکومت کرتی ہے ماحول کی ہنگامہ آفرینیاں یقینی دل و دماغ پر چھا جاتی ہیں۔ لیکن جب دماغ کی فردوسی فضا میں پہونچتی ہیں تو کچھ ایسا اہتزاز محسوس کرتی ہیں کہ ساری محشر زائیاں ختم ہو جاتی ہیں اور "متخیلہ" کی گود میں پرورش پا کر اشارات اور اعمال ارادی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہیں۔

یہاں تک تو میں نے مادئین کے خیالات مجملاً بیان کئے اور ساتھ ساتھ ان کی خامیوں کی طرف بھی اشارہ کر دیا۔ اب ذرا ہمہ اوست کے مطربوں کا نغمۂ بیخودی سنئے۔ اُن کا خیال ہے کہ طلسم زار امکان اپنی ساری بوقلمونیوں اور محشر سامانیوں کے ساتھ محض "نقطۂ وہمی" نظر کا دھوکا اور رنگینی فریب ہے ہستیٔ مطلق صرف ایک ہے۔

"فلسفۂ ہمہ اوست[1]" کی رو سے صرف ایک ہی موجود بالذات حقیقت ہستی یا طاقت ہے۔ اور تعینات صرف اس کا تنازع شہودی

[illegible] (Tabula Resa) [illegible] خیال میں صحیح ترجمہ ہے۔ صبا

[1] "According to Pantheism there is but one self-existence reality, substance or power and all the finite things and minds composing the world system are but self-transformation or modes without any indiyiduality or any independent causality of their own" ——— Prof. P. Chattergee.

[illegible]

میں جس کائنات کوئی انفرادی وجود ہے اور نہ کسی نظام و اسباب کے ماتحت رونما ہوئے۔"

نتیجہ یہ ہوا کہ انسانی اعمال کی حیثیت مصنوعی آلے کے حرکات سے زیادہ نہ رہی ——

میں یقین کے ساتھ عرض کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ فلسفۂ ہمہ اوست ہر دور میں عقدۂ لاینحل رہا۔ یہی وجہ ہے کہ کہاں ایک زمانہ وہ تھا کہ ہمہ اوست ساری دنیا پر چھایا ہوا تھا اور اب "گمراہ کن" خیال کیا جاتا ہے۔ معاف کیجئے گا یہ محض میری اور آپ کی سمجھ کا قصور ہے کہ یہ مسئلہ آج تک حل نہ ہو سکا اور ہر دور میں مختلف تاویلیں ہوتی رہیں۔ ورنہ تھوڑے تامل و غور کے بعد ساری گتھیاں سلجھ جاتی ہیں۔ آپ یہ کیوں خیال کرتے ہیں کہ ہمہ اوست۔ کل وہ ہے —— یا —— (Pan=all+their=God) — کے معنی یہ ہیں کہ محورِ رنگ و بو ایک وہی نگارخانہ ہے۔ اور جس طرح "ریڈیو" سے اک آواز دنیا کے ہر گوشے میں پہنچ جاتی ہے۔ اسی طرح ہر ذرہ کی تڑپ، ہر پتے کی حرکت، قدرت کا قدسی فعل ہے جو کائنات کے توسط سے ظاہر ہوتا ہے۔

مجھ سے سنئے! ہمہ اوست کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں ایک خارجی دوسرا داخلی —— خارجی وہ ہے جو میں اپنے گذشتہ مضمون "خودی اور بیخودی پر ایک نظر" میں بیان کر چکا ہوں اسے کل من علیہا فان و یبقیٰ وجہ ربک ذو الجلال والاکرام کی تفسیر سمجھئے۔ یعنی تعینات فانی ہیں اگر باقی رہنے والی ذات ہے تو خدائے برحق کی —— جو چیز باقی ہے وہی "کل" ہے فانی چیزوں کا کوئی شمار نہیں۔ اس لئے محبت کے لائق وہی ہستی ہے۔ یہ ہے اس کا خارجی مفہوم ——

اب ذرا داخلی مفہوم ملاحظہ فرمائیے "ہمہ اوست" فلسفۂ محبت کی تفسیر ہے۔ یہ نفسیاتی حقیقت ہے کہ اگر آپ کو کسی چیز سے محبت ہو جائے اور سچی محبت تو پھر اس راہ میں آپ کو وہ منزل بھی ملے گی جہاں سارے مرئیات اور کل مسموعات محبوب کا جلوۂ رنگین اور صدائے فردوس گوش محسوس ہوں گے۔ یہی وہ نفسیاتی فلسفہ ہے جو دورِ حاضرہ کے "انتقالِ ذہنی"[1] —— (Tlelepathy) —— اور انتقالِ بصری[2] (Television) کا سنگ بنیاد ہے۔ حضرت مولانا عبدالرحمن جامیؒ کا یہ شعر ملاحظہ فرمائیے۔

بسکہ در جانِ فگار و چشم بیدارم توئی ہر کہ پیدا می شود از دور پندارم توئی

ڈر ہے کہ کہیں آپ بگڑ نہ جائیں کہ مجھے کیا حق حاصل ہے کہ ایک اہم فلسفی مسئلہ کی تاویل پیش کروں حالانکہ کسی دور میں بھی ایسی تاویل نہ کی گئی۔ لیکن معاف کیجئے۔ میرا ایسے اصول کو کبھی بھی ماننے کے لئے تیار نہیں کہ مجھ سے قدیم ہستیاں جو کہہ گئیں اسے بمنزلۂ الہام روحی مانتے ہوئے سر تسلیم خم کر دوں۔ قدما بھی انسان تھے ان سے بھی غلطی سرزد ہو سکتی تھی۔ ان کی راہ میں بھی قصورِ فہم کی رکاوٹیں پیدا ہو سکتی تھیں۔

---

[1] Telepathy کا صحیح ترجمہ غالباً انتقال ذہنی ہے [2] انتقال بصری Television کا غالباً صحیح ترجمہ ہے —— صبا

اس سے میری یہ مراد نہیں کہ اُن کا تبحرِ علمی بہت محدود تھا۔ ان کی معلومات بہت وسیع۔ اُن کا علمی مذاق نہایت بلند اور ان کے فلسفی مکاشفات و مجاہدات ارفع تھے۔ لیکن اسے کیا کیجئے گا کہ پھر بھی وہ انسان ہی تھے۔ ماحول سے متاثر ہو کر صحیح نقد و فکر کی روشنی میں اس مسئلہ پر غور نہ کر سکے۔ اگر آپ کو میرے اس نظریے پر اعتراض ہو تو بسم اللہ کوئی بہتر نظریہ پیش کیجئے۔ میں ماننے کو تیار ہوں۔ ورنہ صرف یہ کہہ دینا کہ ہمہ اوست غلط ہے۔ غیر منطقی دعویٰ ہے۔ معاف کیجئے گا میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ لیکن اسے خارج بحث نہ سمجھئے یہ بھی اصل موضوع کی ایک کڑی ہے۔ ہمہ اوست نے یہاں تک زور پکڑا کہ تصوف کی ساری عمارتیں اسی پر کھڑی کر دی گئیں۔ اللہ علیٰ کل شئی قدیر اور لا یتحرک شئی الا باذن اللہ کا یہ مفہوم سمجھنے لگے کہ انسان ایکدم مجبور ہے۔ ہر کام خدا کی طرف منسوب ہونے لگے وھو القاھر فوق عبادہ (وہ اپنے بندوں پر بالادست ہے) یا قل کل من عند اللہ اور اسی طرح کے متعدد نصوص قرآنی۔ انتہائے غلوئے عبودیت میں انسانی تعطل و بیچارگی کی دلیل سمجھے جانے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ زمانہ جیسے جیسے گذرتا گیا نقد و نظر کا میدان بھی وسیع ہوتا گیا۔ ہر چیز عقل کی عینک اور فلسفہ کی روشنی میں دیکھی جانے لگی۔ صوفیائے کرام نے جو کچھ کہا وہ محض انہاک محبت اور کمال عبودیت میں کہا۔ محبت میں جذبۂ انفرادیت باقی نہیں رہتا اور اسی نفسانیت کو مغلوب کرنے کے لئے، اسی جذبۂ خود پرستی کو زیر و زبر کرنے کے لئے اور نفس ناطقہ کی سوئی ہوئی طاقتوں کو ابھارنے کے لئے عجز و قصور کا اعتراف ہونے لگا اور رفتہ رفتہ انسان کی فطری مجبوری "ہستیٔ شہود" کا راز سربستہ سمجھی جانے لگی۔ لیکن اگر انصاف کی ترازو میں تولئے تو معلوم ہو جائے گا کہ حضرات صوفیائے کرام نے جو کچھ آپ کے سامنے پیش کیا اس کی یہ غرض ہرگز نہ تھی کہ آپ انھیں مستقل فلسفی اصول مان لیں۔ وہ جو کچھ کہہ گئے، محبت کے رموز و نکات تھے۔ انھوں نے صرف یہ دکھا دیا کہ ؎

بس اک لفظِ محبت میں نہاں ہے رازِ ہستی کا
مآلِ زندگی اس میں بھی ہے آغازِ ہستی کا
(صبا رشیدی)

مطلوب کی محبت میں طالب اپنی انفرادیت ایکدم فنا کر دیتا ہے۔ اپنی تمام خواہشات، سارے جذبات تمام احساسات قربانگاہِ محبت پر بھینٹ چڑھا دیتا ہے۔ اب ان قربانیوں کے بعد آپ ہی بتائیے ایک انسان اپنے کو کہاں تک آزاد رکھ سکتا ہے۔ لیکن اس سے یہ کہاں مراد ہے کہ آپ اسے ایک منطقی مسئلہ مان لیجئے اور اس کے بعد ہزاروں اعتراضات کے دروازے کھول دیجئے۔

انسان جب مجبورِ محض ہے۔ جب سارے خیالات، سارے جذبات، سارے اعمال کا سرچشمہ ایک واحد ہستی ہے تو پھر جتنے اعمال قبیحہ ہیں ان کا سببِ اصلی بھی وہی ہستیٔ مطلق ہے۔ حضرت مولانا نظامی گنجوی نے اسی خیال کو اپنے ایک شعر میں نہایت اچھوتے انداز میں بیان فرمایا ہے ؎

تو نیکی کنی من نہ بد کردہ ام کہ بد را حوالت بخود کردہ ام

دوسرے مصرع کو غور سے پڑھئے ع کہ بد را حوالت بخود کردہ ام :- بُرائی کو میں نے اپنی طرف منسوب کر لیا ہے۔ یہ محض تحریماً یہ تعظیماً ہے ورنہ ہر نیک و بد کا سرچشمہ وہی ذات واحد ہے۔ اب اس کے بعد جو نتیجہ ہونا چاہیے تھا وہی ہوا۔ ملاحدہ نے وہ وہ اعتراضات کئے کہ آپ اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ جب حسن و قبح خدا ہی کی طرف سے ہے تو پھر یہ عذاب و ثواب جنت و دوزخ سزا و جزا ہستئ مطلق کی استبدادیت اور قہاریت کا آئینہ دار ہیں۔ جب اعمال حسنہ اور اعمال سیئہ کا اصل بانی وہی ہے تو پھر انعام و عقوبت کیوں دیجاتی ہے۔ جبر کے متعلق بہت کچھ کہا جا چکا۔ آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ کس طرح مادیین اور متصوفین کے ہاتھوں جبر کی سر بفلک کشیدہ عمارت تیار ہوئی ہے میں نے ضمناً یہ بھی اشارہ کر دیا کہ اس کا تعمیری اثاثہ کہاں تک ناقص ثابت ہوا۔ اب ذرا قدر کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں ———

(۲) آزادئ ضمیر، حریت دماغ، ارادیہ، یا خود اختیاری یا قدر ——— Freedom of will, Antonomy, Liberty or Self-Determinism

میں عرض کر چکا ہوں کہ مادیین دماغ انسانی کے روحانی پہلو کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ جو کچھ اثرات دماغ پر مترتب ہوتے ہیں وہ محض اس کے مادی نظام اور خارجی اسباب کا نتیجہ ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ انھوں نے دماغ انسانی کا نفسیاتی مطالعہ غور سے نہیں کیا۔ جذبات و خواہشات کی قوتیں مسلم ہیں۔ لیکن انھیں سمجھنا چاہئے کہ روحانی یا دماغی دنیا، مادی یا جسمانی دنیا سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ قدرت کا کچھ عجیب نظم ہے جہاں قدرت کے غیبی ہاتھوں نے مرئیات کے ہر خط و خال میں، کائنات کے ہر ذرہ میں، گلشن رنگ و بو کے ہر پتہ میں برقی طاقتیں کوٹ کوٹ کر بھر دی ہیں ——— وہاں دماغ کے ایمن ذاروں میں ایسی ایسی تجلیاں آسودہ ہیں جو ان برقی طاقتوں کو مغلوب کر دیتی ہیں۔ مشاہدات کا اثر یقینی پڑتا ہے۔ لیکن دماغ ان اثرات کو یا تو باطل کر دیتا ہے یا اپنے اصول کے ماتحت اس کی قلب ماہیت کر دیتا ہے۔ حریت ارادیہ کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ارادیہ کا وجود کسی سبب کسی علت کا شرمندۂ احسان نہیں۔ حریت ارادیہ کی علت ضرور ہے اور وہ علت محض شخصیت حقیقی یا True Self ہے۔ قسام ازل نے بمصداق و علم الادم الاسماء کلھا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو کل چیزوں کا نام (علم) سکھایا۔ عقل جیسی نعمت عظمیٰ انسان کو بخشی اور یہی طاقت ہے جو ارادیہ پر حکومت کرتی ہے۔

مادی اثرات جب قوت دل و دماغ پر مستولی ہوتے ہیں تو نفس ناطقہ عقل کو کمک کے لئے تیار کرتی ہے۔ یہی عقل ہے جس کے ماتحت خواہش انسانی ممیزہ، مدرکہ، شامہ، باصرہ، سامعہ، لامسہ کے کام کرتی ہے۔ یہی وہ دوربین ہے۔ جس سے آپ حسن و قبح کے امتیازی خصوصیات دیکھ سکتے ہیں۔

" Will rushing blindly into activity without giving reason would not differ from physical forces running at and on without giving plan."——Leibnitz.

" ارادہ کا بغیر ہدایت عقل افعال میں منتقل ہونا ویسا ہی ہے جیسا طبعیاتی قویٰ کا بغیر کسی اصول کے" معروف عمل ہونا۔
ارادہ کا وجود تہذیب یا تزئین نفس کے لئے بہت ضروری ہے۔

" Now as Kant urged their would no meaning in an right if it were not accountained by a can."——Prof. Mackenzie.

کانٹ کا خیال ہے کہ "کرنا چاہئے" اس وقت تک مہمل ہے جب تک "کر سکتا ہوں" جز و لاینفک نہ ہو۔
ذیل کے اشعار پر نظر ڈالئے اور دیکھئے کہ ایک مغربی شاعر نے کس خوبی کیساتھ جبر و قدر کے مسئلہ کو حل کیا ہے:

" So might is grandeur to our dust So near is God to man
When duty whispers lwo, There must, The youth replies I can"——Emerson.

ترجمہ:- ہماری خاک (قدرت کی) تابناکیوں کو صاف دیکھتی ہے۔ خدا انسان سے بہت نزدیک ہے۔ جب فرض کہتا ہے تمھیں کرنا چاہئے ——— انسان کہتا ہے میں کر سکتا ہوں۔

یہانتک تو مغربی فلاسفہ کے خیالات بیان کئے گئے۔ اب ذرا اسلامی فلاسفہ کے خیالات ملاحظہ کیجئے ——— اور پھر خود قدرت کا فیصلہ ملاحظہ فرمائیے۔

میری ہرگز یہ غرض نہیں کہ انسان آزاد مطلق ہے میں اسے ماننے کو تیار ہوں کہ "آزادیٔ مطلق منتقل لعنت ہے" لیکن انسان وہاں تک یقینی آزاد ہے، جہاں تک فطرتِ انسانی کا تعلق ہے۔

ساتھ ہی ساتھ میں یہ بھی نہیں تسلیم کر سکتا کہ قدرت انسان کے ہر کام میں مداخلت کرتی ہے۔ یا قدرت کے جبروتی ہاتھوں میں انسان محض ایک کھلونا ہے۔ یا انسانی فطرت حسن زم کی تمیز سے قطعاً عاری ہے۔ مسبب الاسباب، عقل اوّل، یا خالق اکبر کی جبروتی قدرت مسلّم انسان کی فطری مجبوریاں لاریب لیکن آخر قدرت کی وسعت کہاں تک ہے اور جبر کی انتہا کس حد تک۔

اشاعرہ کا خیال ہے کہ خدا تمام اشیا کا بالذات خالق ہے۔ ایک ایک چیز کو خدا بالذات اور بلا واسطہ پیدا کرتا ہے۔ اسباب و علل

افسانۂ دوش ـــ "روسی زبان کے ایک افسانے کی تلخیص"

میں تنہا ہوں، بالکل تنہا، مجھے جنگل میں ایک ایسا گوشۂ عافیت مل گیا ہے، جہاں آبادی کی ہنگامہ آرائی، یگانوں کی ہمدردی اور بیگانوں کی ستم ظریفی سے محفوظ ہوں۔ اس جنگل میں ایک وسیع مرتفع قطعہ پر ایک دو منزلہ مکان بنا ہوا ہے۔ جس کی قدامت کا علم کسی کو بھی نہیں اور اس کے متعلق عوام میں کچھ ایسی روایات مشہور ہیں جن کی وجہ سے کسی شخص کو اس کے اندر داخل ہونے کی جرات نہیں ہوتی۔ میں اس مکان کی بالائی منزل میں مقیم ہوں اور یادِ بزمِ دوش میری رفیق ہے۔

ایک ایسی جگہ کا مل جانا یقیناً خوش قسمتی کی دلیل ہے جہاں کوئی خوش نصیب دنیا کے ہنگاموں سے دور اطمینان و سکون کے ساتھ چند روزہ زندگی بسر کر سکے یا مجھ جیسا ناکام و نامراد پرسشِ احباب و طعنِ اغیار سے محفوظ رہ کر زندگی کے دن پورے کر سکے۔ آبادی کی ہنگامہ آفریں فضا میں قیمتی دلچسپی ہو تو ہو مگر سکونِ خاطر و اطمینانِ قلب کہاں ہو سکتا ہے۔

اس تنہائی و خاموشی کے عالم میں اکثر گزشتہ واقعات پر غور کرتا ہوں اور اپنی قسمت کی محرومی پر اشکِ حسرت بہاتا ہوں۔ تلافیٔ مافات کی تدابیر سوچتا ہوں مگر تقدیر کے مقابلہ میں ہر تدبیر سرنگوں ہو جاتی ہے۔

چاندنی راتیں اکثر مجھے ستاتی ہیں۔ رہ رہ کر کسی کی یاد دلاتی ہیں۔ میں کبھی آسمان کی طرف دیکھتا ہوں، کبھی زمین کی طرف اور کبھی جنگل کی خاموش فضا کی جانب، مگر بے سود۔ میں ہوں اور عالمِ تنہائی یا تخیل و تصور کی انجمن آرائی۔

ایک دن بیٹھے بیٹھے طبیعت ایسی اکتائی کہ میں بلا وجہ شہر کی طرف چلا گیا اور بالکل غیر ارادی طور پر اس مکان کی طرف جا نکلا جہاں اب سے تین سال پہلے بادوباراں کے ایک طوفان میں تھوڑی دیر ٹھہرنے کا اتفاق ہوا تھا اور ـــــــــ؟

میں خاموش کھڑا ہوا تھا، گزشتہ واقعات پیشِ نظر تھے کہ یکایک وہ سامنے آ گئی۔ اُس کی وہ بڑی بڑی مست آنکھیں، وہ روشن چہرہ، وہ بلند و بالا قد، میں نے بلا تکلف اس کو پہچان لیا۔ اُس نے بھی میری جانب دیکھا اور کچھ خوفزدہ سی ہو گئی، شاید میری غیر متوقع ملاقات پر۔

اُس نے ایک لمحہ کچھ غور کیا، پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھی اور میرے پاس آ کر خاموش کھڑی ہو گئی۔ ہمارے لبوں پر مُہر

ابوالفاضل حضرت راز چاندپوری
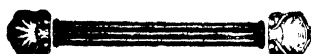
ابو ظفر حضرت نازش رضوی سابق مدیر نیرنگ خیال

سکوت لگی ہوئی تھی مگر ہماری نگاہیں سرگرم گفتگو تھیں۔

"آج جنگل کی خاموشی و تنہائی ہے میرا دل گھبرایا اور میں شہر میں گیا"

"درست ہے، مگر تمہارے آنے کی خبر میرے دل کو کیونکر ہوگئی؟"

یہ کہہ کر وہ ایک انداز خاص سے مسکرائی اور ہم دونوں اسی کمرہ میں جا کر خاموش بیٹھ گئے جو کبھی ہماری داستان محبت کی صدائے بازگشت سے گونجا کرتا تھا اور جس کے درو دیوار سے اب بھی ایک غم آمیز حسرت ظاہر تھی۔ میں نے دیکھا اس کی نرگسی آنکھیں شبنم آلود ہیں اور اس کا چہرہ مسرت و غم کے مخلوط جذبات کا آئینہ ہے۔ میں آغاز کلام کا کوئی پہلو سوچ رہا تھا کہ وہ خود میری جانب متوجہ ہوئی اور کہنے لگی۔

"تم جانتے ہو کہ وہ زمانۂ مسرت کس قدر مختصر تھا، آج اس کی یاد میں بھی ایک مسرت پنہاں ہے۔ دنیا میں مسرت کا سرچشمہ صرف محبت ہے، اگرچہ لمحۂ مسرت بہت ہی مختصر ہوتا ہے اور بعد ازاں اس کی یاد ہی زندگی کا سہارا ہوتی ہے۔ میں خوش ہوں کہ دو روزہ زندگی میں مجھے بھی ایک لمحۂ مسرت حاصل ہوا تھا اور اس کے لئے میں تمہاری نگاہِ محبت نواز کی ممنون ہوں"

اس کی آواز بھرّا گئی اور وہ خاموش ہوگئی۔

میں نے کہا جب تمہیں یہ حقیقت معلوم ہوگئی ہے تو اس مادّی قید سے آزادی حاصل کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں۔ تاکہ پھر اُسی لمحۂ مسرت سے ہمکنار ہو جاؤ۔ میں تلافیٔ مافات کی کوشش کرونگا اور ——— ؟

"آزادی! آہ! کتنا پیارا لفظ ہے، مگر میرے پیارے! کیا دنیا میں کوئی شخص بھی آزاد ہے؟ قیدِ محبت ہو یا قیدِ علائق دنیا، قید کی حیثیت سے دونوں برابر ہیں اور خود ہماری ہستی کیا ہے؟۔ قیدِ حیات۔ پھر قید میں رہ کر آزادی کی خواہش بیکار اور مسرت کی جستجو بے سود ہے"

میں نے کہا، اچھا تمہیں "وہ" طوفان بھی یاد ہے؟

"ہاں مجھے یاد ہے، خوب یاد ہے۔ وہ طوفان بھی یاد ہے اور اس کے بعد کے طوفانی ایّام بھی یاد ہیں۔ میں ان کو کبھی فراموش نہیں کرسکتی، مگر ——— ؟"

جنگل میں دریا کے کنارے برگد کا ایک پرانا درخت ہے۔ یہ درخت انسان کی خوشی اور زندگی سے زیادہ پائیدار اور مستحکم ہے۔ تین سال ہوئے ہم دونوں اکثر اس درخت کے سائے میں آکر بیٹھا کرتے تھے اور محبت و زندگی کے گیت گایا کرتے تھے، مگر آج؟۔ آں قدح بشکست و آں ساقی نماند۔

درحقیقت انسان کو کسی چیز کی قدر و قیمت اس وقت معلوم ہوتی ہے جب وہ اس سے محروم ہو جاتا ہے۔ عام آدمی اکثر اس حقیقت سے ناآشنا رہتے ہیں اور کسی شے کے وجود و عدم کی ان کو خبر بھی نہیں ہوتی، لیکن اگر کسی شخص کو ادراک حقیقت ہو جاتا ہے تو وہ اگرچہ عمر رفتہ کو یاد کر کے اکثر افسردہ و غمگین ہوتا ہے، مگر اس طرح اس کو یہ موقع ضرور مل جاتا ہے کہ وہ باقی زندگی کو مفید بنانے اور مقصد زیست حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ گویا لطفِ زندگی و مقصدِ حیات حاصل کرنے کے لئے یہ لازمی ہے کہ انسان ایک مدت تک خوابِ غفلت میں پڑا سوتا رہے اور جب وہ بیدار ہو تو گزشتہ نقصان کا اندازہ کر کے حال و مستقبل سے پورے طور پر متمتع ہونے کی جدوجہد کرے۔

یہ تو سچ ہے مگر آدمی کو ایسا موقع بہت کم میسر ہوتا ہے کہ وہ حقیقت کا احساس و ادراک بھی کر سکے اور پھر تلافیٔ مافات کی کوشش میں بھی کامیاب ہو جائے۔ وہ لوگ جو دن بھر محنت و مشقت کر کے سامانِ زیست مہیا کرتے ہیں یا وہ لوگ جو فارغ البال ہیں اور شب و روز دادِ عیش دیتے ہیں، ان کی آنکھوں کو غور سے دیکھو تو وہ نورِ حقیقت سے یکسر محروم ہوں گی اور صرف مادّی چمک دمک سے لبریز۔ گویا وہ جوہر کو چھوڑ کر صرف عرض کے حصول میں اپنی تمام عمر صرف کر دیتے ہیں۔

کیا کوئی شخص اس مسرت کا اندازہ کر سکتا ہے جو کسی خوش نصیب کو اس وقت حاصل ہوتی ہے جبکہ اُس کی روح بیدار اور چشمِ دل وا ہو جاتی ہے۔ اس وقت وہ دنیا و مافیہا کو ایک دوسرے نقطۂ نظر سے دیکھتا ہے اور حیرت و استعجاب کم ہونے پر ایک غیر فانی مسرت سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔

آج مجھے اس کا وہ خط ملا ہے جس کے بھیجنے کا اُس نے کل وعدہ کیا تھا۔ آؤ اس خط کو پڑھیں اور دیکھیں کہ ایک برگشتہ قسمت کے حق میں کیا فیصلہ کیا گیا ہے۔ اس قسم کے واقعات کے مشاہدہ سے انسان تجربہ و عبرت حاصل کرتا ہے۔ اور حقیقتِ زیست سے واقف ہو جاتا ہے۔

"میرے پیارے! میں اس خوش وقتی کی ممنون ہوں کہ کل اتفاقیہ تم سے پھر ملاقات ہو گئی اور تمام گزشتہ واقعات مجھے یاد آ گئے۔ میرے دل میں مسرت و غم کا وہ جوش پیدا ہوا جو آج سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ مسرت اس بات کی تھی کہ اس پُرآلام زندگی میں کبھی مجھے بھی ایک لمحۂ مسرت حاصل ہوا تھا اور غم اس امر کا تھا کہ وہ لمحۂ مسرت آئندہ کبھی میسر نہ ہوگا"

"تم سے ملاقات ہونے پر مجھے وہ طوفان، وہ سرد ہوا، وہ بارش کا زور و شور، سب باتیں یاد آ گئیں۔ ہاں وہ جنگل کی سیر، وہ مناظرِ قدرت کے دلکش و روح پرور نظارے میری آنکھوں میں پھر گئے اور ایک لمحہ کے لئے میں مسرت کی جنت میں پہنچ گئی، مگر ان باتوں کی یاد نے مجھے اس قدر رُلایا بھی کہ آج سے پہلے میں کبھی اتنا نہ روئی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ جب پہلی بار تم سے ملاقات

ہوئی تھی تو تمہاری نگاہوں میں ایک جذبۂ محبت تھا۔ وہ جذبۂ محبت جو ایک دیدہ ور و حساس عورت کے دل کو فوراً مسحور کرلیتا ہے، مگر آہ!
اس کے بعد ——— ؟

"کیا یہ سچ نہیں ہے کہ اگر کسی شخص کو اتفاقیہ ایک بیش قیمت ہیرا مل جاتا ہے اور وہ اس کو ایک آہنی صندوق میں اس طرح محفوظ کردیتا ہے کہ بظاہر اس کے ضایع ہونے کا اندیشہ نہیں رہتا تو وہ اس کی طرف سے بے فکر و بے پروا ہو جاتا ہے، مگر جب اس کی بے پروائی کی وجہ سے وہ ہیرا اس کے قبضہ سے نکل جاتا ہے تو اُسے اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے اور پھر اسے حاصل کرنے کے لئے جد و جہد کرتا ہے، مگر بے سود"

"میں کس قدر بے صبری کے ساتھ تمہاری آمد کی منتظر رہتی تھی اور جب انتظار کرتے کرتے اُکتا جاتی تھی تو میرے دل کی کیا کیفیت ہوتی تھی۔ کیا تم ان باتوں کا اندازہ کرسکتے ہو؟ مجھے تم سے محبت تھی اور اب بھی ہے، اگرچہ میں جانتی ہوں کہ زندگی میں مسرت کے لمحات بہت مختصر ہوتے ہیں اور گذر جانے کے بعد وہ دوبارہ حاصل نہیں ہو سکتے"

"کیا تمھیں معلوم ہے کہ عورت اپنی زندگی میں صرف ایک بار اور صرف ایک شخص سے محبت کرسکتی ہے اور کرتی ہے اور جب اس محبت کا انجام ناکامی پر منتج ہوتا ہے تو پھر وہ ایسا پھول بن جاتی ہے جس میں بظاہر رنگ تو ہوتا ہے مگر بو نہیں ہوتی۔ جب تمہارے طرزِ عمل نے مجھے مایوس کردیا، ہاں جب میرا شیشۂ دل شکستہ ہوگیا تو مجبوراً مجھے ایک ایسے شخص کا دامن پکڑنا پڑا جس سے محبت و مسرت نہ سہی کم از کم مادّی امداد ملنے کی اُمید تو ہو سکتی ہے"

"محبت و مسرت کے لمحات گزر چکے، دل افسردہ ہوگیا، روح پژمردہ ہوگئی، اب تجدید عہدِ محبت کا موقع کہاں باقی رہا؟ بایں ہمہ میں اب بھی تمہاری ممنون ہوں اور ہمیشہ رہوں گی۔ تمہاری بدولت مجھے ایک لمحۂ مسرت حاصل ہوا تھا اور اس کی یاد موجودہ دورِ حیات کو بآسانی گزارنے میں میری معاون رہے گی"

"اچھا، الوداع! ہمیشہ کے لئے الوداع!!

اب میں کیا کہوں اور کیا کروں؟ اپنی غفلت کا ماتم کروں یا خوبئ قسمت کی داد دوں؟
میں تنہا ہوں، بالکل تنہا اور یقیناً ہمیشہ تنہا رہوں گا، مگر ان لمحاتِ محبت و مسرت کی یاد میری انیس و غمگسار رہیگی۔ جن سے میں ہمیشہ کے لئے محروم ہوگیا ہوں۔

کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی!

رازؔ چاندپوری

ماں

یہ افسانہ روس کی مشہور افسانہ نویس خاتون میڈیم میرجکووسکی (جو دنیائے ادب میں زینیڈا ہیپیس کے نام سے متعارف ہے) کے قلم کا مرہونِ منت ہے۔ یہ خاتون ادبِ روس کی موجودہ رفتار کی بانی سمجھی جاتی ہے۔ اس افسانے کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ایک ایسے غیر فطری رشتے کو بے نقاب کیا گیا ہے جو دو انسانوں میں باوجود بے حد قریبی ہونے کے پایا جا سکتا ہے۔ یہاں وہ دو انسان ایک ماں اور اُس کا ایک لڑکا ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ کس طرح نوجوان لڑکے کے دل میں محبت کا پیدا ہونا ماں کو بوڑھا بنا کر موت تک پہنچا دیتا ہے اور اس کی موت کس طرح نوجوان کو ضعیف کرنے کے علاوہ موت کی تلاش پر مجبور کر دیتی ہے۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ضیا فتح آبادی

(۱)

"اُس نے ایسے حالات کیوں پیدا کئے کہ میں اُس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا؟ یہ سب کچھ اُسی نے کیا اور اس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں آتی"۔

مندرجہ بالا الفاظ لکھنے کے بعد مجھ پر کتنی عجیب کیفیت طاری ہو گئی ہے! معلوم ہوتا ہے کہ میں ایک ایسی عورت کے متعلق گفتگو کر رہا ہوں جسے میں چاہتا ہوں لیکن میں کسی عورت کو نہیں چاہتا۔ یہ میری ماں ہی تھی جس نے حالات کو یہ صورت دی کہ اب میں اُس کی عدم موجودگی کو محسوس کرتے ہوئے مر رہا ہوں۔ اگر تمام عمر کسی شخص کو اپنی توجہ کی گرمی میں رکھ کر ایک دم بیس درجے کے کہر میں تنہا و بے آسرا چھوڑ دیا جائے تو اُس کی موت یقینی ہے۔ چنانچہ میں دم توڑ رہا ہوں۔ اسی وجہ سے میری روح مجھ سے رخصت ہو رہی ہے۔

یہ گذشتہ دن میرے لئے بہت زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ میں کسی نتیجہ پر پہنچ رہا ہوں۔ میری زندگی کا نصف حصہ ختم ہو چکا ہے اور اب میرے سامنے راستہ سیدھا تاریک اور تیز ہے اور میری زندگی اتنی غیر دلچسپ ہوتی جا رہی ہے کہ

جنابِ ریاض الدین احمد اکبرآبادی

سکریٹری مسلم لائبریری۔ بانی عید ڈنر کمیٹی

اکبرآباد کے ایک ہونہار اور قابل فرزند جن کی کوششوں سے مسلم لائبریری کافی ترقی کر رہی ہے۔ اور عید ڈنر کمیٹی قائم کرکے آپ آگرہ کو بھی دوسرے ترقی یافتہ شہروں کے دوش بدوش لانے کی کوشش کر رہے ہیں

میں نہیں جانتا کہ میرے قدم آگے کی طرف اُٹھ رہے ہیں یا پیچھے کی جانب، نیچے جا رہا ہوں یا اوپر۔ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ مجھے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے حسبِ معمول راستہ طے کرتے رہنا چاہیئے یا نہیں۔

میں ستائیس برس کا ہوں لیکن کسی کو میری عمر کا یقین نہیں آتا۔ میں کس قدر ضعیف نظر آتا ہوں اور میں جانتا ہوں کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ ایک وقت تھا کہ میری ماں کی طرح میرا چہرہ بھی حسین اور ملائم تھا۔ اکثر ہم ایک ساتھ آئینے میں اپنی شکلیں دیکھا کرتے تھے اور یہ معلوم کر کے ہمیں تعجب ہوتا تھا کہ ہم ایک دوسرے سے مشابہ ہیں۔ اب وہ مجھ کو نہیں پہچان سکتی۔ میری کمر جھک گئی ہے۔ آنکھوں میں چمک نہیں۔ ڈاڑھی بڑھ گئی ہے اور چہرہ کا رنگ زرد اور سیاہ ہو گیا ہے۔ میرا خیال ہے میں جلد مر جاؤں گا۔ گو میں کسی خاص بیماری کا شکار نہیں لیکن میری موت یقینی ہے کیونکہ صرف وہی زندہ رہتے ہیں جو زندہ رہنا چاہتے ہیں اور جو باعزم ہیں اور میرا کوئی عزم نہیں۔ چند روز ہوئے جب مجھے احساس ہوا کہ اب میری زندگی بیکار ہے تو میں نے خودکشی کے متعلق بھی غور کیا۔ لیکن میں ایسا نہیں کر سکتا —— میں ڈرتا ہوں

میں گویا ہوں۔ بہت بڑا گویا نہیں بلکہ ایک اوسط درجہ کا گویا۔ میں ان خاموش جذبات اور یادداشتوں کو پسند کرتا ہوں جو دل میں ایک میٹھا درد پیدا کر دیں اور روح میں مکمل سکون۔ اکثر جب میں کسی موقع پر گایا کرتا تھا (اب مجھے اسٹیج پر آئے ایک مدت ہو گئی ہے) میں پہلی قطار میں کسی شخص کو دیکھ کر سوچا کرتا تھا "وہاں بیٹھے ہوئے تم میری طرف دیکھ رہے ہو اور میرا گانا سُن رہے ہو۔ تم جانتے ہو میں کیا گا رہا ہوں۔ بعد میں تم میرے فن اور گانے پر عجیب خیالات ظاہر کرو گے۔ لیکن اگر میں یہ گیت نہ گا کر کوئی عام روسی گانا گاؤں جو گذرے ہوئے دن، تاریک و دلچسپ باغ اور دو پیاری بھولی ہوئی آنکھوں کی یاد تازہ کر دے تو تم اُس پیاری یا سوز خوانده آنسوؤں کو چھپانے کے لئے باہر چلے جاؤ گے جو میرے اس گیت سے پیدا نہیں ہو سکتے۔ میں جانتا ہوں کہ تم اُس خوشی کو پوشیدہ رکھنا چاہو گے کیونکہ تم اس سے شرمندہ ہو تم محسوس کرو گے کہ صرف تم ہی اسے محسوس کر رہے ہو اور دوسرے اُس کو نہیں سمجھتے لیکن اس کا احساس سب کو ہو گا اور سب یہ سمجھتے ہوئے کہ صرف اُس کو اس کا احساس ہوا ہے۔ اپنی اپنی جگہ شرمندہ ہوں گے"۔ سب کے زمانہ ماضی میں کوئی روشن حصہ ہے۔ دوسروں کی طرح میری زندگی میں بھی ایسا بھی ہے

(۲)

اپنی داستان، بالکل آغاز یعنی عہدِ طفلی سے شروع کرنا دلچسپ نہ ہو گا۔ کیونکہ اُس وقت بھی جب میں بیس برس کا تھا۔ میں خود کو دس برس کا ہی محسوس کرتا تھا۔ شاید اپنی زندگی کے بیسویں سال میں مجھے اس حیثیت سے زیادہ خوشی تھی کہ میں اپنی ماں کی باہوں میں باہیں ڈال کر چل سکتا تھا تاہم ہمارے تعلقات میں کوئی فرق نہیں آیا، بچپن میں جب ماں

میرے بغیر تھیٹر چلی جاتی تھی تو میں ایک ہنگامہ بپا کر دیا کرتا تھا۔ میں کہا کرتا تھا کہ جب میں اپنا سبق یاد کرنے پر مجبور ہوتا ہوں تو ماں کو کوئی حق نہیں کہ وہ کسی قسم کی مسرت میں شریک ہو۔ وہ بخوشی مجھ سے معافی مانگتی اور بہت رنجیدہ ہوتی جب میں اُسے معاف نہ کرتا۔ ہمارے لئے جھگڑنا ناممکن سا تھا۔ اُس کے لئے سوائے میرے اور نہ میرے لئے سوائے اُس کے اور کوئی تھا۔

اپنے باپ سے میں نے کبھی گفتگو نہیں کی۔ وہ ضعیف تھا اور بہت مصروف۔ علاوہ ازیں مکان کے ایک علیحدہ حصہ میں رہتے ہوئے اُسے مجھ سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ میری ماں البتہ ایک لڑکی کی طرح جوان اور نازک تھی۔ اُس کی آنکھیں بڑی بڑی اور ... تھیں اور اُن سے تازگی اور چمک برسا کرتی تھی۔ وقتِ خرام اُس کے کپڑے جھلمل جھلمل کرتے تھے وہ ہمیشہ ایک عجیب خوشبو میں لپٹی رہتی تھی۔ میں نہیں جانتا کہ اسے کیا کہتے تھے البتہ وہ مجھے آغازِ بہار کی یاد دلاتی تھی۔

ہم جنوب کے ایک بڑے شہر میں رہتے تھے۔ ہمارا مکان جسے باپ نے تعمیر کیا تھا نیا، بے آرام اور بے سرو تھا۔ اُس کے چاروں طرف چھوٹے بڑے باغ باغیچے لگے ہوئے تھے ممکن ہے اب ہمارا باغ وہاں نہ ہو۔ میں نہیں جانتا کیونکہ میں جاننا نہیں چاہتا۔

میں کبھی اسکول نہیں گیا۔ اگر میں چلا جاتا تو ماں کے پاس کون رہتا؟ اُس کے دوست تو بہت تھے لیکن کوئی ایسا نہ تھا جو اس سے سنجیدہ دلچسپی رکھتا ہو حالانکہ میرے ماں باپ میں جو تعلقات تھے سب پر واضح تھے۔ میرا خیال ہے وہ دوستوں کو پسند نہیں کرتی تھی۔ مجھے بہترین اُستاد پڑھایا کرتے تھے۔ ماں میرے کام میں ہاتھ بٹایا کرتی۔ لیکن اکثر اسباق سے تنگ آکر وہ مجھ سے کہتی "کیا کتابیں بند کر کے دو لوڈیا ہم سیر کے لئے باہر نہ چلیں؟"

غرضیکہ ہم سیر کو جاتے۔ ماں اپنے بہترین لباس میں ہوتی اور میں بھی اس لئے خوش ہوتا کہ میری ماں اتنی اچھی ہے اور میں اس قدر اس سے مشابہ ہوں۔ وہ نہ کبھی تبدیل ہوئی اور نہ ہی عمر کا اثر اُس پر پڑا اور جلد ہی ہم کو بہن بھائی سمجھا جانے لگا۔ خصوصاً اس وقت جب میں نے ڈاڑھی مونچھیں بڑھا لیں۔ درحقیقت مجھ میں بھی کوئی انقلاب نہیں آیا۔ بیس برس کی عمر میں مجھے موسیقی سے لگاؤ ہو گیا۔ اور میں کنزرویٹائر کے خواب دیکھنے لگا۔ میں کئی امتحانات پاس کر چکا تھا اور اب مجھے اپنے لئے ایک مستقبل بنانا ضروری تھا۔

"ماسکو کے کنزرویٹائر میں تمہیں جانا ہی چاہئے۔" ماں نے کہا "تمہیں دیر نہ کرنی چاہئے کیونکہ تم بیس برس کے ہو گئے ہو۔ ایک روز تم مشہور ہو جاؤ گے۔ تم مشہور ہونے کی کوشش کرو گے۔"

"ہم کب روانہ ہوں گے؟"

"میرے خیال میں موسمِ خزاں میں۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟"

اس کے بغیر میں نہیں جا سکتا تھا۔ مجھ سے باتیں کون کرتا اور مجھے پیار کون کرتا۔ میرے ساتھ سیر کو کون جاتا؟

شام کے وقت اُس کے کمرے میں فرش پر انگیٹھی کے قریب میں اُس کے قدموں میں بیٹھ جاتا جیسا کہ بچپنے میں کیا کرتا تھا۔ اور اسے بتاتا کہ کس طرح فلاں لڑکی مجھ سے محبت کرتی ہے اور میں کس لڑکی کو سب سے زیادہ پسند کرتا ہوں۔ اُس وقت مجھے محسوس ہوتا تھا کہ تمام لڑکیاں میرے حسن کی غلامی ہیں کیونکہ میں پیانو بھی بجا لیتا تھا۔

"کیا تم جانتے ہو دو لوڈیا" ماں نے ایک مرتبہ مجھ سے کہا "تم مردوں کی طرح نہیں بلکہ عورتوں کی طرح ہو۔ شاید ہماری گہری دوستی کا یہی سبب ہے .... مجھے تعجب ہے اگر یہ میری وجہ سے ہے" اُس نے سوچتے ہوئے کہا "مثلاً تم کبھی مردوں کی سوسائٹی میں نہیں گئے اور جب تم عورتوں میں بھی ہوتے ہو تو تم سوائے اپنے حُسن کی نمائش کے اور کچھ نہیں کرتے۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتی لیکن میں محسوس کرتی ہوں کہ اگر تم کوئی اچھوتے تو میں تم کو پسند نہ کرتی"

ان الفاظ سے میرے دل کو بہت صدمہ پہنچا۔ آخر اس کا مطلب کیا تھا؟ کیا وہ یہ نہیں کہہ چکی تھی کہ میں اُس سے مشابہ ہوں؟ اور اب وہ میری پروا نہیں کرتی تھی۔ اگر عورتوں کی طرح ہونا بُرا تھا تو وہ پہلے ہی اس چیز سے آگاہ کیوں نہیں ہوگئی۔

دیر تک ماں مجھ سے معافی مانگتی رہی اور ہم نے صلح کر لی۔ تاہم میں نے وہ الفاظ نہیں بھلائے اور بعد میں اکثر اُس سے کہتا "کیا اب سیرو میا ٹینکو اور ماریمیانو مردوں کی طرح نہیں ہیں؟ کیا تم عورتوں کو اُن سے محبت نہیں ہونی چاہئیے؟ ماں مسکرا دیتی اور خوبصورت ہاتھ سے میرا منہ ڈھانپ لیتی جبکہ اُس کی کلائیوں میں بہت سی چوڑیاں چھنچھناتیں۔

میں جانتا ہوں کہ لڑکیوں کی چاہت نے مجھے تصنع پسند بنا دیا تھا۔ بوٹ اور دوسروں کو جذب کر لینے کی خواہش نے میری زندگی کو بے روح اور میرے دل کو سادہ بنا دیا تھا۔ جہاں تک میری ذات کا تعلق تھا میں کبھی محبت میں مبتلا نہیں ہوا۔ میں بہت سی لڑکیوں کو پسند کرتا تھا لیکن کسی کو اتنا نہیں کہ اُس سے پیار کر سکوں۔ بہت کم لوگوں کی طرح اس وقت میں پاک تھا لیکن ذہنی لحاظ سے میں دوسروں ہی کی طرح تھا۔

(۳)

کتابوں سے مجھے بہت کم دلچسپی تھی۔ میں امتحان سے کچھ دیر پہلے پڑھا کرتا تھا۔ لیکن اب میری تمام توجہ موسیقی کی طرف تھی۔ موسیقی ہی مجھے اُبھارتی تھی اور غیر محسوس چیزوں کے متعلق غور کرنے پر مجبور کرتی تھی۔ موسیقی کے لئے میں سب کچھ بھلا سکتا تھا۔

آخر کار ہم اسکو کے لئے روانہ ہوئے۔ میں بہت خوش تھا۔ میں جذباتی طور پر محسوس کر رہا تھا کہ سب کچھ بدل جانا چاہئیے۔

ملایا ٹینکو آیا پر ہم نے ایک خوبصورت مکان لیا اور دو گہرے دوستوں کی طرح وہاں رہنے لگے۔ ہم اکثر تھیٹر دیکھتے اور سیر

کرتے۔ بہت جلد ہمارے دوست پیدا ہوگئے اور ہمیں کئی رشتہ دار بھی مل گئے۔ لیکن میں بڑے جوش اور خلوص سے اپنے کام میں منہمک تھا۔ چنانچہ جب میری ماں کے پاس ملنے والے آتے تو میں باہر نہ نکلتا تھا۔

کنزرویٹیائر میں میرا صرف ایک دوست تھا اور وہ میرا نوجوان معلم۔ وہ مجھے عجیب مگر شاندار مستقبل والا لڑکا سمجھتا تھا جیسا کہ خود اُس نے کہا۔ اُس نے مجھے اس وقت پہچانا جب میں اُسے مکان بدلے گیا اور اپنی ماں سے متعارف کرایا۔ ہم دونوں کو ایک دوسرے سے جُدا کرکے سمجھنا ناممکن تھا اور لوگ کہتے تھے کہ ہم دونوں مل کر ایک تکمیلی چیز بناتے ہیں۔

"دیکھو لڑکے" میرے استاد نے ایکبار مجھ سے کہا "تمہیں کام کرنا چاہئے۔ اگر تم کوئی کام نہ کروگے تو ضائع ہو جاؤ گے"۔

اور میں نے کہا میں اپنی بیوقوفیوں کو بھول گیا۔ اپنے بالوں اور لباس سے لاپروا ہوتے ہوئے میں نے باہر جانا بھی بند کردیا۔ سوائے اپنے پیانوں پر مشق کرنے کے مجھے اور کوئی مصروفیت نہ تھی۔ اس لئے نہیں کہ میں پسند کرتا تھا۔ بلکہ میں سمجھتا تھا کہ یہ ایک سیڑھی ہے جو مجھے بلندی پر لیجائے گی۔ نیلگوں آسمان، زمین اور پھول میرے لئے کتنے دلفریب تھے! ان کے علاوہ میں نے کسی چیز کی خواہش نہیں کی اور میرا خیال ہے کہ کبھی خواہش نہ کروں گا۔ ماں مجھے تسلی دیتی لیکن ——— میرے لئے یہ واقعہ بہت اندوہناک ہے ——— میں جانتا تھا کہ ہم ایک دوسرے کو بخوبی نہیں سمجھتے۔ ماں تو ہمارے باغ کی پروا نہیں کرتی تھی۔ اُسے گلیوں میں گھومنا مرغوب تھا۔ وہ کہتی تھی کہ کمرے میں آنے والی شعاعیں کھلی دھوپ سے اور اُس کی خوشبوئیں آغاز دوزہ بہارسے بہتر ہیں۔

جب کبھی میں اس پر غور کرنے پر مجبور ہو جاتا تو میں محسوس کرتا کہ وہ اب نوجوان نہیں ہیں اور ہم دونوں گہرے دوست نہیں رہ سکتے۔ اب ہمارے درمیان ایک پردہ حائل ہوگیا۔ لیکن یہ سب چیزیں وقتی تھیں۔

میں کہہ چکا ہوں کہ میں نے دوست نہیں بنائے لیکن میرے دشناس بہت سے تھے۔ ایسے مواقع بھی پیش آئے جب میں نے مجمع کے ساتھ شراب پی اور اپنے مکان سے باہر راتیں گذاریں.........

ماں مجھ سے سوالات کیا کرتی لیکن لعنت ملامت کرنے کی حیثیت سے نہیں، تاہم میں ناراض ہوکر تمام تفصیلات بیان کردیتا مگر ایسے لہجہ میں جو غرور کا احساس لئے ہوئے ہوتا۔

"یہ معمولی بات ہے دو لوڈیا" ماں کہتی "میں جانتی تھی کہ ایسا ہوگا لیکن تمہیں مجھے فراموش نہیں کرنا چاہئے۔ سمجھتے ہو تم؟ جس طرح تم میرے ساتھ ہو اسی طرح مجھے بھی ہمیشہ سب سے پہلے تمہارے ساتھ رہنا چاہئے۔ سمجھتے ہو تم؟ اس کے بغیر زندہ رہنا ممکن نہیں۔ سمجھتے ہو تم؟"

میں ہنسا اور اپنے بازو اُس کی گردن میں حائل کر دیتا۔ اگر وہ سب سے پہلے میرے ساتھ نہیں ہوگی تو اور کون ہوگا؟

(۴)

کئی برس گذر گئے کنزرویٹائر سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد میں کامیابی سے کئی مجلسوں میں شریک ہوا۔ لیکن میں خوش نہیں تھا۔
میرے لئے اُن پُر شور نغموں میں اطمینان کہاں تھا۔ جن میں میری انگلیاں حیرتناک تیزی سے حرکت کرتی تھیں اور جن کی لوگ
تعریف کرتے تھے، میں اُس نغمے کو کب گاؤں گا جسے میں نے اکثر سنا، لیکن جو ہمیشہ میری زبان پر آتے آتے رہ گیا؟ جب میں وہ گیت
گاؤں گا، ہر چیز ایک دم تبدیل ہو جائے گی اور مجھ پر بھی وہی کیفیت طاری ہوگی جو میرے سننے والوں پر ہوتی ہے۔ ہم ایک ساتھ
روئیں گے کیونکہ وہ گیت ہمارے قریب سے نہیں گذرے گا بلکہ ہمیں جذب کرے گا اور ان جذبات کو بیدار کردے گا جو مخفی
ہیں......... ہم روئیں گے اور پھر......... پھر کسی چیز کی پروا نہیں رہے گی، موت کا خوف بھی نہیں۔ کیونکہ اس سے
ہمارے کیف میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ میں جانتا تھا کہ جب تک مجھ پر جذبات طاری نہیں ہوں گے کچھ بھی نہ ہوگا اور میں یقین
رکھتا ہوں کہ اگر وہ چیز جو دوسروں کو میسر ہے مجھے بھی مل جائے تو میں "بول" سکوں گا "گانے" کی جگہ میں "لوگوں سے بولنا"
استعمال کرتا ہوں۔

دو موقعوں پر ماں کو گھر جانا پڑا اور مجھے کئی ہفتہ تنہا رہنا پڑا۔ ہر مرتبہ مجھے اُس کے جانے سے بہت صدمہ ہوا، کام
چھوڑ دینے کے علاوہ میں نے کھانا بھی بہت کم کھایا۔ مجھ پر خوف کا عالم طاری تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ میں دنیا میں بالکل اکیلا
ہوں کہ نہ میری ماں ہے نہ کبھی زندہ تھی۔ یہ احساس کہ وہ کبھی زندہ نہ تھی بہت زیادہ تکلیف دہ تھا۔ کیونکہ اس صورت میں
وہ کبھی نہیں ہو سکتی.........

اُس نے مجھے خود سے اتنا وابستہ کیوں کر دیا کہ میری زندگی اُس کے بغیر حرام ہو گئی؟ یہ کہنا کہ مجھے اُس سے محبت تھی
بے معنی سا ہے۔ حالانکہ میں ہوا اور خوراک سے پریم نہیں کرتا میں ان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ میں جانتا ہوں کہ میں کمزور
ہوں۔ انتہائی طور پر کمزور۔ مجھ میں اتنی قوت نہیں کہ مصائب کا مقابلہ کروں اور مصائب کو مصائب نہ سمجھوں.........

گذشتہ سال جب میں ماسکو میں تھا تو میرا باپ بیمار پڑا اور ماں کرسمس سے پہلے مجھے چھوڑ کر چلی گئی۔ جنوری کے
آخر تک میں خود بیمار رہا۔ کام چھوڑ کر میں گھر چلا گیا۔ اس کا مطلب کام کی تکمیل میں ایک اور سال کا اضافہ تھا۔ مگر مجھے اس کی
پروا نہ تھی۔ ماں کے بغیر مجھ سے کام نہیں ہوتا تھا۔ اس شام کو جب میں گھر پہنچا ہم دونوں اس کے کمرے میں ایک کوچ پر
خاموش سے بیٹھے رہے۔ میں جانتا تھا کہ وہ خوش ہے۔ میری ہی طرح وہ بھی میرے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی تھی۔

(۵)

گھر پر میرے دن زیادہ تر سازنوازی میں گذرے۔ میرے چھوٹے سے کمرے کی کھڑکی باغ کی طرف کھلتی تھی۔ کھڑکی

کے قریب پیانو رکھکر میں بجاتا جاتا تھا اور باہر آسمان اور درختوں کو دیکھتا جاتا تھا۔

فروری کے وسط میں موسم گرم ہونا شروع ہوا۔ میں باغ میں پہنچا اور نیلگوں آسمان کی طرف دیکھتا جو سیب کے درختوں کی ننگی ٹہنیوں سے جھانکتا تھا۔ سیاہ شاخوں میں سے وہ کتنا خوبصورت اور چمکدار معلوم ہوتا تھا! دور کے پہاڑ گھاس کی وجہ سے زرد ہونے شروع ہوئے۔ گھاس ہمیشہ زمین میں سے اتنی چمکیلی اور تازہ پیدا ہوتی ہے کہ وہ زرد معلوم ہوتی ہے۔ میں اولین پتیوں کو پیار کرتا ہوں۔ مشکوک بچوں کی طرح وہ خاک کا ایک کونہ ہٹا کر سورج کی طرف دیکھتی ہیں۔ آہ ماں .... وہ میرے ساتھ باغ میں کیوں نہیں آتی؟ اور وہ اُس چیز سے پیار کیوں نہیں کرتی جس سے مجھے پریم ہے؟ پھر میرے دل میں ایک سرد لہر دوڑ گئی دوری کا احساس ....

جس طرح بہار بڑھتی گئی اُسی طرح میں بھی زیادہ دیر تک باغ میں بیٹھنے لگا اور میری خوشی میں اضافہ ہوتا گیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ زرد پتوں کے ساتھ میں بھی بڑھ رہا ہوں۔ میں گیتوں کو بھول گیا اور پھر میری روح پر گیتوں سے بھی زیادہ دلچسپ کیفیت طاری ہوگئی۔ پھر میں نے اُس کو پانا چاہا مگر پا نہ سکا .... اُس وقت وہ مجھ سے قریب تھا۔ بہار کے ساز اور خوشبوؤں میں ——— اب مجھ میں اُس میں کس قدر فاصلہ ہے!

اپنے باغ کی آخری جھاڑی کے قریب ایک تنگ تر راستے کے اختتام پر میں ایک نیچی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ جھاڑی ابھی تاریک تھی۔ میں اس سے کبھی متفکر نہیں ہوا کہ میرا باغ اس جھاڑی تک پہنچکر کیوں ختم ہو جاتا ہے اور آگے کیوں نہیں بڑھتا چلا جاتا۔ جس طرف میری نظر جاتی مجھے درخت اور آسمان زمین اور گھاس نظر آتے۔ جبتک وہ درخت میرے باغ کے درختوں جیسے تھے تو مجھے اس کی کوئی فکر نہیں تھا کہ وہ میرے باغ میں ہیں یا اس سے باہر ہر چیز جس کو میں دیکھتا تھا اور جس سے مجھے خوشی حاصل ہوتی تھی میری اپنی تھی۔ دور افق کے سہارے اونچی نیچی پہاڑیاں بھی میری اپنی تھیں۔

آفتاب مغرب میں غروب ہو رہا تھا اور اس کی شعاعیں سرد ہو رہی تھیں۔ میں جانتا تھا کہ گھر جانے کا وقت آگیا ہے مگر میں ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ معاً مجھے معلوم ہوا کہ کوئی آہستہ آہستہ میرے پیچھے آرہا ہے۔ میں نے پیچھے کی طرف دیکھا۔ دوسرے باغ کی جھاڑی میں سے پاؤں کی ہلکی چاپ آرہی تھی۔ وہ پاؤں کی آواز نہیں بلکہ کسی نرم چیز کی آواز تھی جو گھاس سے مس کرتی ہوئی جارہی تھی وہ بند ہوگئی۔ میں نے اُٹھ کر اُسے دیکھنے کی جرأت نہیں کی بلکہ میں سوچنے لگا "اس کا مطلب؟ میں اسے دیکھنے کی فضول کوشش نہیں کروں گا" نسیم بہار سے میں تھک گیا تھا۔ میں خاموشی سے بیٹھ کر اونگنا چاہتا تھا۔

لیکن وہ آواز پھر آئی اور بند ہوگئی۔ میں نے آنکھیں اُٹھائیں۔ وہ عجیب آنکھیں میری طرف غور اور غصہ سے دیکھ رہی تھیں۔ یکایک اُن میں غیریت پیدا ہوئی۔ جھاڑی کے دوسرے کنارے پر ایک اجنبی لڑکی کھڑی تھی۔ کچھ عرصے تک ہم ایکدوسرے کو دیکھتے رہے بالکل خاموشی کے ساتھ۔ میرا خیال تھا وہ چلی جائے گی لیکن اُس نے کہا۔

"میں اکثر تمھیں یہاں دیکھتی ہوں۔ تم ہمیشہ یہیں کیوں بیٹھتے ہو؟"

"مجھے یہ جگہ پسند ہے۔" میں نے ہچکچاتے ہوئے معذرت کے طور پر کہا "میں نے تمہیں کبھی نہیں دیکھا۔"

"میں نے تمہیں فاصلہ سے دیکھا ہے۔ میں وہاں رہتی ہوں۔" اُس نے جھاڑی سے کچھ دور درختوں میں چھپے ہوئے ایک مکان کی طرف اشارہ کیا۔

جب اُس نے بازو ہلائے تو میں نے معلوم کیا کہ اس کا لباس دوسری لڑکیوں کے لباس سے بالکل مختلف تھا۔ پہلی نظر میں تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایک خاص ناچ کا روپ بھر کر آئی ہے لیکن دوسری مرتبہ دیکھنے پر معلوم ہوا کہ اس کا لباس سادہ ہے۔ شاید وہ ایک ہی لباس تھا جسے وہ پہن سکتی تھی۔ وہ لباس کسی ملائم سفید کپڑے کا تھا اور نیچے سے بھی اتنا پھیلا ہوا تھا جتنا اوپر سے (اب میں اُس کو سر سے پاؤں تک دیکھ سکتا تھا کیونکہ وہ جھاڑی کے قریب کھڑی تھی) اس کی کمر سے ایک تنگ سیاہی مائل سُرخ پٹی لپٹی ہوئی تھی۔ اب مجھے معلوم ہوا کہ سرکتی ہوئی آواز کس چیز سے پیدا ہو رہی تھی۔ اُس کی پشت پر ایک بہت بڑا کپڑے کا ٹکڑا غیر ضروری طور پر لٹکا ہوا تھا۔ آستینیں اتنی لمبی تھیں کہ اُس کی انگلیوں تک پہنچ رہی تھیں۔

"تم نے ایسا عجیب لباس کیوں پہن رکھا ہے؟" میں نے دریافت کیا

میرے سوال پر اُسے حیرت نہیں ہوئی۔

"یہی زیبا ہے۔ چونکہ کوئی مجھے نہیں دیکھتا اس لئے میں اپنے لباس میں احتیاط سے کام لیتی ہوں۔"

"مجھے یہ پسند ہے۔" میں نے کہا "تمہارا نام کیا ہے؟"

"مارٹا۔"

"مارٹا کیا تم روسی نہیں ہو؟"

"ہاں میں روسی ہوں۔ میرا خاندانی نام کورینیوا ہے۔ میں یہاں اپنی ماں کے ساتھ رہتی ہوں۔ کیا تم اُسے نہیں جانتے میڈیم کورینیوا۔ اندھی کرورپتی؟"

میں نے یاد کیا کہ میڈیم کورینیوا اندھی کرورپتی کے متعلق کچھ سُن چکا ہوں۔ اور اُس کی نوجوان لڑکی کے متعلق بھی جو اپنی تعلیم کے سلسلے میں اتنی معروف رہتی ہے کہ باہر بھی نہیں نکلتی۔

"میں جانتا ہوں۔" میں نے آہستہ سے کہا "یہ کتنی عجیب بات ہے کہ پڑوسی ہوتے ہوئے بھی ہم پہلی مرتبہ مل رہے ہیں۔"

"میں باہر نکلنا پسند نہیں کرتی۔" اُس نے جلدی سے کہا "معلوم ہوتا ہے کہ مارٹا کے نام سے تمہیں تعجب ہوا ہے۔ میرا اصلی نام مارتھا ہے، لیکن میں مارٹا کو زیادہ پسند کرتی ہوں۔ کیونکہ یہ نام زیادہ حسین ہے۔"

"تم بہت زیادہ حسین ہو" میں نے کہا

"سچ مچ؟" اُس نے کہا "میرا بھی یہی خیال ہے لیکن کچھ لوگ اس کے خلاف کہتے ہیں۔ وہ نہیں سمجھ سکتے"

اس گفتگو سے مجھے کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ مجھے احساس نہیں ہوا کہ مارٹا ایک لڑکی ہے اور میں اُس کی تعریف کر رہا ہوں۔ وہ مجھے اس طرح حسین معلوم ہوتی تھی جس طرح درختوں میں آسمان، جس طرح ہلکی معطر ہوا، جس طرح چھپتے ہوئے سورج کے قریب گلابی گھٹا۔ وہ ہر چیز سے مشابہ تھی۔ میں متحیر ہونا نہیں چاہتا تھا بلکہ خوش ہونا چاہتا تھا۔

وہ بھی مسرور تھی۔

"خدا حافظ" بالآخر اُس نے کہا "تم یہاں آ سکتے ہو۔ تم باغ کو خراب نہیں کرو گے"

اور پھر کپڑے کے زمین پر سرکنے کی آواز پیدا ہوئی۔ وہ جا چکی تھی، اُس کے لفظ معمولی تھے۔ اُس کے خیالات میرے خیالات سے جُدا نہ تھے۔ آدمی کو تعجب صرف اُن باتوں پر ہوتا ہے جو اُس کے لئے غیر معمولی ہوں یا اُس سے غیر متعلق۔

اس شام کو مجھ پر ایک عجیب کیفیت طاری رہی۔ میں نے پیانو بجانے کی کوشش کی لیکن اُس کی آواز مجھے تکلیف پہنچاتی تھی۔ وہ کسی قدر ترش معلوم ہوتی تھی۔ میں نے ماں سے "شب بخیر" کہا لیکن اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا۔ زندگی میں پہلی مرتبہ مجھے معلوم ہوا کہ اُس کی خوشبوئیں اصلی نہ تھیں

(۶)

دو دن کے لئے میں باغ نہیں گیا۔

میں نہیں جانتا کہ مجھے کس چیز کا خوف تھا۔ شاید میرا یہ خیال تھا کہ پھر وہ دلچسپی پیدا نہیں ہو سکتی اور میں اُس واقعہ کی یاد تازہ رکھنا چاہتا تھا۔ اکثر ماں نے مجھ سے کہا میں زرد ہوتا جاتا ہوں اور پیانو بہت کم بجاتا ہوں۔ میرا باپ ابھی تک بیمار تھا چنانچہ اُس کا زیادہ وقت اُس کے پاس گذرتا تھا۔

"کیوں وو لوڈیا آج شام کو میرے ساتھ سیر کے لئے چلو گے؟"

میرا جواب رحم طلب تھا۔ میں گلیوں میں گھومنا نہیں چاہتا تھا۔

آخرکار تیسرے دن میں نے فیصلہ کیا اور کمزور آدمیوں کی طرح ہیٹ اُٹھا کر بڑے استقلال کے ساتھ باغ میں پہنچا۔

وہاں کافی تبدیلیاں ہو چکی تھیں۔ راستے خشک تھے، زرد بیلیں پھیلی ہوئی تھیں اور سیب کے درختوں پر غنچے زیادہ سفید اور زیادہ بڑے ہو چکے تھے۔ جھاڑی کے ارد گرد بھی ننھے ننھے ہرے پتے نظر آتے تھے۔ میں ابھی اچھی طرح بیٹھنے بھی نہ پایا تھا کہ وہی سرکتی ہوئی آواز آئی اور مارٹا جھاڑی کے قریب نظر آئی۔
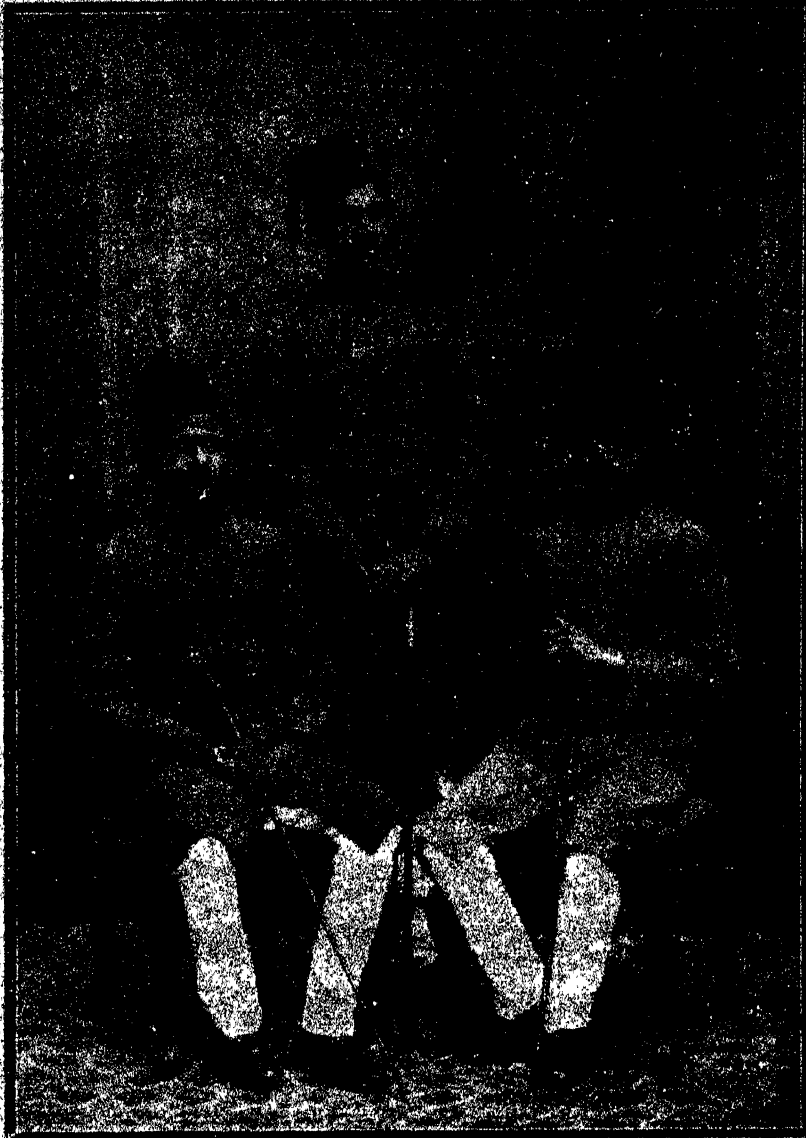
مدیر کنول اپنے معاونین اور رفیقوں کے ساتھ

(۱) منظر اکبر آبادی (۲) محمد عبد الحمید کوثر اکبر آبادی (۳) [illegible] تحسین [illegible] اکبر آبادی

آف رفاہ عام پریس

"شام بخیر" اُس نے کہا

میں کھڑا ہو کر اُس کے قریب ہو گیا۔ اُس نے وہی لباس پہن رکھا تھا شاید وہ اُسی قسم کا دوسرا لباس ہو۔ البتہ اب سُرخ پٹی کی جگہ سنہری پٹی تھی۔

"تم یہاں کیوں نہیں آئے؟" اُس نے پوچھا۔ "میں نے تم سے کہا تھا کہ تم آسکتے ہو، تاہم مجھے تمہارے نہ آنے کا سبب معلوم ہے۔"

"تو پھر؟"

"کچھ نہیں...... میں صرف جانتی ہوں"

یا تو سورج کی شعاعیں اُس پر کچھ اس طرح پڑ رہی تھیں یا یہ صرف میرا تخیل تھا ؟ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ اُس کے لباس میں سیبوں کا سا سُرخ رنگ چڑھا ہوا ہے۔

مارٹا کا چہرہ عجیب تھا۔ میں اس کو یاد نہیں کر سکتا۔ میں صرف یہ جانتا ہوں کہ وہ بالکل صاف اور خوبصورت تھا۔ اس کے بال جن کو اُس نے سر کی پشت پر ایک گانٹھ کی شکل میں بے احتیاطی سے باندھ رکھا تھا۔ ماحول کی سفید فضا میں بہت زیبا تھے۔ اس کا لانبا چہرہ زرد اور نازک تھا۔ آنکھیں بھی ہلکے رنگ کے پانی کی طرح صاف تھیں۔ مجھے ان کا رنگ یاد نہیں لیکن دوپہر کے وقت جب آسمان بہت گہرا نیلا ہوتا ہے۔ ان کا رنگ ویسا ہی ہوگا۔

مجھے تمام نقوش یاد ہیں نازک سیدھے ابرو، سُرخ چمکتے ہوئے چھوٹے ہونٹھ لیکن مجموعی طور پر چہرہ مجھے یاد نہیں اور میں اس سے خوش ہوں، کیونکہ یادداشت جس قدر دُھندلی ہو اُسی قدر زیادہ مکمل ہوتی ہے۔

"میں جانتی ہوں کہ آج سورج کہاں غروب ہوگا" مارٹا نے کہا "اُس پہاڑی کے جُھکاؤ میں۔ کل وہ اُس سے کچھ بائیں طرف ہٹ کر غروب ہوا تھا۔ میں جانتی ہوں کہ سورج کس روز کس جگہ غروب ہوتا ہے۔ یہ میرے اپنے دن" اُس نے سنجیدگی سے کہا "کیا تم جانتے ہو کل باغ میں کیا انقلاب رونما ہوگا؟ کیا تم مجھ سے معلوم کرنا چاہتے ہو کہ سیب کے درخت کس رات کو پھولیں گے؟"

"تمھیں کیونکر معلوم ہوا؟" میں نے پوچھا۔

"باغ، بہار، سورج، اور پھولوں کے متعلق مجھے سب کچھ معلوم ہے، کیونکہ مجھے اُن سے محبت ہے۔"

اور مجھے یقین تھا کہ وہ سب کچھ جانتی ہے۔

"تمہارے خیال میں وہ (acacia) درخت کیا محسوس کر رہا ہے؟"

"خوشی، میرا خیال ہے۔"

"کیسی خوشی؟"

"وہ ہی جو ہم تم محسوس کرتے ہیں۔ وہ خوشی جو سورج سے حاصل ہوتی ہے۔"

"ہاں ہم سب وہ خوشی محسوس کرتے ہیں سب ——— بعض اوقات میں تمہارے پیانو کی آواز سنتی ہوں۔" اُس نے کچھ دیر رُک کر کہا "مجھے وہ آواز پسند ہے۔ اُس میں سختی نہیں۔"

مگر مجھے یاد ہے کہ میرے لئے ان دنوں پیانو کی آواز بہت سخت تھی۔

"تم مجھ سے ناراض تو نہ ہو گے" مارٹا نے سلسلۂ کلام جاری رکھا "بعض اوقات تو تم بے انتہا سروں سے بہت پیچیدہ چیزیں بجانے لگتے ہو۔ تمہارا مقصد یہ نہیں ہے۔ دوسروں کے ارادوں کو قطع نظر کر کے تمہیں فطرت کی آوازوں سے ہم آہنگی پیدا کرنے کی ضرورت ہے ...."

اپنا مطلب سمجھانے کی کوشش میں وہ رُک گئی مگر میں اُس کا مطلب سمجھ گیا تھا۔

"میں ہمیشہ یہی سوچتا رہا ہوں۔ میں ایسا ہی کروں گا۔ میں خوش ہوں کہ تم میری ہم خیال ہو اور یہ ٹھیک بھی ہے۔"

"کیا تم کوئی چیز آہستہ اور غیر پیچیدہ طریقہ سے نہیں بجا سکتے؟ میں نے ایک مرتبہ ایک گیت سُنا جو اکثر گایا جاتا ہے۔ لیکن مختلف طریقہ سے اُس کے شروع کے لفظ یہ ہیں:۔

"میرے دوست نہ کچھ کہو نہ آہ بھرو۔"

گو میرا گلا اچھا نہیں تاہم تمہیں حقیقت سے آگاہ کرنے کے لئے میں اس گیت کو گانے کی کوشش کروں گی۔

اور اُس نے بالکل ایسے ہی گانا شروع کیا جیسے وہ گفتگو کر رہی تھی۔ میں سُنتا رہا اور اس سے دہرانے کے لئے کہتا رہا۔

"لفظ بھی تو خوبصورت ہیں" اس نے کہا "لیکن مجھے اُن کا مطلب نہیں معلوم، یہ میرے دن ہیں" اُس نے دوبارہ کہا "جب بہار گذر جائے گی ...."

اُس کی آواز رُک گئی۔ یکایک مجھے احساس ہوا کہ میں نے اُسے مُسکراتے نہیں دیکھا۔

"کیا تم کبھی نہیں مُسکراتیں مارٹا؟" میں نے دریافت کیا۔

"سورج غروب ہونے والا ہے۔" اُس نے سنجیدگی سے کہا "میں صبح کے وقت ہنستی ہوں۔"

اس وقت سینٹ پیٹرسبرگ کی ایسی ایک فلیٹ میں بیٹھے ہوئے جس کی کھڑکیاں تاریک اور بے پردہ ہیں اور جس کی ناہموار

چھت کے عین وسط میں ایک بڑا کنڈہ لٹک رہا ہے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ ایسا کبھی نہیں ہوا اور نہ ہی کبھی ہو سکتا تھا۔ کیا یہ سب خواب تھا؟ لیکن وہ واقعہ جو بعد میں رونما ہوا خواب نہیں ہو سکتا۔ اور وہی ایسا واقعہ تھا جو مجھے مرنے پر مجبور کر رہا ہے۔ اور اُس واقعہ کا انحصار دوسرے واقعہ پر تھا۔

اس شام کو مارٹا سے دوبارہ ملاقات کے بعد میں نے بتیاں بجھا کر اپنے کمرے کی کھڑکیاں کھول دیں اور ساز بجانے لگا۔ میں نے مارٹا کے گیت کی حقیقت کو یاد کرنے کی کوشش کی۔ وہ سادہ اور شیریں تھا۔ مجھے اُس کو بجانے میں ایک سُر بھی زیادہ استعمال نہیں کرنا پڑا۔ میں نے اُس کو بار بار دہرایا اور ہر مرتبہ اُس میں شیرینی کا اضافہ ہوتا گیا۔

میں نہیں جانتا کہ مجھ پر کس قسم کی کیفیت طاری ہوئی، لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ وہ اچھی کیفیت تھی۔ کھڑکی کے قریب جا کر میں نے نیچے کی طرف دیکھا۔ اُس کیفیت کے زیرِ اثر میں نے دروازہ کھولا، زینہ عبور کیا اور میں باغ میں پہنچ گیا۔

باغ میں کمرے سے زیادہ روشنی تھی۔ فضا میں ایک گہرا گہرا دھندلکا چھلک رہا تھا۔ نیا چاند چھپ چکا تھا اور صرف ستارے جگمگا رہے تھے۔

راستے کے آخر میں مارٹا کا سفید لباس جھلکا۔ میں جانتا تھا کہ وہ وہاں ہو گی، یہ صحیح تھا کہ وہ اُسے سُنے.....

"وہ بہت اچھا تھا" اُس نے دبی زبان سے کہا، جب میں اُس کے قریب پہنچ گیا "آہستہ بولو میں تمہارا انتظار کر رہی تھی میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں۔ کل باغ میں نہ آنا۔ پرسوں آنا غروب کے وقت اور زیادہ دیر ٹھہرنا۔ اُس رات سیب کے پھول کھلیں گے۔ ہم اُن کا نظارہ کریں گے ..... کیا تم نظارہ کرنا چاہتے ہو؟ کیا تم آؤ گے؟"

"میں آؤں گا" میں نے بھی دبی زبان سے کہا۔

اُس نے سر ہلایا اور جھاڑی سے ہٹ کر چلی گئی۔

میں اکیلا رہ گیا۔

(۷)

دوسرے دن میں دیر سے بیدار ہوا۔ نہ جانے کی طرح کمرۂ طعام میں گیا اور اُسی طرح میں نے کافی کا پیالہ پیا۔ مارٹا کے کہنے پر عمل کرتے ہوئے میں باغ نہیں گیا بلکہ کمروں ہی میں گھومتا رہا۔ میں اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

میری خواہش تھی کہ میں اپنی ماں کے قریب جا کر خاموشی سے بیٹھ جاؤں۔ علاوہ اس کے ان دنوں میرا وجود غیر نمایاں سا ہو گیا تھا، میں پریشان تھا اور محسوس کرتا تھا کہ کوئی نہایت ضروری چیز میرے پاس نہیں ہے ——— ماں کو میں نے بہت کم دیکھا تھا۔ میں اُس کو کچھ بتانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ باغ سے لاپروا تھی اور یہ واقعہ باغ سے متعلق تھا، لیکن ماں میرے لئے اتنی ہی اہمیت

رکھتی تھی جتنا میرا جو: صرف اُس وقت مجھے احساس ہوا کہ اس کے محسوسات مجھ سے مختلف تھے اور نہ ہی وہ ان چیزوں سے متاثر ہوتی تھی جن سے میں۔ اس طویل مدت تک وہ مجھے دھوکا کیوں دیتی رہی ؟ اُس نے ایسی ترکیب کیوں کی کہ میں اُس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا ؟

دسترخوان پر میں بے روح اور زرد بنا بیٹھا رہا اور میں نے کچھ نہیں کھایا۔ یکایک میں نے دو آنکھوں کو خود پر مرکوز محسوس کیا اور میں نے مُڑ کر دیکھا۔ ماں اپنی سیاہ آنکھوں سے مجھے گھور رہی تھی۔ اُن آنکھوں میں غصے اور نفرت کے جذبات تھے۔ میں کانپ گیا اور میرا دل سرد ہو گیا۔ میں کچھ بھی نہیں سوچ سکا۔ کیا میں خواب دیکھ رہا تھا ؟ یا یہ میرا تخیل تھا ؟ معلوم ہوتا تھا کہ میں بھاری بوجھ سے دبا جاتا ہوں۔ میں سٹھتا چلا گیا۔ مجھے احساس تھا اور میرے اعصاب بے حس ہو رہے تھے۔

میں کھانے کے کمرے سے سیدھا ماں کے کمرۂ آرائش میں پہنچا، لیکن وہ وہاں نہیں تھی۔ میں نے انتظار کیا۔ میں جانتا تھا کہ وہ آئے گی۔

وہ آئی۔ اُس نے میری طرف نہیں دیکھا۔ وہ خاموشی سے ایک آرام کرسی پر بیٹھ گئی۔ میں بھی خاموش تھا۔ ایک ناقابلِ بیان تکلیف کے زیرِ اثر۔ وہ تکلیف کتنی حیرت کُن، بے حس یا یوس کرنے والی تھی۔

"میں سب کچھ جانتی ہوں وولوڈیا" اُس نے بالآخر کہا۔

اُس کی آواز نے مجھے کچھ تسلّی دی۔ لیکن میں اُس کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔

"کیا ؟" میں نے کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔

"میں سب کچھ جانتی اور سمجھتی ہوں۔ تم محبت کرتے ہو، بعض لوگ کہیں گے کہ ایسا ہونا یقینی تھا مگر ایسا نہیں ہونا چاہیے میں ایسا نہیں ہونے دوں گی نہیں ہونے دوں گی۔ میں نے اپنی تمام قوتوں کو صرف کر دیا ہے اور اب تم مجھ سے علیحدہ نہیں ہو سکتے۔"

میں نے مایوسانہ انداز میں اُس کی بات سُنی۔ اُس کے غصہ نے مجھے خوفزدہ کر دیا لیکن مجھے اُس پر رحم نہیں آیا۔

"تمہارا مطلب کیا ہے ؟ میں نہیں سمجھا۔"

اُس نے مطمئن لہجہ میں آہستہ سے کہنا شروع کیا۔

"تم مارتھا کورینیو اسے محبت کرتے ہو۔ میں جانتی ہوں کہ تم اُس سے باغ میں ملتے ہو، اسی لئے تم پریشان رہتے ہو۔ کیا تم اُس سے شادی کرنا چاہتے ہو ؟ میں بتانا چاہتی ہوں کہ یہ لڑکی والہانہ طبیعت رکھتی ہے، بچپن ہی سے اس کا چال چلن خراب ہے۔ وہ بیوقوف ہے یا ضرورت سے زیادہ عقلمند۔ تمھیں محتاط رہنے کی ضرورت ہے، تمھیں مجھ سے چھپانا نہیں چاہئیے تھا۔ تاہم

میں سب کچھ جانتی ہوں۔"

میرے خیالات پریشان تھے اور زبان بے حس و حرکت۔ کیا میں مارٹا سے محبت کرتا تھا؟ ایسا نہیں ہو سکتا۔ کیا میں اُس سے شادی کرنا چاہتا تھا؟ میں شادی؟ یا ہم میں سے ایک پاگل ہے یا ہم سب پاگل ہیں۔ میں بے معنی الفاظ رک رک کر کہنے لگا۔ اور نہیں جانتا تھا کہ کیا کہہ رہا ہوں۔ میں باغ، بہار اور سیب کے درختوں کی باتیں کرتا رہا اور مارٹا کے متعلق بھی یہ کہتے ہوئے کہ میرے لئے وہ ایک زندہ باغ تھی۔ میں نے آسمان اور ہوا کے بارے میں بھی کچھ کہا۔ مایوسی میں میں نے یکایک معلوم کیا کہ ماں مجھے نہیں سمجھ سکتی جب تک وہ بھی اس چیز کو محسوس نہ کرے، میں نے محسوس کیا تھا......

میرے دل و دماغ میں خوف کی لہر دوڑ گئی میں اکیلا تھا۔ ماں مجھے چھوڑ چکی تھی اور میں تنہا نہیں رہ سکتا تھا۔ میں اُس وقت جھوٹ بولنے کے لئے بھی تیار تھا اگر جھوٹ بولنے سے کوئی فائدے کی اُمید ہوتی۔ اس سے پیشتر میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا میرا خیال ہے کہ ماں میرے عذاب کو سمجھ گئی۔

"تو" اُس نے کہا "تم نے کبھی ان باتوں کا خیال نہیں کیا، لیکن تم کو یاد رکھنا چاہئے وولوڈیا کہ ہمارے تعلقات ایسے نہیں کہ میں محض ایک پیاری ماں سمجھ کر نظر انداز کر دی جاؤں۔ میں نے اپنی تمام زندگی تمہارے لئے صرف کر دی ہے اور تمہیں اپنی تمام زندگی مجھے سونپ دینی چاہئے۔ ہمیشہ میری یہی خواہش رہی ہے۔ میں نے تمہیں کبھی نہیں چھوڑا۔ میں نے اپنے لئے تمہیں اپنا جواب بنایا، ممکن ہے میں نے غلطی کی ہو، لیکن مجھے اس کی پروا نہیں۔ اس میں انصاف ہے۔ میں اپنی بھینٹ نہیں چڑھا سکتی علاوہ ازیں اب دیر بھی بہت ہو چکی ہے۔ تم اپنی بیوی سے یا تمہاری بیوی تم سے کتنی ہی محبت کیوں نہ کرے۔ تم میرے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔"

اس کے لفظوں میں حقارت تھی۔ وہ کھڑی ہو گئی۔ میں اُس کے قریب گیا اور اُس کی گردن میں باہیں ڈال کر میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"مجھے پریشان نہ کرو" میں نے کہا "میں جانتا ہوں میں تمہارا ہوں۔ میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ مجھے کسی بیوی کی ضرورت نہیں۔ میں کسی کو پیار نہیں کرتا۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ تم کیوں .... مجھے تو باغ اور پھولوں سے محبت ہے...... اور موسیقی سے .... مجھے معاف کر دو۔"

اُس نے مجھے بھینچتے ہوئے کہا "تم مجھ سے وعدہ کرو کہ باغ میں نہ جاؤ گے اور دوبارہ مارٹا کو نہ دیکھو گے۔ ابھی تمہیں اُس سے محبت نہیں .... مجھے مت ٹوکو......... میں محسوس کرتی ہوں کہ یہ ناممکن ہے...... میں جانتی ہوں کہ تم میں وعدہ توڑنے کی ہمت نہیں، لیکن تمہیں صرف کل تک انتظار کرنا ہوگا...... اس کے بعد علی الصباح ہی ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔"

کل ! کل سیب کے درخت کھلنے والے ہیں۔

" خاموش رہو ؟ کیا تم ایسا نہیں چاہتے ؟"

پھر اُس کے ابرُوؤں میں بل آگیا۔

میں نے اُس سے وعدہ کیا۔ مجھے بہت تکلیف پہنچی اور میں چلّا اُٹھا۔ مجھے پھولوں سے بے حد محبت تھی ... لیکن میں جانتا تھا کہ اس کے لئے میں ان کو چھوڑ سکتا ہوں۔ میں نے خیال کیا گو میں نہیں جانتا کہ کیوں، اس تجویز پر عمل کرنا ناممکن تھا۔

(۸)

سفر کی تیاریاں صبح سے شروع ہوگئیں۔ ہمارا ملازم ہمارے ساتھ نہیں چل سکتا تھا کیونکہ میرا باپ ابھی تک بیمار تھا۔ ماں نے گھر کی تمام ذمہ داریاں اپنے سر لے لیں۔ میں مُردوں کی طرح نیم وا آنکھیں لئے ہوئے بیٹھا تھا۔ سورج کی شعاعیں کھڑکی سے اندر آکر سب کو روشنی میں نہلا رہی تھیں۔ لیکن مجھے ان سے خوف معلوم ہوا اور میں نے اُٹھ کر کھڑکی کا پردہ گرادیا، یہ میرا سورج نہیں تھا۔

کئی گھنٹے گذر گئے۔ میرے دل میں برابر درد اُٹھ رہا تھا۔ میں تکلیف میں تھا حیران مگر مجبور کیونکہ مجھ میں پسند کرنے یا فیصلہ کرنے کی قوت نہیں تھی۔

غروب کے وقت میں نے ماں کے پاس جانا چاہا۔ تاکہ میں اس سے لپٹ کر آنکھیں بند کرلوں اور وقت کو بھول جاؤں۔

میں نے ڈرائنگ روم میں جاکر کھڑکی سے باہر دیکھا۔ سورج بڑا اور گول تھا۔ اور ایک پہاڑ کی طرح نظر آتا تھا، میں بھاگتا ہوا ماں کے کمرے میں پہنچا، وہ خالی تھا۔ میں ساتھ والے کمرے میں گیا وہاں بھی کوئی نہیں تھا۔ کٹھرے پر مجھے ایک ملازمہ نظر آئی۔

" تمہاری مالکہ کہاں ہے ؟" میں نے دریافت کیا۔

وہ صبح سے لئے گاڑی کا انتظام کرنے گئی ہے۔ وہ مجھ سے کہہ گئی تھی کہ میں تمھیں اطلاع کردوں کہ وہاں سے وہ پوسکیس کے یہاں جائے گی اور پھر دیر سے لوٹے گی۔ اگر مناسب معلوم ہو تو تم نو بجے کے قریب وہاں پہنچ سکتے ہو۔ اگر ایسا نہ کرسکو تو تمھیں جلدی سوجانا چاہیئے ....

میں وہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہرا۔ میں اس ستم کو برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ میں اکیلا تھا اور میرا وعدہ مجھے یاد تھا۔ میں چاہتا تھا کہ ایک مرتبہ باغ میں جاکر بہار کا نظارہ کروں اور سنوں کہ سیب کے درخت کیا کہتے ہیں .... اپنے سے زبردست چیزوں کے سامنے میں ہمیشہ جھک جاتا ہوں بغیر کسی مخالفت کے۔ اور اُس وقت بھی میں نے ہونے والی بات کے آگے سر تسلیم خم کردیا۔ میں نے مُسکراتے ہوئے پھر سورج کی طرف دیکھا۔ اور پھر بغیر پیچھے کی طرف دیکھے ہوئے یا بغیر جھجکے ہوئے باغ میں چلا گیا۔

(۹)

جب دروازہ بند کر کے میں درختوں میں چند قدم ہی آگے بڑھا تو میں نے خود کو اپنے آپ میں پایا۔ میں سب کچھ بھول گیا۔ ہر لمحہ میری مسرت میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ مختلف قسم کی ملی ہوئی خوشبوئیں مجھ سے لپٹی جاتی تھیں۔ میں دوبارہ اپنے دوستوں میں آگیا تھا اور شرمندہ تھا کہ اتنے عرصہ میں اُن سے الگ رہا۔ اسی دھن میں رستہ کے کنارے تک پہونچ گیا۔

مارٹا وہاں موجود تھی۔ جھاڑی کے دوسری طرف نہیں بلکہ بیٹ پر۔ اُس کے بند ہاتھ گھٹنوں پر رکھے تھے۔ اور وہ غور سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

"مجھے افسوس ہے مارٹا" میں نے کہا "سورج غروب ہو چکا ہے۔"

"ابھی نہیں۔ ابھی وہ بالکل غائب نہیں ہوا۔ وہ پہاڑی کی آڑ میں ہے۔ یہ بے سود ہے۔"

میں اُس کے قریب بیٹھ گیا۔ وہ پہلے سے زیادہ زرد تھی اور میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اُس کا لباس سفید نہیں تھا، بلکہ اُس میں سُرخی جھلک رہی تھی۔

"ہمیں انتظار کرنا چاہیے" مارٹا نے کہا "یہ آج رات کھل جائیں گے۔ کیا تم نہیں دیکھتے ہو، چاند بہت سفید ہے؟ وہ ایک چھوٹے بادل کی طرح نظر آتا ہے۔ جب وہ زیادہ روشن ہو جائے گا اور آسمان اونچا معلوم ہوگا تو یہ کھلیں گے۔"

"تم انھیں کیوں پسند کرتی ہو مارٹا؟" میں نے پوچھا "معلوم ہوتا ہے تم ان سے متعلق ہو۔"

"تم بدلے نہیں ہو کیوں؟ میں جانتی ہوں تم وہی ہو۔ یہی سبب میری خوشی کا ہے کہ تم میرے ساتھ ہو اور میں تم سے محبت کرتی ہوں۔"

"میں بھی تمھیں چاہتا ہوں مارٹا" میں نے کہا "میں تم سے اتنا ہی پیار کرتا ہوں جتنا باغ سے یا کسی دوسری چیز سے۔"

"دوسری چیز سے؟" اُس نے سوچتے ہوئے دُہرایا۔

شام کا مختصر دھندلکا ختم ہو گیا۔ چاند نکل آیا۔ اُس کی معصوم شعاعیں دھندلے راستے کو منوّر کر رہی تھیں۔ پھولوں کی خوشبو تیز ہو گئی۔ سیب کے درختوں کی بڑی شاخیں سایہ انداز ہوئیں۔ اور ہر وہ چیز جو اب تک خاموش و بے حس تھی گنگنانے اور حرکت کرنے لگی چاندنی پر ایک نظر نہ آنے والا کہرا یا دھند پھر گئی۔ سایہ ہٹتا گیا اور اُس کے پیچھے پھول رہ گئے۔ آسمان اور چاند زیادہ اونچے ہوتے گئے اور زیادہ سرد۔

مجھ پر ایک خوفناک کیفیت طاری ہو گئی۔ میں ہمہ تن انتظار بن گیا۔ مارٹا نے مجھے نہیں دیکھا، وہ سردی محسوس کر رہی تھی۔

وہ میری طرف بڑھی اور غیر دانستہ طور پر میں نے اپنی باہیں اُس کے گرد ڈال دیں تاکہ میں اُس سے قریب رہوں۔

"ہمیں بالکل خاموش رہنا چاہئے" اُس نے میرے ہاتھ پر اپنا سفید ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "ہمیں جوش میں نہیں آنا چاہئے۔ ہمیں مکمل خاموشی سے انتظار کرنا چاہئے۔ سکونِ قلب کے بغیر تم" اس سے قریب نہیں ہو سکتے"۔

میں جانتا تھا کہ اس کا اشارہ قدرت سے تھا۔

"اور ہمیں ایک دوسرے کے قریب رہنا چاہئے کیوں؟" اُس نے جلدی سے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا "تم اور میں......
"اس میں جذب ہو کر......"

میں قدرت سے اتنا قریب کبھی نہیں ہوا جتنا اُس روز تھا۔ یہ مسرت تھی اگر وہ دیرپا ہو سکتی۔

ایک ہلکی نئی خوشبو ہماری طرف بڑھی۔ ایک ہی وقت ہم دونوں اُس سے آگاہ ہوئے اور فوراً سمجھ گئے کہ وہ کس سمت سے آ رہی تھی۔

"پہلا غنچہ کھل گیا ہے" مارٹا نے کہا "اُس کو خود دیکھو۔ دوسروں کے کھلنے کا انتظار کرو......"

وہ بہت آہستہ باتیں کر رہی تھی۔ میں نے اُسے دبایا۔ میں کچھ کہنا چاہتا تھا۔ لیکن اُس نے کہا "خاموش رہو" اور ملتجی نگاہوں سے وہ مجھے دیکھتی رہی۔ میں چپ تھا اور خوش کہ میں خاموش تھا۔ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہتا تھا۔ یہ میرے لئے انتہائی خوشی تھی۔

ایک زبردست نئی خوشبو سے تمام باغ مہک اُٹھا۔ چاند نیچا ہو گیا تھا۔ لیکن سیب کے درختوں پر اندھیرا طاری نہیں ہوا وہ سفید تھے مگر چاندنی سے زیادہ نہیں۔

اس وقت جب ہمارے ارد گرد کی تمام چیزیں زیادہ نمایاں اور سرد ہو گئیں، آسمان نیلا ہو گیا اور صبح ہو گئی تو میں نے مارٹا کے چہرے کی طرف دیکھا۔ وہ اسی طرح میرے پاس بیٹھی تھی۔ اُس نے اپنی آنکھیں اُٹھائیں اور مسکرائی۔

"وقت آ گیا ہے" اُس نے کہا "سورج طلوع ہونے والا ہے اور سیب کے درخت کھلیں گے"۔

میرے دل میں ایک زبردست درد اُٹھا، مجھے یاد ہے۔ مجھ پر زردی چھا گئی۔ میرا دل بھاری اور سرد ہو گیا۔
مارٹا مجھے غور سے دیکھ رہی تھی۔

"یہ کیا ہے؟"

"مارٹا میں مسرور نہیں ہوں...... مجھ پر رحم کرو...... مجھے جانا چاہیے"۔

"جانا چاہتے ہو" اُس نے آہستہ سے دُہرایا۔ وہ متعجب نہیں ہوئی۔ "اتنی جلد؟ کچھ دیر اور ٹھہرو۔ ایسی جلدی کیا ہے۔ اُس وقت تک ٹھہرو جب تک وہ گرنے لگیں"۔

"میں ایسا نہیں کر سکتا، ایسا نہیں کر سکتا........ یہ میں نہیں ہوں...... وہ مجھے چاہتے ہیں....."

"دوسرے" اُس نے اطمینان سے کہا" وہ ہمیشہ ہر چیز کی تخریب کا باعث ہوتے ہیں۔ متردد ہونے کی کوشش نہ کرو۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ تم اتنی جلدی چلے جاؤ........"

میں نے مایوسی سے اُس کو دیکھا۔ اُس کی آنکھیں کھُلی ہوئی تھیں، لیکن اُن میں آنسو اُمڈے ہوئے تھے۔ اگر وہ آنکھیں جھپکتی تو آنسو نیچے گر پڑتے۔

میں کھڑا ہو گیا۔ وہ سیٹ پر بیٹھی رہی اور اُس نے میری طرف نہیں دیکھا۔

"الوداع" میں نے کہا۔

"الوداع، بھُولنا نہیں........"

"کیا؟"

یہ سب میں نہیں بھُولوں گی۔ اب ہم دونوں جانتے ہیں کہ کس طرح زندہ رہنا چاہئیے........"

"مارٹا! دوسرے........"

"ہاں دوسرے! کیا تم اس قابل نہیں ہو........ نہیں کر سکتے........ لیکن تم نہیں بھولوگے کیوں؟"

میں نے اُس کی طرف دیکھا اور پھر نیلگوں آسماں کو جو اب چمک رہا تھا۔ میں نے سیب کے درختوں کو دیکھا جو کہر میں ملبوس تھے۔

میں نہیں بھولوں گا" میں نے کہا" الوداع"

اُس نے سر ہلایا اور میں چلا گیا۔

(۱۰)

اس کے بعد جو کچھ ہوا میں مختصراً لکھوں گا۔ کیونکہ یہ میرے لئے بیحد تکلیف دہ ہے کہ میں زیادہ دیر تک اس کا تصوّر کروں۔ میں جانتا ہوں کہ انتقام لینے کے لئے ماں نے دانستہ ایسا کیا۔ اس رات وہ بہت تھکی ہوئی اور پریشان تھی یہ سچ ہے مگر اس کا سبب وہ زبردست نفرت ہے جو میرے لئے اُس کے دل میں پیدا ہو گئی تھی۔ ہر بات منفق تھی۔ میں جانتا تھا کہ وہ مجھے معاف نہیں کرے گی وہ مجھے معاف نہیں کر سکے گی۔ میں نے اُس سے کچھ نہیں کہا۔ میں مردہ معلوم ہوتا تھا۔ اُس نے مجھے تنہا جانے کا حکم دیا اور کہا کہ وہ کبھی مجھے دیکھے گی نہ معاف کریگی، اُسے معلوم ہونا چاہئیے تھا کہ وہ ایسے برداشت نہیں کر سکتی۔ اور آکہ وہ مجھے معاف کر دیگی جب وہ دیکھے گی کہ میں اُس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ لہذا اپنے لفظوں کا پاس کرتے ہوئے وہ دانستہ مر گئی۔

ایک شخص نے آگے بڑھکر مجھ سے پُرجوش مصافحہ کیا۔ اُس نے مجھے صبر کی تلقین کی اور کہا" تمہاری ماں عجیب عورت تھی اُس کی موت سے تمھیں بہت صدمہ پہنچا ہوگا! تمہارا رشتہ ایک دوسرے سے عجیب تھا۔"

میں مصنوعی ہنسی ہنسا اور کہا "ہاں تم ٹھیک کہتے ہو" اور اس مرتبہ میں نے اُس سے پرجوش مصافحہ کیا۔
تجہیز و تکفین کے بعد میں چلا گیا، میں وہاں کیونکر رہ سکتا تھا؟ میں نے مارٹا کے متعلق معلوم نہیں کیا اور نہ ہی میں باغ میں گیا.....
اس واقعہ کو کئی سال گذر چکے ہیں۔ میں نہیں گن سکتا۔ بعض اوقات مجھے وہ رات یاد آجاتی ہے۔ جب سیب کے درخت کھِلے تھے اور پیانو پر بیٹھ کر میں یہ راگ بجاتا ہوں "میرے دوست نہ کچھ کہو نہ آہ بھرو" اور میرا دل ہلکا ہو جاتا ہے۔ لیکن ایسا بہت شاذ ہوتا ہے۔ میں بہت کم یاد کرتا ہوں .... ہر لمحہ میری زندگی گراں ہوتی جاتی ہے۔ میں زندہ ہوں کیونکہ مجھ میں مرنے کی جرات نہیں۔ میں سینٹ پیٹرسبرگ کے تاریک فلیٹ میں تنہا رہتا ہوں۔ لوگوں کو موسیقی سکھاتا ہوں اور آوارہ طریقے سے گھر چلا آتا ہوں، یہ کب تک یونہی رہے گا؟

بڑے کمرے کی چھت کے وسط میں ایک بڑا آہنی حلقہ لٹک رہا ہے۔ میں پہلے بھی اس کا ذکر کر چکا ہوں .... میں کوئی رسّی لے کر اس میں کیوں نہ باندھ دوں۔ کوئی بھی نہیں جان جا سکے گا کیونکہ رات کا وقت ہے ...... میرا بوڑھا باورچی سو رہا ہے کنڈے کے حلقے میں رسّی باندھنے میں کوئی ہرج نہیں۔ میں پھر بھی اُسے اتار سکتا ہوں۔ اگر میں اُس میں پھندا بنا لوں جب بھی کوئی ہرج نہیں ہوگا۔ میں خود کو نہیں لٹکاؤں گا۔ پھندا بنا لینے سے مراد یہ نہیں کہ مجھے ضرور پھانسی لگا لینی چاہئیے۔ پھانسی لگانا کتنا خوفناک ہے! مارٹا سے میں کتنے فاصلے پر ہوں۔ کیا میں سچ مچ ایسا کر رہا ہوں؟...... نہیں نہیں یہ صرف کوشش نہیں۔ کسی کو جاننے کی ضرورت نہیں۔ میں صرف کوشش کروں گا........ ...

ضیا فتح آبادی ایم۔ اے

ارے توبہ!

توبہ کا اہتمام۔ ارے توبہ — اور پھر دورِ جام ارے توبہ
ایک بیجاں کے قتل کرنے کو — اس قدر اہتمام ارے توبہ
تشنۂ خوں ہے ایک مدت سے — خنجرِ بے نیام ارے توبہ
آج بھی مختصر سا قصۂ غم — رہ گیا ناتمام ارے توبہ
ایک لمحہ اُنھیں سکون نہیں — صبر کا انتقام ارے توبہ
دل کو بے چین کر ہی دیتی ہے — یادِ مینا و جام ارے توبہ
وائے بر حالِ خانماں برباد — بیکسی کی وہ شام ارے توبہ

آج بھولے سے لے لیا کس نے
شوقِ رسوا کا نام ارے توبہ

جگموہن ناتھ شوقؔ رینہ

رادھا ـــــــ "ایک دیہاتی قصہ"

یہ سچی کہانی اُس وقت کی ہے جبکہ **جگت پور** بالکل دیہات تھا۔ شہر کی بُو تک نہ پہنچی تھی۔ نہ ہنگامے تھے نہ گہما گہمی۔ بھولے بھالے اُجڈ کاشتکار جس طرح چاہتے زندگی بسر کرتے تھے۔ نہ قاعدے قانون تھے نہ پولیس کا چوکی پہرہ۔ نہ تو کوئی سبھا سوسائٹی اِس آنند نگری کے سکون میں خلل انداز ہوتی اور نہ اخبار بیچنے والے جھگڑے فساد کی سنسنی خیز خبریں سُنا کر لوگوں کے کان کھڑے کرتے تھے۔ نہ ڈاکخانہ تھا اور نہ ریل گاڑی۔ ساری دنیا سے بے خبر جگت پور کی جاہل آبادی سُکھ سے زندگی گذار رہی تھی۔ واعظوں اور پنڈتوں کے لئے بھی یہاں کوئی گنجایش نہ تھی۔ کیونکہ یہاں کے لوگ علاوہ اپنے پُرانے رسم ورواج کے اور کسی نئے مذہب سے اپدیش حاصل کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ حقوق اور فرائض کا بھی کوئی ذکر نہ تھا۔ مذہب، اخلاقیات، اور معاشیات کی موٹی موٹی کتابوں کے بڑے بڑے اصول یہاں کی زندگی کے لئے بالکل بیکار تھے۔ صرف دو تین باتیں تھیں۔ جو یہاں کی معصوم زندگی پر اثر رکھتی تھیں اور جنھیں یہاں کے بچے بغیر اسکول اور کالج کے خود بخود سیکھ جاتے تھے۔ یہ گُر کیا تھے؟

"سچا پریم اور ست سیوا۔ آپس میں مل جُل کر رہنا۔ ہر ایک کے دُکھ سُکھ میں کام آنا۔ پنچایت کا کہا ماننا۔ مہمان کی خاطر خدمت، پڑوس کی مدد کرنا اور بس"۔

انھیں چند اصولوں کی بدولت جگت پور میں گو غریبی تھی، افلاس تھا، فاقے ہوتے تھے، پھر بھی لوگوں کو جنّت کا سا آنند ملتا تھا۔ ہر شخص آزاد تھا اور خود مختار۔ اس سُکھ اور چین کی نگری میں اگر کسی کی حکومت تھی تو نمبردار اور مُکھیا کی۔ گاؤں کا ہر بوڑھا، بالا ان کا حکم بجالانا اپنا دھرم سمجھتا تھا۔ نمبردار اور مکھیا گاؤں کی حفاظت، کھیتی باڑی، بٹوارے وغیرہ کی دیکھ بھال کرنے کے بدلے میں سوائے اس کے اور کوئی فیس لینے کے حقدار نہیں تھے کہ صبح شام اُنھیں ہاتھ جوڑ کر ڈنڈوت کر لی جائے یا اُن کی چلم بھر دی جائے۔

انھیں دنوں میں زمیندار کے نوجوان سپوت، اعلیٰ تعلیم پائے ہوئے جگدیش بابو کو گاؤں میں رہنے کی سوجھی۔ مَن کی اُپج کو پورا کرنے کے لئے دولت کی فراوانی تھی۔ چنانچہ جگت پور میں زمیندار کی کوٹھی میں جگدیش بابو کے لئے ہر قسم کی آسایش مہیا ہو گئی۔ میز۔ کرسی۔ چکیں۔ پردے۔ نوکر چاکر غرض چہل پہل ہونے لگی۔ جگدیش بابو موٹر میں بیٹھ کر گاؤں میں تشریف لائے۔ بھلا یہاں کے

بھلے مانسوں نے "بھوں، پوں" والی بہلی کب دیکھی تھی جو بغیر بیلوں کے اتنی تیز چلے۔ گاؤں کے کتے، بکریاں، ڈھوڈنگر اس بلائے آسمانی کی ڈراؤنی پھنکاروں سے ڈر کر ایسے بھاگے کہ شام تک واپس نہ آئے۔ بچے بالے، بڑے بوڑھے، عورتیں، سبھی اپنی اپنی جھونپڑیوں سے نکل کر بے تحاشا بھاگے اور موٹر کے گرد جمع ہو گئے۔ حیرت سی حیرت تھی ——— ! رفتہ رفتہ جگت پور کے جاہل کسان جگیش بابو سے مانوس ہوتے گئے۔ جگیش بابو نے بیٹری۔ اسپرٹ کا چولہا اور گراموفون وغیرہ کے فائدے لوگوں کو بتائے نئی تہذیب کی ان بیش قیمت برکتوں کو غریب کسان اپنی اپنی بدھی کے موافق کچھ کچھ سمجھ گئے مگر موٹر کا بھید اُن کی سمجھ میں آنا تھا نہ آیا۔

جگیش بابو کو جگت پور اتنا پسند آیا کہ اپنے بہت سے دوستوں کو مہینوں تک مہمان رکھتے۔ انڈے مرغی کی ریل پیل ہوتی۔ شہر سے ترکاریاں، سگرٹ، مٹھائی وغیرہ منگائی جاتی۔ رات رات بھر کوٹھی میں ہُو حق، غُل غپاڑہ مچا رہتا۔ جگت پور کے غریب بھلے مانس کسانوں کو یہ باتیں اچھی نہ معلوم ہوئیں۔ مشکوک اجنبیوں کا گاؤں میں آنا جانا اور پھر رات رات بھر گانا بجانا۔ غل شور کرنا ایسی باتیں تھیں جن سے جگت پور کو کبھی واسطہ نہیں پڑا تھا۔ جگیش بابو کی طرف سے اُن کے دلوں میں بدگمانی بیٹھ گئی۔

بدقسمتی سے جگیش بابو پر دیہات سدھار کا بھوت بھی سوار تھا۔ اس سلسلے میں پہلا کام انھوں نے یہ کیا کہ ندی کے کنارے جو پکا گھر تھا، اُس میں ایک پرائمری اسکول کھول دیا۔ دو ماسٹر شہر سے بُلائے گئے اور گاؤں کے لڑکوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ اسکول میں پڑھیں ——— تختی، سلیٹ، بودڈا اور چاک بھی آ گئے۔ رنگ برنگ کے نقشے بھی دیواروں پر لٹکا دئے گئے ——— جب بڑے بوڑھوں کو یہ معلوم ہوا کہ ہمارے لونڈوں کو یہ بتایا جاتا ہے کہ زمین گول ہے اور سورج دیو کے چاروں اُور گھومتی ہے تو جگیش بابو کی طرف سے اُن کی بدگمانیاں بڑھتی گئیں۔ یہاں تک کہ لوگ ان سے دل ہی دل میں نفرت کرنے لگے ——— چوپال میں بیٹھ کر زمیندار کے خلاف چہ میگوئیاں ہوتیں ——— زمین کا گول ہونا سب کے تجربے کے خلاف تھا اور گھومنے والی بات تو کسی طرح سمجھ میں آتی ہی نہ تھی ——— "کیوں چودھری جی! پرتھوی کا گھومنا کیسے ہو سکتا ہے؟ اور پھر چاک کی طرح؟!! بھلا ہم لوگ چکرا کر گرتے کیوں نہیں؟ ——— زمیندار ہمارے لونڈوں کو بگاڑ رہا ہے۔ ضرور کچھ دال میں کالا ہے۔ لونڈے اب ہماری سنتے ہی نہیں وغیرہ وغیرہ۔" آپس کی سکوٹ سے زیادہ اور یہ غریب کسان کر ہی کیا سکتے تھے، کیونکہ زمیندار دھمکی دے چکا تھا کہ اگر لونڈوں کو پاٹ شالہ میں نہیں بھیجا یا تو لگان بڑھا دوں گا۔

رات کی مدھم سیاہی چھائی ہوئی تھی۔ غمگین ستاروں کی سبز روشنی ابھی تک زائل نہیں ہوئی تھی۔ لیکن جگت پور کی گلیوں

میں زندگی کی لہر پیدا ہوچکی تھی۔ کیونکہ گاؤں کے رہنے والے جو گجردم جاگنے کے عادی ہوتے ہیں۔ اچھی طرح جانتے ہیں کہ تاروں کی چمک میں سبزی مائل جھلملاہٹ کا پیدا ہونا صبح ہونے کی علامت ہے۔

پو پھٹی اور اُفقِ مشرق پر نمودار ہونے والی روشنی کی لکیر آہستہ آہستہ بڑھنے لگی۔ تارے ایک ایک کرکے غائب ہوگئے۔ سیاہی رفتہ رفتہ اس طرح گم ہوگئی جیسے کوئی مہ پارہ اپنے سیاہ ریشمی بالوں کو سمیٹ کر جوڑہ باندھ لے اور اس کے درخشاں چہرے سے نور کی کرنیں پھوٹ نکلیں ——— اجالا بڑھتا جا رہا تھا ——— ندی اپنا شفاف اُجلا سینہ کھولے ہوئے صبح کی ٹھنڈی روشنی کو آہستہ آہستہ اپنے اندر جذب کر رہی تھی۔ دور دور جہاں تک نظر جاتی زندگی رات کے نشے سے چور انگڑائی لیتی نظر آتی ——— آسمان دُھل دُھلا کر صاف ہوگیا۔ اس نیلگوں چھت کے نیچے، بڑے بڑے درختوں کے جھنڈ میں جہاں چڑیاں اور فاختائیں صبح کی عبادت میں مصروف تھیں ——— پھوس کے بے قاعدہ بنے ہوئے جھونپڑے۔ کچے پکے اونچے نیچے مکان۔ چھوٹی بڑی دیواریں نظر آتی تھیں ——— گیہوں کے پکے ہوئے کھیت دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ انھیں کھیتوں کے درمیان سے پتلی پتلی بے شمار پگڈنڈیاں بل کھاتی ہوئی ہر طرف کو جاتی تھیں۔ پاس ہی ایک کنواں تھا۔ جہاں صبح شام گاؤں کی عورتیں تانبے پیتل کے کلسے لئے پانی بھرنے جمع ہوتیں اور تھوڑی دیر کے لئے اچھا خاصا ہنگامہ رہتا ——— کلسوں کی آواز چاندی اور کانسے کے زیوروں کی جھنکار۔ ڈولوں کا کھینچنا "میرا بارا لائیو رے"۔ رام منائیو" کی رومانی آوازیں بچوں کی چہل پہل لڑکیوں کے بے حجاب قہقہے۔ ہنسی مذاق۔ دھول دھپا۔ ٹھٹھول، بہوؤں کے شرمیلے زیرِ لب تبسم۔ میٹھی میٹھی باتیں۔ بڑی بوڑھیوں کے دودھ دہی کے قصے، کھیتی اور بارش کے امکانات پر تبادلۂ خیال یہ ہیں عناصر اس چہل پہل اور رونق کے جو ہر گاؤں میں صرف کنوؤں کی جگت پر نظر آسکتی ہے۔

چونکہ ابھی سویرا تھا۔ اس لئے جگت پور کے بڑے کنوئیں پر مجمع شروع نہیں ہوا تھا۔ البتہ ایک لڑکی گاڑھے کے موٹے اور بھدے لباس میں لپٹی لپٹائی۔ سر پر پیتل کا چمکتا ہوا گھڑا رکھے۔ ایسے اندازِ رفتار سے جس کی نقل نہیں ہوسکتی، ایک خاص لچک اور نرمی کے ساتھ قدم قدم پہ جادو جگاتی ہوئی کنوئیں کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ایک ہاتھ کمر پر تھا اور ایک حسین برہنہ بازو گھڑے کو سنبھالے ہوئے، چمکدار بڑی بڑی آنکھوں میں ارمانوں کی تحریر تھی اور پیشانی پر بھولپن کا نور ——— سانولے سلونے چہرہ پہ جوانی اور صحت کا غازہ تھا ——— یہ الھڑ لڑکی رادھا تھی۔ غریب باپ عرصہ ہوا مر چکا تھا۔ بوڑھی ماں تھی۔ جو درد کے سبب کھٹیا سے اُٹھ بھی نہیں سکتی تھی۔ کھیتی کیاری کچھ بھی نہیں تھی جینے کا سہارا دو گائیں تھیں اور بس۔

رادھا جلدی جلدی گھڑا بھر کے لوٹی۔ راستے میں دو چار سکھیوں سے خوش گپیاں کرتی ہوئی، اپنی جھونپڑی میں داخل ہوئی جھاڑو بہارو سے فراغت پاکر آگ جلائی۔ بوڑھی ماں نے تکلیف سے کہانستے ہوئے کہا ——— "رادھا بیٹا!! جاگیتں بالو

کے گھر دودھ دے آ اور کہیو کے اناج خریدنا ہے پیسے دے دو ــــــ جا بٹیا، کل ہولی ہے ــــــ گھر میں دانہ تک نہیں ــــــ لاج کی کوئی بات نہیں ہے ــــــ زمیندار باپ کے برابر ہوتا ہے"۔

رادھا با دلِ ناخواستہ اُٹھی، دودھ کی گگری اُٹھا کر جگیش بابو کی کوٹھی کی طرف چل پڑی اور سوچنے لگی اگر جگیش بابو گھر پر نہ ہوں تو بڑا اچھا ہو، وہ مجھے اپنی بڑی بڑی لال لال آنکھوں سے اس طرح گھورتے ہیں کہ میں لاج سے مر جاتی ہوں۔ ابھی چوتھے دن جب میں دودھ دینے گئی تھی تو میرا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ بڑی مصیبت سے ہاتھ چھڑا کر بھاگی تھی ــــــ آج میں بھی دھن وان ہوتی۔ میرے باپ کے پاس بھی زمین اور کوٹھی ہوتی، تب دیکھتی وہ کیسے مجھے گھورتے۔ اُن کی کھال کھنچوا لیتی ــــــ پر ہائے! میں تو ایک غریب کسان کی لڑکی ہوں اور بنا باپ کی ــــــ غریب کے بھاگ میں یہی لکھا ہے کہ سیوا کرنے پر بھی لات جوتا کھائیں ــــــ رادھا نے چونک کر دیکھا تو وہ جگیش بابو کی کوٹھی پر پہونچ چکی تھی۔ سامنے جگیش بابو اپنے دوستوں کے ساتھ کھڑے اُسے گھور رہے تھے۔ رادھا چپ چاپ اندر چلی گئی۔ دودھ دوسرے برتن میں ڈال کر اُس نے رسوئیے سے کہا ــــــ "بھیّے! آج ماں نے دودھ کے دام مانگے ہیں"۔ رسوئیے نے تڑا کر جواب دیا "پھر میں کیا کروں، باہر بابو جی سے مانگ، میرے پاس کیا دھرا ہے"۔ ناچار ڈرتی، سہمتی، کانپتی ہوئی جگیش بابو کے پاس پہونچی۔ جگیش بابو اُسی طرح کھڑے گھور رہے تھے۔ وہ دھک سے رہ گئی۔ پاؤں ایک ایک من کے ہو گئے۔ پھر غریبی کے پاپ اور پیٹ کے دُکھ نے مجبور کر دیا اور اُس نے آگے بڑھ کر کہا "مہاراج! ماں نے دودھ کے دام مانگے ہیں۔ گھر میں اناج کا ایک دانہ نہیں"۔

جگیش بابو کھلکھلا کر ہنسے اور بولے "سندری! تمہارے لئے داموں کی کیا کمی۔ جب چاہو اور جتنے چاہو لے لو ــــــ کل آنا ــــــ دوپہر کو ــــــ اپنے سب دام لے جانا ــــــ"

رادھا ضد کرنے کی ہمت نہ کر سکی اور لوٹ آئی۔ چلتے چلتے جگیش بابو کے یہ الفاظ اس کے کان میں پڑے "کیوں، مرلی منوہر!! کل ہولی ہے نا یار؟ کل شام کو بھنگ بنے گی اور ......"

رادھا کا دل کانپ گیا۔ اس "اور" کے ساتھ ہی اُس نے دیکھا کہ جگیش کی ڈراؤنی آنکھوں میں کمینہ پن کی بجلی چمک رہی تھی۔

پھاگن کا مست مہینہ۔ بسنت کی رُت، ہولی کا دن ــــــ بھنگ کی بہار۔ ان چاروں نے مل کر گاؤں کے بوڑھے جوان، ادھیڑ، لڑکے، سبھی میں ایک نئی روح پھونک دی ہے۔ لڑکے ڈھول پیٹ پیٹ کر گا رہے ہیں۔ جوان عورتیں اپنے شوہروں کو خوش کرنے کے لئے طرح طرح کے بناؤ سنگار میں لگی ہوئی ہیں ــــــ نوجوان شباب کے نشے میں چور

بھنگ پی کر مست، ناچ کود کر عورتوں کو رنگ سے شرابور کر رہے ہیں۔

رادھا بھی اسی رنگین دنیا کی ایک البیلی کلی ہے۔ جوانی کی شراب سے سرشار، روپ کی دولت سے بھرپور، سفید دھوتی باندھے، سیندور کا ٹیکہ لگائے، سکھیوں کے ساتھ ناچ میں مشغول ہے، ساری دھوتی رنگ سے بھیگ گئی ہے دوسری دھوتی نہیں جسے بدل ڈالے۔

کھیل کود میں پتہ نہ چلا کہ کس طرح اتنی جلدی شام ہو گئی۔ سب سہیلیاں اپنے اپنے گھر کھانے پینے گئیں۔ تب رادھا کا خیال اپنی جھونپڑی کی طرف گیا، سوچنے لگی، وہ کیا کھائے گی ــــــ گھر میں تو ایک دانہ بھی نہیں ــــــ اور بیچاری ماں؟؟ دوڑی دوڑی گئی اور دروازے ہی پر سے آواز دی ــــــ "ماں اری ماں!!"

جھونپڑی کے اندر سے کمزور آواز آئی ــــــ "ہاں بیٹیا!!"

ماں کھاٹ پر اداس پڑی تھی۔ یہ ہانپتی ہوئی اپنی ماں کی گود میں گر پڑی ــــــ بوڑھی ماں نے دلار سے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا ــــــ "بٹیا! آج زمیندار نے پیسے دینے کو کہا تھا۔ جا تو بٹیا ــــــ روپیہ مانگتی آ ــــــ آج سال بھر بعد تو ہولی کا تہوار آیا ہے۔ کیا آج بھی فاقہ رہے گا؟"

ماں کے الفاظ میں ایسا درد تھا کہ رادھا فوراً جگیش بابو کے گھر جانے کو تیار ہو گئی۔

جب کوٹھی پر پہونچی تو اُسکا معصوم دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ جگیش بابو اور اُن کے دوست ٹکٹکی لگائے سامنے کی طرف دیکھ رہے ہیں جیسے کسی کا انتظار ہے۔ اُسے دیکھتے ہی جگیش کے دوست ایک طرف کو چلدیئے ــــــ بیچاری رادھا کے قدم ڈگمگا رہے تھے۔ کانپتی، سکڑتی، ڈرتی ہوئی آگے بڑھی اور ہاتھ جوڑ کر کہا "بابوجی، ماں نے دام مانگے ہیں۔ گھر میں کھانے کو ایک دانہ نہیں۔"

جگیش بابو نے جیب میں ہاتھ ڈال کر بہت سے روپے چھنکائے اور کہا "لے"

رادھا کھڑی رہی۔ کیسے کمرے میں گھسے۔ جگیش بابو چلائے "ڈرتی کیوں ہے، روپے لینے ہیں تو لے جانا۔ بول کتنے کتنے روپے ہیں؟؟"

رادھا نے کہا ــــــ "تین روپے ہوتے ہیں مہاراج! دے دو، میں جاؤں، دیر ہو رہی ہے۔"

جگیش بابو نے میٹھے لہجے میں کہا "تو۔ لے جانا، آ، لے یہ رہے تین روپے۔"

جگیش بابو کا انداز اور آنکھیں دیکھ کر گاؤں کی سادی فضا میں پلی ہوئی البیلی رادھا پسینے سے بھیگ گئی۔ مجبوراً کانپتی ہوئی آگے بڑھی ــــــ فوراً ہی دروازے پیچھے سے بند ہو گئے۔ اور جگیش کی بھیانک ہنسی کے ساتھ رادھا کی دلدوز چیخ سنائی دی۔

کائنات پر تاریکی چھا چکی تھی۔ جگیش بابو نے اپنے وفادار نوکر بھگوانا کو آواز دی اور کہا " رادھا کو اپنے ساتھ لے جا۔ اس کی ماں سے کہیو، بابو جی کے کوٹھے کے زینے پر سے پھسل پڑی تھی جس سے ماتھے پر چوٹ آئی ہے ـــــــ اور لے یہ تین روپے دودھ کے دیجو اور دو روپے ہولی کے انعام کے۔ سمجھا؟؟"

رادھا نڈھال، ضعیف و نزار، ماتھے سے خون بہاتی ہوئی گھر پہونچی۔ بھگوانا نے اُس کی بوڑھی ماں کو جگیش بابو کی سکھائی ہوئی باتیں کہہ سنائیں اور پانچ روپے دے کر چلتا ہوا۔

اُس کے جاتے ہی رادھا، ماں سے لپٹ کر روتے روتے بیہوش ہو گئی۔ بدنصیب ماں اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ کچھ دیر بعد رادھا کو ہوش آیا، اور آنکھیں کھولیں تو اُس کی نیم وا آنکھوں میں ایک سوال تھا۔

جہاں دیدہ، بوڑھی ماں سب کچھ سمجھ گئی اور ایک ٹھنڈی سانس بھر کر بولی ـــــــ " آہ! بیٹیا!! غریبوں کی بھی کہیں آبرو ہوتی ہے، جسے بچانے کے لئے آج تو نے جان کی بازی لگادی۔"

(ہندی سے) سید انصار ناصری بی۔ اے دہلوی

بسنت کی تیر افگنی ـــــ "سنسکرت شاعری کا پرتو"

یہ کون ہاتھوں میں آج ابرو کمانگلوں کی لئے ہوئے ہے
یہ کس پہ تیر افگنی کا یارب کوئی ارادہ کئے ہوئے ہے
تبسم افشاں۔ نظر جھکائے۔ لبوں کو اپنے سیئے ہوئے ہے
ہیں مست و مخمور ایسی آنکھیں شراب گویا پیئے ہوئے ہے

غضب کی طفلانہ شوخیاں ہیں لئے ہیں ساتھ اپنے بانکپن کو
کیا ہے جامۂ لباس کس نے قبول عریانیٔ بدن کو

نہ تابشیں بخت مہر میں یہ، ضیا میسر نہ یہ قمر کو
چڑھا کے زاغِ کمان ابرو بتوں کا ارشاد ہے نظر کو
جدا کیا ایک شعبدے میں یہ کس نے فریاد سے اثر کو
چھپائے کیا دل کو خاک کوئی۔ بچائے کیسے کوئی جگر کو

حجاب کی خیر اب نہیں ہے۔ نقاب اُتری ہوئی ہے سر سے
چلے ہی آتے ہیں تیر و خنجر کبھی اِدھر سے کبھی اُدھر سے

حجاب بے بس، شباب عاجز، نظر پریشاں، خراب ہی دل
اسیر صد پیچ و تاب ہے دل مرقع اضطراب ہے دل
سوال درپیش ہے کچھ ایسا کہ یک قلم لاجواب ہے دل
کسی کی مشقِ ستم گری کو نشانۂ انتخاب ہے دل

یہ کون آخر پکارتا ہے یہ کون آخر ابھارتا ہے
سدھے ہوئے ہاتھ ہیں یہ کس کے، کہ تیر پہ تیر مارتا ہے

منوّر لکھنوی

محمد خلیل صدیقی پرنٹر پبلشر نے رفاہ عام پریس آگرہ میں چھپوا کر دفتر کنول مرکز اشاعت آگرہ سے شایع کیا۔

مولانا امیر احمد ابنِ سید امیر حسن سہسوانی سب سے پہلے علمائے ہند میں ان کو شمس العلما کا خطاب ملا تھا۔ چند مباحثہ کی کتابیں یادگار سے ہیں۔ بعمر ۴۸ سال بدایوں میں ۱۳۰۵ھ میں انتقال کیا۔

مولانا حافظ نذیر احمد دہلوی خلف مولوی سعادت علی نگینوی ۱۸۳۶ء میں پیدا ہوئے۔ فارسی کتب اپنے والد سے پڑھیں۔ عربی کی ابتدائی کتابیں مولوی نصر اللہ خاں سے اسکے بعد بقیہ کتب مولوی عبدالخالق سے پڑھیں۔ ۱۸۴۵ء میں دہلی کالج میں داخل ہوئے بعد تحصیل علم ضلع گجرات کے ایک اسکول میں چالیس روپیہ ماہوار پر ملازم ہوئے ۱۸۵۳ء میں کان پور کے ڈپٹی انسپکٹر مدارس ہو گئے۔ ۱۸۶۱ء میں کان پور کی تحصیلداری ملی اسی زمانے میں ضابطہ فوجداری و قانون شہادت کا ترجمہ کیا۔ اس صلہ میں ۱۸۶۳ء میں کان پور میں ڈپٹی کلکٹر ہوئے۔ وہاں سے گورکھ پور۔ جالون اعظم گڈھ وغیرہ تبدیل ہوتے رہے۔

نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی خاں مرحوم اور نواب عماد الملک مولوی سید حسن بلگرامی کی تحریک سے سر سالار جنگ نے ۱۸۷۷ء میں آپ کو حیدر آباد میں طلب کیا۔ وہاں ایک ہزار تنخواہ دو سو چالیس بھتہ پر ایک بڑے عہدہ پر سر فراز ہوئے بعد اختتام ملازمت وطن چلے آئے۔ فارسی عربی کے جید عالم تھے۔ بقدر ضرورت انگریزی جانتے تھے۔ حیدر آباد کے قیام میں لگے ہاتھوں تلنگی زبان سیکھ لی۔ پیرانہ سالی میں سنسکرت بھی پڑھی دورانِ ملازمت سے لیکر آخر عمر تک تالیف و تصنیف کا شغل جاری رہا۔ ۲۸ر اپریل بروز جمعہ ۱۹۱۲ء کو بعارضہ فالج انتقال ہوا۔ گورنمنٹ کے حکم سے انکم ٹیکس اور تعزیرات ہند کا ترجمہ انگریزی سے اردو میں کیا۔

منتخب الحکایات۔ چند پند۔ توبۃ النصوح۔ مراۃ العروس۔ بنات النعش۔ ابن الوقت۔ محصنات رویائے صادقہ الحقوق والفرائض۔ ترجمۃ القرآن۔ موعظۃ حسنہ۔ مجموعہ لکچر۔ مبادی الحکمت۔ ایامیٰ مصائب عذر۔ اجتہاد۔ مایغنیک فی الصرف۔ رسم الخط۔ مجموعہ نظم بے نظیر۔ صرف صغیر وغیرہ آپ کی تصانیف و تالیف سے ہیں مولانا کا تفصیلی ذکر حیات نذیر میں ہے۔

مولوی عزیز مرزا بی۔ اے (علیگ) حیدر آباد کے ہائی کورٹ کے جج رہے۔ علمی ذوق رکھتے تھے۔ بعمر پچاس سال ۲۶ر فروری ۱۹۱۲ء کو انتقال ہوا۔ خیالاتِ عزیز۔ وکرم اروسی۔ سیرۃ المحمود۔ گلگشت فرنگ یادگار سے ہے۔

حکیم مرزا بشیر احمد بیگ نبیرۂ حکیم قادر بخش گوپاموی۔ حکیم سید مشرف حسین خیر آبادی سے فن طب حاصل کیا۔ راجہ منشیر بخش سنگھ تعلقدار ملان پور کے طبیب خاص تھے۔ رسالہ معارا الحکمت۔ رسالہ تعریف النبض۔ تحقیقات نادرہ۔ گنجینہ بیدک آپ کی تصانیف ہیں۔

مولوی سید احمد علی اشہری خلف میر احمد علی خان بہادر جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر تھے۔ اشہری کی تاریخ ولادت ۱۲۹۸ھ ہے۔ علوم مشرق کے ماہر تھے۔ بھوپال سے دبیر الملک اخبار آپ کی ادارت میں نکلا۔ عہدۂ نائب مرافعہ و میر منشی گری پر بھی مامور رہ چکے تھے۔ ۱۰ ر جمادی الاول ۱۳۲۸ھ وفات پائی[۱]۔ حدیقۂ شاہجہانی۔ گلدستۂ سلطانی۔ ترانۂ معرفت۔ ایشیائی شاعری۔ گلدستۂ اردو۔ ادیب۔ مرقع تاج پوشی۔ حیات نورجہاں۔ تاریخ اردو۔ حیات انیس۔ حیدر علی سلطان۔ لغات الخواتین۔ مکالمہ مرد عورت۔ خواتین اسلام وغیرہ آپ کی تصنیف و تالیف ہیں۔

عبدالحی صدیقی بدایونی۔ تذکرۃ الصلحا۔ تذکرۃ الشعرا۔ تاریخ عرب یادگار سے ہے۔ ۱۹۱۳ء میں انتقال ہوا۔

فخر الدین احمد الہ آبادی ۱۲۳۱ھ میں پیدا ہوئے۔ اہل علم سے تھے۔ رسالہ بشیر و نذیر تصنیف سے ہی ۱۳۰۳ھ میں انتقال ہوا۔

عماد الملک سید حسن بلگرامی سی۔ ایس۔ آئی۔ خلف سید زین الدین خاں ۱۸۶۱ء میں انٹرنس پاس کیا۔ ۶۶ء میں بی۔ اے۔ ہوئے۔ لکھنؤ کیننگ کالج میں پروفیسر ہوئے۔ ۷۳ء میں سر سالار جنگ کے پرسنل اسسٹنٹ ہوئے۔ روم و پیرس بھی گئے۔ ۱۸۹۲ء میں اعلیٰ حضرت حضور نظام کے پرائیوٹ سکرٹری ہوگئے ۹۷ء میں ڈائرکٹر تعلیمات ہوئے۔ تاریخ دکن۔ سوانح عمری سر سالار جنگ یادگار سے ہے۔ طبعی عمر پاکر انتقال کیا۔ تاریخ انتقال معلوم نہ ہوسکی۔

حکیم اصغر علی ابن امیر علی بن حاجی فضل علیخاں گوپاموی۔ عرصہ تک تحصیل مانوی ضلع رائچور صوبہ گلبرگہ سرکار نظام میں تحصیلدار رہے۔ علاج الغربا کا اردو ترجمہ یادگار سے ہے۔

خواجہ غلام الثقلین خلف خواجہ غلام عباس پانی پتی ۱۸۹۳ء میں بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی علی گڈھ سے کیا۔ عصر جدید کے مدیر تھے۔ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سرگرم رکن تھے۔ اسلامی ممالک کی سیاحت کی۔ روزنامچہ سیاحت یادگار ہے۔ صوبۂ متحدہ کی کونسل کے ممبر رہے۔ سوانح علامہ ابوالفضل۔ ایک فلسفیانہ لکچر اسلام پر طالب علم کی زندگی کا مقصد۔ رسالہ حدوث مادہ۔ تصنیف و تالیف سے ہیں۔ ۳ ر دسمبر ۱۹۲۵ء میں بعمر ۴۵ سال وفات پائی۔

---

[۱] ناموس المشاہیر حصہ اول ص ۸۳ خمخانۂ جاوید حصہ اول

منشی سجاد حسن خلف منشی سید منصور علی کاکوروی پیدائش ۱۸۵۶ء ایف۔ اے تک کنگ کالج لکھنؤ میں تعلیم پائی۔ بعد ازاں فیض آباد آکر فوج میں اردو پڑھانے پر منشی مقرر ہوئے کچھ عرصہ بعد چھوڑ کر ۱۸۸۷ء سے اودھ پنچ نکالا۔ ۲۲ رجنوری ۱۹۱۵ء کو مرض فالج میں انتقال کیا۔ احمق الذی۔ حاجی بغلول۔ طلسمی فانوس کتاب الفہرست یادگار ہے۔

مرزا نثار علی بیگ ابن مرزا عنایت علی بیگ برلاسی۔ علوم رسمی سے واقف اور فارسی علم ادب میں تجر کا درجہ رکھتے تھے۔ پہلے سررشتۂ تعلیم میں میر منشی رہے۔ پھر ڈپٹی کلکٹری کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ اور پنشن لی صاحب علم اور علم دوست بزرگ تھے۔ قواعد اردو۔ سفرنامہ یورپ۔ سفرنامہ حجاز یادگار سے ہے۔ بعمر ،سال ۱۹۱۵ء میں انتقال ہوا۔ ڈاکٹر محمد الہام اللہ گوپاموی متوفی ۱۹۱۳ء سے تعلقات خاص تھے۔

مولانا شبلی نعمانی آپ ۱۸۵۷ء میں ضلع اعظم گڈھ کے ایک مشہور خاندان میں پیدا ہوئے۔ آپ نے منطق فلسفہ۔ ادب۔ مشہور ادیب مولانا محمد فاروق چریا کوٹی سے حاصل کیا۔ علم حدیث مولوی حافظ احمد علی محدث سہارن پوری سے۔ اور فقہ مولوی ارشاد حسین اور تفسیر اور کچھ علم ادب مولوی فیض الحسن سہارنپوری سے اخذ کیا۔ ۱۷سال کی عمر میں درس نظامیہ کی تکمیل کی۔ اس کے بعد چند روز امین عدالت دیوانی رہے مگر یہ نوکری پسند خاطر نہ ہوئی ترک کر کے علی گڈھ گئے۔ وہاں مولوی سمیع اللہ خاں کی سفارش سے سرسید نے مولانا کو کالج کی پروفیسری عنایت کی۔ مسٹر آرنیلڈ بھی پروفیسر تھے ان سے علوم جدیدہ حاصل کئے۔ اور فرنچ زبان سیکھی۔ اور پروفیسر آرنیلڈ نے ان سے عربی زبان کی تعلیم حاصل کی۔ سفر بلاد اسلامیہ کیا۔ سرسید کی وفات کے بعد ۱۸۹۸ء میں کالج سے علیحدہ ہو کر حیدر آباد گئے وہاں سلسلۂ آصفیہ میں سو روپیہ ماہوار وظیفہ تالیف وتصنیف مقرر ہوا۔ کچھ عرصہ بعد تین سو ہو گیا۔ الہ آباد یونیورسٹی کے فیلو تھے۔ شمس العلما کا خطاب گورنمنٹ سے ملا۔ حیدر آباد سے واپس لکھنؤ ہوئے۔ ندوۃ العلما کے کام میں مشغول ہو گئے آخر عمر میں سیرۃ نبوی کی ترتیب میں لگ گئے۔ آخر ش ۲۸ ر ذوالحجہ ۱۳۳۲ھ ۱۹۱۴ء کو انتقال ہوا۔ آپ ہندوستان کے مایۂ ناز فرزند تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد۔ علامہ سید سلیمان ندوی۔ مولانا عبدالسلام سے شاگرد یادگار سے ہیں۔ الفاروق۔ سفرنامہ مصر و شام۔ سیرۃ نعمان۔ رسائل شبلی۔ المامون۔ مجموعہ کلام شبلی۔ علم الکلام۔ اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر۔ شعر العجم پانچ حصہ۔ اسلامی مدارس۔ اسلامی حکومت۔ مثنوی صبح امید۔ آغاز اسلام۔ موازنہ انیس و دبیر۔ کلیات شبلی۔ مقالات شبلی وغیرہ تصانیف سے ہیں۔

مولانا سید کرامت حسین جج پنشنر مرحوم ہندوستان کے مشاہیر سے تھے۔ علمی فضیلت کی شہرت تھی۔

الکون - افراد کاسبہ - المراۃ - علم الاخلاق - خدا اور اُس کی ہستی - المناظر الساکمہ - فقہ اللسان عربی - لغت کامل - تصانیف سے ہیں - تعلیم نسواں کے حامی تھے - محمد علی ردولوی نے آپ کے حالات مختصر لکھے ہیں ۱۹۱۶ء میں انتقال ہوا -

مولوی ابوالحسن سابق عہدہ دار سررشتہ تعلیم لکھنؤ معلم السیاست آپ کی تالیف سے ہے۔ ۱۸۹۳ء میں یہ کتاب طبع ہوئی ہے -

مولوی محب اللہ وطن پانی پت تھا۔ اہل علم تھے تصنیف و تالیف سے شوق تھا ۱۳۰۶ھ میں منہات ابن حجر عسقلانی کا ترجمہ کیا جو آپ کی یادگار سے ہے -

مولوی اولاد حسین قنوجی ذی علم بزرگ تھے - ۱۲۹۸ھ میں ہدایت المومنین لکھی جو طبع ہو چکی ہے -

مولوی عباس بن ناصر علی المورخ بن فضل اللہ العلامہ وطن جاج مئو تھا ۱۲۸۴ھ تک بقید حیات تھے - صبح کا ستارہ یادگار سے ہے -

مولوی سید محمد اسحاق بن سید محمود علی علوی حنفی نیتر گاؤں وطن تھا۔ لکھنؤ میں قیام پذیر تھے - ۱۳۱۱ھ میں سدا سہاگن کتاب لکھی - باقی حالاتِ زندگی معلوم نہ ہو سکے -

شمس العلما مولانا الطاف حسین متخلص حالی پانی پتی نبیرۂ شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری معروف بہ پیر سرات ۱۸۳۷ء ۱۲۵۳ میں ولادت ہوئی - نو برس کی عمر تھی کہ باپ کا سایہ اُٹھ گیا - ابتدائی کتب فارسی سید جعفر علی مرحوم برادر زادہ میر ممنون دہلوی سے پڑھیں - صرف نحو مولوی حاجی ابراہیم حسین انصاری سے حاصل کی - ۱۷ برس کی عمر میں شادی ہوئی - نوکری کی فکر میں دہلی آئے - علم سے شوق تھا - مولوی نوازش علی سے علوم معقول حاصل کئے - ۱۸۵۶ء میں ضلع حصار میں صاحب کلکٹر کے دفتر میں ملازم ہو گئے - ۵۷ کے واقعہ سے وطن لوٹے مولوی عبدالرحمان مولوی مجیب اللہ مولوی قلندر علی مرحوم سے حدیث و تفسیر پڑھی - خود ذاتی مطالعہ سے اعلیٰ استعداد علمی پیدا کی - نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کے آٹھ نو برس تک مصاحب رہے - اسی زمانہ میں مرزا غالب کے شاگرد ہوئے - شیفتہ کے انتقال کے بعد بک ڈپو پنجاب گورنمنٹ میں ایک اسامی مل گئی کچھ عرصہ بعد لاہور سے دہلی آئے - اینگلو عربک اسکول میں مدرس ہو گئے - ۱۳۰۵ھ میں نواب سرآسمان جاہ بہادر مدار المہام سرکار عالی نظام نے ۷۵ روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر کیا جس کی وجہ سے اسکول سے کنارہ کش ہو گئے - ۱۳۰۹ھ میں سرسید کے ہمراہ بشمول دیگر ممبران ڈیپوٹیشن ٹرسٹیان محمڈن کالج حیدر آباد گئے تو ۷۵ کے بجائے سو روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر ہوا - جو آخر دم تک جاری رہا - ۱۳۳۳ھ میں انتقال ہوا - دیوان حالی - مقدمۂ شعر و شاعری - یادگار غالب - حیات جاوید

ناظرین کنول کے لئے ایک نادر تحفہ

اپنے جیون کی "پریم بٹی"

طاقت کا ایک عجیب و غریب لاثانی نسخہ

ناظرین :- میں ایک زمیندار کا لاڈلا لڑکا تھا بُری صحبت کے باعث جریان و احتلام کے خطرناک امراض میں مبتلا ہو گیا پہلے تو میں نے ایک دو سال شرم حیا ننگ و ناموس کی وجہ سے اپنا حال چھپائے رکھا مگر کچھ عرصہ بعد بیماری نے خطرناک صورت اختیار کر لی اب میری آنکھیں کھلیں اور میں نے علاج معالجہ شروع کیا روپیہ کی افراط تھی اسلئے بڑے بڑے ڈاکٹروں ویدوں حکیموں اور نامی دواخانوں سے دوائیں منگوائیں مگر بقول شخصے "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ میں اپنی زندگی سے بیزار ہو گیا اور خودکشی کے منصوبے باندھنے لگا ہمارے گاؤں کے پاس ایک میل کے فاصلہ پر امنوٹ کا ایک اونچا کھیڑا ہے اس کھیڑے پر کبھی کبھی کوئی سادھو مہاتما آ گزرتے ہیں اتفاق سے اسی کھیڑے پر کاٹھیاواڑ کے ایک بزرگ فقیر آ گزرے اور ایک جھاڑی میں آسن لگا کر بیٹھ گئے۔ گاؤں کے لڑکوں نے جب انکو دیکھا تو انھوں نے گاؤں میں شہرت پھیلا دی کہ کھیڑے پر ایک کامل بزرگ فقیر آئے ہوئے ہیں۔ چنانچہ شہرت سنکر لوگ جوق جوق انکے دیدار و قدمبوسی کو آنے لگے رفتہ رفتہ انکی شہرت سارے علاقہ میں پھیل گئی ان کی اسقدر شہرت سنکر میرے جیسا مایوس و ناامید آدمی بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا آخر بار و ناچار با دل ناخواستہ انکی خدمت میں حاضر ہوا ان کی نورانی صورت دیکھکر میں حیران سا رہ گیا اور دل ہی دلمیں اپنی حماقت پر پچھتانے لگا۔ مگر جوں ہی میں نے انکے چہرے کے جمال کو دیکھا دل باغ باغ ہو گیا لیکن یہ حالت دیر تک قائم نہ رہ سکی جب انھوں نے نظر اٹھا کر میری جانب دیکھا تو میں مارے شرم کے زمین میں گڑنے لگا مگر ہمارا میرے دلی جذبات بھانپ گئے اور اسطرح گویا ہوئے "بیٹا تم بڑے کمزور اور دکھی معلوم ہوتے ہو طبیعت کیسی ہے" یہ الفاظ مجھ پر جادو کیطرح اثر کر گئے۔ یہ سنتے ہی میں بیساختہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا انھوں نے نہایت شفقت سے مجھے دلاسا دیا اور کہا بیٹا فقیر تمہارے لئے جو کچھ کر سکتا ہے اس سے دریغ نہ کریگا اس پر میں نے بیماری کا سارا حال بلا تامل کہہ سنایا چنانچہ انھوں نے مجھے تسلی دیتے ہوئے نہایت شفقت سے ایک نسخہ تجویز کر کے دیا جو میں نے بنا کر استعمال کیا اور اب بالکل تندرست و توانا ہوں۔

نسخہ - اصلی ترپھلا کا چورن ۵ تولہ اصلی سونے تالی سلاجیت ڈھائی تولہ۔ اصلی بنگ بھسم چھ ماشے۔ اصلی سونے چھاپ کیسر چھ ماشہ۔ اصلی عنبر قرحا چھ ماشہ۔ اصلی نیپالی کستوری نو رتی۔ ان سب ادویات کو کوٹ چھانکر کھرل میں ڈالکر اوپر سے شتیل چینی کا تیل تیس بوند۔ بیروزہ کا تیل بیس بوند۔ صندل کا تیل بیس بوند ڈالکر تازہ برہمی بوٹی کے عرق میں بارہ گھنٹہ گھوٹ کر جھڑبیری کے بیر کے برابر گولیاں ۔ کر سایہ میں سکھا لیں بس دوائی تیار ہے -

ترکیب استعمال - ایک گولی صبح ایک گولی شام پاؤ بھر دودھ میں شکر یا چینی ڈالکر کھائیں اس دوا کے استعمال سے میں دو ماہ میں بالکل تندرست ہو گیا یہاں تک کہ اب ایک مدت گزر گئی ہے پھر کوئی شکایت نہیں ہوئی اور اس قادر مطلق خداوند کی مہربانی سے اب میرے تین بچے ہیں جو بالکل تندرست و توانا ہیں۔ اسوقت سے میں یہی نسخہ بنا کر دور و نزدیک کے لوگوں کو دام کے دام پر دے رہا ہوں۔ جس سے سینکڑوں ناامیدوں کی امیدیں بر آئیں اور کئی ناامید فیضیاب ہوئے یہ دیکھا ان لوگوں نے جنکو اس دوا سے امید سے زیادہ فائدہ ہوا میری توجہ اس فرمان کی جانب مبذول کرائی جو اس کامل بزرگ سنیاسی نے نسخہ دیتے ہوئے میرے ذمہ کیا تھا کہ اگر میں تندرست ہو گیا تو رفاہ عام کیلئے اسکو اخبارات میں مشتہر کر دونگا تاکہ ہر ایک آدمی اس سے فیضیاب ہو سکے۔ اس لئے میں اعلان کرتا ہوں تاکہ تمام لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ نسخہ اوپر درج کر دیا گیا ہے۔ ناظرین بنا کر فائدہ اٹھائیں یہ دوا منی کے پتلا پن بیسیوں قسم کے جریان احتلام پیشاب کیساتھ چونے کی طرح دھات کا خارج ہونا۔ پاخانہ کیوقت دھات کا گرنا۔ خواب میں دھات کا چل جانا۔ سوزاک۔ کمزوری۔ ذیابیطس۔ جوانی میں بڑھاپے کی سی حالت۔ اصلی طاقت کی کمی معلوم ہونا۔ سوچنے کی طاقت کا کم ہو جانا وغیرہ نامردی کو دور کر کے انتہائی طاقت پیدا کرتی ہے۔ اور رگ رگ میں جوانی کا مزہ بجلی کی طرح پیدا کر دیتی ہے اس لئے جو بھائی بنانا چاہیں نسخہ اوپر درج ہے۔ بنا کر فائدہ اٹھائیں مگر جن کو کچھ دقت معلوم ہو یا بوجہ عدیم الفرصتی یا اصلی ادویات نہ ملنے کی باعث دقت محسوس کرتے ہوں اور اس کے حیرت انگیز معجزے دیکھنا چاہیں وہ ہم سے ہی بنائی منگا کر اس کے جادو اثر معجزے دیکھیں اور ہماری محنت کی داد دیں۔ چالیس گولی کی قیمت دو روپیہ ۲ علاوہ محصولڈاک اور اسی گولی کی قیمت چار روپیہ للعہ محصولڈاک معاف۔

ملنے کا پتہ :- بابو شیام لال رئیس پریم بٹی آفس نمبر ۴۰۵ بازار کنچوسی ضلع اٹاوہ (یوپی)

سردی کا موسم اور جوانی، جوانی اور شباب کیا چاہتے ہیں
انسان سرور و کیف میں کیوں ڈوب جاتا ہے
صرف اس لئے کہ عشرت زندگی کی رنگینیاں سردی کی ترقی کے ساتھ ساتھ بڑھتی رہتی ہیں
انقلابی کوک شاستر
کام شاستر
انقلابی کوک شاستر
گورنمنٹ آف انڈیا سے رجسٹرڈ
نقل نہ کر سکے۔ اور دھوکا نہ دے سکے۔ اسمیں ہزاروں کام کی اور مفید باتیں درج ہیں زیادہ تعریف
فضول ہے۔ مکمل تین حصے ضخامت ۲۵۰ صفحات خوبصورت جلد مع رنگین تصاویر اور قیمت عہ
رعایتی صرف ایکماہ کے لئے عہ (علاوہ محصولڈاک)
ملنے کا پتہ:۔ عتیق الرحمان تاجر کتب مالک کتبخانہ جدید لوہا بازار بھوپال

دُنیا میں ہلچل مچادینے والی ایک عجیب کتاب
آسام
بنگال
نیپال
بھوٹان
آسامی بنگالی طلسمی راز
خزانۂ کرامات
آسام بنگال کیوں مشہور ہے؟ اپنے حیرت انگیز عجائبات کی وجہ سے وہ عجائبات کیا ہیں۔ آپ اس حیرت انگیز عجائبات سے لبریز کتاب کو منگا کر دیکھیں۔ سب حالات شیشے کی طرح سے روشن ہوجائیں گے۔ یہ وہی عجیب کتاب ہے۔ جس کی ناگری میں ہزاروں جلدیں (پہلا ایڈیشن) پانچ روپیہ قیمت ہوتے ہوئے بھی ہاتھوں ہاتھ ختم ہوگیا۔ اب اپنے ہزاروں اردو خواندہ مہربانوں کے اصرار سے اردو میں شائع کرائی گئی ہے۔ یہ کوئی معمولی کتاب نہیں ہے بلکہ اس میں آسام بنگال نیپال، بھوٹان، وغیرہ ملکوں کے خوفناک جنگلوں پہاڑوں میں سادھو مہاتماؤں سے حاصل کردہ ایسے ایسے مجربات ہیں جن سے ایک بار تو مردہ کو بھی اٹھایا جاسکتا ہے۔ اس کتاب میں اس کاپی کی بجنسہٖ نقل دی گئی ہے۔ جس کو ایک کامل مہاتما بھول سے جنگل میں چھوڑ گئے تھے۔ اور جس کی پیچیدہ تحریر کو حل کرنے کے لئے کئی غیر ملکی عالموں کے علاوہ کلکتہ یونیورسٹی کے ردواں دسوں زبانوں کے عالم فاضل قابل تعظیم بزرگ سر آسوتوش مکرجی کو بھی دماغ لڑانا پڑا تھا۔ علاوہ ازیں ملک کامروپ (آسام) ڈھاکہ، بنگال، اور نیپال کی ترائی میں جادو اور روشنی کرن (حب و تسخیر) کے حیرت انگیز واقعات جو خاص مصنف کے ہمراہ گذرے۔ بالکل کھول کر رکھدیئے گئے ہیں۔ جن سے آپ کو تعجب ہی نہیں بلکہ حیرت میں پڑجانا ہوگا۔ اور ہر علم کی سچائی شیشے کی طرح سے روشن ہوجائے گی۔ ہزاروں آدمیوں کا یہ کہنا ہے کہ یہ کتاب نہیں بلکہ نامردوں کو مرد، بے اولادوں کو با اولاد، بیماروں کو تندرستی اور ہزاروں انسانوں حیوانوں کو موت کے پنجہ سے بچانے والی عبادت کے قابل تعظیم مایۂ ناز مہاتماؤں کی طاقت کا ایک خزانہ ہے۔ ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ ایسی کتاب آپ نے آج تک نہ دیکھی ہوگی۔ اس پر بھی ہماری گارنٹی ہے کہ اگر کسی طرح سے آپ کو ناپسند ہو تو تین روز دیکھ کر واپس کرسکتے ہیں۔ اس سے زیادہ اور کیا سچائی ہوگی۔ قیمت ناگری پانچ روپیہ صہ؍ اردو چار روپیہ للعہ؍ مجلد ۱۲؍ زائد۔ اور محصول ڈاک علیحدہ ہیں۔ تقریباً چار سو صفحات ہیں۔
نوٹ:۔ ہر ایک خریدار خوب اچھی طرح نوٹ کرلے کہ قیمت میں کسی طرح کی رعایت نہ ہوگی۔ یہ کوئی معمولی کتاب ناول وغیرہ نہیں ہے۔ اردو ایڈیشن بغیر جلد چار روپیہ اور خوبصورت مجلد کے چار روپیہ ۱۲؍ محصول ڈاک ۱؍ علیحدہ ہیں۔ البتہ جو صاحب قیمت پیشگی روانہ کریں گے ان کو محصول ڈاک معاف ہوگا۔ اور کوئی رعایت نہیں ہوگی۔
ملنے کا پتہ
منیجر صاحب انڈین سٹورز جنرل مرچنٹ اینڈ بینکرز (۱۲ے) شیلانگ (آسام) انڈیا

(رجسٹرڈ 3 68 / 1353)

ہماری مشہور و معروف برانڈس جو تمام ہندوستان میں مقبول ہیں

999٪ برانڈ مع ٹریڈ مارک کیکڑہ

عراق لونگ ویر۔ مع ٹریڈ مارک لالٹین

500٪ برانڈ۔ مع ٹریڈ مارک بچھو

سیکزن برانڈ۔ براسٹ شو۔ فلپ شو

۳۔ ایکس برانڈ۔ مع ٹریڈ مارک کلہاڑا (۳)

ایزرا برانڈ۔ مع ٹریڈ مارک پھول۔

ان تمام برانڈس کے بوٹ اور شوز میں ایکسا میٹیریل اور سامان لگایا جاتا ہے اور تمام شوز یکساں کوالٹی کے مضبوط اور خوشنما ہوتے ہیں۔ عراق فٹ ویر کے شوز چلنے میں مضبوط، دیکھنے میں خوبصورت اور قیمتوں میں ارزاں ہوتے ہیں۔

آپ ہمیشہ عراق فٹ ویر کے شوز پہنئے

اور اپنے شہر کے شوز مرچنٹس سے صرف عراق فٹ ویر کے شوز طلب فرمائیے۔

عراق فٹ ویر کمپنی۔ پروپرائٹرز سید اصغر علی مظفر علی نائی منڈی حویلی خواجہ آگرہ

مکر دھوج
آیورویدک میں ایک ہی ایسی دوائی ہے جسے یورپ اور ہندوستان کے ایلوپیتھی اور ہومیوپیتھی کے ڈاکٹر استعمال میں لاتے اور تعریف کرتے ہیں اور جسکی ہندوستان کے ڈائرکٹر جنرل نے بھی تعریف کی تھی اور جس سے ہم یقیناً اپنے بڑھاپے کو جوانی سے بدل سکتے ہیں
مگر بڑی مشکل یہ ہے کہ مکر دھوج کو ٹھیک تیار کرنا مشکل ہے۔ یہ چار روپیہ تولہ سے ستر روپیہ تولہ تک تیار ہوتا ہے۔ اور جو سستا ہے تو بے عمل نہیں آتا ہے۔ دوسری ضروری بات یہ ہے کہ اس کا مرکب ہمیشہ سوچ کر بنایا جائے اور اس میں تمام ضروری قیمتی اجزا موجود ہوں۔ امرت دھارا کے موجد جناب پنڈت ٹھاکر دت جی شرما وید نے اعلیٰ مکر دھوج سے مندرجہ ذیل مرکبات تیار کئے ہیں۔ آپ استعمال کریں اور فایدہ اٹھاویں ؛
دت مکر دھوج بٹی ۴
دت مکر دھوج بٹی ۱
دت مکر دھوج بٹی ۵
دت مکر دھوج بٹی ۲
دت مکر دھوج بٹی ۳
دت طلاء
طلاء ۱۴
غرضیکہ طلاؤں کا بادشاہ ہے۔ قیمت چھ روپے نصف تین روپے ؛
کرن جوانی
اس کے کھانے سے دل۔ دماغ۔ معدہ۔ جگر۔ گردہ۔ مثانہ
کمال۔ آنت اور باہ پر اچھا اثر ہونے لگتا ہے۔ جگر صاف
ہو کر رنگ خوبصورت و سرخ ہونے لگتا ہے۔ زکام۔ نزلہ۔
کھانسی دور ہوتی ہے۔ بھوک بڑھتی ہے اور جریان احتلام رقت وغیرہ دور ہو کر باہ بڑھنے پیشاب
کے کل نقائص دور ہوتے ہیں۔ بڑھاپے میں جوانی کی امنگیں اٹھنے لگتی ہیں۔ جوانوں کو اصل جوانی
حاصل کرنے یا جوانی کے قائم رکھنے کے لئے اس کا استعمال رکھنا چاہئے۔ حیوانی غدود کھانے
کی ضرورت نہیں۔ جوانی میں بال سفید ہوں تو سیاہ ہو جاتے ہیں۔ قیمت ۲۴ گولی ایک روپیہ
۱۰۰ گولی چار روپے ؛
ایک تازہ رائے
جناب من تسلیم! آپ کی
دوائی کرن جوانی واقعی بیش بہا
طاقت دیتی ہے۔ طلاء نمبر ۱۴
بھی بہت با اثر ہے ؛
(پرتاپ سنگھ حصار)
فہرست ادویات
امرت دھارا اوشدھالیہ کی تمام ادویات
کی فہرست مفت بھیجی جاتی ہے
اگر
باقاعدہ لمبے علاج کی ضرورت ہو تو
قواعد علاج "مفت" منگوا دیں ؛
رسالہ امراض مخصوصہ مرداں مفت منگوائیں اس میں مردوں کی مردانہ ناقابلیتوں کی وجہ علامات و علاج درج ہے ؛
خط و کتابت و تار کیلئے پتہ :- امرت دھارا ۱۳۴ لاہور
المشتہر
مینیجر امرت دھارا اوشدھالیہ امرت دھارا بھون امرت دھارا روڈ امرت دھارا ڈاکخانہ لاہور

مشکل کشا

جو مانگو گے ملیگا جو چاہو گے ہو جائیگا
بیکار مفلس اور غرضمند اصحاب یہ نفع
بخش کتاب ضرور خریدیں۔ انکی قسمت کا ستارہ ضرور چمکیگا۔
سینکڑوں فضائل ہیں سے چند مختصر فضائل درج ذیل کئے جاتے ہیں
ایک ایسا وظیفہ کہ جس کے چند یوم پڑھنے سے بکثرت مال و زر اور اولاد نرینہ ملے خداوند کریم کے ۹۹ نام مع فضائل۔ رسول کریم کے ۹۹ نام مع فضائل۔ ایک ایسا وظیفہ کہ منہ مانگی مراد ملے۔ ایک ایسا وظیفہ کہ چودہ روپے روزانہ ایسے طریق پر ملیں کہ پانیوالا حیران رہ جائے۔ ایک ایسا اسم تسخیر مطلوب کے جسکو چاہنا محبت میں لے لینا۔ ایسا اسم کہ رزق کی کشادگی ہو۔ عزت و وقار حاصل ہو۔ ایسا وظیفہ کہ کھیتی باڑی بکثرت ہو یا ال ہاتھ لگے۔ ایسا اسم کہ دشمن پر غالب آئے مقدمہ میں فتح پائے۔ قید سے تین دن میں رہائی ہو ایسا اسم کہ جسکو بازو پر باندھنے سے گھوڑ دوڑ میں جیت ہو میدان جنگ میں جان سلامت رہے۔ علاوہ اسکے چوریا چوری شدہ مال معلوم کرنا۔ مہلک امراض مثلاً تپ دق وغیرہ سے شفا پانے کے نہایت مجرب اور زود اثر اس کتاب میں لکھے ہیں۔ خوش قسمت ضرور خریدیں۔ قیمت دو روپے آٹھ آنے

محبوب العاشقین

لیلیٰ کی مت دیکھو بلکہ کتاب محبوب العاشقین جلدی خرید کر اپنے پاس رکھ چھوڑیں
کیونکہ اس کتاب کے بند ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ آخر اس میں کچھ تو خوبی ہے کہ تمام شوقین مزاج اور عیش و عشرت کے متوالے اس باتصویر کتاب کو اپنی جان کے ساتھ سنبھال کر رکھتے ہیں۔ اخبارات میں اسکی پوری تعریف لکھنا خلاف قانون تہذیب ہے عقلمند خود ہی سمجھ لیں۔ خوبی یہ کہ اسمیں عورتوں مردوں کی بولتی چالتی رنگین تصویریں ایسے ڈھنگ سے دکھائی گئی ہیں کہ ہر جوڑ تصویر کا سب کچھ صاف صاف بتاتا ہے۔ مگر قیمت ہم تین روپے آٹھ آنے سے ایک پائی کم نہیں گے۔ قیمت -/3/8

مصر کا اصلی سلیمانی جادو

جادو کرنا۔ جادو چلانا۔ جادو اتارنا جسکو چاہنا اپنی محبت میں لے لینا۔ جہاں جانا چلے جانا۔ دوسروں کو دیکھنا آپ غائب رہنا۔ افسر کو مہربان بناکر ملازمت یا ترقی پانا ہو تو یہ لاجواب کتاب ضرور خریدیں بڑے مطلب کی کتاب ہے۔ قیمت دو روپیہ چار آنہ -/4/2

پانچسو

اگر آپ پانچسو روپے تک ماہوار کمانا چاہتے ہیں تو کتاب جرمن ماسٹر جسمیں ولیسی انگریزی صابن۔ موم بتی۔ کلمٹ پوڈر۔ وغیرہ کئی ایسے عجیب و غریب ہنر لکھے ہیں کہ اس کا خریدار کبھی بیکار اور تنگدست نہیں رہ سکتا۔ قیمت تین روپے (۳ے)

ملنے کا پتہ:۔ بابو غلام احمد قادری مومن منزل ۲۴ لدھیانہ

ڈھاکہ آیورویدی فارمیسی کی مشہور دوا، جس کا بنانا قانوناً ناجائز ہو چکا تھا

مرت سنجیونی سدھا

دس سال تک سرکار سے خط و کتابت کرنے کے بعد اس کے بنانے کی اجازت ملی ہے

اس دوا کے استعمال سے جسم میں تیزی پھرتی اور طاقت پیدا ہو کر کل نقائص جسمانی دور ہو جاتے ہیں۔ اس دوا کو ۲ سے ۴ ڈرام تک ہموزن پانی کے ساتھ استعمال کرنا چاہیے۔ مگر خالی پیٹ میں ہرگز استعمال نہ کریں۔ غذا میں مقوی چیزیں استعمال کریں مگر ثقیل نہ ہوں۔

خاص طریقہ۔ بخار یا مہلک بخاروں میں نہایت مفید ہے۔ سرسامی بخاروں میں بھی کارآمد ہے۔ غیر معمولی بخاروں میں مریض کی حالت کا خیال رکھتے ہوئے دن میں چار مرتبہ ۲ ڈرام دینا چاہیے۔ ہیضے میں یہی دوا بار بار دینے سے مریض کو آرام ہو جاتا ہے۔ زچہ کے لئے بھی مفید ہے۔ بچہ پیدا ہونے کے بعد کی تمام بیماریوں کو آرام کرتی ہے۔ کمزور دماغ، جسم اور قوتِ مردمی کے لئے بھی اکسیر ہے۔ طالب علموں کو ضرور استعمال کرنی چاہیے۔ غرضکہ اس کے لاکھوں فائدے ہیں۔ ملنے کا پتہ :- ڈھاکہ آیورویدی فارمیسی لمیٹڈ۔ ہیڈ آفس ڈھاکہ

ہر شہر کے برانچ آفس اور بڑے دواخانوں میں بھی مل سکتی ہے۔ اگرہ برانچ۔ ڈھاکہ آیورویدی فارمیسی لمیٹڈ سبزمنڈی اگرہ

ٹریڈ مارک کی رجسٹری

ٹریڈ مارک" ادویات کے نام وغیرہ

رجسٹری کرانے کا پتہ یہ ہے

دی سینٹرل ٹریڈنگ کمپنی

کٹرہ بڑیان - دہلی

سنوآک

نیا ہو یا پرانا - خونی ہو یا موادی -
اس موذی مرض کو نیست و نابود
کرنے کے لئے ولسن گونوجین
شرطیہ طور پر دوسری تمام
دوائیوں سے زیادہ مفید

تار کا پتہ
شمس العارفین - دہلی

اور زود اثر ہے - ہزاروں مریضوں کو یہ دوا شفا دے
چکی ہے بہت زیادہ بھروسہ کی دوا ہے۔ قیمت فی شیشی
عہ علاوہ محصولڈاک

سول ایجنٹ :-
شمس العارفین اینڈ کو انگریزی دوا فروشان
بازار فتح پوری - دہلی

اگر آپ مناظر ہیں ؟

اگر آپ ہندو مذہب سے واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں
اگر آپ غیر مسلموں سے مناظرہ کرتے ہیں
اگر آپ آریہ ہندو تہذیب اور لٹریچر سے آگاہ ہونا چاہتے ہیں
اگر آپ ہندو روایات پر مضامین لکھتے ہیں۔
اگر آپ وید گرنتھ پوران اپنشد - وغیرہ سنسکرت میں نہیں مطالعہ کرسکتے

تو آج ہی

اردو زبان میں حسب ذیل کتب معہ الفاظ سنسکرت ترجمہ کیساتھ طلب فرمائیں

وید کیا چیز ہے ؟	۵/	ویدوں کے ظاہر کنندہ	۳/
اہل ہنود کے علوم الہیہ	۸/	پیدائش دنیا ازروئے براہمن گرنتھ	۳/
پیدائش دنیا ازروئے وید	۹/	قدیم ایرانیوں کی مذہبی کتب	۷/

ملنے کا پتہ :- دفتر معلومات بکڈپو - نائی کی منڈی آگرہ

سُکھ سنچارک کمپنی متھرا کا

انگوری منقاؤں سے تیار کردہ

سُکھ سنچارک دراکشاسو

جسم کو طاقتور بنانے، گوشت و خون بڑہانے، چہرہ پر رونق لانے، دست صاف ہو کر بھوک بڑہانیوالی خوش ذائقہ دوا۔ قیمت چھوٹی بوتل عہ، بڑی عالعہ

ہمارا ہی ایک دراکشاسو ایسا ہے۔ جس کی ۱۰۵ اخباروں نے تعریف لکھی ہے

طلب فرمانے پر نمونہ اور فہرست مفت روانہ کیجاتی ہے

نومسلم تبلیغی جماعت آگرہ

کی خدمات

اس انجمن نے ہزاروں عیسائی۔ آریہ۔ ہندو۔ پارسی۔ سکھوں کو اسلام میں داخل کیا ہے۔ جن میں کئی تعلیم یافتہ تجارت پیشہ اصحاب ہیں

ہزاروں رسالے، کتابیں، پمفلٹ، اشتہار۔ اردو۔ ہندی۔ مرہٹی۔ گجراتی۔ انگریزی چھپوا کر دنیا میں اسلام کی آواز پہنچائی کئی کانفرنسیں، جلسے، مناظرے، جلوسوں کے ذریعہ مسلم قوم کو بیدار کرنے اور نومسلموں میں اسلام کی سچی محبت پیدا کرنے کی تحریک کی گئی

اس انجمن کی امداد کرنا اسلام کی امداد کرنا ہے۔ سالانہ رپورٹ مفت طلب فرمائیں

پتہ :- سکرٹری نومسلم تبلیغی جماعت نائی منڈی آگرہ

عورتوں کی خوبصورتی بڑھے گی چہرہ کمسن معلوم ہونے لگے گا
صبح و شام چہرہ پر
سُندری اِسنو فیس کریم
آہستہ آہستہ مالش کریا کریں۔ چہرہ کو خوبصورت بنا دیتا ہے۔ نگاہ کو بے ساختہ اپنی طرف مائل کردینے والی کمسنی
چہرہ پر پیدا ہو جاتی ہے۔ سُندری اِسنو استعمال کرنے سے چہرہ کا رنگ ہمیشہ خوبصورت اور حسین رہتا
ہے۔ لڑکیوں کو بچپنے سے سُندری اِسنو لگایا کریں۔ ان کا چہرہ گداز اور رنگ میں خاص ملاحت
آجاتی ہے۔ جو کہ جوانی کے بعد بھی ادھیڑ عمر تک موجود رہتی ہے۔ چہرہ پر جھائیں یا سیاہ داغ۔ اور سانولہ۔
سیاہ رنگ کا صاف کردینا سُندری اِسنو کا خاص کرشمہ ہے۔
قیمت فی پوٹ۔ بارہ آنے۔ ۳ پوٹ کی قیمت۔ دو روپے۔ محصول علاوہ دینا ہوگا۔
مرد کے چہرہ کو حسن مردانہ حاصل ہوتا ہے
سُندری اِسنو
بعد شیب کرنے کے اگر لگائیں تو بالوں کی نوک۔ اُسترہ کی کھرونچ
ہاتھ پھیرنے سے بھی معلوم نہیں ہوتی ہے۔ خون نکلتا ہو
فوراً بند ہو جاتا ہے۔ مہاسہ پھنسی کیل کے بدنما داغ سے چہرہ پاک صاف ہو جاتا ہے۔ چہرہ پر چمک
آجاتی ہے۔ چہرہ کا میل سیاہ دھبہ بالکل غائب ہو جاتے ہیں۔ گرمی میں لو یا دھوپ کی تیزی کا اثر نہیں پڑتا۔ جاڑے میں
گالوں پر کھرا پن یا چہرہ پھٹنے کی شکایت ہرگز نہیں ہوتی۔ قیمت فی پوٹ بارہ آنے۔ ۳ پوٹ کی قیمت دو روپے۔ محصول علاوہ
سرٹیفکٹ
جناب خواجہ مبارک حسین صاحب لاہور۔ سُندری اِسنو اپنی صفت میں نایاب اور بہترین تحفہ ہے۔ چھ پوٹ اور روانہ فرمائیں
جنابہ صغریٰ بیگم صاحبہ سیالکوٹ۔ سندری اِسنو واقعی چہرہ کو ملائم اور خوبصورت بنا دیتا ہے۔ دو پوٹ اور بھیج دیجیے
ملنے کا پتہ } ایس۔ اے۔ بی۔ بخشی۔ کمپنی۔ گھڑی والی کوٹھی ۳۲ کولوٹولہ اسٹریٹ کلکتہ

میکدۂ حیات کا ساغر پُر بادۂ جوانی کی روح

حضرتِ منظر صدیقی اکبرآبادی

کی مصوّر اور شاہکار نظموں کا حسین حسین مجموعہ، تقریباً دو درجن رنگین وسادہ آرٹ کی بہترین تصاویر اور ان تصویروں کو زندہ کرنیوالی غیر فانی وجد انگیز نظمیں، جن کے ہر شعر میں آپکو جوانی اور سرمستی، کیف وسرخوشی، وجدان اور لطافت کی روح جھومتی ہوئی نظر آئیگی آپ ان نظموں کے مطالعہ کے بعد وہ لذت وسرور حاصل کریں گے جو آپکو دماغی وسوسوں اور آلامِ حیات کی پریشانیوں کو ختم کر دے گا حضرتِ منظر تصاویر پر نظمیں لکھنے میں بڑی شہرت حاصل کر چکے ہیں اور اُن کا ذوقِ سخن ہی اس ذیل میں ان کی شاعرانہ کوششوں کا ایک رنگین کارنامہ ہے۔ صنمکدہ مرتب ہو چکا ہے اور طباعت کی منزل میں ہے۔ انشاءاللہ عنقریب مستقبل قریب میں شائع ہو جائیگا طباعت و کتابت بے مثال اور لاجواب ہوگی ضخامت بھی کافی ہوگی ٹائٹل آرٹ کا رنگین جمیل مرقع ہوگا۔ خوبصورت جلد، نظر فروز سائز اور قیمت برائے نام یعنی صرف عہ علاوہ محصول ڈاک۔ اس مجموعے کو حاصل کیجئے اور اپنی نگاہوں کو کیف دوام بخشئے۔

حضرت شاد عظیم آبادی اور نواب نصیر حسین خیال کی تصانیف

شاہنامہ پر تبصرہ: از ادیب الملک نواب نصیر حسین خیال مرحوم مصنف مغل اور اردو۔ یہ کتاب مستقل شاہنامۂ عجم ہے۔ جو بصورت تبصرہ پیش کی گئی ہے۔ مضمون ادبیت سے لبریز، گویا نثر میں شاعری کا لطف آتا ہے قیمت صرف عہ

مثنوی مادرِ ہند: حضرت شاد عظیم آبادی کی بے مثل اور لاجواب مثنوی جس میں گورنمنٹ سے ہندوستان کا مطالبہ کیا گیا تھا لیکن کس طرح کتاب میں دیکھئے ساتھ ساتھ رشید احمد صاحب صدیقی اور حضرتِ سیماب اکبرآبادی کا بسیط مقدمہ بھی قابلِ مطالعہ ہے قیمت صرف ۱۲؍

ظہورِ رحمت: بالکل نئی طرز کا میلادنامہ ہے جس کی تمام ہندوستان میں مانگ ہے۔ اپنے مضمون کے اعتبار سے بے نظیر ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی اور اختر صاحب کا مقدمہ بھی شامل ہے۔ قیمت صرف ۸؍ علاوہ محصول

پیارے اور معصوم بچوں کو

دق

کے موذی اور خوفناک مرض سے کیونکر بچایا جا سکتا ہے اگر آپ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں تو آج ہی "دق" کی ایک جلد طلب فرمایئے جسمیں بیس سالہ تجربے اور مشاہدے کے بعد اس مرض سے بچے بچانے کیلئے بہترین اور کامیاب احتیاطیں تیمارداری، آسان شناختیں تصدیق مدافعانہ جنگ علامات کا سامان اور علاج کی مجرب طریقے بتائے گئے ہیں۔ اپنی قسم کی بہترین اور مفید کتاب ہے قیمت صرف ۸؍

طبی اور صنفی لٹریچر نوجوانوں اور جوانوں کیلئے

قانونِ مواصلت

عیش و نشاط کا رہبر شباب کی پوری کیفیت سے لطف اندوز ہونیکے طریقے مواصلت کے جملہ قوانین کیا ہیں؟ ضروری ہدایات سے واقف ہو جائیے ۔ قیمت عہ

ثمرۂ وصال

دنیا کی لذت و کیف میں انتہائی چیز ایک مرد کیلئے عورت سے مواصلت ہے اس کے مطالعہ سے آپ اس درجہ پر پہنچ جائیں گے جہاں لذت ہی لذت ہے ۔ قیمت ۱۲

دلہن کی ڈائری

ایک شوخ و طرار دلہن کی آپ بیتی شب زفاف کا پرکیف سماں ۔ پوشیدہ حالات کا انکشاف بہت دلچسپ کتاب ہے
قیمت صرف عہ

عہدِ شباب

جوانی کی کیف انگیزی اور لطف دائمی کرنیکے لئے کیا صورتیں اختیار کرنی چاہئیں تمام مجرب طریقے قاعدے اور نسخے درج کئے گئے ہیں ۔ قیمت عہ

مرقعِ حسن و شباب

اس کتاب کی جس قدر تعریف کیجائے کم ہے ایک شاہی طبیب نے سلطان ٹرکی کے لئے رجوع الشیخ کے نام سے لکھا تھا بالکل اچھوتی اور طلسمی کتاب ہے ۔ قیمت صرف عہ

بیوی کے فرائض

اس کے مطالعہ کے بعد ازدواجی تعلقات خوشگوار ہو جائیں گے ۔ بیوی آپکے مزاج داں بن جائیگی اور خانہ داری کے تمام انتظامات پر حاوی ہو جائیگی ۔ قیمت صرف عہ

عروس و نوشہ

دولہا دلہن کے تعلقات پر نہایت مفید اور عجیب کتاب ہے ایسے جو راز بتائے گئے ہیں ان سے واقف ہو کر میاں بیوی عیش و راحت کی زندگی بسر کر سکتے ہیں قیمت عہ

ایرانی کوک شاستر

شباب جاودانی کی تلاش ہو تو اس کتاب کا مطالعہ کیجئے ۔ عورت کے تاثرات اور اس کے جذبات سے پورا پورا لطف کس طرح اٹھایا جائے؟ قیمت عہ

بہارِ عروس

شب عروسی کی سرگزشت ۔ پوشیدہ باتوں کا انکشاف ۔ سربستہ رازوں کو کھول دیا گیا ہے ایک دلہن کی آپ بیتی پڑھیئے ۔
قیمت عہ

دلہنوں کی کانفرنس

سات دلہنوں کی یکجا خلوت کی دلچسپ داستان ساتوں ایک جگہ جمع ہو کر اپنے اپنے واقعات شب عروسی کو نہایت صحیح لیکن رسیلے الفاظ میں سناتی ہیں ۔ قیمت عہ

لقائے شباب

اس کتاب میں مقوی باہ طلاؤں کے صدہا مجرب نسخے ہیں جن کی تلاش میں عامۃ شائقین بلکہ بڑے بڑے اطبا سرگرداں رہتے ہیں ۔ قیمت [illegible]

تحفۂ شباب

ممسک و ملذذ دواؤں کے شائقین کیلئے صدہا مجرب آسان اور بے ضرر نسخے اس کتاب میں لکھے گئے ہیں اس کتاب کے نسخوں کی مدد سے جوانی کا لطف اٹھائیے قیمت ۸

طبی چٹکلے

اس کتاب میں غربا اور عام لوگوں کیلئے بیش بہا مجرب نسخے لکھے گئے ہیں ۔ اس میں جو دوائیں لکھی گئی ہیں وہ ہر گھر میں مل سکتی ہیں ۔ قیمت صرف ۸

بیاضِ ماہر

اس کتاب میں سر سے پیر تک کی تمام بیماریوں کے اچھا کرنے کے عجیب و غریب مجرب نسخے درج کئے گئے ہیں
قیمت دو روپیہ (عہ)

اکسیر ماہر

اس کتاب میں کشتے تیار کرنیکی صدہا آسان اور بے خطا ترکیبیں ہیں اور کشتہ جات سے ایسی بیماریوں کا علاج لکھا گیا ہے جو لا علاج سمجھی جاتی ہیں قیمت [illegible]

محافظِ شباب

شباب کی حفاظت قوت باہ اور مادہ تولید کے جملہ امراض کا مکمل اور مجرب علاج اور آسان نسخے اس کتاب میں درج ہیں
قیمت ایک روپیہ عہ

ملنے کا پتہ :- ادارت مکتبہ مرکز اشاعت آگرہ

ظرافت کے بادشاہ مرزا عظیم بیگ چغتائی کی لاجواب اور نئی کتابیں

چینی کی انگوٹھی

پہلا حصہ مزاحیہ دوسرا حصہ المناک انجام دیکھ کر مصنف کی غیر معمولی قابلیت کا اعتراف کرنا پڑتا ہی قیمت ۸/

خطوط کا سستم ظریفی

مرزا عظیم بیگ چغتائی نے یہ افسانہ اپنے مخصوص رنگ میں لکھا ہی۔ پلاٹ اس قدر عجیب و غریب ہی کہ ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑجائیں گے اور ساتھ ہی حیرت و استعجاب کی لہریں دل و دماغ میں دوڑ جائیں گی۔ یہ صرف کتاب نہیں ہنسنے ہنسانے کا مستقل ذریعہ ہے۔ بہترین کتابت و طباعت کے ساتھ خوبصورت ترین سائز پہ شائع کی گئی ہے۔ قیمت صرف بارہ آنہ - ۱۲/

تفویض

ایک گریجویٹ لڑکی کی شادی ایک مسجد کی ملا سے ہوجاتی ہی اس کے عجیب و غریب نتائج قیمت صرف ۵/

خانم

چغتائی صاحب کی تازہ ترین کتاب جس کا ایک ایک فسانہ ظرافت کی جان ہی یہ مصنف کی بہترین تصنیف ہی۔ مجلد سنہری للعہ/

کمزوری

عورت کی کمزور فطرت کس طرح مرد کی بہکائی میں آجاتی ہی۔ ابتدائی حصہ ہنسانیوالا اور آخری حصہ رلانیوالا ہی قیمت ۱۲/

چغتائی کا تازہ ترین شاہکار

پہلا حصہ چھپ گیا ہے

دوسرا چھپ رہا ہے

چمکی

(مکمل دو حصے)

"اے عورت تیرا نام خودداری ہی"

"کمزوری" اور "شہزوری" کے مصنف کے قلم سے عورت کی عجیب و غریب خودداری کی تصویر "چمکی" میں دیکھئے۔ مصنف کی ناول نویسی اور ظرافتیہ نگاری کا عروج آپ اس انتہا سے زیادہ دلچسپ اور رنگین ناول میں دیکھیں گے جس میں "چمکی" کے حسن و عشق کی دلفریب اور عجیب غریب کہانی آپکے سامنے عشق محبت سوز و گداز کی ایسے رنگ برنگ فلم پیش کریگی کہ آپکو کہنا پڑیگا کہ "چمکی" ایک ایسی دلچسپ اور ہوش ربا داستان محبت ہے جسکے آگے چغتائی کے تمام شاہکار ماند ہیں قیمت صرف ڈیڑھ روپیہ ۱۸/ علاوہ محصول

جنت کا بھوت

ایک بدشکل نوجوان اور اس کی حسین عزیزہ کی پرلطف داستان ایسی ہنسی کہ آپ کے پیٹ میں بل پڑجائیں گے۔ قیمت مجلد صرف ۱۲/

تُرَّۂ ظرافت

انگوٹھی کی مصیبت اور دیگر مزاحیہ مضامین کا مجموعہ ہر افسانہ ظرافت کی روح اور پڑھنے سے تعلق رکھتا ہی قیمت ۱۲/

مرزا جنگی

لکھنؤ کے بانکے مرزا جنگی اور ان کے احباب ایک نہایت دلکش ڈرامہ واجد علی شاہ کے زمانہ کے لکھنؤ کی ایک جھلک قیمت ۶/

ملفوظات ٹامی

ایک کتے کی خودنوشت سوانح عمری اگر کتے کی زبان ہوتی تو وہ اپنے جذبات کس طرح ادا کرتا اپنی طرز کی پہلی کتاب قیمت صرف ۱۲/

اخوان الشیاطین

سائنٹفک افسانوں کا مجموعہ آج تک اس قسم کے حیرت انگیز افسانے اردو میں شائع نہیں ہوئے پہلا ایڈیشن

مشہور رسالہ قیمت

قدردان

سرزمین ربعت کی سات خطرناک سالوں اور ان کی ماہناز بیوی کی حیرت خیز فسانہ بہت دلچسپ کتاب ہے قیمت ۵/

فرزند سرحد

سرحدی افغانوں کی متعلق ایک عبرتناک افسانہ غیرت دیانت و شرافت کا مرقع ہی اس پہ مصنف کا طرز بیان قیمت ۵/

قرض مقراض محبت است

اس مقولے پہ مصنف نے نئے انداز سے افسانہ لکھا ہی قرض دینے اور قرض لینے کی خرابیوں کو اسقدر پرلطف پیرایہ میں بیان کیا ہی کہ ہنسا ہنسا کر

کولتار

سنسنی خیز اور پر اسرار ناول شوخ رنگ لڑکیوں کی چھیڑ چھاڑ اور ایک عورت کی دردناک زندگی قیمت دو روپے

شریر بیوی

ایک خاتون کی معصوم شرارتیں اسقدر دلچسپ ہیں کہ کتاب چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا تصویریں اور رنگین سرورق ۱۲/

محصول بذمہ خریدار

ملنے کا پتہ: وارث بکڈپو مرکز اشاعت آگرہ

محصول بذمہ خریدار

ہندوستان کے مشہور شعرا کے نئے دیوان اور نظموں کے وجد آفرین مجموعے

کارِ امروز

حضرت علامہ مولانا سیماب اکبرآبادی

کی دلنشین اور روح نواز جدید نظموں کا نیا مجموعہ

سیاست اس میں ہے، قومیت اس میں ہے۔ اخلاق کا درس۔ محبت کی تعلیم صداقت کا پیغام کارِ امروز کی ہر نظم میں موجود ہے۔ پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم سری کرشن اور مہاتما بدھ پر عقیدت افروز نظمیں۔ رواداری اور بین الاقوامی اتحاد کا بیش بہا مظاہرہ ہیں۔ سوسائٹی کی اصلاح، مزدور کی حمایت، سرمایہ داری سے نفرت، منافق سے پرہیز، حسن سے محبت کرنا، اور حسن کی نفسیاتی ترجمانی، غرض کہ روح کی تشنگی اور دل کی پیاس بجھانے کے تمام سامان کارِ امروز میں موجود ہیں حجم ۲۵۶ صفحات سائز ۲۶×۱۷ لکھائی چھپائی قابل دید مع تصویر مصنف رعایتی قیمت مجلد ؎ محصول آٹھ آنے

شعلہ و شبنم

شاعر انقلاب حضرت جوش ملیح آبادی

کی پرجوش اور کیف آور نظموں کا مجموعہ

یہ مجموعہ آپ کو آتشکدوں کی شعلہ افشانیوں، اسلامی غیرت و حریت کے خون کو کھولا دینے والے واقعات، **بادۂ سرجوش** کی سرمستیوں اور **گلبانگِ فطرت** کے روح پرور نغموں سے لطف اندوز ہونے کا موقع دے گا۔ شاعرِ انقلاب کا لافانی شاہکار ہے۔ اور غیر مطبوعہ کلام سے مرصع ہے۔ قیمت تین روپے۔ علاوہ محصول ڈاک

نقش و نگار

حضرت جوش ملیح آبادی کی تازہ ترین، وجد آفریں اور پرکیف نظموں کا تازہ ترین مجموعہ جس کی ایک ایک نظم لاجواب ہے۔ قیمت صرف ؏ علاوہ محصول

باقیاتِ فانی

کون نہیں جانتا کہ سوز و گداز حضرت فانی بدایونی کا حصہ ہے۔ اگر آپکو جذباتی شاعری کا حقیقی لطف اٹھانا ہو تو ایک جلد ضرور طلب فرمائیے تیسرا ایڈیشن نہایت آب و تاب کے ساتھ چھپا ہے۔ قیمت صرف ؏

ایاغِ بزم

اردو کے مایۂ ناز شاعر مسلم الثبوت استاد حضرت بزم آفندی اکبرآبادی کا تازہ ترین دیوان جس میں محاکات و تاثرات کا دریا موجزن ہے۔ قیمت صرف دو روپے ؏

صبوحی

حضرت ساغر نظامی کی غزلوں کا روح پرور اور لاجواب مجموعہ، جس کی ہر غزل معیاری شاعری کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ قیمت ایک روپیہ رعایتی آٹھ آنے علاوہ محصول

نقوشِ مانی

جس کا انتظار اہل ذوق کو مدت سے تھا حضرت مانی جائسی کو کون نہیں جانتا ایک ایک شعر جذبات و واردات کا صحیح نمونہ ہے قیمت مع تصویر مصنف [illegible]

طلوع

جناب مہر لال ضیا ایم اے فتح آبادی کے قطعات کا مجموعہ، ہر قطعہ ایک مستقل پیام کی حیثیت رکھتا ہے۔ قیمت صرف ۱۲/

قصائد نجم

اکبرآباد کے مشہور شاعر حضرت نجم آفندی اکبرآبادی کی لاجواب تصنیف مدح رسول و اہل بیت رسول میں بلند پایہ نظمیں قصائد اپنے رنگ میں عجیب تصنیف ہے قیمت ؏

دنیا کے راز

ابوالفضل حضرت [illegible] بدایونی موجودہ زمانے کے ان سخنوروں میں ہیں جن کا کلام عام طور پر [illegible] کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ دنیا کے راز [illegible] دلکش [illegible] قیمت [illegible]

[illegible]

ضمیمہ کنول آگرہ
خوبصورت جیبی کتابیں
ہم نے اُردو زبان کے بہترین لٹریچر کی اشاعت، ارزانی اور شاندار دلچسپی کو مدنظر رکھتے ہوئے حال ہی میں ایک خوبصورت سلسلہ کی صورت شروع کی ہے۔ اس سلسلہ کی تمام کتابیں جیبی سائز پر دو رنگے ٹائیٹل اور بہترین کتابت و طباعت کیساتھ شائع کی گئی ہیں۔ ضخامت کم و بیش ۶۴ صفحات ہے۔ اب تک اس سلسلہ کی آٹھ کتابیں شائع ہو چکی ہیں، جو ذیل میں درج ہیں۔
خواب پریشاں
مولوی عنایت اللہ صاحب بی، اے سابق ناظم دارالترجمہ حیدرآباد دکن کا ایک طبع زاد افسانہ جس میں انھوں نے دلی کی نفیس زبان میں ایک حکیم صاحب کا دلچسپ قصہ لکھا ہے، اور مصنف نے اپنا ایک خواب حکیم صاحب کو سنایا ہے۔ خواب میں دیکھا کہ یونان کے تمام اساتذہ اپنی قبروں سے اٹھے ہیں اور انھوں نے ہندوستان کے ایک مشہور فلسفی و منجم کو باغی قرار دیکر اس کیلئے پھانسی کا حکم جاری کیا ہے۔ یہ خواب بجائے خود ایک نہایت عالمانہ چیز ہے۔ طبع زاد ہے مزاج کی ہلکی ہلکی چاشنی نے ادبی لطف پیدا کر دیا ہے۔ قیمت چار آنہ ۴؍
دلی کا اجڑا ہوا لال قلعہ
سید ناصر نذیر فراق مرحوم دلی کی ٹکسالی زبان لکھنے میں کمال رکھتے تھے ان کا ایک ایک لفظ دل میں کھُب جاتا ہے۔ اس کتاب میں حضرت ابوظفر آخری تاجدار دہلی کے فرزند مرزا شاہرخ کے اس شکار کے حالات درج ہیں جب آپ دہلی سے جنگل میں گئے تھے۔ یہ واقعات دلچسپ اور بیحد عجیب و غریب ہیں یہ مٹی ہوئی بادشاہت کی ایک جھلک ہے۔ جسے دیکھ کر عبرت کے دو آنسو ٹپک ہی پڑتے ہیں۔ قیمت ۳؍
سات طلاقنوں کی کہانیاں
یہ بھی فراق صاحب مرحوم کی لکھی ہوئی کہانیاں ہیں۔ سات طلاقنیں اتفاق سے ایک جگہ جمع ہو جاتی ہیں اور اپنی اپنی داستان حیات بیان کر کے بتاتی ہیں کہ انھیں کس وجہ سے طلاق ملی اس کتاب میں عورتوں کی زبان لائق قدر ہے طلاقنوں کے واقعات اس قدر دلچسپ ہیں کہ کتاب ختم کئے بغیر ہاتھ سے نہیں چھوٹتی۔ قیمت ۳؍
بیگموں کی چھیڑ چھاڑ
یہ بھی فراق مرحوم کی تصنیف ہے۔ دلی میں ایک بیاہ کی محفل کا جو نقشہ اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے وہ کچھ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے ایک بیگم کی زبانی سب واقعات بیان کرائے گئے ہیں۔ ٹکسالی اُردو اور پھر وہ بھی دلی کی شریف بیگمات کی فصیح بول چال ایک ایسی جنس ہے جو اب نایاب ہو چکی ہے شادی کی محفلیں اردو لٹریچر میں کثرت سے پیش کی گئی ہیں مگر زبان نے جو لطف اس محفل میں پیدا کر دیا ہے وہ کہیں اور میسر نہیں آسکتا۔ قیمت چار آنے
عشق کی گولیاں
مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب نے ایک ناتمام مضمون "عشق کی گولیاں" لکھ کر ملک کے مشہور ظرافت نگار حضرات سے مختلف رسائل میں تکمیل کرایا تھا۔ "ساقی" کے لئے مسٹر سلطان حیدر جوش نے اس افسانے کی تکمیل کی تھی، اور اس خوبی کیساتھ کہ خود مرزا صاحب کا تکملہ جو بعد میں شائع ہوا اس کے آگے ناپسند نظر آنے لگے۔ یہ افسانہ اس طرح دو زبردست انشاپردازوں کے جوشِ قلم کا نتیجہ ہے اس میں دو جداگانہ اسلوب نظر آتے ہیں۔ جوش کے تکملہ نے خوبیوں کو اور بھی نکھار دیا ہے اس لئے یہ افسانہ اہلِ ذوق کے لئے ایک خاصہ کی چیز بن گیا ہے۔ قیمت ۳؍
گمنام عورت کا خط
یہ استفان زویگ کے افسانہ کا ترجمہ ہے جو مسٹر ظفر قریشی بی، اے دہلوی نے کیا ہے مصنف سوئیڈن کی ایک مشہور علمی و ادبی انجمن کا رکن رہ چکا ہے جو نوبل پیس پرائز کے نام سے ہر سال انعامات عطا کرتی ہے یہ افسانہ یورپ و امریکہ میں بہت مشہور ہو چکا ہے۔ یہ حسن و عشق کی ایک دردناک کہانی ہے جسے پڑھ کر حسن سوگوار اور عشق ناکام کی تصویر آنکھوں میں پھر جاتی ہے عورت کی محبت جس انداز سے اس افسانہ میں پیش کی گئی ہے آج تک کسی اور افسانہ میں نہیں دیکھی گئی ترجمہ بھی نہایت سلیس و شگفتہ ہے۔ قیمت ۴؍
انکشاف حقیقت
صادق الخیری صاحب بی، اے کا یہ افسانہ "ساقی" کے ۱۹۳۴ء کے افسانہ نمبر میں شائع ہو چکا ہے، جو دیگر افسانوں کی طرح "ساقی" کے مجوزہ پلاٹ پر لکھا گیا تھا اور بہت زیادہ پسند کیا گیا تھا۔ اس لئے اب کتابی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اس افسانہ کا شمار صادق صاحب کے بہترین افسانوں میں ہوتا ہے۔ چونکہ زبان و بیان کی خوبیاں ان کے اس افسانہ میں خوب نکھری ہوئی نظر آتی ہیں۔ اور ہر ہر سطر دل و دماغ پر ایک روحانی کیفیت طاری کر دیتی ہے۔ قیمت ۴؍
تماشہ پہ تماشا
ملک کے مشہور ظرافت نگار جناب ناظم حیدرآبادی کا یہ افسانہ ایک طویل خطکی صورت میں ہے۔ افسانہ کا پلاٹ حد درجہ دلچسپ ہے اور ساتھ ہی طرزِ بیان کی شوخی اور چھوٹے چھوٹے جملوں کی پر جوش ظرافت بنسائے بغیر نہیں رہتی افسانہ اپنے منتہا پر پہنچکر عجیب و غریب صورت اختیار کر لیتا ہے اور ساتھ ہی اسکی دلچسپی بھی آخر تک کو پہنچ جاتی ہے۔ قیمت ۴؍
نوٹ:- ہر کتاب کو علیحدہ علیحدہ طلب فرمانے پر محصول ڈاک چار آنے خرچ ہوں گے اسلئے آٹھوں کتابیں ایک ساتھ طلب فرمائیے آٹھوں کتابیں دو روپے چار آنہ میں مع محصول ڈاک روانہ کی جائیں گی۔
(محصول ذمہ خریدار)
ملنے کا پتہ:- وارث بکڈپو مرکز اشاعت آگرہ
(محصول ذمہ خریدار)

سرگزشت عروس

ایک اونچے گھرانے کی لڑکی کی شادی ماں باپ نے روپے پیسے کی لالچ میں ایک مالدار اور بوڑھے سے کر دی اس کے خوفناک نتائج اور بدمزہ زندگی کی جو تفصیل نوجوان دلہن نے اپنے روزنامچہ میں درج کی تھی وہ روزنامچہ بعینہٖ کتابی صورت میں چھاپ دیا گیا ہے۔ اس میں اپنی طرف سے کوئی اضافہ نہیں کیا گیا ہے۔ صرف نام اور مقام بدل دئے گئے ہیں تاکہ کسی کا راز فاش نہ ہو، واقعات سب وہی ہیں جو اس مظلوم دلہن کو پیش آئے۔ لڑکی کسی اور سے محبت کرتی تھی مگر اس کے خلاف مرضی اسکی شادی ایک ایسے شخص سے کر دی گئی جسکے بالوں کی سیاہی شرمندہ خضاب تھی اور اسکی بتیسی بھی نقلی تھی۔ اس بڑھاپے کو بھی برداشت کر لیا جاتا مگر اس کی آوارگی اور بے پروائی نے نئی دلہن کا دل توڑ دیا اور اسی شکستہ دلی کو موقع پر وہ شخص آ گیا جس سے دلہن کو دراصل محبت تھی یہ سین اس روزنامچے کی جان ہے کیونکہ عشق و ہوس میں یہیں امتیاز ہے اور اسکے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سمجھدار اور شریف بیبیاں اپنے شوہروں سے حد درجہ کی شاکی ہونے برداشتہ اور متنفر ہونے کی باوجود بھی اپنے گوہر عصمت کو ضائع نہیں کرتیں، بوڑھے مہاجن جوان دلہن، اور اسکی محبوب عاشق کا کیا حشر ہوا یہ بیان کرنے کی چیز نہیں بلکہ پڑھنے کی چیز ہے اسکی زیادہ دردناک اور عبرت انگیز آپ بیتی آپنے اور کہیں پڑھی ہو گی یہ ڈائری اس لائق ہے کہ ماں، باپ، لڑکے لڑکیاں اور ہر عمر کی عورتیں اسے پڑھیں تاکہ ان سے آئندہ کبھی ایسی لغزش نہ ہو پائے ۲۸۰ صفحہ کی مجلد کتاب ہے اس پر شاہد احمد صاحب کا طرز بیان سونے پر سہاگہ ہے قیمت صرف عہ علاوہ محصول

(محصول ذمہ خریدار)

تحریر کیوں ایجاد ہوئی اور کیسے ایجاد ہوئی؟

وہ تحقیق علم کا ایک قابل رشک کارنامہ بلادِ مشرق سے اپنی نوعیت کی مخصوص اور جدید کتاب ”

علم الحروف

علم الحروف پر اب تک بہت کم کتابیں شائع ہوئی ہیں اور خصوصاً ہندوستان اس تحقیق میں کوئی اہم کامیابی حاصل نہیں کر سکا ہے۔ فخر الاطباء حضرت حکیم محمود علی صاحب ماہر اکبر آبادی نے اس موضوع پر سالہا سال کی محنت اور کوشش کے بعد اس کتاب کی تکمیل کی ہے اور نہایت آزادی کیساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب مشرقی دنیا سے شائع ہونیوالی تمام کتابوں میں ممتاز ترین درجہ رکھتی ہے۔

اسمیں دنیا کی سینکڑوں زبانوں کی حالات جمع کر دی گئی ہیں

علم الحروف پر سیر حاصل بحث کرنے کے بعد اس کتاب کو مکمل کیا گیا ہے اخراجات کا اندازہ لگایا جائے تو ایک کتاب کی قیمت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن اس کتاب کی اشاعت کا اولین مقصد یہ ہے کہ ہر صاحب ذوق اس سے فائدہ اٹھائے اس لئے اس کی قیمت ؎ برائے نام رکھی گئی ہے۔

علم دوست طبقے کے لئے اور مذاق تحقیق رکھنے والے حضرات کیلئے ایک انمول کتاب ہے، کتابت و طباعت لاجواب اور فوٹو بلاک کی بیسیوں تصویریں شامل ہیں ان تمام خوبیوں کے باوجود قیمت صرف تین روپیہ رکھے، آج ہی اس کتاب کو حاصل کرنے کی کوشش کیجئے۔

کہکشاں ؏

حضرت ساغر نظامی جس طرح نظم پر قادر ہیں اور فن شعر میں ایک صاحب طرز کی حیثیت رکھتے ہیں اسی طرح نثر نگاری پر بھی ان کو مہارت تامہ حاصل ہے کہکشاں ان کے ۲۱ افسانوں کا حسین مجموعہ ہے جو بہترین ادب لطیف پیش کرتا ہے۔ کہکشاں میں آرٹ اور طنزیات کا وہ لطیف سنگم ہوا ہے جو کسی دوسری کتاب میں نہیں پایا جاتا۔ زبان کی شوخی اور مستی حرف حرف میں کارفرما ہے سوسائٹی اور حالات حاضرہ پر افسانوی انداز میں گہری تنقید پائی جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کسی حیطہ محدود میں گردش کرنیوالا نہیں ہے بلکہ اس کا دل زندگی کی تمام چھوٹی بڑی باتوں سے متاثر ہوتا ہے۔ کتابت و طباعت خوبصورت ضخامت ۲۲۴ صفحات قیمت صرف ع علاوہ محصول

دلّی کا آخری دیدار

۱۸۵۷ء کے غدر سے پہلے دلّی کی سوسائٹی کیا تھی لال قلعہ آباد تھا تو چمنستان میں کیسی بہار تھی سو سال سے پہلے کی دہلی کی ایک جھلک دیکھیے

قیمت ۱۲ ؍

(محصول ذمہ خریدار)

ملنے کا پتہ ”کنول“ بکڈپو مرکز اشاعت آگرہ

ملنے کا پتہ "کنول بکڈپو" مرکزِ اشاعت آگرہ

عورتوں کی بچپن اور جوانی پر دو دلچسپ کتابیں

آفتاب زندگی

(از حضرت مولانا سیماب اکبر آبادی مدظلہ العالی)

بچپن کی زندگی عورت کس طرح شروع کرتی ہے؟ اپنے بچپن سے جوانی تک کن منازل سے گزرنا پڑتا ہے؟ ان منزلوں کی دشواریاں کیونکر دور کی جاسکتی ہیں اور بچپن کو اصلاح و تہذیب کے کن اصولوں پر ڈھالا جاسکتا ہے کہ وہ منزل شباب سے بغیر کسی مشکل اور مصیبت کے ہم آغوش ہوجائے۔ یہ سب کچھ آپ کو اس کتاب میں ملیگا۔ دلچسپ قصے کے پیرائے میں وہ تمام باتیں لڑکیوں سے کہہ دی گئی ہیں جو کسی دوسرے ذریعے سے ان کے کان تک کبھی نہیں پہونچائی جاسکیں۔ قیمت صرف نو ۹ آنے۔

شباب زندگی

یہ "آفتاب زندگی" کا دوسرا حصہ ہے اس میں عورتوں کی جوانی کو سکون و اطمینان کیساتھ گزارنے کی آسان تدبیریں کہانی کے پیرائے میں بتائی گئی ہیں، کتاب کے مطالعہ کے بعد ہر جوان عورت اپنی ازدواجی یا دوشیزہ زندگی کو تابناک بنا سکتی ہے۔ اور زندگی کا صحیح معنوں میں پورا لطف اٹھا سکتی ہے۔ قیمت صرف آٹھ آنے۔ علاوہ محصول

(محصول ذمہ خریدار)

انشائے لطیف

ادیب العصر حضرت لطیف الدین احمد اکبر آبادی کے افسانے

اردو ادب میں صاحب "لالہ رخ" کا نام محتاج تعارف نہیں ادبا فسانہ نویسی کا جو معیار ل احمد نے پیش کیا ہے وہ اپنی جگہ تنہا ایک مثال ہے ان کا افسانہ علم و حکمت جذبات، واردات اور نفسیات حسن و عشق کے نازک ترین اشارات کا حامل ہوتا ہے۔ ان کا طرز انشاء شعریت اور تفلسف اردو ادب میں مستقل اضافات ہیں۔

ل احمد صاحب کے افسانے بلا شائبہ تغلیط ترقی یافتہ زبانوں کے مقابلے میں رکھے جاسکتے ہیں۔ انشائے لطیف ل احمد صاحب کے پندرہ شہ پاروں کا مجموعہ ہے جو اکثر نگار اور دیگر مجلات علمیہ و ادبیہ میں طبع ہوکر مقبولیت دوام حاصل کرچکے ہیں۔ اس لئے :-

اگر آپ کو سلاست و نفاست زبان کیساتھ نفسیات شباب اور جذبات حسن و عشق کی صحیح نقاشی سے کوئی خاص لگاؤ ہے اگر آپ ادب و شعریت کا ذوق سلیم رکھتے ہیں تو اس مجموعہ میں آپ کو اپنی طلب و تشنگی کیلئے مکمل سامان سیرابی نظر آئے گا طباعت و کتابت روشن و بہترین ہونے کے ساتھ کراؤن سائز پر تقریباً ڈھائی سو صفحات کی ضخامت نفیس جلد اور قیمت صرف دو روپیہ عہ علاوہ محصول

نغمات

نثر کی شاعری

ادب اردو میں جناب ل احمد کی تنہا وہ ہستی ہے جس نے حسن و عشق کی واردات اور نفسیات کو انتہائی مطالعہ فکر کیساتھ اپنے ذاتی تاثرات و تکیفات کے ماتحت شعریت موسیقی یا موسیقیت شعر کی صورت میں صفحات سادہ کو فردوس خیال بنا دیا ہے اس مجموعہ میں جناب لطیف کے ساٹھ مختصر ترین فسانے اور ادب پارے شامل ہیں جنھیں نثر کی شاعری کے شہ پاروں کا ایک وجد آفریں کارنامہ کہا جاسکتا ہے یہ کتاب بھی مکمل ترتیب و تہذیب کے بعد تیار ہوچکی ہے اگر آپ اپنی زبان کی نزاکت و لطافت کا اندازہ کرنا چاہتے ہیں تو اس کتاب کو ضرور منگائیے۔

قیمت صرف ایک روپیہ آٹھ آنے

(محصول ذمہ خریدار)

ملنے کا پتہ :- "کنول" بکڈپو، مرکز اشاعت آگرہ

سوزاک (گنوریا) کی شرطیہ دوا
پنڈت منوہر لعل بھارد واج ویدکا
سوزاک بندو — ہندوستان میں بالکل نئی ایجاد ہے
پیشاب اور عضو مخصوص کے دردوں کو جڑ سے دور کرنے کے لئے محض ”سوزاک بندو“ ہی ایک ایسی بڑھیا اور باکرشمہ دوا ہے جس کے استعمال کرنے سے مریض کو کبھی ناامید ہونا نہیں پڑتا۔ جبکہ انجکشن (ٹیکہ) بھی بیکار ثابت ہو چکے ہوں۔ یا انگریزی دواؤں سے سخت پریشان ہو چکے ہوں۔ تب اس آخری علاج ”سوزاک بندو“ کو استعمال کرکے اس غم سے نجات حاصل کیجئے۔ اس سے چاہے جیسا نیا یا پرانا سوزاک ہو خواہ پیشاب میں مواد یا خون آتا ہو، جلن ہوتی ہو عضو مخصوص کے اندر گھاؤ یا سوجن ہو گئی ہو (کورہ پڑ گیا ہو) مردوں عورتوں کا ہر قسم کا سوزاک اس کے استعمال سے جڑ سے جاتا رہتا ہے۔ ایک ہی خوراک میں اس کا کرشمہ ملاحظہ کیجئے۔ شرطیہ آرام کی گارنٹی دوا کے ساتھ دیتے ہیں۔ قیمت پوری خوراک دوائی کی معہ محصول ڈاک عہ
ملنے کا پتہ پنڈت منوہر لعل ویدبھارد واج اوشدھالیہ چھیپی ٹولہ آگرہ
مشرقی تجارت اور صنعت وحرفت کا حقیقی علمبردار ماہنامہ
تاجر
جو ماہرین فن تجارت کی نگرانی اور ایک تجربہ کار تاجر کی ادارت میں نکلنا شروع ہوا ہے
جس کا پہلا نمبر جنوری ۳۶ء میں بڑی آب وتاب اور مفید ترین مضامین کے ساتھ شایع ہو چکا ہے
اگر آپ تاجر ہیں
تو آپ کے لئے تاجر کا مطالعہ اشد ضروری ہے۔ ہندوستان کے تمام تاجر پیشہ حضرات اور خصوصیت کے ساتھ آگرہ کے شوز مرچینٹ کو یہ رسالہ ضرور خریدنا چاہیے۔ ضخامت ۸۰ صفحے، رنگین ٹائٹل اور کارآمد مضامین، تاجر آپکی مشکلات میں آسانیاں پیدا کرنے والا بہترین آرگن اور رفیق ثابت ہوگا۔ آج ہی نمونہ طلب فرمایئے۔
قیمت سالانہ صرف ۲؍ فی پرچہ ۳؍
ملنے کا پتہ۔ منیجر رسالہ ”تاجر“ اکبری روڈ آگرہ

فنِ طباعت کا آرٹ اور معیاری کام

کے نادر نمونے دیکھنے ہوں

تو ہمارے مشورہ پر عمل کیجئے

اور جب بھی کوئی کام

چھپوانا ہو، مشکل سے مشکل اور آسان سے آسان، تو

"رفاہِ عام پریس"

کو یاد رکھئے۔ اُردو انگریزی ہندی کا بہترین کام صرف اسی پریس میں ترقی یافتہ اُصولوں پر ماہرینِ فن کی نگرانی میں ہوتا ہے۔

صحت کا خاص انتظام ہے اور تمام کام بجلی کی مشینری سے انجام پاتا ہے

سپروائزر رفاہِ عام پریس آگرہ

Regd. No. A-2744

FOR FOOT EASE combined with exceptional durability

THE SETH COMPANY, AGRA.

PRINTED AT THE RIFAH-I-AM PRESS. AGRA.

MAJUN-I-MOQUWW-I MAIDA (REG)

معجون مقوی معدہ رجسٹرڈ

یہ دوا اُن اشخاص کے لئے تجویز کی گئی ہے جن کا نظامِ ہضم جوانی کی غلط کاریوں کی وجہ سے خراب ہو چکا ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ اعضائے تناسل کے بیشتر مریض نظامِ ہضم کی خرابی میں مبتلا ہوتے ہیں۔ یہ معجون معدہ اور آنتوں کو نہایت قوت پہنچاتی ہے۔ قبض کی شکایت کو رفع کرتی ہے۔ غذا جلد ہضم کرتی ہے۔ قیمت فی ڈبیہ (بیس یوم کی دوا) دو روپے (عہ)

تار کا پتہ ہمدرد دھلی — ہمدرد دواخانہ یونانی دھلی — ٹیلیفون نمبر ۵۰۰

KHAMERA NUZLI
JAWAHARWALA

خمیرہ نزلی جواہر والا

تجربہ شاہد ہے کہ طالب علم، وکیل، مصنف، اور دماغی کام کرنیوالے اکثر زکام، نزلہ، کمزوری دماغ وغیرہ کی شکایت میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور عام اشخاص بھی بے احتیاطی کی وجہ سے ان امراض کا شکار نظر آتے ہیں۔ ان حضرات کیلئے یہ عجیب و غریب دوا بنائی گئی ہے۔ اس دوا کے بہترین فوائد دیکھکر یونانی طب کی ہمہ گیری کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ کیسا ہی پرانا نزلہ زکام ہو اسکے استعمال سے اسکا قلع قمع ہو جاتا ہے۔ طرفہ یہ ہے کہ یہ دوا اعلیٰ درجہ کی مقوی دماغ بھی ہے، ضعف اعصاب کو مفید ہے، بھوک لگاتی ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ان مہلک امراض سے نجات حاصل کریں تو آپکو دنیا میں اس سے بہتر دوا نہیں ملسکیگی

طالب علم
وکیل
مصنف

ملنے کا پتہ ہمدرد دواخانہ یونانی (دھلی)

1937

COMING OUT VERY SHORTLY

Last Alarm to Advertisers

FOR OCCUPYING

SUITABLE PLACES FOR THE ADVERTISEMENTS

HURRY UP PLEASE!

DO NOT MISS THIS CHANCE
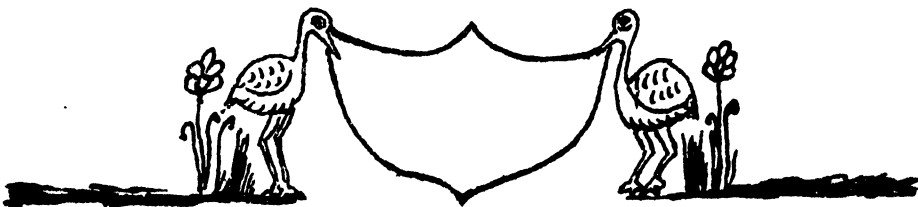
مُرقّع حجاز

سرزمین حجاز کے جامع و مُکمّل حالات

جس میں دو درجن سے زیادہ رنگین تصاویر شامل ہیں

جس کو مولانا ابوالقلم حضرت خاموشؔ نے اٹھارہ ماہ مکۂ مکرمہ، مدینہ منورہ، اور طائف وغیرہ میں قیام کرکے لکھا ہے
اہل عرب کی شہری و دیہاتی زندگی، اُمرا اور رؤسائے عرب کی صحبتوں میں رہکر انکے معاشرتی و تمدنی حالات غریب بدوؤں کے حس پوش جھونپڑوں میں بسر کرکے انکا طرز زندگی، اپنی نرالی تحریر میں قلمبند کیا ہے
یقیناً آپ کو یہ معلوم کرنیکا شوق ہوگا کہ مکۂ معظمہ اور مدینہ منورّہ کے اسلامی تہوار رمضان المبارک میں سحری و افطار کے طریقے عیدین میں غریبوں اور امیروں کی عید، شبرات، اور محرّم کیسے ہوتے ہیں۔ اور ان میں کیا کیا ہوتا ہے

یہ سب کچھ "مُرقّع حجاز" میں تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ خانہ کعبہ اور حرم شریف مدینہ منوّرہ میں اہلبیت اطہار اور صحابۂ کبار کے مزارات مقدّسہ پر حضرت مولانا خاموشؔ نے جو پُر خلوص دُعائیں اپنی زبان میں مانگی ہیں وہ قلب کو تڑپا دینے والی اور روح کو وجد میں لانے والی ہیں۔

پڑھنے والے کو معلوم ہوتا ہے کہ میں مکہ اور مدینہ کے بازاروں اور گلی کوچوں میں گھوم رہا ہوں اور حقیقت کی نظر سے وہ سب کچھ دیکھ رہا ہوں جنکو دیکھنے کے لئے ایک سچّے اور صاحب ذوق مسلمان کی آنکھیں ترستی ہیں۔ ہندوستان کے بڑے بڑے اہل قلم حضرات کی رائے ہے کہ اس سے بہتر اور دلچسپ مُرقّع حجاز آج تک کسی کے قلم سے نہیں نکلا ہے۔ شروع میں سیّد غلام بھیک صاحب نیرنگ کا مقدّمہ ہے اور حضرت خواجہ حسن نظامی کی نرالی دُعا درج ہے۔ حجم ۴۰۰ صفحات۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ۔ اعلیٰ۔ ٹائیٹل سہ رنگہ۔ قیمت دو روپیہ ۲ عہ محصولڈاک ۷ /

ملنے کا پتہ

منیجر وارث بکڈپو مرکز اشاعت ہینگ کی منڈی اگرہ

سالنامۂ کنول کے شاہکار مضامین کی ایک جھلک
مولانا نیاز فتحپوری، صبا رشیدی، راز چاندپوری، عشرت لکھنوی اور کئی دیگر
مستند حضرات کے مضامین ۱۵ دسمبر تک آئیں گے
خانِ آرزو از حضرت مولوی انتظام اللہ اکبر آبادی
ماں (ایک روسی افسانہ) از حضرت مہر لال ضیا ایم اے
"ایک شاہکار افسانہ" از حضرت ل احمد اکبر آبادی
فلسفی اور پیغمبر کا فرق از حضرت ماہر القادری
کمال و زوال (ڈرامہ) از حضرت مولانا سیماب اکبر آبادی
خوش گپیاں (مزاحیہ) از حضرت ایم اسلم
اردو کی دو قلمی مثنویاں از حضرت درد کاکوروی
رادھا (افسانہ) از حضرت سید انصار ناصری بی اے
کوہِ نور (ایک نیم تاریخی افسانہ) از حضرت ڈاکٹر سید محی الدین زور قادری ایم اے
تبسم کا ہیرو (ایک انوکھا افسانہ) ایڈیٹر
کنول از حضرت شاہد احمد بی اے مدیر "ساقی"
دوّ قمچز (ایک تحقیقی مقالہ) از حضرت میکش اکبر آبادی

رہنمائے صحت مفت

پچیس ۲۵ سالہ طبی جد وجہد کا
نتیجہ
پانچ ہزار روپیہ کا انعام
اور
اشتہاری معالجوں کا حشر

نوجوانوں کو صحیح مشورہ
مع فوٹو مفت طلب فرمائیں
مینجر چشمۂ حیات فارمیسی اجمیر

فسانۂ سلطنتِ مغلیہ

اطالوی سیاح مینوکی کی زبانی جو خود شاہزادہ
دارا شکوہ کی فوج میں شریک رہ کر اورنگ زیب کے
لشکر سے نبرد آزما ہوا تھا۔ وینس سے دہلی تک کے
سفر کے حالات اور اورنگ زیب عالمگیر کی تخت نشینی
تک عہد مغلیہ کی تاریخ اپنی قسم کی پہلی کتاب۔ قیمت صرف ۱۲
محصول ۸/
(ملنے کا پتہ)
مینجر کنول بکڈپو مرکز اشاعت آگرہ

سکھ سنچارک کمپنی متھرا کی
ادویات
سُدھا سِندھو
کف کھانسی، ہیضہ، دمہ، شول، سنگرہنی، آتیسار وغیرہ کی خوش ذائقہ و خوشبودار دوا۔ قیمت آٹھ آنہ ۸/
دو روپے کیسری
داد کی سب سے اچھی دوا۔ قیمت ۴/ آنہ
بَال سُدھا
دُبلے اور کمزور بچوں کو طاقتور بنانے والی دوا۔ قیمت ۱۲/ سب دوا فروشوں کے پاس ملتی ہے

ناظرین "کنول" کے لئے ایک نادر تحفہ

اپنے جیون کی "پریم بٹی"

طاقت کا ایک عجیب و غریب لاثانی نسخہ

ناظرین :- میں ایک زمیندار کا لاڈلہ لڑکا ہوں۔ بری صحبت کے باعث جریان و احتلام کے خطرناک امراض میں مبتلا ہو گیا پہلے تو میں نے ایک دو سال شرم و حیا ننگ و ناموس کی وجہ سے اپنا حال چھپائے رکھا مگر کچھ عرصہ بعد بیماری نے خطرناک صورت اختیار کر لی تب میری آنکھیں کھلیں اور میں نے علاج معالجہ شروع کیا۔ روپیہ کی افراط تھی اس لئے بڑے بڑے ڈاکٹروں ویدوں حکیموں اور نامی دواخانوں سے دوائیں منگوائیں۔ مگر بقول شخصے "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ میں اپنی زندگی سے بیزار ہو گیا اور خودکشی کے منصوبے باندھنے لگا۔ ہمارے گاؤں کے پاس ایک میل کے فاصلہ پر ایک ٹیلا ایک اونچا کھڑا ہے اس کھیڑے پر کبھی کبھی کوئی سادھو مہاتما آ گزرتے ہیں اتفاق سے اسی کھیڑے پر کاٹھیاواڑ کے ایک بزرگ فقیر آ گزرے اور ایک جھاڑی میں آسن لگا کر بیٹھ گئے۔ گاؤں کے لڑکوں نے جب انکو دیکھا تو انہوں نے گاؤں میں شہرت پھیلا دی کہ کھیڑے پر ایک کامل بزرگ فقیر آئے ہوئے ہیں چنانچہ شہرت سنکر لوگ جوق جوق ان کے دیدار و قدمبوسی کو آنے لگے رفتہ رفتہ انکی شہرت سارے علاقہ میں پھیل گئی۔ ان کی اس قدر شہرت سنکر میرے جیسا مایوس و ناامید آدمی بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ آخر چار و ناچار با دل ناخواستہ انکی خدمت میں حاضر ہوا۔ انکی نورانی صورت دیکھکر میں حیران سا رہ گیا اور دل ہی دل میں اپنی حماقت پر پچھتانے لگا۔ مگر جوں ہی میں انکے چہرے کے جمال کو دیکھا دل باغ باغ ہو گیا۔ لیکن یہ حالت بہت دیر تک قائم نہ رہ سکی جب انھوں نے نظر اٹھا کر میری جانب دیکھا تو میں مارے شرم کے زمین میں گڑنے لگا گویا تمام میرے دلی جذبات بھانپ گئے اور اسطرح گویا ہوئے "بیٹا تم بڑے کمزور اور دکھی معلوم ہوتے ہو۔ طبیعت کیسی ہے" یہ الفاظ مجھ پر جادو کی طرح اثر کر گئے یہ سنتے ہی میں بیساختہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا انہوں نے نہایت شفقت سے مجھے دلاسا دیا اور کہا بیٹا فقیر تمہارے لئے جو کچھ کر سکتا ہے اس سے دریغ نہ کریگا اس پر میں نے بیماری کا سارا حال بلا تامل کہہ سنایا۔ چنانچہ انھوں نے مجھے تسلی دیتے ہوئے نہایت شفقت سے ایک نسخہ تجویز کر کے دیا جو میں نے بنا کر استعمال کیا اور اب بالکل تندرست و توانا ہوں۔

نسخہ - اصلی ترپھلا کا چورن ۵ تولہ۔ اصلی سورج تاپی سلاجیت ڈھائی تولہ۔ اصلی بنگ بھسم چھ ماشہ۔ اصلی سورج مکھی کیسر چھ ماشہ۔ اصلی عنبر قرداچھ ماشہ۔ اصلی نیپالی کستوری نو رتی۔ ان سب ادویات کو کوٹ چھان کر کھرل میں ڈالکر اوپر سے شیتل چینی کا تیل تیس بوند بیروزہ کا تیل بیس بوند۔ سندل آئل بیس بوند ڈالکر تازہ برہمی بوٹی کے عرق میں بارہ گھنٹہ گھوٹ کر جھربیری کے بیر کے برابر گولیاں بنا کر سایہ میں سکھا لیں بس دوائی تیار ہے۔ **ترکیب استعمال**۔ ایک گولی صبح ایک گولی شام پاؤ بھر دودھ میں شکر یا چینی ڈال کر کھائیں۔ اس دوا کے استعمال سے میں بیس روز میں بالکل تندرست ہو گیا یہاں تک کہ اب ایک مدت گزر گئی ہے پھر کوئی شکایت نہیں ہوئی اور اس قادر مطلق خداوند کی مہربانی سے اب میرے تین بچے ہیں جو بالکل تندرست و توانا ہیں۔ اس وقت سے میں یہی نسخہ بنا کر دور و نزدیک کے لوگوں کو دام کے دام پر دے رہا ہوں۔ جس سے سینکڑوں ناامیدوں کی امیدیں بر آئیں۔ اور کئی ناامید فیضیاب ہوئے یہ دیکھکر ان لوگوں نے جنکو اس دوا سے امید سے زیادہ فائدہ ہوا میری توجہ اس فرمان کی جانب مبذول کرائی جو اس کامل بزرگ سنیاسی نے نسخہ دیتے ہوئے میرے ذمہ کیا تھا کہ اگر میں تندرست ہو گیا تو رفاہ عام کے لئے اس کو اخبارات میں مشتہر کر دونگا تاکہ ہر ایک آدمی اس سے فیضیاب ہو سکے اس لئے میں اعلان کرتا ہوں تاکہ تمام لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکیں نسخہ اوپر درج کر دیا گیا ہے ناظرین بنا کر فائدہ اٹھائیں۔ یہ دوا منی کے پتلا پن بیسیوں قسم کے جریان احتلام۔ پیشاب کے ساتھ پانی کی طرح دھات کا خارج ہونا پاخانہ کے وقت دھات کا گرنا۔ خواب میں دھات کا چل جانا۔ سوزاک۔ کمزوری۔ ذیابیطس۔ جوانی میں بڑھاپے کی سی حالت۔ اصلی طاقت کی کمی معلوم ہونا سوچنے کی طاقت کا کم ہو جانا وغیرہ نامردی کو دور کر کے انتہائی طاقت پیدا کرتی ہے۔ اور رگ رگ میں جوانی کا مزہ بجلی کیطرح پیدا کر دیتی ہے اس لئے جو بھائی بنانا چاہیں نسخہ اوپر درج ہے۔ بنا کر فائدہ اٹھائیں۔ مگر جن کو تھوڑے وقت معلوم ہو یا بوجہ عدیم الفرصتی یا اصلی ادویات نہ ملنے کی باعث دقت محسوس کرتے ہوں اور اس کے حیرت انگیز معجزے دیکھنا چاہیں وہ ہم سے بنی بنائی منگا کر اس کے جادو اثر معجزے دیکھیں اور ہماری محنت کی داد دیں۔ چالیس گولی کی قیمت دو روپیہ ؏ علاوہ محصولڈاک اور اسی گولی کی قیمت چار روپیہ للعہ محصول ڈاک معاف۔

ملنے کا پتہ :- **بابو شیام لال رئیس پریم بٹی آفس نمبر ۴۰۵ بازار کپخوسی ضلع اٹاوہ (یو۔پی)**

شاعر کی راتیں

از شاعرِ انقلاب حضرت جوش ملیح آبادی

شاعرِ انقلاب حضرت جوش ملیح آبادی نے مختلف راتوں کی کیفیتوں کو وجد آفریں، کیف آور الفاظ اور اپنے خاص انداز میں کچھ اس اسلوب سے نظم کیا ہے کہ یہ نظمیں تنوع حسنِ بندش اور لاجواب محاوروں سے مالا مال ہو گئیں ہیں۔ ہر شعر مکمل جوش اور انتہائی تاثیر سے لبریز ہے جو الہامی کیفیتیں طاری کئے بغیر نہیں رہتا۔ شاعر آپ کو شبِ ماہ میں بادہ سرجوش کی لہروں پر ساتھ لیتا حسین پیشانیوں کو چومتا، جواہرات کے عرش پر سیر کرتا۔ باغ رضواں میں کوثر و تسنیم کی لہروں پر تیر مارتا زہرہ کی نگاہ سے نگاہ لڑاتا، مشکیں زلفوں میں الجھتا، راز و نیاز کے مزے لوٹتا اور شعر و شراب کے سمندر میں غوطے کھاتا، سینکڑوں پُر سحر ظلمتوں کی سیر کراتا ہوا پھر اسی عالم میں واپس لے آئیگا۔ واپسی پر آپ اپنے تئیں کھویا ہوا سا پائیں گے اور لازوال آسمانِ لطف سے مسرور ہونگے

راتوں کی تفصیل یہ ہے

سنہری رات۔ مست رات۔ التفات کی رات۔ صلح کی رات۔ راز و نیاز کی رات۔ انتظار کی رات۔ اشکوں کی رات۔ برسات کی رات۔ بدمست رات جوانی کی رات۔ خواب کی بیچین رات۔ اندھیری رات۔ چاندنی رات۔ تصور کی رات۔ بھیگی ہوئی رات۔ شعر گوئی کی رات۔ جدائی کی رات عبرت کی رات۔ سرشار رات۔ شادی و غم کی رات۔ عزت کی رات ربودگی کی رات۔ بے خودی کی رات۔ پیاسن ناگن کالی رات۔

قیمت دس آنے ۱۰؍

علاوہ محصولڈاک۔ بارہ آنہ کے ٹکٹ روانہ فرمایئے۔ وی پی منگانے سے خواہ مخواہ چھ آنہ کا اور زیر بار ہونا پڑے گا۔

پتہ:-

کلیم بکڈپو۔ اکبر منزل قرول باغ دہلی

۳
قارئینِ "کنول" کو عید مبارک
نمودِ عید ہوئی مطلعِ غزل کی طرح (منظر)
سوادِ علم و ادب کی شگفتہ کاری دیکھ
ہوا طلوع "کنول" طلعتِ ازل کی طرح
شگفتگی ہے مہِ عید میں "کنول" کی طرح
کنول
عید نمبر
ممالکِ غیر سے
۶ شلنگ
فی پرچہ
۵/
قیمت سالانہ
۳ روپے
ذریعۂ وی-پی
مدیر
منظر اکبر آبادی
مرکزِ اشاعت آگرہ
اس پرچہ کی قیمت ۶/

ماہنامہ "کنول" کا حسین و جمیل اور شاہکار

جنوری ۱۹۳۷ء کے شروع میں شایع ہو جائے گا۔

اگر آپ نے ابھی تک اپنا اشتہار روانہ نہیں کیا ہے

تو آج ہی روانہ کر دیجئے کیونکہ "کنول" کا سالنامہ

5000

شایع ہو رہا ہے جسے کم سے کم بیس ہزار انسان پڑھیں گے۔ آپ کے اشتہار کی کامیابی یقینی ہے۔ تمام اشتہارات بہترین ڈزائن کے ساتھ رنگین شایع ہوں گے۔ اشتہارات بکثرت وصول ہو رہے ہیں آپ بھی توجہ فرمائیے اور خاطر خواہ فائدہ اُٹھائیے۔

منیجر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف

جلد ۳ | کنول دسمبر ۱۹۳۶ء | نمبر ۶

عید کا چاند

(آغوشِ اُمید میں)

پھیلی ہوئی ہے سرخوشی انجمنِ حیات میں
روحِ نشاط ہے رواں وسعتِ کائنات میں

عید کے چاند کی جھلک دعوتِ کیفِ دید ہے
کیف و خوشی ہے نَو بنو اور نئی کشید ہے

رنگِ شفق کی سُرخیاں صبحِ نشاط کا پیام
تاروں کی ہر کرن میں اک بادۂ زندگی کا جام

حدِّ نگاہ تک ہوا نورِ حیات کا ظہور
کانوں میں گونجنے لگے زمزمہ ہائے پُرسرور

نورِ ہلالِ عید نے نظمِ جہاں بدل دیا
کشمکشِ حیات کا نام و نشاں بدل دیا

شدّتِ ابتہاج سے ذرّے بھی کہکشاں ہوئے
جھوم گئی کلی کلی پھول بھی نغمہ خواں ہوئے

ہر دلِ بے قرار کو لطفِ قرار مل گیا
یعنی پیامِ عشرتِ صبحِ بہار مل گیا

اپنی ملاحتوں کو یوں نور سے ماند دیکھکر
لیلیٔ شب بھی ہنس پڑی عید کا چاند دیکھکر

ہوگیا کوئی سجدہ ریز، محوِ دُعا ہوا کوئی
خلوتِ حُسن و عشق سے نغمہ بہ لب اُٹھا کوئی

شاعرِ خوشنوا اُٹھا میکدۂ اُمید سے
فکرِ رسا کو دی جِلا موجِ ہلالِ عید سے

حسرتِ رضائے دوست، دستِ دُعا اُٹھا چکے
روح کو شاد کرلیا، دل کی مراد پا چکے

ظلمتِ شامِ ہجر کی کلفت و ماندگی مٹی
رویتِ ماہِ عید سے بڑھ گیا نورِ زندگی

شاخِ نہالِ آرزو آج ہری ہوئی سی ہے
آنکھ ہے کیف بار سی، گود بھری ہوئی سی ہے

حاملِ کیف و سرخوشی دل کی ہر اک اُمید ہے
موجِ ”ہلالِ عید“ ہی نغمۂ صبحِ عید ہے

(متعلقِ تصویر)

منظر

"KANWAL" "ID Number" December 1936
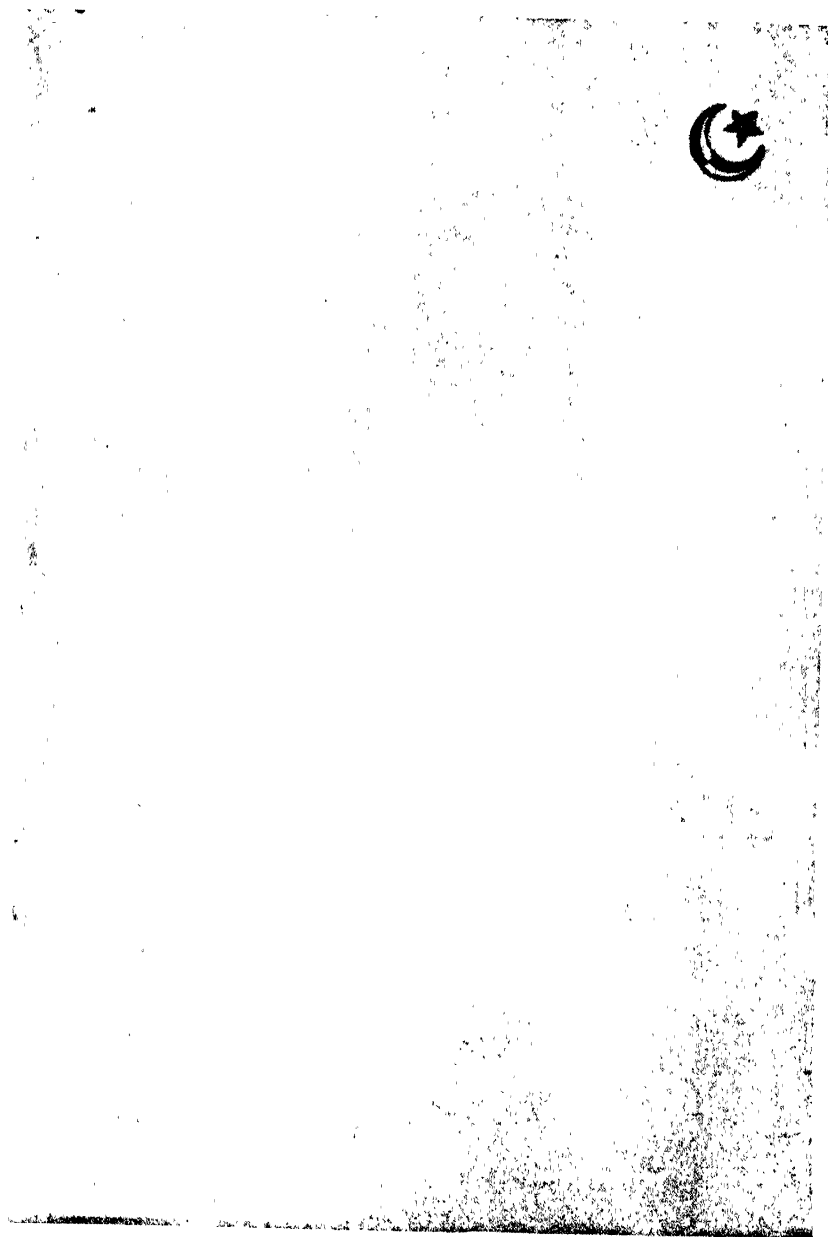
عید کا چاند

شذرات

۱۹۳۶ء میں کنول کی خدمات

آج جبکہ میں تیسری جلد کے آخری پرچے کے شذرات لکھ رہا ہوں، جی چاہتا ہے کہ ۱۹۳۶ء میں کنول کی خدمات پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے محاسبۂ کار کی توضیح پیش کروں مگر شاید میری یہ جرأت "سعیٔ رائگاں" ہوکر رہجائے گی کیونکہ اسوقت اُردو ادب بنیادی طور پر جس کس مپرسی کے عالم میں ہے اُس سے میری طرح بہت سے ناظرینِ ادب واقف ہیں۔ کس مپرسی سے میری مُراد خدا نہ کرے یہ نہیں ہے کہ اردو ادب ارتقائی منزلیں طے نہیں کر رہا ہے بلکہ میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اسوقت ہندوستان میں خدمتِ ادبِ اردو کی داد دینے والے تو بہت ہیں مگر اردو ادب کے خادموں کی ہمت افزائی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

کنول نے ۱۹۳۶ء میں ادبِ اردو کی جو خدمت کی ہے اس کا اندازہ پورے سال کا فائل سامنے رکھ کر کیجئے آپ کو خود معلوم ہوجائیگا کہ کنول اس حیثیت سے کسقدر کامیاب رہا۔ ادبِ اردو کے کیسے کیسے معیاری اور تعمیری شاہکار اس نے پیش کئے اور کنول کو تمام ملک میں کس قدر عزت کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ اس وقت کنول کے محترم اور مستند انشاپرداز ملک کے خصوصی افراد ہیں جن کی توجہات نے کنول کی زندگی میں چار چاند لگا دیئے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ آئندہ بھی قلمی معاونین کی توجہات کنول کو درخشاں کرتی رہیں گی۔

خاص نمبر ۱۹۳۶ء اور عید نمبر

جنوری ۱۹۳۶ء میں کنول کا خاص نمبر شایع ہوا تھا۔ یہ نمبر جس قدر مقبول ہوا وہ میری اُمید سے کہیں زیادہ بڑھ کر تھا اب سال کے آخر میں "عید نمبر" پیش کر رہا ہوں، گو عید نمبر میرے حسبِ منشا مرتب نہ ہوسکا جس کی بڑی وجہ وقت کی کمی تھی مگر بحیثیت مجموعی نشاطِ عید کی ایک رنگین یادگار اور ۱۹۳۶ء کی وداعی ساعتوں کا ایک اچھا تحفہ ہے، آئندہ سال "عید نمبر" اس سے کہیں بہتر و برتر شایع کرنے کا ارادہ ہے۔

سالنامہ ۱۹۳۷ء

خدا کا شکر ہے کہ سالنامے کا کام بڑی حد تک ختم ہوچکا ہے اور میں یہ اعلان کرنے میں بڑی مسرت محسوس کر رہا ہوں کہ ۱۹۳۷ء کے کنول کا سالنامہ ہر حیثیت سے دیکھنے پڑھنے اور محفوظ رکھنے کے قابل ہوگا۔ اسوقت تک جو مضامین آچکے ہیں اُن کی مختصر سی جھلک اسی نمبر میں کسی

دوسری جگہ ملاحظہ فرمائیے آپ کو خود اندازہ ہو جائیگا کہ سالنامہ کیسے کیسے نوادرات ادب کا حامل ہوگا۔ کوشش کر رہا ہوں کہ جنوری ۱۹۳۷ء کے پہلے ہفتہ میں شائع ہو جائے مگر کام کا پھیلاؤ بتا رہا ہے کہ شاید دوسرے ہفتہ تک شائع ہو سکیگا۔

سالنامے کے وی پی:۔ جن حضرات کا سالِ خریداری اکتوبر، نومبر، دسمبر میں ختم ہو چکا ہے انھیں باقاعدہ اطلاع دی جا چکی ہے۔ ۱۲ جنوری تک جن حضرات کا زرِ سالانہ منی آرڈر سے وصول نہ ہوگا۔ اُن کی خدمت میں سالنامہ ایک سال کے لئے بذریعہ وی پی روانہ کیا جائیگا۔ میں کنول کے تمام معزز خریداروں سے درخواست کروں گا کہ وہ وی پی کی اطلاع ملتے ہی فوراً وصول فرمالیں اور کنول نوازی فرما کر ممنون فرمائیں۔

کنول کی حوصلہ افزائی:۔ "عید نمبر" اور سالنامے کے اخراجات کے لئے دو ہزار روپیہ کا اندازہ تھا مگر اب معلوم ہوا کہ اس سے بھی کچھ زیادہ خرچ ہوگا۔ میں نے گذشتہ نمبر میں کنول کے معاونین اور سرپرست حضرات سے کنول نوازی کے لئے اپیل کی تھی مجھے مسرت ہے کہ میری گذارش ایک حد تک کامیاب رہی اور اب صرف ایکہزار روپیہ کا انتظام اور کرنا ہے۔ میں کنول کے اُن سرپرستوں اور محسنینِ ادب سے جو سالنامے کی امداد و اعانت کا وعدہ فرما چکے ہیں باادب پھر گذارش کروں گا کہ وہ اپنے وعدے کی تکمیل فرما کر میری ہمت افزائی فرمائیں۔ اب وقت بہت کم ہے اور کام جلد ختم کرنا ہے اس لئے تاخیر کو تعجیل سے بدل کر مجھے شکریے کا موقع دیجائے تو بڑا کرم ہو۔

سالنامے کی تعدادِ اشاعت:۔ کنول ہندوستان کے گوشے گوشے میں پہونچ چکا ہے اور ابھی ترقی کے امکانات باقی ہیں میں چاہتا ہوں کنول کا سالنامہ ہر صاحب ذوق اور دلدادہ ادب کی نظر سے گذرے اور اسی لئے جرأت کر کے پانچہزار چھپوا رہا ہوں گو سالنامے کے کافی آرڈر آچکے ہیں مگر میں کنول کے تمام قارئین سے گذارش کروں گا کہ وہ اپنے علاوہ اپنے دوستوں اور عزیزوں تک نئے سال کے اس تحفۂ جمیل اور ادبِ اردو کے نقشِ مصوّر کو پہونچانے کے لئے اپنے حلقۂ اثر میں ضرور کوشش فرمائیں۔ صرف اس لئے کہ ہر صاحبِ ذوق سالنامے کے حصول میں کامیاب ہو اس کی قیمت صرف ۱۲ آنے مقرر کی گئی ہے۔ جو ہر اعتبار سے بہت ہی کم ہے۔ جو حضرات رجسٹری سے منگانا چاہیں وہ ایک روپیہ کے پیسے والے ٹکٹ روانہ فرما کر فوراً اپنا نام درج رجسٹر کرالیں ورنہ احتمال ہے کہ انھیں سالنامہ نہ مل سکے گا۔

ڈاک کے ڈاکوؤں سے سالنامے کو بچائیے:۔ اس کی آسان صورت صرف یہ ہے کہ تمام خریدار چار چار آنے کے ٹکٹ روانہ فرمادیں تاکہ انھیں سالنامہ رجسٹری سے روانہ کیا جاسکے اور ڈاک کے ڈاکوؤں کی نذر ہو جانے کا خطرہ باقی نہ رہے صرف چار آنے خرچ کر کے آپ یقینی طور پر سالنامہ حاصل کرنے کے بطورِ محفوظ مستحق ہو سکتے ہیں جو حضرات ایسا نہ کریں گے اگر ان کا سالنامہ (خدا نہ کرے) راستہ میں ضائع ہو گیا تو دوبارہ روانہ کرنے کی ذمہ داری کارکنان پر عائد نہ ہوگی۔ ۲۰ جنوری ۱۹۳۷ء تک سالنامہ نہ پہونچے تو سمجھ لیجئے کہ راستہ ہی میں غائب کر دیا گیا تمام خریداروں اور دوسرے حضرات کو سالنامہ بڑی احتیاط سے باقاعدہ طور پر چیک کرنیکے بعد روانہ کیا جائے گا۔

نئے سال کا نیا پروگرام

سالنامے کے مطالعہ سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ نئے سال سے کنول میں کیسی کیسی اہم تبدیلیاں ہوں گی اور اس کا ہر آئندہ پرچہ ادبی بلندی کے اعتبار سے کیا ہوگا۔ سالِ نو کے عام نمبروں کے لئے تصاویر کا بطورِ خاص انتظام کیا گیا ہے۔ ترتیب میں نمایاں تبدیلی کی گئی ہے غرضکہ آپ کے سامنے سالنامے کے بعد نئے سال کا ہر نمبر ہزارہا جدتوں اور دلآویزیوں سے مزین ہو کر آئے گا۔

۱۹۳۷ء میں کئی اور خاص نمبر شائع کرنے کا ارادہ ہے مختصراً یوں سمجھئے کہ نئے سال سے کنول میں جو تبدیلیاں کی جائیں گی اور جن خصوصیات کو بروئے کار لایا جائے گا وہ آپ کے لئے بہت زیادہ مسرور کن ہوں گی۔

آخری گذارش

ان تمام گذارشوں اور اطلاعات کے بعد میری آخری گذارش یہ ہے کہ آپ بھی اپنے کنول کو نہ بھولیں اس کی ترقی اشاعت کے لئے توجہ فرما کر کنول کو زندہ جاوید بنادیں اور اقتصادی مشکلات کے ہمت شکن خوابوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کردیں۔

عید و وعید

آہ! یہ روزِ مسرت! آہ یہ روزِ سعید!
روکشِ نوروز ہے۔ دنیا جسے کہتی ہے عید
آہ! یہ گلریز موسم، اور یہ کالی گھٹا!
اس پہ ظالم ہر طرف گھنگور متوالی گھٹا!

تیس[۳۰] دن کے بھوکے پیاسے لوگ یعنی روزہ دار
اُن کے چہروں سے ہیں آثارِ مسرت آشکار
سیر ہیں نعمائے باطن سے خزانوں کی طرح
سربلندی ہے میسر آسمانوں کی طرح

ہے کنارِ جنت الفردوس صحنِ عیدگاہ
سر بجیبِ التجا، صد گونہ حسرت در نگاہ
جمع ہیں سب اہلِ دل فطرت نوازی کے لئے
ناز کرتے ہیں کسی کی بے نیازی کے لئے

آہ! یہ خوشیاں، یہ عشرت خیزیاں سب اک طرف
یہ خوشی، یہ عید، یہ دن، یہ سماں سب اک طرف
اک طرف میں گوشہ پیرائے ہجومِ آرزو!
اک طرف دل، صرفِ سامانِ رسومِ آرزو!

وہ خلیلِ کعبۂ جاں، ہے نگاہوں سے نہاں
کیا کروں میں ضبط، مجھ میں صبرِ ایوبؑ کہاں
دیدۂ یعقوبؑ ہے یا چشمِ مہجورِ جمال
حسرتِ ناکامِ دل ہے موسیٰؑ طورِ جمال

رحم ہے غیروں پہ اُس کا اور میں محرومِ رحم
کیا کروں تو ہی بتا اے حسرتِ موہومِ رحم
سب وصالِ یار سے خوش کام، میں مہجور ہوں
گو وہ میرے پاس ہے، میں اُس سے کوسوں دور ہوں

تحفۂ اقرب کھلے وہ ملتا ہے اک اک سے گلے
آہ وہ ساری خدائی سے گلے مل کر چلے
اور میں افسوس میں حسرت سے ہم آغوش ہوں
میں ادھر صد نالہ زیرِ لب لئے خاموش ہوں

دے رہا ہے سب کو وہ لاتقنطوا کے ہار پھول
آہ! میری ہی طرف اُس نے نہ پھینکے چار پھول
آج کیوں پھولے سمائیں تشنہ کامانِ اُمید
رشک سے ہے پانی پانی شبنمستانِ اُمید

کاش وہ مجھ کو گنہگارِ محبت جانتا
وہ مجھے بیمارِ آزارِ محبت جانتا
اور ہوتا بارشِ ابرِ کرم سے میں نہال
اس طرح جور و تغافل سے نہ کرتا پائمال

"یار را بر من نظر بسیار بودے کاشکے"!
"مرہمِ جان و دلِ افگار بودے کاشکے"!
میں بھی ہوتا سرخوشِ صہبائے عشرت انتہا
یوں نمک پاشی نہ ہوتی زخم پر، واحسرتا

سب کو جوشِ عید ہے سیماب کو خوفِ وعید
اب شگفتِ خاطرِ ناشاد ماں کی کیا اُمید
ہے گریباں چاک، چاکِ صبحِ محشر کی طرح
ہیں دلِ مضطر کے سو ٹکڑے گلِ تر کی طرح

آ گلے سے ملنے والے، چشمِ ظاہر بیں میں آ
ان حجابوں سے نکل کر، عالمِ تزئیں میں آ
عید کے دن میری تنہائی پہ بھی کچھ رحم کر
فطرتِ چشمِ تماشائی پہ بھی کچھ رحم کر

سیماب اکبرآبادی

صبحِ عید ــــ کسی کی یاد میں

ہے سوگوار، ذوقِ تماشا ترے بغیر
سُونی پڑی ہے بزمِ تمنا ترے بغیر

ذرّوں کو پھر ہے گرمیٔ رفتار کی تلاش
سمٹی ہوئی ہے وسعتِ صحرا ترے بغیر

جب تُو نہیں تو کشتی و ساحل کا ذکر کیا
موجیں ترے بغیر، نہ دریا ترے بغیر

پھر ڈھونڈتی ہیں حسن کی رعنائیاں تجھے
اُلجھی ہوئی ہے، کاکلِ سلمیٰ ترے بغیر

نظّارہ چاہتا ہے لچک، دستِ ناز کی
ہے ناگوار جنبشِ مینا ترے بغیر

جانِ حیات! تیری معیّت ہے زندگی
کرتا ہے کون زیست کا دعویٰ ترے بغیر

شمعِ حرم ہے تیری جدائی میں اشکبار
ہے بیقرار حسنِ کلیسا ترے بغیر

تُو تھا تو ذرّہ ذرّہ حقیقت نواز تھا
ہر شے ہے اب خیال کا دھوکا ترے بغیر

فرقت کا دردناک فسانہ، اسے نہ پوچھ!
ویران ہے سکون کی دنیا ترے بغیر

ذوقِ نظر ہے تشنۂ تکمیلِ آب و رنگ
ہے ناتمام دل کا فسانا ترے بغیر

اب صبحِ عید میں بھی کوئی دلکشی نہیں
چھایا ہوا ہے غم کا اندھیرا ترے بغیر

ماہر القادری

عید کی رباعیاں

عید کا خیر مقدم

عید آئی نشاط کی پیامی بنکر
ہنگامِ سرور و شادکامی بنکر
اے کاش یہ چند لمحۂ عیش و خوشی
رہجائیں مسرتِ دوامی بنکر

اسلام کا افتخار نامہ کہئے
اقوام کا اقتدار نامہ کہئے
رنگِ ازلی صحیفۂ عید میں ہے
فطرت کا اسے بہار نامہ کہئے

عید آگئی مخمور بنادے ساقی
روزہ مرا افطار کرادے ساقی
سنتے ہیں ثواب آج گلے ملتا ہے
تو شیشہ و ساغر کو ملادے ساقی

وطن کی عید

بُلبل کو چمن کی عید کچھ اور ہی ہے
گلشن میں سمن کی عید کچھ اور ہی ہے
یوں ہونے کو عید ہر جگہ ہے لیکن
واللہ وطن کی عید کچھ اور ہی ہے

احباب کی داد دو ید اللہ اللہ
بالیدگیٔ اُمید اللہ اللہ
ہے عشرتِ روح عید کہتے ہیں جسے
پھر وہ بھی وطن کی عید اللہ اللہ

صبحِ وطن از صبحِ بکنگھم خوشتر
باغِ وطن از جنّتِ آدم خوشتر
واللہ کہ عیشِ دو جہاں چیزے نیست
عیدِ وطن از عیدِ دو عالم خوشتر

«« سیماب اکبرآبادی »»

ہلالِ عید سے

اے ماہِ فلک اپنی کرنوں کو تو پھیلا دے — پھر عالمِ ظلمت کو پیغامِ تماشا دے
بادل کے کناروں سے اور نور کے پردوں سے — نظروں کو منور کر نظارے کو چمکا دے
خطبہ تو ذرا پڑھ دے بربادیٔ مسلم کا — جو خواب میں ہیں اُن کو تقریر سے تڑپا دے
ہم بھی تو سنیں آخر کیا رنگِ زمانہ ہے — اے ساقیٔ نورانی کن جامِ غم افزا دے
بدمستیٔ مسلم کی افزائشوں کو کم کر — بادل کو اشارہ کر اور خون برسا دے
ملّت کی پریشانی بربادیٔ ملّت ہے — ملّت کو ذرا درسِ تنظیمِ تمنّا دے
یہ تیری ضیا باری یہ تیری ضیا ریزی — تو اور بھی تاباں ہو عالم کو بھی چمکا دے
دیکھا نہیں جاتا ہے خوابِ اپنی تباہی کا — چھپ جائے یہ کمزوری ایسا کوئی پردا دے
ہم تجھ کو مسرّت کا عنوان سمجھتے ہیں — آیا ہے تو اے قاصد پیغامِ تمنّا دے

تابان و منوّر کن جذباتِ مسرّت را
مجبور سفارش کن بیزاریٔ فطرت را

المؔ مظفرنگری

اے ہلالِ عید اے آئینۂ حُسنِ ازل — منتظر ہے تیرے نظارے کا ہر پیر و جوان
ایک لمحے کے لئے تاریک بادل سے نکل — تا بہ کے لیتا رہیگا یوں نظر کا امتحاں

تیرے مشتاقوں میں اک ہلچل مچی ہے صبح سے
ان کی اُمیدیں ہیں نازک یوں انھیں ٹھکرا دے

آ کہ اب باقی نہیں آنکھوں میں تابِ انتظار — روزہ داروں کو قیامت ہو رہی ہے ہر گھڑی
اک مہینے سے دلِ ارماں زدہ ہے بیقرار — اور تو صبر آزما، مشکل ہے یہ کتنی بڑی

یہ تغافل کیشیاں اپنوں سے ہیں زیبا تجھے!
مشعلِ بزمِ فلک، یہ ہو گیا ہے کیا تجھے

ظلمتِ غفلت میں گُم ہے جادۂ راہِ بقا — پائے ہمت ہے شکستہ دُور ہے منزل ابھی
وقت ہے، اپنی شعاعِ نور سے رستہ دکھا — ہوتی ہے مشکل ہی میں پہچان سچّے دوست کی

ہند مدت سے ہے تشنہ کامِ درسِ اتحاد
عید کے ہمراہ دے پیغامِ درسِ اتحاد

ضیا فتح آبادی ایم۔ اے

عید کی رباعیاں

مجبوروں کی عید

مانا کہ مسرت کی گھٹا چھائی ہے
تسلیم کہ پھیلی ہوئی رعنائی ہے
تو آئی ہے اے عید مگر یہ تو بتا
ہمراہ مرے چاند کو بھی لائی ہے؟

ہم ہجر نصیب دل جلے کس سے ملیں
مردہ سے پڑے ہیں ڈولے کس سے ملیں
عید آئی ہے اور لائی ہے پیغامِ نشاط
یہ بھی تو بتا دے کہ گلے کس سے ملیں

ہے گرمیٔ زندگی سے سینہ خالی
وحشت سے نہیں کوئی قرینہ خالی
اوروں کے لئے خزاں بھی ہو فصلِ بہار
اپنے لئے عید کا مہینہ خالی!

مسافروں کی عید

یہ صبح تو اپنے ہی چمن میں ہوتی
یہ رات وطن کی انجمن میں ہوتی
احبابِ وطن میں ہم بھی ہوتے اے کاش
اے کاش ہمیں عید وطن میں ہوتی

دامانِ بہار نقشِ خورشید ہے آج
کانٹوں کا بھی رنگ محوِ تجدید ہے آج
دل سُوئے وطن جو خود کھچا جاتا ہے
اے صبحِ طرب فروز، کیا عید ہے آج؟

اے چرخ یہ تیری دشمنی عید کے دن
غربت کی وہی ہے رہزنی عید کے دن
یارانِ وطن اور انہیں سرمستیٔ عید
ہم اور غریب الوطنی عید کے دن!

سیماب اکبرآبادی

عید کی رباعیاں

ہر آئینۂ عشرت نگرِ عید رہے ہر حال میں پیدا اثرِ عید رہے
ہر صبح، شبِ قدر کی ہو صبحِ لطیف ہر شام میں رنگِ سحرِ عید رہے

پیدا سحرِ عید میں کیا طلعت ہے کیا شام ہے، کیا رات کی کیفیت ہے!
نذرِ احباب کے لئے اے نیّر یہ عید نہیں ہے، تحفۂ فطرت ہے

ہو صبح تو نذرِ مہرِ انور کردوں ہو شام تو صدقے مہ و اختر کردوں
سب کرتے ہیں عید پر زر و مال نثار میں آپ پہ عید کو نچھاور کردوں

پھر عیش کی تجدید مبارک ہو تمہیں پھر جلوۂ امید مبارک ہو تمہیں
پردیس میں دل سے یہ نکلتی ہے دعا اے اہلِ وطن عید مبارک ہو تمہیں

ناکام کو ہے شگفتِ امید ہی عید در اصل ہمیں ہے آپ کی دید ہی عید
ہر لمحہ مسرت کا ہو اک مژدۂ نو ہو عیش ہی عیش عمر بھر عید ہی عید

اللہ اللہ یہ اہلِ ایثار کی عید عیدِ ضُحیٰ ہے کہ ہے ابرار کی عید
سرکار کی ہر خوشی، خوشی ہے اپنی سرکار ہمارے اور سرکار کی عید

غربت زدہ و غریب و مجبور ہوں میں اُس پہ یہ ستم کہ آپ سے دور ہوں میں
عید آئی ہے یا نہیں، خبر مجھ کو کہاں! کیا عید کا احساس کہ مہجور ہوں میں

عشق لیتا رہے پناہ تری اور دل میں رہا ہو چاہ تری
ایکہ ابرو ترا ہلالِ عید، ایکہ ہے عید ہر نگاہ تری

مومن کے لئے ہے نورِ ایمانی عید دنیا کے لئے رحمتِ یزدانی عید
بعدِ رمضاں ہو سازگار اے نیّر یہ صبح سہانی، اور نورانی عید

سرکار پہ ہوں نثار عیدیں اک دو نہیں، سو ہزار عیدیں
یہ عید ہو آپ کو مبارک اور آئیں ہزار بار عیدیں

عید آئی، گھٹا ہوا ہر اک غم نکلا کچھ صبح کا آج اور عالم نکلا
روشن ہوا دل کا گوشہ گوشہ نیّر ہنستا ہوا جب نیّرِ اعظم نکلا

ہیجانِ نظر ہے عید کہتے ہیں جسے ہے ایک فریب، امید کہتے ہیں جسے
ہم اُس کو سمجھتے ہیں وعید اے نیّر دنیا کی زباں میں عید کہتے ہیں جسے

نیّر خورجوی
(از حیدرگڈھ باسودہ، گوالیار)

عید کی رباعیاں

دین داروں کی عید

سمجھے ہوئے اسلام کے ارکان ہیں یہ
اللہ کی توحید پہ قربان ہیں یہ
کمبل بردوش، دل غنی دُنیا سے
یہ عید انھیں کی ہے مسلمان ہیں یہ

امیروں کی عید

پہنے ہوئے ملبوسِ حریر آتے ہیں
نخوت کے چلاتے ہوئے تیر آتے ہیں
اے مفلسو! عیدگاہ خالی کردو
ہٹ جاؤ امیر ابنِ امیر آتے ہیں

غریبوں کی عید

دل خوش نہیں تسکین کی اُمید نہیں
ہے شامِ محرّم سحرِ عید نہیں
بیوہ کا سنگھار اور عیدِ غربا
دونوں میں کوئی بھی قابلِ دید نہیں

یتیموں کی عید

وہ ولولے وہ جوش کے ساماں نہ رہے
وہ عید کے دن خوشی کے ساماں نہ رہے
یہ کیا ہے یتیموں سے زمانے کا سلوک
کیا باپ کے مرتے ہی یہ انساں نہ رہے؟

بیواؤں کی عید

ہم جھول چکے سَتر کے جھولوں میں
ہے اپنا شمار اب تو مجہولوں میں
اے عید تو آئی ہے تو کیا نذر کریں
خوشبو ہی نہیں سہاگ کے پھولوں میں

ضعیفوں کی عید

ہر چیز یہاں ہے آنے جانے کے لئے
تغیر ہے لازمی زمانے کے لئے
ہم عید مناتے تھے کبھی اے سیماب
عید اب ہمیں آتی ہے منانے کے لئے

سیماب اکبرآبادی

عید کی رباعیاں

سازِ عید

عید آ گئی کچھ کیف کا ساماں کر دے
کانوں کو نویدِ موجِ کوثر کر دے
اے مطربِ جواں سُنا نغمۂ عیش
سازِ ہستی میں روحِ مستی بھر دے

عید کا انتظار

پیغام پر اعتبار کرتا ہی رہا
ہر سانس کو مشکبار کرتا ہی رہا
عید آئی، نہ تم آئے، نتیجہ یہ ہوا
میں عید کا انتظار کرتا ہی رہا

عشرتِ عید

تاباں سحرِ عید سے ہے طلعتِ عید
آثارِ اُفق سے ہے عیاں شوکتِ عید
اعجاز سے اپنے ایک لمحے کے لئے
دنیا کو جوان کر گئی عشرتِ عید

انعامِ عید

بربادکنِ جذبۂ آلام ہے عید
مسرورِ رُخِ گردشِ ایام ہے عید
نعمت کا صلہ بھی عین نعمت ہے یہاں
رکھے ہیں جو روزے اُن کا انعام ہے عید

جوانی کی عید

پُرکیف بہارِ شادمانی آئی
آئی موجِ نسیمِ زندگانی آئی
پیدا ہوئیں ہر دلمیں اُمنگیں منظرؔ
عید آئی کہ دُنیا میں جوانی آئی

عیدِ رنگیں

کچھ عیش کی تمہید نظر آتی ہے
جینے کی کچھ اُمید نظر آتی ہے
آثارِ شگفتگیٔ دل پیدا ہیں
رنگیں سحرِ عید نظر آتی ہے

منظرؔ

میری عید — "چند تازہ رباعیاں"

"جو سہتا ہوں وہ کہتا ہوں" (بقول حضرت حکیم اورنگ آبادی)

انکار کی رو سے دل بچایا نہ گیا — یہ سال بھی فائزِ تمنا نہ گیا
میں عید کے دن بھی مبتلائے غم تھا — یوں عید کا چاند مجھ سے دیکھا نہ گیا

دل پر جو گزرتی ہے سناؤں کیونکر — ہنسنا ہے محال مسکراؤں کیونکر
منظر ہے خراب زندگانی میری — اس سوچ میں ہوں عید مناؤں کیونکر

عید آئی ہے دنیا کو سکوں ملتا ہے — نغموں سے مسرت کے فلک ہلتا ہے
میں عہدِ شعور سے اسیرِ غم ہوں — کب دیکھئے قسمت کا کنول کھلتا ہے

ہے حد سے سوا ادب کی خدمت کا جنوں — یعنی غم و آلام و مصیبت کا جنوں
لیکن ایسے بھی ہیں ہمیں میں کچھ لوگ — رہتا ہے جنھیں عید کی عشرت کا جنوں

رو رو کے گذارتا ہوں راتیں اپنی — اے عید دکھا نہ مجھ کو گھاتیں اپنی
دنیا کو سناتی ہے تو اپنے نغمے — لیکن میں کسے سناؤں باتیں اپنی

دل آج بھی پُرغم رہا خنداں نہ ہوا — افسوس علاجِ غمِ پنہاں نہ ہوا
اے عید کے چاند تجھ کو دیکھوں کیونکر — مستقبلِ زندگی درخشاں نہ ہوا

ہو جائے جو ختم سرگرانی میری — نغمے برسائے خوش بیانی میری
لے آئے اگر "چاند" کو میرے مہِ عید — واللہ جوانی ہو جوانی میری

وہ چاند کہ جس سے روح تابندہ ہو — وہ چاند جو میرے لئے پائندہ ہو
یہ "جنتِ نو" عطا کرے گر مہِ عید — منظر مرا نامراد دل زندہ ہو

منظر

مزدور کی عید

ایک ناکام تمنا اک نحیف و ناتواں
سہہ رہا ہے اک حقیر اُجرت کی خاطر سختیاں

آنکھ میں آنسو ہیں اور دل میں ہجومِ یاس و غم
لب پر آہِ سرد ہے اور دوش پر بارِ گراں

صبح سے تا شام گو کرتا رہا جد و جہد
پھر بھی ہر سعیِ عمل تھی اُس کی سعیِ رائگاں

شب کی تاریکی سے پہلے ہو گئی تاریک وہ
صبح جو امید پرور تھی مسرت کا نشاں

ہو گئی گم اب تخیل میں وہ فردوسِ نشاط
جستجو میں جس کی یہ نکلا تھا گھر سے شادماں

راہ میں اک نشترِ غم تھا ہلالِ عید اور
روح کی غم کاریوں میں ہو گئی تجدید اور

اک سراپا پیکرِ غم اک سراپا اضطرار
محوِ غم صرفِ الم، پُر اضطراب و پُر غبار

جا رہا ہے اپنے گھر کو اس طرح بیگانہ وار
گویا دنیا میں نہیں ہے کوئی اُس کا غمگسار

جز غمِ بیچارگی جس کا نہیں کوئی رفیق
آہ یہ مزدور ہے آشفتہ حال و بیقرار

دل کو سمجھانے کی کوشش لاکھ کرتا ہے مگر
ضبطِ غم سے منہ کو آتا ہے کلیجہ بار بار

یاس و ناکامی کی چھائی ہیں گھٹائیں چار سو
اک جہانِ نامرادی ہر طرف ہے آشکار

پھر دلِ مجروح پر شاید لگی ہے کوئی ٹھیس
ہو گیا ہے ضبط سے باہر جو اُس کا اضطرار

رو رہا ہے اپنے کاشانے کی صورت دیکھکر
بیوی اور بچوں کو مجبورِ مصیبت دیکھکر

اک زمانہ ہے کہ عیش اندوز ہے مسرور ہے
ایک عالم ہے کہ رشکِ قیصر و فغفور ہے

ہر طرف چھائی ہوئی ہے اک نشاطِ سرمدی
ہر طرف رنگین جلووں سے فضا معمور ہے

قطرہ قطرہ اپنی وسعت میں لئے ہے اک بحر
ذرہ ذرہ اپنی حد میں رشکِ کوہِ طور ہے

عید کا دن ہے خوشی سے ہر بشر ہے شاد شاد
ہاں اگر دل تنگ ہے کوئی تو اک مزدور ہے

جس کو اک ادنیٰ سکونِ قلب بھی حاصل نہیں
آج کے دن بھی مسرت جس سے کوسوں دور ہے

آج بھی حاصل نہیں جس کو نشاطِ زندگی
آج بھی کمبخت کو اتنا نہیں مقدور ہے

میلے ملبوس کو اپنے جو کرلے عطر بیز
بوئے گل بھی آج اُس کے واسطے کافور ہے

باوجود اس کے بھی ہے خودداریوں پر اسکو ناز
لب نہیں محوِ شکایت شکر پر مجبور ہے

ایک شانِ بے نیازی سے بایں حالِ تباہ
جا رہا ہے آہ یہ بیچارہ سوئے عیدگاہ

رضا قریشی

کیا یہ عید حقیقی عید ہے؟

مرے دل کو ہے وہ فسردگی کہ خیالِ عیش بھی خار ہے تو پھر اے نصیب میں کیا کروں جو شبِ نشاطِ بہار ہے

جب سے ہندوستان میں اسلامی سلطنت کا آفتاب غروب ہوا ہلالِ عید کی بھی وہ کجکلاہی باقی نہ رہی جسے دیکھکر کسی کو خنجر اور کسی کو کمان کا گمان ہو جایا کرتا تھا۔ جب ہلالِ عید افقِ مغرب پر طلوع ہوتا تھا تو اللہ اکبر کی صداؤں سے کائنات گونج اٹھتی تھی، اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مسلمانوں کو عرشِ الٰہی کا کوئی مقرب فرشتہ ایک ایسا پیام دے گیا ہے جو توحید ہی توحید سے لبریز تھا، اور جسے کانوں سے نہیں بلکہ آنکھوں سے سُن کر ہندوستان یکلخت عظمت الٰہی کی تقدیس و تہلیل میں مصروف ہو گیا۔ شاہی نقارخانوں پر چوبیں پڑتے ہی محلوں سے جھونپڑوں تک "سُبُّوحٌ قدُّوسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ" کی شہنائیاں بجنے لگتی تھیں مسلمان تسبیح و تہلیل میں مصروف ہو جاتے تھے اور چند روزہ قیام کے بعد ماہِ رمضان کی عاجلانہ رخصت پر آنکھ سے ایک اشک مسرت بہہ جاتا تھا۔

آج وہ ہی ہندوستان ہے کہ عید کا چاند نظر آنے کے بعد مسلمان کچھ زیادہ متردد ہو جاتے ہیں کچھ زیادہ متاسف، اور کچھ زیادہ المناک ہو جاتے ہیں۔ افلاس و ادبار کی دائمی موجودگی انہیں صبحِ عید کی آمد سے متوحش کر دیتی ہے۔ بچوں کی اُمنگیں، خواتین کی خواہشیں اور اپنی جیبیں دیکھ دیکھ کر وہ مغموم ہو جاتے ہیں اور ان کے دلوں میں سچی مسرت کا کہیں وجود نہیں ہوتا۔

وہ اب بھی آنسو بہاتے ہیں مگر ماہ رمضان کی رخصت پر نہیں بلکہ اپنی مجبوریوں پر اُن کی آنکھیں اب بھی پُرنم ہو جاتی ہیں۔ مگر احساسِ ملی سے نہیں بلکہ ناموافقت حالات سے صبحِ عید کے تمام رسمی اور شرعی مطالبے ان کی نگاہِ خیال کے سامنے ہوتے ہیں۔ طعام لذیذ، صدقۂ فطر، نیا لباس، بچوں کی خاطر داشت، اعزا کی مہمان نوازی، احباب کی خاطر مدارات اور خادموں کے انعام و اکرام، غرض کہ افکار کی ایک فوج ان کے دلوں پر یورش کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اور وہ ہر نئی سانس کے ساتھ اپنی بے بضاعتی، کم مائگی۔ اور بے مقدوری کو مغلوب محسوس کرتے ہیں۔ اسی وحشت ناک خواب میں صبح ہو جاتی ہے۔ کہنے کو یہ صبح، صبحِ عید ہوتی ہے، مگر وہ بدستور اپنے بسترِ خواب سے کسلمند اُٹھتے ہیں۔ ان کے دل میں کوئی نئی مسرت بیدار نہیں ہوتی۔ اُن کی آنکھوں کے سامنے کوئی نیا نظارہ طلوع نہیں ہوتا۔ صبح کا نام بدل جاتا ہے۔ مگر زندگی کی تاریکی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ وہ تمام مراسم پورے کرنے کی حتی الامکان کوششیں کرتے ہیں۔ اسی جد و جہد میں شام ہو جاتی ہے اور انہیں خبر بھی نہیں ہوتی کہ عید کیوں آئی تھی اور کیا لائی تھی۔ کب گئی

کہاں گئی، اور اُس کے آنے سے نتیجہ کیا ہوا؟

کیا "عید" اسی کا نام ہے، کہ دل کا کنول بدستور پژمردہ رہے اور ہنگامۂ بہار ختم ہو جائے؟

یہ تو مُسلمانوں کی معاشرتی عید کا ماتم تھا، آج اجتماعی اور ملّی حیثیت سے بھی عید کو کوئی امتیاز حاصل نہیں۔ عید کے دن جو مسلمانوں کے اجتماعِ عظیم کا ایک روز معیّن ہے ہزاروں مسلمان عیدگاہ کی طرف جاتے ہیں۔ لیکن سب کی نگاہ اپنی طرف ہوتی ہے۔ دولت مند اپنے لباس کو دیکھتے ہیں۔ رؤسا اپنی موٹروں پر نظر رکھتے ہیں۔ علما اپنی عظمت کے تماشائی رہتے ہیں۔ زعما اپنی شہرت کی نگرانی کرتے ہیں۔ دوکاندار اپنی تجارت کو مدِّنظر رکھتے ہیں، اور کوئی کسی کی طرف اس خیال سے نظر اُٹھا کر نہیں دیکھتا کہ اُسے عید کے دن پیامِ اخوت دے۔ جو اجتماعِ عید کا مقصدِ عظیم ہے۔ شکر کے سجدے تو گھروں اور محلّوں کی مسجدوں میں بھی ادا ہو سکتے ہیں۔ پھر کیا ضرورت تھی کہ مسلمانوں کو اپنے گھروں سے اتنی دور جا کر نمازِ شکر ادا کرنے کا حکم دیا جاتا؟ صرف یہ کہ وہ مجلسی اور اجتماعی برکات سے بہرہ اندوز ہوں۔ آپس میں محبت کرنا سیکھیں، باہمی معانقوں سے اپنی صفائی قلب کا ثبوت دیں۔ مگر آج اس مقصد اور اس ضرورت سے مسلمانوں نے مطلق روگردانی کر لی ہے اور عید صرف ایک رسمی عید رہ گئی ہے۔ جس کا منانا اور نہ منانا دونوں برابر ہیں۔

اے کاش مسلمان بیدار ہوتے، اور غور کرتے کہ عید، اور اجتماعِ عید کا مقصد کیا ہے؟ مفادِ تنظیم اور اجتماعی فائدوں پر گہری نظر ڈالتے اور "عید" کی تقریب جس اعلیٰ مقصد کے لئے وضع کی گئی تھی اسے فوت نہ ہونے دیتے۔

مگر مسلمانوں کے دلوں سے وہ روح کھینچ لی گئی ہے جو ان تمام باتوں کی طرف متوجہ کرنے کی ذمہ دار تھی۔ مُسلمان برائے نام مسلمان رہ گئے ہیں۔ وہ جذبۂ اسلام، جس نے انھیں تمام کائنات پر اشرف العالم بنا رکھا تھا۔ ان سے رخصت ہو چکا ہے۔ اب سچی عقیدت و ارادت کی جگہ ضرورت اور ریاکاری نے لے لی ہے۔ اب اُن کے سب کام بے روح ہوتے ہیں۔ اور ایک عید پر ہی کیا موقوف ہے۔ ہر اسلامی تہوار نمائش بدرسمی، اور بدعات کا ایک ہنگامۂ لذیذ برپا کر کے رخصت ہو جاتا ہے۔ اور یہ جہاں تھے وہیں رہ جاتے ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ عید آئی مگر مُسلمانوں کے لئے مسرّت کا کوئی نیا پھول اس کے بہار پرور دامن میں موجود نہیں۔ رہنماؤں میں اختلاف ہے، طریقِ عمل میں اختلاف ہے، گھروں میں اختلاف ہے۔ دلوں میں اختلاف ہے۔ اسی اختلاف کے جذبات کے ساتھ عید کے دن عیدگاہوں میں سر جھکتے ہیں۔ نمائشی معانقے ہوتے ہیں۔ مبارک بادیوں کے شور مچائے جاتے ہیں اور عید کے دوسرے دن پھر وہی اختلاف کی جنگِ عظیم برپا ہو جاتی ہے۔ عید ایک فطری مسرّت ہے۔ ہر مسرّت کا احساس صرف دل کی شگفتگی پر منحصر ہے، مگر امتدادِ ایّام، انقلابِ مّت، اور باہمی اختلافات نے دلوں سے شگفتگی کی روح کھینچ لی ہے۔ مسلمان مردہ ہیں اور یہی وجہ ہے کہ انھیں قومیت تمدّن، اور معاشرت کی حقیقی زندگی نصیب نہیں ہوتی ؎

نہ کلی ہے وجہِ نظر کشی، نہ کنول کے پھول سے تازگی
فقط ایک دل کی شگفتگی سببِ نشاطِ بہار ہے

سیماب اکبرآبادی

یتیم کی عید

چہرہ گرد آلود، بال اُلجھے ہوئے قمیص تار تار، پیشانی محبت بھرے ہونٹوں سے مس ہونے کے لئے بے تاب! گرد میں اٹی ہوئی زلفوں کی بے ترتیبی دستِ شفقت سے سنورنے کے لئے بے چین۔ اکسی بچّے نے "ابّا" کہا اور اُس کی نظریں اُس چہرے پر جم کر رہ گئیں جو سختی کے ساتھ کہہ رہا تھا "میں تیرے باپ کا چہرہ نہیں ہوں" —— پچھلی عید پر جو زمین و آسمان تھے، وہی اب تھے، در و دیوار سبزہ، باغیچے، مکان، درخت، انسان، سب بدستور موجود! مگر ایک باپ کے نہ ہونے سے، ہر منظر ویران، ہر چیز پر اُداسی چھائی ہوئی —— دوگانہ پڑھنے کے بعد جب بچّے اپنے باپ کے دامنوں سے لپٹ گئے، اور اُس کی طرف ایک ہاتھ بھی نہ بڑھا، تو یتیم بچّہ آسمان کی طرف دیکھ کر بولا:-

"ابّا! مجھے بھی اپنے پاس بلا لو"

بیوہ کی عید

سینہ خالی، نگاہیں ویران، پلکیں بھیگی ہوئیں، حسین رخساروں پر بیوگی کی اُداسی چھائی ہوئی، گھنی اور لانبی زلفیں تھکے ہوئے مسافر کے دل سے زیادہ پریشان ہونٹوں کی لالی اتنی پھیکی کہ دق کے مریض کے رخسارے، اس کے مقابلے میں انگارے سے زیادہ صبیح و روشن —— قمیص کے کفوں پر بے شمار سلوٹیں پڑی ہوئیں، ململی دوپٹہ کے کنارے جگہ جگہ سے پھٹے ہوئے، اُن کلائیوں میں چاندی کے موٹے موٹے کڑے جو پھولوں کے گجروں کے بار سے دُکھ جاتی تھیں —— عورت، نہیں! اُمیدوں کی لُٹی ہوئی دنیا، تمناؤں کی متحرک لاش، آرزوؤں کی چلتی پھرتی قبر، کچلے ہوئے جذبات کا اُداس مجسمہ! جب عورتیں زرق برق جوڑے پہن کر اُس کے پاس آئیں تو غریب شرم و ندامت سے دُہری ہو کر رہ گئی، وہ عورتوں سے ملتے ہوئے جھجکتی تھی، شرماتی تھی،

اس لئے کہ سہاگ کی محفل میں بیوگی کو بیدردی کے ساتھ ٹھکرایا جاتا ہے، وہ اس ذلت کو محسوس کرتی تھی، اُس نے اپنی نند کے دوپٹہ کو چھینتے ہوئے، دبی زبان سے کہا:۔

اب کہاں وہ کیف کی راتیں، وہ دلچسپی کے دن
زندگی اک مستقل آزار ہے تیرے بغیر (ماہر)

مزدور کی عید

کُرتے میں پیوند لگے ہوئے، سر پر پھٹی ہوئی ٹوپی، دھوتی کی کور تار تار، آنکھوں کے حلقے سیاہ کاندھے پر میلا انگوچھا پڑا ہوا۔ مضبوط شانے مشقت کے بار سے نڈھال، بیوی نے صبح سویرے موٹی سوّیاں گُڑ ڈال کر پکا دیں، بچّے نے مزدور کی گود میں مچل کر کہا "ابّا! میں تو دودھ ڈال کر کھاؤں گا" مزدور کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے، دُکھیاری ماں نے اکلوتے لال کو بہلا پھسلا کر وہی سوّیاں کھلا دیں جو دھوئیں سے سیاہ بھی ہوگئی تھیں۔ عیدگاہ کو چلا، مگر شرماتا ہوا، امیروں اور اُجلے کپڑے پہننے والوں کی نگاہوں سے بچتا ہوا۔ راستہ میں شہر کے بڑے امیر کی بگھی اُس کے قریب سے گذری، چابک سوار نے "اندھا ہے، دیکھتا نہیں" کہہ کر ایک چابک اس زور سے مارا کہ مزدور تلملا اُٹھا، مزدور آسمان کی طرف دیکھ کر بولا:۔

"مالک! کیا پاپ کی ناؤ ابھی نہیں بھری"

ماہر القادری

عروسِ عید

ہلال سے صبحِ عید نکلی، عروسِ رنگیں عذار بنکر
خدائی پر اک نئی جوانی برس رہی ہے بہار بنکر

عید ـــــ ایک شاعر کے نقطۂ نگاہ سے

چمن در آغوش ہے تماشا، نگاہ پھولوں میں بس رہی ہے
کہ آج سورج کی ہر کرن سے نظر کی جنت برس رہی ہے

ہر مہینے کی آخری شفق، تاریک ہو جانے کے بعد ایک سنہری ٹکڑا، ایک قاش زرّیں، یا ایک طلائی خنجر آسمان کے مغربی گوشہ میں نمودار کر دیتی ہے۔ یہ سلسلہ خدا جانے کتنی مدت مدید سے جاری ہے اور کب تک جاری رہے گا۔ مگر قمری سال کا ہر نواں مہینہ ختم ہونے کے بعد آنے والی پہلی صبح کی آغوش میں ایک ایسے مولود کی ولادت کا اعلان کرتا ہے جس کے ورود سے ساری دنیا غیر معمولی طور پر مسرور ہو جاتی ہے۔ اسی مولود کا نام "عید" ہے۔

چاند میں کوئی نئی روشنی نہ تھی اس کا قیام بدستور عارضی تھا اس کا مقام بدستور مغرب تھا، رات بھی جیسی تاریک و انجم خیز ہوا کرتی تھی ویسی ہی تھی اور صبح بھی اپنے قانون قدیم کے مطابق بدستور طلوع ہوئی تھی۔ پھر یہ چہل پہل، یہ غوغائے شادمانی، یہ ہنگامۂ مبارکباد و معانقہ، کیا چیز ہے؟ صرف عشرتِ خیال، ہم اپنے تخیل میں حالات و واقعات کی جو صورت قائم کر لیتے ہیں اُسی کا اثر ہمیں اپنے دل میں براہ راست اُترتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ عید کا تعین سب سے پہلا اصول احساس ہے، عید کو خوشگوار سمجھنا دوسرا اصول ہے، اور عید کو خوشی منانے کے لئے مخصوص کر دینا تیسرا اصول ہے۔ انھیں اصولوں پر مسرت عید کی اساس ہے۔ اگر یہ اصول توڑ دیے جائیں تو عید کا چاند معمولی چاند اور عید کی صبح معمولی صبح رہ جاتی ہے، مگر، نہیں، عید صرف عشرتِ خیال نہیں ہے، رمضان کے تیس روزوں کے بعد افطار کی پہلی صبح یقیناً غیر معمولی ہونی چاہیے۔ تمام تعینات کو ہٹا لیجئے، تمام احساسات کو سمیٹ لیجئے، تمام خصوصیات کو خارج کر دیجئے۔ پھر بھی یہ حق الیقین کہ تیس دن روزے رکھے گئے ہیں۔ نفس کو اتقا کی دعوت دی گئی ہے۔ خدا کا حکم مانا گیا ہے اور رسول اللہ (صلعم) کی اطاعت کی گئی ہے۔ دل کو ایک ایسے سرور سے، ایک ایسی نشاط سے، ایک ایسی مستی سے تسکین کر دیتا ہے، جسے صرف "عید" ہی کہہ سکتے ہیں۔ اور کچھ نہیں۔!

عید کی مسرتوں کا نزول ہلال عید کی رویت کے ساتھ سب سے پہلے نگاہوں پر اور نگاہوں کے ذریعہ دل پر ہوتا ہے۔ شام ہی سے

ایک عشرت محسوس جسم کی رگوں میں دوڑنے لگتی ہے۔ رات کچھ سہانی سہانی سی نظر آتی ہے پچھلے پہر اُٹھنے کی عادت سی تھی، اس لئے آنکھ وقت پر کھلتی ہے۔ احساس ِ وقت پر بیدار ہو جاتا ہے، مگر فوراً خیال آتا ہے کہ چاند ہو چکا ہے، صبح عید ہے، سحری ختم ہو گئی، اس خیال کے آتے ہی آنکھیں صبح عید کی بہار افزا ضیاؤں میں کھلنے کے لئے پھر بند ہو جاتی ہیں۔ صبح آفتاب کی نورانی کرنوں کے ساتھ طلوع ہوتی ہے تمام دنیا رنگ و بو کی موجوں سے دامانِ فردوس بن جاتی ہے۔ فردوس خدا جانے اتنی معطر و معنبر ہوگی یا نہیں۔ مگر ہاں دُنیا کوئی ایسی ہی چیز بن جاتی ہے جسے اصطلاحاً فردوس کہا جا سکتا ہے۔ ادہر مسلمان نئے معطّر لباس پہن کر اپنے بچّوں کو دولہا بنا کر اور اپنے گھروں کو عید کی مسرتوں سے لبریز چھوڑ کر عیدگاہ کی طرف جاتے ہیں ادہر غیر قومیں اپنی تجارت سے فائدہ اُٹھانے کے لئے اُن کے راستے میں تخت اور زمین پر بیٹھ جاتے ہیں پولیس جا بجا مصروفِ انتظام ہو جاتی ہے اور پولیس کے افسران اعلیٰ ہجوم کی نگرانی اور حفاظت میں ادہر سے اُدہر گھومتے پھرتے ہیں۔ اس لئے عید صرف مسلمانوں ہی کی نہیں ہوتی بلکہ غیر قومیں اور اُن کے ساتھ حکومت بھی مسرتِ عید میں شریک ہو جاتی ہے اس لئے عید عشرتِ خیال نہیں ہے بلکہ **فطری مسرّتوں کا ایک عملی مظاہرہ ہے**۔ آپ ذرا غور تو فرمائیں! جو پھول آپ کے پائیں باغ میں آج کھلا ہے کیا وہ کل کے شگفتہ ہو کر مرجھانے والے پھول سے زیادہ خوبصورت، زیادہ رنگین، اور زیادہ جاذب نگاہ نہیں ہے؟ آج صبح جب آپ کی آنکھ کھلی ہے تو کیا دنیا آپ کو ایک نئے رنگ میں ڈوبی ہوئی محسوس نہیں ہو رہی ہے، کیا آپ کی رفیق زندگی اور گھر کی ملکہ کا تبسّم رنگیں آج اپنے اندر ایک غیر معمولی جاذبیت لئے ہوئے نہیں تھا۔ کیا آپ کے بچّے جو ہمیشہ خوش پوش رہتے تھے، آج معمولی نئے لباس میں شہزادے نہیں معلوم ہو رہے ہیں۔ اور کیا آپ کے دل میں آج خوشی اور مسرت کا وہ فطری جذبہ موجزن نہیں ہے۔ جس سے آپ کا دل کل تک خالی تھا۔

فضائے بسیط پر نظر پھینکئے خلا کے دھندلکے میں ایک روشنی محسوس ہوگی، آسمان ہنستا ہوا نظر آئے گا۔ زمین کے کشادہ پر نظر ڈالئے مزدور اور سرمایہ دار غریب و امیر سب ایک ہی "عشرت" میں کھوئے ہوئے نظر آئیں گے۔ سب کے چہروں پر مسرت کی ایک سی جھلک معلوم ہوگی۔ سب کے دل سیر و تفریح اور کھانے پینے کی طرف مائل نظر آئیں گے۔ طبیعتوں کا یہ غیر معمولی انقلاب آخر کیا ہے؟ اور کیوں ہے؟

"صرف اس لئے کہ آج عید ہے"

آج طبیعت بغیر ارادہ کے موزوں ہے۔ جی چاہتا ہے کہ وہ ہوں نہر کا کنارہ ہو ایک سبزہ زار ہو گلاب کے درختوں کا سایہ ہو، وہاں سبزہ کے ہر پتے پر اُن کے جمالِ رنگیں کی تعریف میں ایک شعر مرتسم کر دیا جائے، پھول کی ہر پنکھڑی پر ان کے لئے ایک نظم تبریک لکھدی جائے۔ غرضکہ تمام سبزہ زار کو عید کے نغمۂ محبّت سے بھر دیا جائے جی چاہتا ہے کہ عید کے دن تمام کائنات ایک صفحۂ زرّیں کی صورت میں تبدیل ہو جائے۔ اور شاعر اس پر اپنے کائنات گیر قلم سے "صبح عید" کے تاثرات کی منظوم کرنیں پھیلا دے۔

اے عید تو حقیقت میں ایک ایسی صبح جدید ہے جو ایک سال تک مشرق عالم پر نمودار نہیں ہوتی۔ آ، میں تیری سعادتوں، برکتوں اور ضیا باریوں کو اپنے ذہن میں جذب کرلوں تیرے سواد درخشاں سے اپنے قلم میں سیاہی کی جگہ تازہ روح بھرلوں۔ تاکہ جب تو رخصت ہو جائے تو تیرے تاثرات میرے بیان اور میرے قلم کی زبان سے برستے رہیں، اور میں اپنی دلکش نظموں، اپنے نظر فروز فسانوں، اور اپنی بہار آفریں نغمہ سرائیوں کو اور بھی زیادہ دلکش، نظر افروز، اور بہار آفریں بنا سکوں!

داماںِ نگہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار
گلچینِ جمالِ تو ز داماں گلہ دارد

سیماب اکبرآبادی

تبریکِ عید

ایک پُرمسرت دل جسے تم نے نئی زندگی عطا کی
ایک بھٹکی ہوئی روح جسے تم نے نیا قالب بخشا
محبت کے نئے اور پاکیزہ ترین جذبات کیساتھ
تمھیں نئے سال کی مبارکباد دیتا ہے
میری زندگی کا نیا ورق پلٹنے والے خدا تجھے خوش رکھے
مولا! یہ سال ہمیں پھولتا پھلتا دیکھے، ہماری محبت سدا بہار ہو

نواب سردار بیگم اختر حیدرآبادی

(۱)

میں اور نشاط ایک ساتھ کالج میں داخل ہوئے اور پہلا سال بڑی مسرت، لطف اور کامیابی کے ساتھ ختم ہوا۔ ہمارے متعلق کالج میں مشہور ہوگیا تھا کہ آپس میں ہم بہترین دوست، بہترین رفیق اور بہترین محبت کرنے والے ہیں۔

مجھے خود بھی اس اتحاد، اس روحانی بلندی، اس سچے پریم، بے غرض محبت اور پاکیزگی مراسم پر ناز تھا ایسے ہی نشاط بھی متأثر تھا۔ ہمارے دن فردوسی خوشگواریوں۔ پُرسکون لطافتوں اور انتہائی دلچسپیوں کے ساتھ بسر ہو رہے تھے، بالکل ایسے ہی جیسے محبت کے نغمے صبح کے اوّلین لمحات میں گونجتے ہیں، بالکل ایسے ہی جیسے شفقِ سُرخ کی رنگ سامانیاں سامانِ نشاط پیدا کردیتی ہیں اور بالکل ایسے ہی جیسے ماں کے پیار کی مقدس روشنی بچے کی روح میں گدگدی پیدا کردیتی ہے۔

انھیں دنوں میں میرے اور نشاط کے مکان کے بالکل قریب والی کوٹھی میں ایک معزز خاندان آکر آباد ہوا۔ اس کوٹھی کی سب سے بڑی چھت میرے مکان کی آخری چھت سے بالکل ملی ہوئی تھی اور نشاط کا مکان ذرا اُس طرف تھا۔

دوسرے دن کالج جانے سے قبل ہمارا اُن سے تعارف بھی ہوگیا میں نشاط کے ساتھ جا رہا تھا کہ ایک صاحب کوٹھی سے نکلتے ہوئے نظر آئے اور ہماری طرف بڑھے، ہمیں بھی اخلاقاً ٹھہرنا پڑا، رسمی گفتگو اور آدابِ ہمسائگی کی تجدید کے بعد ہم جانا ہی چاہتے تھے۔ کیونکہ کالج کو دیر ہو رہی تھی کہ اُنھوں نے کہا۔

کیا آپ کے کالج میں کچھ لڑکیاں بھی پڑھتی ہیں۔

نشاط نے جواب دیا "صرف چار"

"اور ان کی تعلیم و نگرانی کا بہت معقول انتظام ہے" میں نے کہا۔

"بہت خوب" کہتے ہوئے وہ ہم سے رخصت ہوگئے اور ہم سیدھے کالج کی طرف چلدیے۔

راستہ میں نشاط نے کہا۔

معلوم ہوتا ہے وہ اپنی کسی لڑکی کو کالج میں بھیجنا چاہتے ہیں"

"مجھے بھی ایسا ہی نظر آتا ہے"

"آدمی تو بہت خلیق ہیں اور ملنسار بھی"

"اس کے ساتھ ہی جدید تہذیب کے پیرو بھی معلوم ہوتے ہیں"

"اس چودھویں صدی میں اس کی بڑی ضرورت ہے"

یہی گفتگو کرتے کرتے ہم کالج پہونچ گئے۔

(۲)

بجلی کی چمک کی تیزی شاید آنکھوں کو اس قدر خیرہ نہ کر سکے جس قدر دفعتاً ایک جلوۂ بے نام کے آنے سے تمام کلاس کے طلبا چونک پڑے ـــــ نشاط تصویرِ حیرت بن کر رہ گیا۔ اتفاق دیکھئے میری ڈیسک لڑکیوں کی نشست گاہ سے قریب پہلی صف میں تھی۔ جیسے ہی وہ کلاس میں داخل ہوئی۔ میری نگاہیں اُس سے دو چار ہوئیں۔ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میرے تمام جسم میں شعلے بھڑکنے لگے ہیں تصادم نگاہ کے انتہائی حملے نے میری عجیب کیفیت کر دی اور میں حسن کے چلتے پھرتے جادو کا شکار ہو کر رہ گیا۔

گو میں نے بہت جلد اپنی حالت پر قابو پا لیا مگر قابو نہ پانے کی طرح، دل زور زور سے دھڑک رہا تھا تمام جسم میں ایک نئی سی کیفیت طاری تھی۔ اور دماغ کی تمام یکسوئی حرف غلط کی طرح مہمل نظر آ رہی تھی۔

لڑکی کے داخل ہونے کے بعد ہی ایک جنٹلمین کی آمد نے ہمیں بہت جلد آگاہ کر دیا کہ وہ ہمارے جدید ہمسائے کی صاحبزادی ہیں۔ انھوں نے پروفیسر سے کچھ کہا اور جانے کے لئے مڑے تو ہمیں سامنے ہی تھا کہنے لگے۔

"او ہو مسٹر تاج تم بھی اسی کلاس میں ہو"

"جی ہاں" ـــــ باوجودِ کوشش میں اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکا۔ میری آواز گلے میں گھٹتی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔

"اچھا کالج سے واپسی پر آپ، اور مسٹر نشاط میرے یہاں چائے پئیں گے" یہ کہتے ہوئے وہ چلے گئے۔

نشاط جو بالکل میرے برابر والی کرسی پر بیٹھا تھا ابھی تک اُسی عالم حیرت میں تھا۔ کتاب اُس کے سامنے کھلی ہوئی تھی اور میں دیکھ رہا تھا کہ وہ بجائے پڑھنے کے کچھ سوچ رہا ہے

پروفیسر کی وسیع آواز ہال میں گونجی، نشاط نے چونکتے ہوئے کہا، لیکچر شروع ہو گیا تاج، ذرا توجہ سے سننا۔

"اور تم کیا سونا چاہتے ہو" میں نے کہا۔

"نہیں تو" وہ مسکرایا۔ اس وقت اس کی مسکراہٹ بہت بامعنی تھی جسے میں سمجھا بھی اور نہیں بھی سمجھا۔

پروفیسر نے کیا کہا، میں کچھ نہیں سمجھا، لیکن یہ ضرور سمجھ گیا کہ نشاط کی نگاہیں پہلو بدل رہی ہیں۔ آج وہ بالکل چپ تھا

اور یہ میری اُس کی دوستی میں سب سے پہلا وقت تھا۔

یہ بالکل حقیقت ہے کہ اس کافر کی نگاہِ اوّلیں ہی میرے صبر و شکیب کی خاتم تھی مگر تمام تعلیمی وقت میں جس وقت بھی اتفاقیہ طور پر میری نگاہ اس کی طرف اُٹھ گئی۔ میں نے یہی دیکھا کہ وہ میری طرف دیکھ رہی ہے۔ میں نے اسے کوئی اہمیت نہ دی۔ دراصل میں اپنی اس کیفیت اور انقلاب جدید کو ذہن و دماغ سے دور کرنا چاہتا تھا۔ نشاط اکثر اُدھر دیکھتا ہوا پایا گیا، کبھی کسی بہانے سے اور کبھی کسی بہانے سے، کالج کا کوئی اور لڑکا چاہے نہ سمجھا ہو مگر میں سمجھ گیا کہ نشاط اُس کے حُسن سے متأثر ہو چکا ہے۔

(۳)

کالج سے واپسی میں نشاط مجھ سے پہلے ہی رخصت ہو گیا اور مجھے تنہا آنا پڑا، راستے میں میرے دل نے کہا۔ عورت کا حُسن بھی کس درجہ بے پناہ ہے کہ اپنے ایک ہی حملے میں دو متحد و یکجا مخلص دوست ہستیوں میں رقابت کی مہلک اور خوفناک آگ بھڑکا دیتا ہے۔" کیا واقعی نشاط کی خاموشی کا یہی راز ہے؟" بار بار یہ نقرہ میرے ذہن میں گونج رہا تھا اور میں جس قدر غور کرتا تھا ہمارے تعلقات کی بنیادیں متزلزل ہوتی جا رہی تھیں۔

میں گھر پہونچنے کے بعد اُسی لباس میں چُپ چاپ بیٹھا ہوا انہیں خیالات میں گم تھا کہ نشاط آ گیا۔ وہ اس وقت بہت خوش نظر آ رہا تھا اور قیمتی سوٹ میں ملبوس تھا۔ اُس نے آتے ہی کہا کیا سوچ رہے ہو آج کیا چاہئے پر نہیں چلوگے؟

ہاں میں تو نہیں جاؤں گا، میں نے ذرا لاپروائی سے جواب دیا۔

" آخر کیوں؟ ہرج ہی کیا ہے" نشاط نے میرے تاثرات کو بالکل نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

" یونہی، جانے کو جی نہیں چاہتا"

" اچھا" کہنے کے بعد وہ اس انداز سے پیچھے مُڑا جیسے اُس کی دلی تمنا یہی تھی کہ میں وہاں نہ جاؤں اور چپ چاپ چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد میں بڑے زور سے ہنسا، ہنسا نہیں بلکہ رو دیا، میں نے ماتم کیا، محض ایک عورت کی وجہ سے آج ہمارے برسوں کے تعلقات کی زنجیریں رقابت کے تیز نشتر سے کاٹی جا رہی تھیں، اور محبّت کی پاکیزہ طنابیں ٹوٹ ٹوٹ کر انسان کی خود غرضی کا اعلان کر رہی تھیں۔

نفسیاتی طور پر میں نے آج تک نشاط کی فطرت کا مطالعہ نہیں کیا تھا، مگر آج مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ کس قسم کا انسان ہے مجھے اُس سے کچھ نفرت سی ہو گئی، اس لئے نہیں کہ وہ اُس سے محبّت کرتا تھا جس نے میرے دل میں جگہ پا لی تھی۔ بلکہ اس لئے کہ وہ انسان ہو کر انسانیت کی کسوٹی پر اس درجہ ناکارہ ثابت ہوا کہ درجۂ حیوانیت سے بھی گر گیا۔

نشاط اُسے پسند کرتا تھا، بہت اچھا، مگر میں نے اُس سے کب کہا تھا کہ میں بھی" اُس کو" چاہتا ہوں۔ پھر سوسائٹی کا یہ کونسا

قانون ہے کہ محض اپنی ذات کی آسائش کی وجہ سے تعلقاتِ دیرینہ کے گلے پر خنجر چلا دیا جائے، نشاط دل سے نہیں تو رسماً ہی ان تمام تعلقات کے ساتھ بھی جو میرے اور اُس کے درمیان تھے اپنی ذاتی غرض کی تکمیل کر سکتا تھا۔ مگر یہ فوری انقلاب واللہ بڑا عجیب انقلاب تھا۔ میں ایک مرتبہ پھر ہنا، اور وہ قصر جو نشاط کی پُرفریب محبت حقیقت کا روپ بھر کر بنا چکی تھی ایک دم منہدم ہو کر رہ گیا بالکل ایسے ہی جیسے ہرے بھرے چمن پر پوری قوت سے بجلی گرے اور چمن خاکستر ہو کر رہ جائے، محبت کا جذبہ حقیقتاً شیشے سے زیادہ نازک، پھول سے زیادہ نرم اور نکہت سے زیادہ معصوم ہے، محبت میں سب کچھ برداشت کیا جاتا ہے اور ہو جاتا ہے مگر "فریب" اور محبت کی توہین کبھی گوارا نہیں ہو سکتی۔

میں اپنے دل میں فیصلہ کر چکا تھا کہ میرے اور نشاط کے پُرخلوص مراسم آج ختم ہو گئے۔ اب رہے رسمی تعلقات، تو میں اس انقلابِ عظیم کے بعد بھی اس کے لئے تیار تھا کہ میرے اور نشاط کے رسمی تعلقات باقی رہیں۔ لیکن نشاط کیا چاہتا تھا یہ مجھے بالکل معلوم نہ تھا۔

"چائے پر آپ کا انتظار ہو رہا ہے" کسی نے میرے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ یہ اُن کا ملازم تھا۔

میں نے کہا "میری طرف سے معذرت پیش کرتے ہوئے کہہ دینا کہ وہ نہیں آسکتے طبیعت خراب ہے"

ملازم رخصت ہو گیا اور میں پھر خیالات کے تلاطم کی موجوں میں گم ہو گیا۔

(۴)

شاید ۹ بج چکے تھے اور میں سونے کے لئے لیٹ چکا تھا کہ نشاط میرے کمرے میں داخل ہوا، اس وقت وہ مسکرا رہا تھا اور مسکرائے چلا جا رہا تھا۔ اُس کی نگاہیں بتا رہی تھیں کہ وہ بہت مسرور ہے، مسرور اور سرخوش، جیسے کسی نے اُسے آج شراب پلا دی تھی۔

اُس نے انتہائی بے تکلفی کے ساتھ میرے پلنگ پر بیٹھتے ہوئے کہا "تاج" میں لُٹ گیا۔

میں جو اس سے قبل کالج ہی میں سب کچھ سمجھ چکا تھا اور جانتا تھا کہ نشاط کس عالم میں ہے لاپروائی سے بولا "مبارک ہو"

"مجھے اُس سے محبت ہو گئی ہے"۔ نشاط نے کہا۔

"خدا تمھیں کامیاب کرے"، میں نے ذرا طنز کے ساتھ کہا۔

مگر وہ کچھ نہیں سمجھا اُس نے اُسی نشاط انگیز عالمِ کیف میں مسکراتے ہوئے کہا

"شہلا بڑی بھولی اور پیاری لڑکی ہے چائے کے دوران میں اُس نے متعدد بار تمھیں یاد کیا، اُس کے والد بھی دریافت کرتے رہے تم بڑے کمبخت ہو تاج، جو ایسی لطیف دعوتِ کیف میں شریک نہ ہوئے"

اب میں اس کا کیا جواب دیتا، بالکل خاموش رہا کہ نشاط نے پھر کہا، مگر دوست سنتے ہو اس معاملہ میں میری مدد کرنی ہوگی" اُس نے یہ کہا جھومتا ہوا اُٹھا اور چلا گیا۔

نشاط کے جانے کے بعد میں بہت دیر تک جاگتا رہا اور سوچتا رہا کہ اس معاملہ میں مجھے کیا کرنا چاہئیے۔ میرے لئے عافیت اسی میں تھی کہ میں ایک دوست کی خاطر اُس کے خیال کو دل و دماغ سے نکال دوں، اور میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں ایسا ہی کروں گا۔

دوسرے دن کالج پہونچنے کے بعد سب سے پہلا کام میں نے یہ کیا کہ وہاں سے اپنی نشست بدل دی اور اُس کی نشست سے کافی دور بیٹھا، نشاط نے اس تبدیلی کے متعلق مجھ سے کوئی سوال نہیں کیا، اُسے سوال کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی وہ تو خود یہی چاہتا تھا۔ آج میری کرسی پر وہ خود بیٹھا تھا۔ دن میں متعدد بار نشاط میرے پاس آیا اور مجھ سے مختلف موضوعات پر گفتگو کرتا رہا میں بھی خندہ پیشانی سے اُسے جواب دینے کی کوشش کی اور جواب دیتا رہا حتیٰ کہ کالج کا آخری گھنٹہ ختم ہو گیا۔

تقریباً ایک ہفتہ اسی طرح گذر گیا۔ نشاط برابر اُن کے یہاں آتا جاتا رہتا تھا۔ میں بھی ایک مرتبہ اُن کے اصرار سے وہاں گیا تھا مگر نشاط کی موجودگی اور شہلا کی غیر حاضری میں۔

کالج میں شہلا انتہائی سنجیدگی اور خاموشی سے وقت گذارتی تھی اور کسی کو اتنی جرأت نہ ہوتی تھی کہ اُس سے گفتگو کر سکے مگر نشاط دن میں متعدد بار اُس سے گفتگو کرتا اور ایسے مواقع کا زیادہ سے زیادہ متلاشی رہتا۔ میں یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اور خاموش تھا۔

ایک دن مجھے کالج پہونچنے میں ذرا دیر ہو گئی، کلاس سے قریب ہوتے ہوئے میں نے دیکھا شہلا اور نشاط کلاس سے باہر کھڑے ہوئے ہیں، شہلا کہہ رہی تھی۔

"مہربانی کرکے کلاس میں مجھ سے کوئی گفتگو نہ کیا کیجئے"

نشاط نے کیا جواب دیا، یہ میں نے نہیں سُنا اور تیزی کے ساتھ کلاس میں داخل ہو گیا۔

آج نشاط کچھ افسردہ تھا، اُس کی افسردگی میں اور اضافہ ہو گیا جب اُس نے دیکھا شہلا میرے پاس آئی اور مسکرا کر ایک کتاب مانگ کر لے گئی۔

شہلا کا میرے پاس آنا کسی خاص وجہ سے نہ تھا وہ آج سے پہلے بھی کئی مرتبہ میرے پاس آئی تھی مگر میں ہمیشہ اس سے بیگانہ رہنے کی کوشش کرتا تھا روحانی طور پر محبت کے غیر اختیاری جذبے کے ماتحت اور رباطناً میرا دل اس کے حسن سے جس قدر قریب ہوتا جاتا تھا۔ ظاہری طور پر میں اُتنا ہی اُس سے دور رہنے کی کوشش کرتا تھا کہ مصلحت کا تقاضا یہی تھا۔

(۵)

آخر کار شہلا سے اور مجھ سے گہری دوستی ہو گئی۔ یہ مجھے پہلے ہی دن سے یقین تھا کہ وہ مجھ سے محبت کرتی ہے مجھے خود اس سے

بے حد محبت تھی، ایسی صورت میں دو محبت کرنے والے دلوں میں ظاہری بیگانگی کب تک قائم رہ سکتی تھی۔ اب میں اُس کے یہاں روز جاتا تھا اور جاتا کیا تھا کوئی قوت مجھے روز وہاں کھینچ کرلے جاتی تھی۔

نشاط کو بھی اس کا علم ہو چکا تھا کہ میں شہلا سے محبت کرتا ہوں اور شہلا کو مجھ سے محبت ہے۔ اب وہ میرا دوست نہیں تھا نہ سہی نہ حقیقی بلکہ میرا دشمن تھا۔ ایسا دشمن کہ حدِ دشمنی سے گذرتا ہوا نظر آرہا تھا۔

لیکن میں نے کبھی اپنی جانب سے اس کا ثبوت نہ دیا کہ میں اس کا دشمن ہوں یہ واقعہ ہے کہ میں اب بھی اُسے اپنا دوست سمجھتا تھا میں نے محبت کی انتہائی یگانگت اور خلوص کے آخری درجہ تک پہونچنے کے بعد شہلا سے بے اعتنائی شروع کر دی اور یہ صرف نشاط کی وجہ سے، حالانکہ مجھے اس کی ضرورت نہ تھی۔ جہانتک انسانی خود غرضی، اور خود داری کا تعلق ہے نشاط کی فطرتِ حقیقی سے آگاہ اور اُس کے خوفناک ارادوں سے باخبر ہونے کے بعد میرے لئے یہی مناسب تھا کہ میں اس کی کوئی پروا نہ کرتا۔ مگر میں نے ایسا نہیں کیا میں اب بھی شرافت اور انسانیت کا ثبوت دینا چاہتا تھا۔ لیکن مشیت کو کیا منظور تھا اس سے میں بالکل بے خبر تھا۔

شہلا کو دفعتاً میرے یوں بیگانہ ہو جانے سے بے حد صدمہ ہوا۔ اب میں روز اس کے یہاں نہیں جاتا تھا اور کوشش کرتا تھا کہ اُس سے ملاقات نہ ہو۔ نشاط سے بھی میں نے ایک دن گفتگو کے دوران میں کہدیا تھا کہ "اگر تم شہلا کے آرزومند ہو تو میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اُس سے دستبردار ہونے کے لئے تیار ہوں" اُس نے میرے اس اظہار کو جو حقیقتاً صداقت پر مبنی تھا کوئی اہمیت نہ دی مگر فوراً ہی شہلا کے والد کے نام اپنی شادی کا پیام بھجوا دیا۔

(۶)

رمضان شروع ہو گئے تھے پندرہ رمضان تک افطار اور سحری کے وقت شہلا کے یہاں میرا جانا لازمی تھا مگر دو تین دن سے مجھے بخار آرہا تھا اس لئے میں اُس کے یہاں نہیں جا سکا یا دانستہ نہیں گیا۔

ایک دن بالکل صبح شہلا میرے کمرے میں داخل ہوئی مجھے اس وقت بہت تیز بخار تھا وہ بالکل میرے قریب بیٹھ گئی۔ اس وقت اس کا چہرہ بہت غمگین تھا اور آنسو اس کی آنکھوں میں تیر رہے تھے۔ اُس نے کہا "تاج، کب سے بخار آرہا ہے"

میں نے اس کی طرف سے کروٹ لیتے ہوئے کہا "کل سے"

"دوا پی تھی"

"نہیں"

"لائیے سر دبا دوں"

"رہنے دو" میں نے اُس کے نازک اور نرم ہاتھوں کو روکتے ہوئے کہا۔

"کیا ناراض ہو"

"اس کا جواب اپنے دل سے پوچھو" میں نے بہت ہی جرأت کے ساتھ کہا، گویا آج میں اُس سے لڑنا چاہتا تھا۔

شہلا بہت دیر تک خاموش بیٹھی رہی، گو میں اُس کی طرف سے منہ پھیرے ہوئے لیٹا تھا مگر میرے دل کی آنکھیں دیکھ رہی تھیں کہ شہلا رو رہی ہے، میں نے اُسی طرح لیٹے لیٹے کہا۔

"جاؤ شہلا نشاط تمہارا منتظر ہوگا"

"بہتر ہے" کہتی ہوئی وہ اُٹھی اور چلی گئی بالکل ایسے ہی جیسے ایک زخمی ہرنی مجبوری اور مظلومیت کے ساتھ جا رہی ہو۔

اُس کے جانے کے بعد مجھے اپنی زیادتی کا احساس ہوا مگر تیر کمان سے نکل چکا تھا اس لئے اب میرے لئے خاموش رہنا ہی مناسب تھا۔ میری طبیعت ٹھیک ہو گئی کالج آنے جانے لگا، شہلا سے بھی کسی کسی وقت سرسری طور پر گفتگو ہونے لگی۔ مگر پہلی سی دلچسپی تھی شہلا اس زمانے میں بہت نڈھال ہو گئی تھی۔ اُس کی نرگسی آنکھیں غم بے انتہا کی امین معلوم ہوتی تھیں اور اس کے گلاب جیسے لطیف رُخ پر آزردگی چھائی ہوئی نظر آتی تھی۔ مگر نشاط بے حد مسرور تھا اور مسرور ہی نہ تھا بلکہ اپنی ہستی کو نشاطِ حیات کی سب سے بلند چوٹی پر رقص کرتا ہوا محسوس کر رہا تھا۔

اسے اطلاع ہو گئی تھی کہ شہلا سے اور مجھ سے لڑائی ہو گئی ہے اور ہماری جنگ سے وہ اپنی کامیابی کو بالکل یقینی سمجھ رہا تھا مگر منشائے فطرت سے وہ بھی میری طرح بے خبر تھا۔

(۷)

آج چاندرات تھی میں بھی چاند دیکھنے کے لئے اپنے مکان کی اُسی چھت پر پہونچ گیا جو شہلا کی کوٹھی کی چھت سے ملی ہوئی تھی۔ میں نے دیکھا نشاط، شہلا اور اس کے گھر کے دوسرے افراد موجود ہیں، اور شہلا کے قہقہے فضا میں گونج رہے ہیں۔

اس نظارے سے میرے دل پر چوٹ سی لگی وہ ہی شہلا جو اس وقت سے چند گھنٹے قبل "غم کی دیوی" نظر آ رہی تھی اس وقت "مسرت کی خداوندہ" بنی ہوئی ہے۔ میں ایک طرف کرسی کی آڑ لے کر بیٹھ گیا۔ اس وقت تمام دنیا کی نگاہیں آسمان پر لگی ہوئی تھیں اور میں آنکھیں نیچی کئے ہوئے رو رہا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ نیچے اُتر جاؤں مگر میرا تمام جسم پہاڑ کی طرح بوجھل ہو کر رہ گیا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ روح میرے جسم سے رخصت ہو رہی ہے۔

دفعتاً ایک ہنگامہ برپا ہوا "چاند ہو گیا" "چاند ہو گیا" مجھ پر بجلی سی گر پڑی میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

نشاط، شہلا کو مبارکباد دے رہا تھا اور شہلا ہنسے جا رہی تھی۔

میں چاہتا تھا کہ اس وقت میرے جسم میں آگ لگ جائے اور میں جل کر مر جاؤں یا آسمان مجھ پر ٹوٹ پڑے اور میں دب کر رہ جاؤں مگر یہ سب کچھ میرے اختیار سے باہر تھا۔

کسی نے میری کرسی کے پیچھے سے آکر اپنے ہاتھوں سے میری آنکھیں بند کرلیں میں اُچھل پڑا، جھنجھلا کر بولا
"کون ہے"
"**عید کا چاند**" بہت ہی لطیف آواز آئی۔ اور میں سمجھ گیا کہ شہلا ہے۔ میں اس وقت شہلا سے بہت زیادہ ناراض تھا اُس نے میری محبت کی انتہائی توہین کی تھی۔ میں نے زبردستی اپنی آنکھوں سے اُس کے ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا۔
"شہلا خدا کے لئے مجھے نہ ستاؤ" میں رونے لگا۔
"ارے تم رو رہے ہو" شہلا نے بڑی حیرت سے کہا۔
"ہاں میرے لئے رونا ہی مناسب ہے" میں نے روتے ہوئے کہا۔
"دیکھو عید کا چاند دیکھو تاج، کل عید ہے"
"ہوگی" میں نے گردن جھکا کر کہا
"نہیں دیکھوگے۔؟ میری طرف بھی نہیں دیکھوگے" شہلا نے کچھ آزردہ ہو کر کہا۔
"نہیں نہیں"
"دیکھو، دیکھو" اُس نے مجھے چھیڑتے ہوئے کہا اور اپنی باہیں میرے گلے میں ڈال دیں۔
میں قربتِ جمال سے گھبرا گیا اور چاہتا تھا کہ اُس کی باہوں کو علیحدہ کردوں کہ اُس نے کہا۔ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا
"تاج شریر تاج دیکھو میری طرف دیکھو" مگر میں نے فوراً ہی اپنی آنکھیں بند کرلیں۔
شہلا نے پھر کہا "پیارے تاج تمہاری شادی کا پیام میرے والد نے منظور کرلیا ہے۔ اب ہماری فردوسی زندگی کا آغاز ہونے والا ہے۔"
شہلا کے یہ جملے، جملے نہ تھے بلکہ آبِ حیات کے گھونٹ تھے جو زندگی بن کر میری رگ رگ میں سرایت کرگئے، میں نے جوشِ مسرت سے اُچھل کر کہا،
"کیا کہا میری شادی کا پیام؟ آخر یہ پیام کس نے دیا تھا"
"تمہارے والد نے" شہلا نے مُسکراتے ہوئے کہا
"کس کی اجازت سے" میں نے تعجب سے کہا،
"محبت کی"
میں سناٹے میں رہ گیا، جوشِ مسرت سے میری روح ناچنے لگی۔ اس وقت میں اپنے آپ کو عالمِ خواب میں سمجھ رہا

تھا کہ شہلا نے کہا،

"اب تو دیکھو گے عید کا چاند"

میں نے انتہائی بے اختیاری کے ساتھ جواب دیا۔

"عید کا چاند دیکھنے سے قبل دل کی آنکھوں سے اپنے "دل کے چاند" کو دیکھنا چاہتا ہوں" اور شہلا کے منوّر، چاند سے زیادہ منوّر چہرے پر میری نگاہیں گڑ کر رہ گئیں۔

اس وقت شہلا میری آغوش میں اپنی مسکراہٹ سے ہزاروں چاند پیدا کر رہی تھی —— میرے تشنہ اور خشک ہونٹھ اُس کے ہونٹھوں میں جذب ہو کر رہ گئے یہ تھا محبت کا "پہلا پیار" یا "عیدِ محبت"

کیوپڈ عشق کا دیوتا ہمارے سروں پرسے گاتا ہوا گذرا۔

"بڑا مزا اُس ملاپ میں ہے کہ صلح ہو جائے جنگ ہو کر"

منظر

صبحِ عید

ہے عید کے دن نور کا عالم گویا
ہیں آج بہار و حُسن باہم گویا
ہر گھر میں ہے اک صبحِ مجسّم گویا
اللہ رے آراستگیٔ حُسنِ صبیح،

منظر

عید اور پردیسی پریتم

آہ وہی عیدِ صیام جس کے ہلالِ شبِ اوّلیں نے مجھ غم نصیب کو اپنا ناخنِ نوردہ کہا کر اپنی خفی سی تیغ خمدار جھکا کر گزشتہ سال حلال کیا تھا، پھر آنے والی ہے اور اس دفعہ بھی میں ان سے جُدا ہوں وہی عہد محبت وہی سال بھر کے بچھڑوں کو ملا دینے والی عید خدا کرے کہ میری آرزوؤں کی آواز بھی سُن لے کہ اب دل کی امنگوں سے رہا نہیں جاتا۔ آہ میرا رنگ میری اُداسی میری صورت، میری خاموشی ہر ایک بجائے خود دلی کیفیات کی ترجمان ہے۔ کیا جانے کیوں عید کا نام سُن کر میرا کلیجہ دھڑکنے لگتا ہے اور میرے ارمانوں میں ایک تلاطم برپا ہو جاتا ہے، آہ خدا جانے کیا بات ہے کہ جوں جوں عید قریب آتی جاتی ہے میری گھبراہٹ دلی اُلجھن اور کلیجے کی دھڑکن بڑھتی جاتی ہے "آہ میں بہت بےچین رہتی ہوں" دیکھوں اس دفعہ وہ عید یہاں کرتے ہیں یا نہیں آہ میری مسرتوں کے پہلو میں نشترِ غم اور میری خوشیوں کے پہلو میں خنجرِ الم پنہاں ہے۔ وہ نہ آئے تو عید میرے لئے عید نہ ہوگی بلکہ ایک بجلی ہوگی جو میری تمناؤں اور مسرتوں کو جلا کر خاک کردے گی۔ آہ! میری ہر صبح صبحِ عید اور ہر شب شبِ برات تھی۔ گویا اب دو سال سے نہیں ہے، خدا جانے کیونکر گزشتہ سال عید کا دن میں نے رو رو کر کاٹا تھا۔ ایسا نہ ہو کہ یہ عید مجھے دیوانہ ہی بنا دے کیونکہ اُن کا تبسّم جو میرے لئے ایک مسرور کن ترنم تھا میں اپنے سامنے نہیں پاتی حالانکہ میں اسے لذّتِ حیات سمجھتی ہوں۔ اسے دیکھکر ہمیشہ میں جیا کی ہوں اور اپنی شادمانی کو غیر فانی سمجھا کی ہوں، مجھے یاد ہے اور خوب یاد ہے عید کے آنے کی خوشی مجھ سے زیادہ انھیں اور اُن سے زیادہ مجھے ہوتی تھی، آہ جب میں کئی کئی راتیں لباسِ عید کی تیاری میں صرف کرتی تھی اور وہ میری تنہائی اور دل بہلانے کے خیال سے جاگا کرتے تھے اور باتیں کرتے کرتے کبھی اخبار یا کوئی کتاب اٹھا کر پڑھنے لگتے تھے، اگر جب کبھی میں نے کنکھیوں سے اُدھر دیکھا تو یہی دیکھا کہ اخبار یا کتاب سامنے ہے اور وہ میری طرف دیکھ رہے ہیں، ہنسی روکنے کے لئے بڑے ضبط سے کام لے رہے ہیں، مگر مسکراہٹ اُن کے ہونٹوں پر کھیل رہی ہے، میرے دل میں بھی گدگدی پیدا ہو جاتی اور میں بہت پوچھنا چاہتی تھی مگر کبھی نہ پوچھ سکی کہ تم مجھے دیکھ دیکھ کر کیوں مسکرایا کرتے ہو، میں اپنا کام جلد ختم کرنا چاہتی تھی، پھر بھی اُن کا بار بار پان مانگنا

مجھے اپنے کام سے زیادہ اچھا معلوم ہوتا تھا اور بڑی خوشی سے انھیں پان بنا کر دیتی تھی ایسا بھی ہوا ہے کہ پان دینے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے اُن کی ہنسی دیکھ کر مجھے بھی بے اختیار ہنسی آ گئی ہے مگر میں نے ہونٹوں کو دانتوں سے دبا کر منہ پھیر لیا ہے اور کانپتے ہوئے ہاتھ سے جنھیں ہنسی نے بے اختیار جنبش پیدا کر دیتی تھی، پان اُن کی طرف بڑھا دیا ہے اس وقت میں ان کو دیکھ کر اس قدر خوش ہوتی تھی کہ دنیا و مافیہا کی مجھے خبر نہ رہتی تھی۔

آہ! کیا اب ایسی عید کوئی نہیں آئے گی اب سے دو سال قبل عین چاند رات کے دن جس وقت میں غسل خانے سے ایک عنابی دوشالہ لپیٹ کر نکلی ہوں دوشالہ ایک طرف کاندھے پر سرک کر بانہوں پر آ گیا تھا میرے بھیگے بھیگے بالوں کی لٹیں میرے شانوں پر پڑی تھیں اور میں سردی کے اثر سے کچھ کانپ سی رہی تھی جب میں کمرے میں گئی ہوں تو اچانک میری نظر اُن پر پڑی وہ لیٹے تھے مجھے دیکھ کر خدا جانے کیا کہا تھا۔ مگر میں یہ نہیں بھولی ہوں کہ میرے بدن کے تمام رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے ایک سنسنی سی جسم میں پیدا ہو گئی تھی، ہاتھ پاؤں بے قابو ہو رہے تھے۔ قریب تھا کہ میں لڑکھڑا کر گر پڑوں اور ہاتھوں سے دوشالہ چھٹ جائے زبان میں لغزش سی محسوس ہونے لگی میں کہنا چاہتی تھی کہ تم یہاں سے چلے جاؤ! مگر مجھے خوب یاد ہے کہ زبان سے ایک حرف بھی نہ نکلا، سانس چڑھ رہی تھی، پیشانی پر پسینہ سا آ گیا تھا اور ایک نشہ کی سی کیفیت مجھ میں پیدا تھی میں بے اختیار پلنگ پر جا کر گر پڑی اور وہ مجھے مسکرا کر دیکھتے ہوئے کمرہ سے باہر چلے گئے، دوسرا دن عید کا میرے اور ان کے لئے جانِ زندگی تھا، اس وقت خدا جانے وہ باتیں کیوں رہ رہ کر بہت زیادہ یاد آتی ہیں، شاید اب کے وہ عید یہاں نہ کریں، آہ! اگر وہ نہ آئے تو میرے گھر عید بھی نہ آئے گی، آہ مجھے عید کی کیا خوشی ہو، خوشی بہن کو ہو کہ اُن کی لڑکی ریحانہ ہی ان کے لئے غیر فانی مسرت ہے اور اب تو دولہا بھائی بھی ابھی سے آ گئے ہیں اور سنا ہے کہ ابھی رہیں گے اونھ، گذری ہوئی باتیں یاد کرنے سے کیا فائدہ میری عید بھی میرا ننھا سا چاند ہے جس کے ادھورے بول اور ہنسی اور بھورے بال مجھے ہزار خوشیوں سے بڑھ کر ہیں مگر پھر بھی وہ یاد آتے ہیں۔ بہن اکثر ہنس ہنس کر عید کا ذکر کیا کرتی ہیں، مگر مجھے اُن کی باتوں پر خواہ مخواہ غصہ آنے لگتا ہے اور میں جھنجھلا جھنجھلا پڑتی ہوں وہ ہنس کر کہتی ہیں کہ تم اس قدر بد مزاج کیوں ہو گئی ہو کیا تمھیں عید کی خوشی نہیں، مگر آہ میں اُن سے کیوں کر کہوں کہ میری عید وہ ہیں وہی نہیں تو پھر عید کیسی ——— آہ! عید آ رہی ہے دنیا کو عید مبارک ہو ——— کاش میں اپنی تمناؤں کو بھی مبارکباد دے سکتی ——— ! آہ وہ نہ ہوں گے تو میری تمناؤں کو عید سے شرمندہ ہونا پڑے گا ——— وہ مجھ سے کہا کرتے تھے کہ "میری عید تم ہو" میں ان کے اس فقرہ کی داد صرف مسکرا کر دیتی تھی اس کے سوا میں نے کبھی ان سے کچھ نہیں کہا۔ اور نہ اس سے زیادہ میری خودداری نے اجازت دی بلکہ اس قسم کے فقرے سُن کر مغرور سی ہو جاتی تھی مگر آہ اب معلوم ہوا کہ وہ سچ کہتے تھے، میری عید بھی وہی ہیں اور سچ ہے کہ عورت کی عید اس کا شوہر ہے۔

محوی لکھنوی

(۱)

"تم مجھے مذہب کی فرضی روایتوں سے خوفزدہ کرکے میری اُس عقل سلیم کو برباد کرنا چاہتے ہو، جسے میں نے فلسفہ اور سائنس کی برکات سے حاصل کیا ہے، لیکن تم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے میں تمہارے تمام نقلی اور وضعی دلائل کا تار و پود بکھیرنے کی قوت رکھتا ہوں۔ سمیعی! سنتے ہو جب انسان اپنی عقل اور تدبیر میں درماندگی محسوس کرتا ہے تو وہ تمہاری طرح مذہب کا دیوانہ ہو جاتا ہے۔ مگر میں اس دیوانگی سے محروم ہوں۔ تم جس چیز کو مذہب سمجھتے ہو میرے خیال میں وہ ایک فرضی اور خیالی قید ہے جس میں کوئی عقلمند اپنے ضمیر کو محدود کرنا پسند نہیں کرتا۔" راشد نے اپنا ہیٹ میز پر زور سے پھینکتے ہوئے کہا۔ سمیعی اور راشد دونوں ابھی بازار سے آرہے تھے اور راستہ میں جو گفتگو ہو رہی تھی، اس سلسلہ کی یہ آخری کڑی تھی۔ سمیعی مسکرا رہا تھا، وہ جانتا تھا کہ راشد کو قائل کرنے کے لئے اُس کا کمزور دماغ کافی نہیں، اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ ایم۔ اے سے فارغ ہونے کے بعد روس اور جرمنی کی سیاحت نے راشد کے دل و دماغ پر جو اثر کیا ہے وہ جلدی مٹنے والا نہیں۔ تاہم اُس کی کوشش یہی تھی کہ کسی طرح راشد اپنے خیالات بدل دے۔ جن کی وجہ سے اُسے سخت نقصان پہنچ رہا تھا اور جو اُس کی ازدواجی زندگی کی تمہید میں سدراہ ہو رہے تھے۔

سمیعی نے نہایت آہستگی سے جواب دیا۔ "تو کیا کروڑوں نفوس جو آج مذہب کو اپنے لئے لازمی سمجھے ہوئے ہیں، تمہاری رائے میں سب بیوقوف ہیں؟ اور کیا ان کروڑوں میں کسی ایک کا دماغ صحیح نہیں۔

راشد میرا تو یہی خیال ہے تم کسی نتحمند حکمراں قوم کا نام لو۔ میں ثابت کردونگا کہ وہ مذہب کی دیوانی نہیں۔ ترقی یافتہ قوموں نے اس قسم کی عقیدتمندیوں کے مظاہرہ کے لئے ہفتہ میں ایک دن، مہینہ میں ایک دن یا سال میں ایک دن مقرر کردیا ہے جبکہ اُس قوم کے بعض افراد کسی نہ کسی حیثیت سے مذہبی احساس کی بیداری کا ثبوت دینے کے لئے تھوڑی دیر کو ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں۔ اور پھر کبھی مذہب کا نام بھی نہیں لیتے، مذہب اگر کوئی الٰہی جذبہ ہے تو اس کے اظہار کے لئے پورے سکون اور کامل محویت کی ضرورت ہے۔ اور وہ ارادہ و انتظام کے ساتھ صرف کبھی کبھی میسر آسکتی ہے نصاریٰ میں صبح یکشنبہ ایک مخصوص وقت عبادت ہے جس کے بعد کلیسا کے دروازے سات دن تک مستقلاً بند کردیئے جاتے ہیں دوسرے ممالک کا کیا ذکر ہے ہندوستان میں ہندو ہی ایک ایسی قوم ہے جو ہر وقت دیر پرستی کو روا نہیں رکھتی۔ مندر صرف شام کو جاگتے ہیں۔ مگر وہاں بھی لوگوں کا مجمع نہیں ہوتا صرف ایک مسلمان ایسی قوم ہے جو مذہب کے لئے دن رات سرگشتہ نظر آتی ہے صبح سے رات تک پانچ وقت اُسے مظاہرہ عقیدت کے لئے وقف کرنے پڑتے ہیں، کیا تم ایمانداری کے ساتھ کہہ سکتے ہو کہ ہر وہ مسلمان جو ان پانچوں اوقات کا انضباط احتیاط و حزم کے ساتھ رکھتا ہے۔ محویت اور سکون کی

برکات سے مستفیض ہوتا ہے؟ ہرگز نہیں لیکن اگر سال بھر میں صرف ایک دن اظہار عقیدت اور اعتراف عبودیت کے لئے مقرر کر دیا جائے تو بیشک اس کا احترام پوری محویت کے ساتھ کیا جا سکتا ہے نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان صرف مسجدوں میں سجدہ کرنے کے لئے ہیں اور باقی قومیں دنیا میں ترقی کرنے کے لئے۔ دنیا کو یکسر دین اور مطلق مذہب بنا دینا میرے خیال میں ایک ایسا غلط مبحث ہے جس کا سلجھاؤ قطعاً ناممکن ہے۔

سمیعی۔ اسلام ایک روحانی مذہب ہے اس لئے اس میں الٰہیات کو زیادہ دخل ہے

راشد۔ میرے حضور اس مادی دنیا میں روحانیت کا انہاک کچھ زیادہ موزوں نہیں۔ اگر تخلیق انسان سے روحانیت کا تحفظ و اقتدار مقصود تھا، تو فطرت نے اصولی غلطی کی کہ انسان کو مادیت کے کبھی ختم نہ ہونے والے طوفانوں میں دھکیل دیا ؎

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ ای باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

مگر میرے خیال میں یہ فطرت کی غلطی نہیں۔ انسان کی غلط فہمی ہے، جو کبھی نہ کبھی اُسے محسوس کرنی پڑے گی۔

سمیعی۔ تو کیا آپ خدا کے بھی قائل نہیں؟

راشد۔ میں خدا کا بھی قائل ہوں اور مذہب کا بھی معترف ہوں۔ مسلمان ہوں۔ مسلمان زادہ ہوں۔ آغوشِ اسلام میں میں نے پرورش پائی ہے مگر افراط و تفریط کا قائل نہیں۔ اپنی عبودیت کا اعتراف کرنے کے لئے دن اور رات کے ۲۴ گھنٹوں میں اگر یکسوئی کا ایک لمحہ بھی میسر آجائے تو وہ کافی ہے، بہت کافی ہے اور پانچ یا زیادہ اوقات کی رسمی و ریاکارانہ جبیں سائی سے بدرجہا اولیٰ ہے۔

سمیعی۔ مگر بانیٔ اسلام کی تعلیم تو یہ نہیں۔ اگر آپ مسلمان ہیں تو آپ کو واضع کے قوانین پر عمل کرنا ناگزیر ہے۔

راشد۔ آج سے چودہ سو برس پہلے جب آغاز اسلام تھا۔ ممکن ہے یہی قوانین قابل عمل ہوں۔ مگر آج چودہ سو برس کے بعد ان میں تجدید ترمیم کی ضرورت ہے۔

سمیعی۔ یہ کیوں؟

راشد۔ اس لئے کہ زمانہ بہت آگے نکل چکا ہے اور اب صرف "لیس للانسان الا ما سعیٰ" پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ مسلمانوں پر رہبانیت غالب آتی چلی جارہی ہے جو ان کی سیاسی اور اقتصادی ہلاکت کا باعث ہے اور جس کا انسداد میں نہایت ضروری سمجھتا ہوں۔

سمیعی، جو پکا مذہب پرست تھا راشد کے ان فلسفیانہ خیالات سے رنجیدہ ہو گیا۔ اُس کے چہرہ پر آزردگی کے آثار برسنے لگے اور وہ یہ کہہ کر راشد سے رخصت ہونے لگا کہ "خیر مستقبل خود بتائے گا کہ اسلام کے قوانین کہاں تک قابلِ عمل ہیں اور دنیا اگر ترقی کر سکتی ہے تو صرف اسلام کے قوانین پر عمل کرنے سے ترقی کر سکتی ہے باقی سب ہیچ ہے۔" راشد نے اس کا کوئی جواب نہ دیا، اُس نے ایک بے معنی قہقہہ لگایا۔ مؤذن نے مسجد میں اذان دی۔ لڑکوں نے شور مچایا "روزہ دارو روزہ کھولو۔" راشد روزہ سے نہ تھا، مگر سگار سُلگا کر اپنی سائیکل پر بیٹھا اور گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

(۲)

"ٹائمز آف انڈیا" کے سنڈے اڈیشن میں ایک دوشیزہ کی تصویر "عابدہ خانم" کے نام سے شائع ہوئی۔ یہ بمبئی کے کسی دولتمند کی لڑکی ہے اور شمع جلا کر نماز عشا ادا کر رہی ہے۔ عابدہ خانم کے خط و خال سے بیک نظر اُس پر عربی دوشیزہ کا دھوکا ہوتا ہے۔ اُس کے سر پر تسا وہ بندھا ہوا ہے۔ اُس کے گھنے دراز بال

ایڑی تک آمیزاں ہیں۔ اُسکی آنکھیں غزالی اور مست ہیں۔ چہرہ کتابی ہے۔ ابرو پیوستہ ہیں اور قد اتنا دلکش کہ تصویر کو نگاہوں سے ہٹانا مشکل ہو جاتا ہے۔ تصویر کے نیچے انگریزی میں یہ عبارت لکھی ہوئی ہے:-

"عابدہ خانم آف بمبئی۔ بنت سیٹھ ابوبکر ابراہیم عمر ۱۸ سال۔ جس کی شادی نہیں ہوئی اور جو غیر معمولی طور پر مذہب پرست ہے۔"

راشد نے اس تصویر کو دیکھا اُس نے ایک آہ سرد کھینچی اور اپنی نظروں کو تصویر کے کاغذی پیرہن میں جذب کر کے کہنے لگا۔ توبہ توبہ مذہب نے کیسے کیسے شاہوار موتیوں کو غبار آلود کر دیا ہے۔ اگر یہ لڑکی کسی مغربی ملک میں پیدا ہوئی ہوتی تو آج اُس کی خوبصورتی سینما کے آسمان پر چاند اور سورج بنکر چمکتی۔ مقابلۂ حسن میں اسے بے انتہا دولت ملتی اور یورپ اس پر بجا طور پر فخر و ناز کرتا۔ مگر قسمت کی گمراہی نے اُسے مسلمان کے گھر میں پیدا کر کے راہبہ بنا دیا ہے۔ اور اس کا وہ حسن جو راہب فریب تھا، جسے کسی محفل عیش و نشاط میں شراب بن کر سرور آفریں ہونا چاہیے تھا، آج جمود و خمود کے نقاب میں چھپا ہوا ہے ——— آخر اس تصویر کی اشاعت سے کیا مقصد ہے ——— ہاں یہ ضرور نزہت آغوش بنا لینے کے قابل ہے، لیکن ——— خیر ازدواجی زندگی کے بعد میکر کے رسم و رواج مستحکم نہیں رہ سکتے۔ بس تو مجھے پیام دے دینا چاہیے ——— پیام ——— نہیں، طول اِمل کو دعوت دینا بے سود ہے۔ میں خود جاؤں گا اور عابدہ خانم کی قسمت کے ساتھ اپنی قسمت کا بھی فیصلہ کروں گا۔

(۲)

راشد بغیر استخارہ کئے بمبئی پہنچ گیا، وہ سب سے پہلے "ٹائمز" کے دفتر میں گیا۔ ابوبکر ابراہیم کا پتہ وہاں آسانی سے مل گیا جس وقت یہ سیٹھ صاحب کے مکان پر پہنچا ہے۔ روزہ افطار ہو رہا تھا۔ راشد روزہ سے نہ تھا مگر اپنے مسلمان ہونے کا ثبوت دینے کے لئے اُس کے تمام اوضاع و اطوار میں صرف ایک یہی فریب تھا کہ روزہ داروں کی طرح ہونٹوں کو جنبش دے کر کچھ کھا لے۔ اُس نے ایسا ہی کیا اور جب سب لوگ نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو یہ چپ چپا کر تھیٹر کا پروگرام دریافت کرنے کیلئے روانہ ہو گیا۔ وہاں سے واپس آکر سیٹھ صاحب سے ملا اور اس طرح گفتگو ہوئی۔

راشد۔ میں نے "ٹائمز" میں پرسوں آپ کی نورچشمی کی تصویر دیکھی تھی۔ میں الٰہ آباد کا تعلیم یافتہ ہوں۔ ایم۔ اے ہوں یہ میرے خاندان کا شجرہ ہے۔ آپ کا غلام بننے کے لئے آیا ہوں۔

ابوبکر ابراہیم۔ مگر عابدہ تو کسی ندوۃ العلما یا دیوبند کے فارغ التحصیل فاضل کو ترجیح دیتی ہے۔

راشد۔ اپنی رائے کے مطابق یا آپ کی بھی یہی رائے ہے؟

ابوبکر ابراہیم۔ وہ بالغ ہے۔ اور از روئے شرع اُسے انتخاب شوہر کا حق ہے۔

راشد۔ کوئی اور شرط؟

ابوبکر ابراہیم۔ پابندی صوم و صلوٰۃ

راشد۔ مہر

ابوبکر ابراہیم۔ فریضۂ حج کی ادائیگی۔ زیادہ سے زیادہ شادی کے دوسرے سال۔

راشد۔ تعلیم کہاں تک ہے؟

ابوبکرابراہیم۔ فقہ۔ حدیث اور قرآن شریف۔ عربی۔ فارسی اور اُردو زبان میں پوری مہارت ہے۔

راشد۔ انگریزی نہیں پڑھی؟

ابوبکرابراہیم۔ وہ قطعاً اس سے احتراز کرتی رہی ہے۔

راشد۔ اچھا تو میں اجازت چاہتا ہوں۔ یہ میری تصویر ہے۔ میں ایک ہفتہ کے بعد پھر ملوں گا۔ جبتک میں واپس آجاؤں آپ کسی کا پیام کتخدائی منظور نہ کریں۔

ابوبکرابراہیم۔ میں اس کا وعدہ نہیں کر سکتا لیکن کوشش کروں گا۔

(۴)

راشد عابدہ کے لئے بیحد پریشان ہے جس اخبار میں اس کی تصویر شایع ہوئی ہے وہ ہر وقت اُس کے ہاتھ میں ہے جب اُسے تنہائی ملتی ہے تو وہ عابدہ کی تصویر سے باتیں کرنے لگتاہے اور کہتاہے "آہ تم اب تک نماز پڑھتی ہی ہو۔ تم مجھے ضرور کافر بناکر چھوڑو گی۔ میں تمہارے لئے اپنی تمام عمر کا سرمایۂ علم تباہ کرنے کے لئے تیار ہوں اگر میری زندگی تمہاری قیمت ہوسکتی ہے تو میں تمہیں بہت ارزاں سمجھوں گا۔ کاش مجھے معلوم ہوسکتا کہ تم میری رفیقِ حیات بننے کے لئے رضامند ہو۔" راشد انھیں خیالات میں بمبئی سے لکھنؤ پہنچ گیا "ندوۃ العلما" کے مدرسہ میں باریاب ہوا۔ ناظم صاحب سے ملا اور پوچھا کہ آپ مجھے کتنے عرصہ میں فاضلِ ادب بنا سکتے ہیں۔

ناظم۔ ۴ سال میں۔

راشد۔ کیا یہ چار سال کسی طرح ایک ہفتہ تک سمٹ سکتے ہیں۔

ناظم۔ میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا؟

راشد۔ میری زندگی کی تکمیل میں صرف ایک ہفتہ باقی ہے میں چاہتا ہوں کہ اس عرصے میں فاضلِ ادب بن جاؤں۔

ناظم۔ (مسکراکر) یہ تو قطعاً ناممکن ہے۔

راشد۔ (پانچسو روپیہ کے نوٹ دے کر) تو پھر یہ لیجئے۔ مجھے صرف سند دے دیجئے۔

ناظم۔ لاحول ولاقوۃ۔ آپ مدرسہ کو بدنام کرنا چاہتے ہیں۔ ندوۃ العلما نے آجتک ایسا نہیں کیا۔ استغفراللہ یہ آپ سے کس نے کہدیا کہ یہاں سندیں فروخت ہوتی ہیں

راشد۔ کسی نے نہیں، مولانا کسی نے نہیں۔ آپ خفا نہ ہوں۔ میں دیوانۂ محبت ہوں۔ میری دلنوازی صرف اس شرط پر منحصر ہے کہ میں ندوۃ العلما کا فاضل ہوجاؤں۔

ناظم۔ انسان کے حیطۂ اقتدار سے باہر ہے کہ آپ کو، دن میں فاضل ادب بنادے۔ خدا آپ پر رحم کرے۔

راشد دیوانگی بے حواسی، اور اضطراب کے پورے جذبات لئے ہوئے ندوۃ العلما سے مایوس ناکام واپس ہوا تو "دیوبند" پہنچا اور جب وہاں سے بھی یہی جواب ملا تو اپنے دوست "سمیعی" کے پاس آیا، اُس کے قدموں پر گر پڑا۔ سارا قصہ سنایا اور کہا کہ اگر تم میری زندگی چاہتے ہو تو اس کا کچھ انتظام کردو۔

سمیعی۔ کیا فلسفہ آپ کی مدد نہیں کرسکتا؟

راشد۔ عابدہ فلسفہ کے حدودِ اثر سے باہر ہے۔

سمیعی۔ کیا مادیت اس روحانی پیکر پر فتحیاب نہیں ہوسکتی۔

راشد۔ اب تک جو کچھ پڑھا تھا سب حرفِ غلط کی طرح مٹتا نظر آتا ہے۔

سمیعی - راشد اگر تم اپنے گزشتہ خیالات پر ایک تنقیدی نگاہ ڈالوگے تو تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس قدر غلط تھے۔ کاش آج تم مذہب پرست ہوتے۔ تم پر لامذہبی مسلط نہ ہوتی۔ تو کیا امکان نہ تھا کہ تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے۔ جس مذہب سے تم بیزار ہو اُس کی ایک ادنیٰ خادمہ نے تمہارے ہوش و حواس پر پورا قبضہ کر لیا ہے اور..........

راشد - خدا کے لئے سمیعی اپنا وعظ رہنے دو میں خود پشیمان ہوں مجھے زیادہ محجوب نہ کرو۔ اگر کوئی تدبیر ممکن ہو تو بتاؤ ورنہ اجازت دو کہ اس کشمکش کی زندگی کو خیرباد کہہ دوں۔ یا کسی ایسے گوشۂ تاریک میں جا بیٹھوں جہاں اس سمجھ میں نہ آنے والی دنیا کے صبح و شام نظر نہ آئیں۔

سمیعی - میرا خیال ہے کہ ابھی تمھیں اسلام کی روحانیت کا اور زیادہ اعتراف کرنا پڑیگا۔ میں تمھیں کسی غلط راستہ پر لے جانا نہیں چاہتا۔ صرف اسلام کی صداقت کو تم پر منکشف کر دینا چاہتا ہوں تاکہ کامیابی کے بعد تمہارے وہ خیالات عود نہ کر سکیں جنھوں نے تمھاری خیالی دنیا کو جہنم کے انگاروں سے بھر دیا ہے اور جس میں ہر طرف گناہوں کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔

راشد - خدا کے لئے تدبیر بتاؤ، تفصیلات کو رہنے دو۔ صرف تین روز باقی ہیں۔ اگر مجھے کامیابی نہ ہو سکی تو چوتھے روز میں یقیناً اس دنیا کو چھوڑ دوں گا۔ کیا تم مجھے زندہ رکھنا چاہتے ہو؛

سمیعی - ضرور ضرور۔ خدا تمھیں اپنی قدرت اور اپنے مذہب کی عظمت و صداقت دکھانے کے لئے زندہ رکھے گا۔ سنو، غور سے سنو، آج رمضان المبارک کی چھبیسویں ہے یہ رات مسلمانوں میں بہت مبارک مانی جاتی ہے اور بعض معتبر روایات سے معلوم ہوا ہے کہ رمضان کی ۲۶ تاریخ یعنی ستائیسویں شب کو اگر بندہ خلوص قلب اور کمال عقیدت سے کوئی جائز التجا بارگاہ الٰہی میں پیش کرتا ہے تو وہ ضرور قبول ہو جاتی ہے راشد، ہوشیار ہو جاؤ اسلام کا امتحان کر لو۔ اس کا تم بھی امتحان کر لو جسے لاکھوں مرتد اور ملحد آزما چکے ہیں۔ جاؤ۔ ابھی غسل کرو۔ پاک سادہ لباس پہنو اور ایک گوشۂ تنہائی میں مصلےٰ بچھا کر خشوع و خضوع کے ساتھ نفل پڑھو یہاں تک کہ صبح کا تارا طلوع ہو، اس کے بعد سجدہ میں سر جھکا کر قادر مطلق خدائے کائنات سے حل مشکل کی دعا کرو اور جبتک تمہارے دل کو اجابت دعا کا یقین نہ ہو جائے سجدہ سے سر نہ اٹھاؤ۔

راشد، میں تمھیں کسی درویش، شیخ، پیر، عامل یا جادوگر کے پاس جانے کی تعلیم نہیں دیتا میں تمھیں تعویذ، عمل، وظیفہ، صدقہ، طلسم، یا کسی ایسے ہی فریب میں گرفتار کرنا نہیں چاہتا، بلکہ میں تمھیں براہ راست ایک مضطرب الحال بندہ کی حیثیت میں اُس رب القدوس کی بارگاہِ کونین پناہ کی دعوت دے رہا ہوں جس کے قبضہ میں تمام کائنات ہے اور جو عابدہ کے دل پر بھی اسی طرح قابض ہے جس طرح تم اپنے گھر کی چیزوں پر۔ جاؤ اسلام کی تعلیم کو آزماؤ۔ یہ تمہارے لئے آخری فطرت کا پیام ہے۔ اس کے بعد تم روحانیت اسلام کے خود قائل ہو جاؤ گے

(۵)

راشد اس وقت اپنی عمر کے چھبیسویں سال میں تھا، بچپن کے عالم بیہوشی کا علم نہیں، مگر جب سے اُس نے ہوش سنبھالا آجتک نماز پڑھنے کی توفیق نہیں ہوئی مغربی تعلیم کا زہر آلود اثر، سوسائٹی کا مہلک اقتدار، تعلیم فلسفہ کا الحاد آفریں درس، مغربی ممالک کی سیاحت کا تماشائے عریاں یہی چیزیں اس کی اتالیق رہیں۔ ماں باپ کا سایہ بچپن ہی میں سر سے اُٹھ گیا تھا۔ چچا کے یہاں پرورش پائی۔ وہ مسلمان تو ضرور تھے مگر مغربیت کے دلدادہ۔ اگر اسلام کے دشمن نہ تھے تو اسلام سے کچھ زیادہ شغف بھی نہ تھا۔ راشد ہمیشہ اسی ماحول کے زیر اثر رہا۔ آج پہلا دن تھا کہ وہ حیات و موت کی کشمکش سے گھبرا کر اپنے حقیقی دوست سمیعی کے مجبور کرنے سے اس کام پر آمادہ ہو گیا تھا جو اُس نے آجتک نہیں کیا تھا۔ اُس نے بازار سے دو پیسہ میں ترکیب نماز خریدی۔ گھر آیا غسل کیا۔ اور سمیعی کی ہدایت کے مطابق اپنے کمرہ کے ایک گوشہ میں چٹائی

بھاگ کر مصروف نماز ہوگیا۔ سارا گھر سو رہا تھا۔ کمرہ کی روشنی مدہم تھی اور راشد پورے خضوع و خشوع۔ کمال عقیدت و ارادت کے ساتھ نفل نماز پڑھ رہا تھا۔ رات جس قدر زیادہ ہوتی جاتی تھی۔ راشد پر ایک خاص کیفیت مستولی ہوتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ صبح ۴ بجے جب وہ ساری رات عبادت کرتے کرتے تھک گیا تھا۔ اُس نے اپنا سر سجدہ میں رکھ دیا دونوں ہاتھ پھیلا دیئے اور اپنی آنکھوں سے آنسو بہا کر سکنے لگا

"الٰہی الٰہی۔ یہ میرا پہلا سجدہ عبودیت و اعتراف ہے جو میں تجھے کر رہا ہوں۔ تو خوب جانتا ہے کہ یہ سر آج تک کسی کے سامنے نہیں جھکا۔ مگر آج تیری بارگاہِ بے نیاز میں پہلی مرتبہ اسے وقفِ سجدہ کر رہا ہوں"۔

"الٰہی الٰہی انسان سراپا غرض ہے۔ مگر تو بے نیاز ہے تو صاحب عرش عظیم ہے۔ کائنات تیری مٹھی میں، کونین تیرے قبضہ میں اور موجودات تیرے اختیار میں ہے میرے دل کی ہر تڑپ تو سنتا ہے میرے حال سے واقف ہے مجھ پر رحم فرما۔ میرے زمانہ جاہلیت کے گناہ معاف کر دے اور میرے مستقبل کو اپنے نورِ عرفاں سے بھر دے"۔

"الٰہی الٰہی میں صمیم قلب سے عہد کرتا ہوں کہ اگر اپنے مقصد میں تیرے فضل سے کامیاب ہو گیا تو تمام عمر تیری عبادت سے روگردانی نہ کروں گا مذہب اسلام کی پیروی میرا فرض حیات ہوگا اور گو تجھے مجھ جیسے ناکارہ بندوں کی عبادت و طاعت سے بے نیازی ہے تاہم میں اپنی زندگی کے لمحاتِ باقی کو تیری یاد میں صرف کر دونگا"۔

"الٰہی الٰہی تو سمیع ہے، تو بصیر ہے۔ تو قادر ہے، تو قوی ہے، تو قاضی الحاجات ہے اپنے فضل و کرم سے مجھے کامیاب بنا دے"۔

راشد کا سر ابھی سجدہ میں تھا اُس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اس کا تمام جسم رعب حضوری سے تھر تھر کانپ رہا تھا کہ اُسے رات کے سناٹے میں ایک آواز دل پر مرتسم ہوتی ہوئی محسوس ہوئی۔ وہ اپنی نم آلود آنکھوں سے ورق دل پر لکھا ہوا دیکھ رہا تھا

اَلَا لَا یُجَادِنَّ اَخُو الْبَلِیَّۃ　　فَلِلرَّحْمٰنِ اَلْطَافٌ خَفِیَّہ

راشد کے دل میں تسکین اور آسودگی کی موجیں اُٹھنے لگیں۔ اُسے خود بخود ایک قسم کی طمانیت محسوس ہونے لگی۔ اُس نے سجدہ سے سر اُٹھا لیا۔ تولیہ سے آنکھوں کو خشک کیا اور مختصر اسبابِ سفر لے کر اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گیا۔

(۶)

آج رمضان کی ۲۹ تاریخ ہے بمبئی کی مسجدوں میں غیر معمولی روشنی اور چہل پہل ہو رہی ہے۔ چاند ہو چکا ہے۔ صبح عید کی مسرتیں مسلمانوں کے قلوب میں ایک مقدس ہیجان پیدا کر رہی ہیں۔ ابھی سیٹھ ابوبکر ابراہیم نماز سے فارغ ہو کر مکان پر آئے تھے کہ راشد پہنچ گیا۔ سیٹھ صاحب بغلگیر ہوئے اور اس سے پہلے کہ راشد اپنی زبان سے کچھ کہے یہ الفاظ ان کی زبان سے ادا ہونے لگے :۔

"میں آپ کا منتظر ہی تھا۔ آج تار بھی دے چکا ہوں۔ ۲۷ رمضان کو صبح ۸ بجے عابدہ خانم نے اپنا آخری فیصلہ آپ کے حق میں دیا ہے جو غیر مشروط ہے۔ کل عید ہے۔ پرسوں انشاء اللہ انتظام عقد ہو جائے گا۔ اب آپ کہیں نہ جائیں اور اس گھر کو اپنا گھر سمجھیں"۔

راشد۔ شادی مرگ تھا، اُس نے اپنا رختِ سفر ایک گوشہ میں رکھ دیا۔ وضو کیا اور ایک ایسے سجدۂ شکر میں جذب ہو گیا۔ جس کا خاتمہ "صبحِ عید" کے سورج کی پہلی کرن کے ساتھ ہوا۔

سیماب اکبرآبادی

کیا چاند ہو گیا؟ ——— عید کی صبح کو ایک ٹریجڈی

(۱)

۲۹ ر رمضان کو مصباح جب شام کی سیر سے واپس آ رہا تھا۔ سیدھے ہاتھ کی طرف شاہراہ کے کنارے والی دیوار سے ایک آواز جست کر کے اُس کے کان میں گونجی ——— کرن سے زیادہ باریک اور چاند سے زیادہ روشن ——— "کیا چاند ہو گیا؟" ——— مصباح نے اپنی نگاہیں سمتِ آواز کی طرف پھیریں اُس نے دیکھا کہ دیوار کی بلندی سے چودھویں رات کا چاند جھانک رہا ہے۔ بے اختیار اُس کی زبان سے "جی ہاں" نکلا اور وہ تھوڑی دیر کے لئے وہیں ٹھٹک کر رہ گیا مگر اب دیوار موجود تھی اور متکلم چاند غائب طور موجود نہ تھا اور نجلی معدوم، شام کی تاریکی میں وہ یہ بھی نہ دیکھ سکا کہ مستفسر کون تھا؟ ماحول پر نگاہ ڈالی تو وہ دیوار ایک انسٹی ٹیوٹ کے احاطے کا بیرونی حصہ تھی۔ دوسری طرف کلیسائی بیٹیوں کا مدرسہ تھا۔ اُس نے سوچا کہ اس غیر اسلامی ماحول میں عید کے چاند کے متعلق استفسار کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟ مگر اُس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔

انسٹی ٹیوٹ کا دروازہ ایک عام گذرگاہ تھا۔ مصباح بغیر کچھ سوچے سمجھے احاطے میں داخل ہو گیا۔ اور اسی دیوار کے گوشے تک چلا گیا، جس کی اوٹ میں اُسے متکلم چاند نظر آیا تھا۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ نہ کوئی مکان ہے نہ بنگلہ البتہ تھوڑی دور پر جانبِ شمال شام کے دھندلکے میں ایک چھوٹا سا مکان چمک رہا ہے مصباح اس مکان کی طرف چلا۔ اُس کا دل دھڑک رہا تھا اور دماغ یکسر اس طرف متوجہ تھا کہ سوال کرنے والے کا کس طرح پتہ لگایا جائے۔

مصباح ابھی سامنے والے مکان سے زیادہ قریب نہ ہوا تھا کہ اُسے رونے اور سسکیاں بھرنے کی آواز آئی۔ وہ بغیر گھبرائے اُس مکان کے قریب پہونچ گیا۔ اُس نے دیکھا کہ مکان کا دروازہ بند ہے اور اندر سے رونے کی آواز برابر چلی آ رہی ہے۔

مصباح آزمودہ محبت تھا ——— شام، چاند رات، اور ایک لڑکی کی صدائے گریہ نے اس پر رومانیت طاری کر دی اس نے ارادہ کیا کہ وہ کسی نہ کسی طرح اُس رونے والی لڑکی سے ضرور ملے گا۔ اور اُس کے حالات دریافت کئے بغیر اپنے گھر واپس نہ جائے گا وہ دروازے پر کھڑا ہوا تا دیر رونے کی آواز سُنا کیا۔ آخر اُس سے ضبط نہ ہو سکا اور اُس نے مکان

کے دروازے پر انگلیوں کی پشت سے کھٹکھٹانا شروع کر دیا۔
رونے کی آواز بند ہو گئی مگر دروازہ نہ کھلا اُس نے پھر کھٹکھٹایا
اور منتظر رہا کہ کوئی ضرور آئے گا۔ اس مرتبہ اندر سے ایک لطیف نازک
آواز آئی ـــــ "کون ہے"؟ مصباح نے کچھ جواب نہ دیا اور
دروازہ پھر کھٹکھٹایا۔

"دروازے پر کون ہے"؟ وہی آواز پھر آئی۔ مصباح کو
یقین ہو گیا کہ مکان میں سوائے اس رونے والی کے اور کوئی
نہیں۔ اُس نے نرم آواز سے کہا "دروازہ کھولئے تو بتاؤں
میں کون ہوں"۔

ایک منٹ کے بعد دروازہ کھلا اور ایک نوجوان لڑکی بنفشئی
چادر میں ملفوف کاندھوں پر بال بکھرے ہوئے بے باکانہ
مصباح کے سامنے آگئی۔ لڑکی نے بیک نظر پہچان لیا کہ اُس کے
سامنے وہی شخص ہے جس سے اُس نے چاند کے متعلق دریافت
کیا تھا۔ اُس نے کہا فرمائیے آپ کو مجھ سے کیا کام ہے"؟

مصباح فوراً تو کچھ نہ کہہ سکا مگر کچھ سیکنڈ کے بعد بولا "میں
صرف یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ آپ اس تنہا مکان میں
رو کیوں رہی ہیں؟ اگر آپ کو کوئی تکلیف ہے تو میں اُسے دور
کرنے کی کوشش کروں گا اور اگر آپ کو کوئی صدمہ ہے تو
میری ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہیں"۔

لڑکی خاموشی سے سُنا کی ـــــ کچھ دیر کے بعد
اُس نے سر جھکائے ہوئے کہا "آپ کی ہمدردی کا شکریہ" مجھے کوئی
تکلیف نہیں ہے۔

مصباح۔ لیکن بغیر کسی تکلیف کے رونا انسان کی فطرت
کے خلاف ہے اور پھر وہ بھی چاند ہونے کے متعلق استفسار
کرنے کے بعد!

لڑکی۔ (جس کے خیالات اُلجھ رہے تھے) کچھ نہیں
کوئی ایسی بات نہیں۔ میں کہاں رو رہی تھی! ہارمونیم
بجا رہی تھی۔

مصباح۔ میرے کان مجھے دھوکا نہیں دے سکتے۔
میں بڑی دیر سے رونے کی آواز سُن رہا ہوں۔ مجھے ساز اور
سوز کی آواز میں امتیاز ہے

لڑکی۔ آپ میرا حال سُن کر کیا کریں گے؟

مصباح۔ صبح ہونے سے پہلے آپ کے درد کا علاج

لڑکی۔ ناممکن ہے (یہ کہہ کر لڑکی پھر رونے لگی)

مصباح۔ ٹھہریئے تو سہی رونے پر آپ کو اختیار ہے مگر خدا
کے لئے پہلے اپنا کچھ حال تو بتا دیجئے۔

لڑکی۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتی

مصباح۔ تو مجھے آپ کا حال کس سے پوچھنا چاہیے؟

لڑکی۔ یہاں اور کوئی نہیں ہے۔

مصباح تو پھر میں آپ ہی سے آپ کا حال پوچھنا
چاہتا ہوں اور قسم کھاتا ہوں کہ جب تک آپ اپنے صحیح جذبات
مجھ پر ظاہر نہ کر دیں گی۔ میں یہاں سے نہ جاؤں گا۔ لڑکی دیر تک
خاموش کھڑی کچھ سوچتی رہی۔ آخر کار اُس نے اپنے دل میں
ایک فیصلہ کیا اور بولی تو اندر تشریف لے آیئے۔

مصباح بغیر خوف و تردد اندر چلا گیا۔ مکان میں معمولی سامان
تھا۔ دیوار پر ایک کیلنڈر آویزاں تھا۔ ایک طرف چھوٹی سی میز پر

چھوٹا سا لیمپ رکھا ہوا تھا ایک میز اور دو کرسیاں ایک طرف پڑی ہوئی تھیں میز پر کچھ کاغذ تھے اور لکھنے کا معمولی سامان فرش پر کوئی دری یا جاجم نہ تھی۔ سامنے والی دیوار پر حضرت مریم اور عیسیٰ علیہ السلام کا ایک مرقع لگا ہوا تھا۔ لڑکی ایک کرسی پر بیٹھ گئی اور دوسری کرسی پر مصباح۔

لڑکی۔ آخر آپ کو مجھ سے یہ ہمدردی کیوں ہے

مصباح۔ خدا کی مرضی کچھ ایسی ہی ہے۔

لڑکی نے آنسو پونچھتے ہوئے سر کے لمبے بالوں کو پیچھے سرکایا۔ مصباح کے چہرے کو لیمپ کی روشنی میں اچھی طرح دیکھا اور کہنے لگی میں عیسائی ہوں۔ ایک زنانہ مدرسے میں پڑھاتی ہوں اور اس ملازمت پر شاہجہان پور سے یہاں آئی ہوں اتفاق سے یہاں ایک نوجوان سے میری شناسائی ہو گئی وہ اکثر میرے گھر آتے جاتے تھے۔ انھیں مجھ سے اور مجھے ان سے محبت تھی وہ عیسائی ہیں اور ایک دفتر میں ملازم۔ جس محلے میں وہ رہتے ہیں اُسی محلے میں ایک مسلمان سوداگر بھی رہتے ہیں۔ وہ ان کی صحبت میں اکثر بیٹھتے اُٹھتے رہے۔ آخر نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کے عقائد بدل گئے اور وہ مسلمان ہونے کو تیار ہو گئے۔ کل صبح عید کے دن انھیں مسلمان بنالیا جائے گا۔ اور اُنھیں سوداگر کی لڑکی سے اُن کا عقد اسی مہینے کی ۲۸ تاریخ کو ہو جائے گا۔ میں اسی لئے روتی ہوں اور باوجود ضبط مجھ سے صبر نہیں ہوتا۔

مصباح۔ پھر تم نے کیا سوچا۔

لڑکی۔ یہی کہ صبح ہونے سے پہلے ختم ہو جاؤں اور اُن کے متعلق کوئی اطلاع مجھ تک نہ پہنچے۔

مصباح۔ لاحول ولا قوۃ یہ بھی کوئی بات ہے تم بالکل نہ گھبراؤ، میں ابھی ان سے ملوں گا۔ اور تمہارا ذکر کر کے اُن کے اس ارادے کو قطعاً بدل دوں گا۔

لڑکی۔ لیکن ایسا ناممکن ہے۔

مصباح۔ کیوں؟

لڑکی۔ اس لئے کہ سوداگر کی لڑکی مجھ سے......

مصباح۔ ہو گی۔ مگر محبت سے زیادہ خوبصورت نہیں ہو سکتی۔ تم اُن کا اور محلے کا نام بتا دو۔

لڑکی۔ میں انھیں بدنام کرنا نہیں چاہتی۔

مصباح۔ یہ تمہاری شرافت ہے۔ لیکن جان اتنی سستی نہیں کہ ایک بیوفا اور بے مروت شخص پر نثار کر دی جائے۔

لڑکی۔ جو کچھ ہو، اب تو ایسا ہی ہوتا نظر آتا ہے۔

مصباح۔ گو مجھے تمہارے دل پر اور تمہارے ارادوں پر کوئی اختیار نہیں تاہم میں چاہتا ہوں کہ صبح میرے آنے تک تم کوئی ایسا غلط اقدام نہ کرو اس کے بعد تمہیں اختیار ہے۔

لڑکی۔ اچھا، میں کوشش کروں گی۔

مصباح۔ کوشش نہیں مجھے یقین دلائیے کہ آپ نہ روئیں گی، نہ جان دیں گی، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ صبح تک یہ معاملہ آپ کے حسب دلخواہ طے ہو جائے گا۔ اب جلدی مجھے اُن کا اور اُن کے محلے کا نام بتا دیجئے۔

لڑکی نے "بہت بہتر" کہہ کر کاغذ کا ایک سلپ اُٹھایا۔ کچھ لکھا اور مصباح کی طرف سرکا دیا۔ مصباح نے پڑھا۔ سر کو جنبش دی اور خدا حافظ کہہ کر وہاں سے رخصت ہو گیا۔

---

(۲)

مسٹر آئزک ایک خوش رو نوجوان ابھی اپنے مکان کے زینے پر چڑھ ہی رہا تھا کہ مصباح نے آواز دی وہ نیچے اُترا مسکرا کر پوچھا، فرمائیے۔

مصباح نے کہا مجھے آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔

اُس نے کہا اس وقت تو میں معافی چاہتا ہوں۔ کل البتہ ایسا ممکن ہے۔

مصباح بولا بات نہایت ضروری ہے۔ آپ کو اسی وقت سُننی ہوگی۔

آئزک (گھبرا کر) اچھا تو میں ذرا کھانا کھا لوں۔ آپ تشریف رکھیں۔

مصباح۔ کھانا کھانے سے بھی پہلے میری بات سُن لیجئے۔

آئزک۔ کوئی بڑی لمبی بات تو نہیں ہے۔

مصباح۔ بہت اہم اور بہت خطرناک

آئزک۔ فرمائیے۔ فرمائیے

مصباح۔ آپ عیسائی ہیں

آئزک۔ جی ہاں، ابھی تک تو عیسائی ہوں

مصباح۔ کیا آپ کے مذہب میں محبت کو ٹھکرانا روا ہے۔

آئزک۔ نہیں تو۔

مصباح۔ نہیں، تو پھر میں آپ کو اطلاع دینے آیا ہوں کہ جو لڑکی آپ سے محبت کرتی ہے۔ وہ آپکی بے التفاتی اور تبدیلِ مذہب کی وجہ سے آج رات کو اپنی جان دے رہی ہے۔

آئزک۔ آپ کو یہ بات کیونکر معلوم ہوئی؟

مصباح۔ مجھے سب معلوم ہے اور میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ بالکل صحیح ہے؟

آئزک۔ (کچھ دیر سوچنے کے بعد) پھر اب کیا کرنا چاہیئے؟

مصباح۔ محبت کی پذیرائی اور ایک نوجوان زندگی کی حفاظت،

آئزک۔ اور اگر میں نے ایسا نہ کیا

مصباح تو آپ کی دوسری زندگی کبھی خوشگوار ثابت نہیں ہوسکتی۔

آئزک۔ یعنی؟

مصباح۔ یعنی محبت آپ سے ضرور انتقام لے گی۔

آئزک۔ بہت اچھا میں سوچوں گا۔

مصباح۔ سوچنے اور غور کرنے کا وقت نکل چکا۔ اب تو صرف دانشمندانہ عمل کے لئے چند لمحے باقی ہیں۔

آئزک۔ آپ کو دوسرے حالات کا شاید علم نہیں۔

مصباح۔ مجھے سب علم ہے اور میں جانتا ہوں کہ آپ نفس کی خاطر محبت سے بغاوت کرنا چاہتے ہیں۔

آئزک۔ (یہ سمجھتے ہوئے کہ اُس کا ہمکلام مسلمان ہے) اور مذہب؟

مصباح۔ محبت سب سے بڑا مذہب ہے لیکن اگر آپ مذہب اسلام اختیار کرنے پر واقعی مجبور ہیں میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مس روز آپ کے ساتھ کل ہی صبح مسلمان ہو جائے گی۔

آئزک - یا راد ہر دولت بھی ہے۔

مصباح - لعنت ہے آپ کے اس خیال پر گویا آپ کا مذہب دولت ہے۔ کیا اس تبدیلیٔ مذہب سے آپ کے ضمیر کو واقعی کوئی سکون حاصل ہو سکتا ہے؟ سوچو، آئزک سوچو، نفس کی خواہش اور دولت کی حرص میں پاگل نہ بنو۔ محبّت دولت سے زیادہ قیمتی ہے۔ دولت فانی ہے اور محبّت غیر فانی دولت ایک فریب ہے اور محبّت حقیقت، تم دولت پر محبّت کو قربان کرکے اپنی عارضی زندگی کو پُرسکون نہیں بنا سکتے، ایک نوجوان دوشیزہ کا خون تمہارے عشرت کدے اور دولت سرا کو ویران کردے گا اور تمہاری روح کے سامنے خونِ بے گناہ کا جہنم ہر وقت دہکتا رہے گا

آئزک نے خاموشی اور کرب کے ساتھ مصباح کی عتاب آمیز گفتگو سُنی ——— پھر کہا ——— "اچھا تو میں اب کیا کروں"؟

مصباح - ابھی جاؤ - اوپر جانے اور کھانا کھانے سے پہلے جاؤ۔ مس روز سے معافی مانگو اور اُس کے دل کو تسکین دیکر اپنی روح کے لئے سامانِ نجات پیدا کرو۔

آئزک - بہت اچھا میں ابھی جاتا ہوں۔

مصباح - اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تمہاری شادی ماتم میں اور تمہارا بسترِ خواب قبر میں بدل جائے گا۔

آئزک، کیا میں آپ کا نام اور جائے قیام دریافت کرسکتا ہوں؟

مصباح - میں سوائے اس کے کچھ بتانا نہیں چاہتا کہ مجھے خدا نے تمہاری رہنمائی کے لئے بھیجا ہے۔ اور میں بھی تمہاری ہی طرح ایک انسان ہوں۔ اگر تم کہو تو میں تمہارے ساتھ چلوں ——— مگر نہیں میرا وہاں اس وقت جانا قرینِ مصلحت معلوم نہیں ہوتا۔ مسٹر آئزک اپنے وعدے کے مطابق آپ کو فوراً وہاں پہونچ جانا چاہئے۔ میں انشاءاللہ صبح آپ سے پھر ملوں گا۔

(۳)

آئزک کے سر پر دولت کا بھُوت سوار تھا، مصباح فوراً گھر آیا۔ اور آئزک اپنے مکان کی کنڈی لگا کر میٹھی نیند سو رہا۔ مصباح نے رات بھر مس روز کے مکان کا طواف کیا۔ دروازہ بند تھا اس لئے اندر نہ جا سکا اور وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ آئزک اور روز کے "راز و نیاز" کی یہ مقدّس رات منتشر نہ ہو۔

وہ ۲ بجے رات کو تھکا ماندا پھر اپنے گھر چلا آیا اور صبح جس وقت لوگ عیدگاہ جا رہے تھے پھر مس روز کے مکان پر پہونچ گیا۔ اُس نے دیکھا کہ چند کلیسا کی کنواریاں مس روز کے مکان کے اندر آ جا رہی ہیں اور مشوش و متردد نظر آتی ہیں۔ اُس نے پادری صاحب کو بھی وہاں دیکھا اور ایک ڈاکٹر کو بھی۔ اس کا ماتھا ٹھنکا۔ احاطے کے باہر صحیح واقعات کے علم کے لئے دن بھر بھوکا پیاسا ٹھہرا رہا آخر ۲ بجے شام کو جب مس روز کا جنازہ احاطے سے باہر نکلا اُس وقت وہ سمجھا کہ "عیدِ محبّت" ختم ہوگئی۔

اعجاز صدیقی اکبرآبادی

شاہی عید لکھنؤ میں

ابھی عید کا زمانہ کوسوں دور پڑا ہے، دو مہینے پیشتر سے آخری شاہ اودھ کے دربار میں سامانِ عید مہیا ہونے لگا، شہر بھر کے زردوز اکٹھا ہوئے۔ ملازمین، خواص، مردہوں، کہاروں کی کارچوبی زرتار وردیاں تیار ہونے لگیں۔
نفیس نفیس ارتیں۔ جھولیں ہاتھی، بیل، چیتے، کتوں کے لئے تیار ہوئیں، عملۂ محلات کی پرتکلف پوشاکیں فرمائشی بننے لگیں مغلانیوں پر تقید شدید ہوئی، نوکر چاکر، سپاہی، سوار، پیدل پُرزر پوشاکوں سے آراستہ ہوئے۔
کہاریاں، تلنگنیں، جشنیں اور پیش خدمتیں رنگ برنگ کی پوشاک سے آراستہ پیراستہ ہوگئیں۔ باغ رواں، چاندی سونے کی ناندوں میں پُربہار درخت قلمی اور پھولدار باورچی خانے نئے سرے سے آراستہ کئے گئے۔
تامدان بوچے، نالکیاں، پالکیاں فینسیں عمدہ عمدہ نئی بنوائی گئیں درِ دولت میں استرکاری ہوئی، گرو گھاٹ پر کوٹھی شاہ پسند جدید تیار ہوئی، شاہی محلات کی عمارات میں ترمیم ہوئی جھاڑ، کنول دیوارگیریاں، دنگل، کرسی اور تمام فرنیچر سجایا گیا۔
خدا خدا کرکے انتیس ۲۹ تاریخ رمضان کی آئی، سانڈنی سوار، پچاس پچاس کوس تک چاند کی خبر کو دوڑائے گئے، سید نیور کے میر صاحب نے اپنے گاؤں کے دو آدمی سواروں کے ہمراہ روانہ کئے، گواہ عدالت میں رات کے دس بجے پیش ہوئے سید العلما مولوی سید حسین صاحب و سلطان العلما مولوی سید محمد صاحب نے پہلے مذہب پوچھا، اصول و فروع کے سوالات کئے نماز پڑھوائی، شہادت پر جرح کی، شب کو دو بجے دستخط فرمائے کہ رویت ہلال بشہادت ہوگئی،
اسی وقت توپ خانے کے داروغہ کے نام جس کو دوغیرہ کہتے ہیں، حکم ہوا کہ رویت ہلال کی توپیں تسلک ہوں۔
درِ دولت پر ترک سوار پہرہ دے رہے ہیں، اندر ترک سوارنیاں ٹہل رہی ہیں، آٹھ بجے دن کے بادشاہ تامدان پر سوار کہاریاں کندھا دیئے ہوئے ہٹو بچو، بسم اللہ کہتی ہوئی نکلیں، تمام عملہ دو طرفہ دست بستہ کھڑا ہے۔ ان کے بعد مرزا ولیعہد بہادر اور تمام شہزادے برآمد ہوئے، بادشاہ گنگا جمنی بوچے پر سوار ہوکر قیصر باغ کی بارہ دری میں تشریف لے گئے، وہاں جناب زبدۃ العلما سید محمد تقی صاحب مجتہد تشریف لائے دوگانہ عید ادا فرمایا، مجتہد نے خطبہ شروع کیا، جب بادشاہ کا نام آیا داروغہ توشہ خانے نے خلعت پہنایا، دعا مانگی اور بادشاہ نے احترام سے رخصت فرمایا۔

ادہر مرزا ولیعہد بہادر اور تمام شہزادے برآمد ہوئے اُن کے ہمراہ برادران گرامی قدر شہزادہ مرزا فلک قدر شہزادہ، مرزا کیوان قدر شہزادہ نوشیرواں قدر شہزادہ فریدوں قدر ہاتھیوں پر سوار ہوئے، اُن کی معیّت میں مدارالدولہ نواب علی نقی خاں صاحب بہادر وزیر انیس الدولہ، قطب الدولہ، ثابت الدولہ، وہاج الدولہ، مصاحب الدولہ، نجیب الدولہ، نشاط الدولہ، مستقیم الدولہ، آفتاب الدولہ، فتح الدولہ ان کے عقب میں تمام خواجہ سرا بشیر الدولہ، فیروز الدولہ، حسین الدولہ، حاجی شریف کپتان پلٹن بانکی وترچھی۔ ان کے علاوہ جلیس خاص اسعد الدولہ ہمراہی میں جلوس شاہانہ درِ دولت سے لکھن دروازے تک دو طرفہ آدمی ہی آدمی نظر آتا تھا، سودے والوں کی قطار دو طرفہ عقب میں توپ خانہ ساتھ ساتھ اختری نادری پلٹن نے ترم بجایا، گھوڑے سوار اور برچھی سوار اپنے اپنے قاعدے سے آگے بڑھے، توپوں کی سلامی ہوئی۔ شہنائی کی سہانی آواز نہ رہنے نگہ رو برو پکارتے ہوئے مسجد آصفی میں تشریف لائے

جناب سلطان العلما سید محمد صاحبؒ جناب سید العلما سید حسن صاحب عرف بیرن صاحب رونق افروز ہیں، سلطان العلما نے نماز پڑھائی خطبہ پڑھا، خلعت عطا ہوا، بعد ادائے دوگانہ رسمِ سلامی ادا ہوئی، محتاج غربا فقرا کو روپیہ اشرفیاں لٹاتے ہوئے درِ دولت پر واپس آئے یہاں بادشاہ پہلے سے رونق افروز تھے ارباب نشاط مبارکباد گا رہے تھے، سازندے ساز ملا رہے تھے، اراکین دولت کا ہجوم ہوا پہلے ریزیڈنٹ صاحب نے ٹوپی اُتار کے جھک کر مبارکباد دی پھر نواب سلیمان قدر مصطفےٰ علیخاں نے نذر پیش کی۔ مرزا ولیعہد بہادر اور شہزادوں نے ادب قاعدے سے سلام کرکے اپنی اپنی جگہ نشست فرمائی۔

تھوڑی دیر کے بعد کہاریوں نے بوجھ لگایا حضور عالی سوار ہو کر محل میں تشریف لائے محل والیوں کے دن پھرے، جلسے والیاں مالا مال ہوگئیں، انعام تقسیم ہوئے۔ خطاب پائے، ملکۂ کشور آفاق نے بلائیں لیں، گلے لگایا وہاں سے نواب خاص محل۔ نواب معشوق محل کے یہاں تشریف لے گئے، پھر نشاط محل غیر محل سلطان محل، شہنشاہ محل، امیر محل، سلطان محل۔ امراؤ محل، پری محل، گلزار محل، اکلیل محل، سرفراز محل خاتون محل میں تشریف لے گئے، نذریں گزریں، خلعت اور انعام تقسیم ہوئے۔ اب بیگمات کی باری آئی حضرت بیگم، قمر بیگم، بہار بیگم عباسی بیگم، محبوب بیگم، کل عالم، بدر عالم، کبریٰ بیگم کے یہاں تشریف لے گئے۔ ہنسے بولے انعام اکرام دیئے چھٹی نویس مغلانیاں پیش خدمتوں نے باری باری سے مجرا کیا، حسب لیاقت انعام پائے۔

اس کے بعد مصاحبیں گائیں ڈومنی والیاں مجرے کو حاضر ہوئیں، سب کو بھاری بھاری جوڑے اور نگینے ملے۔

پھر عیش محل میں تشریف لے گئے، وارو غہ ارباب نشاط نے ادب قاعدے سے سلام کیا، جلسے والی ڈومنیاں بناؤ سنگار کئے ہوئے حاضر ہوئیں، دیر تک ناچ گانا سنا کئے قطب الدولہ نے ستار بجایا،

عید کے دوسرے روز حسب معمول موتی محل میں میلہ ہوا، تمام زنانے ہیجڑے نٹنیاں شہر کے اچھے اچھے طائفے، ہر قسم کی دوکاندار گومتی بازجمع ہوئے حضور عالی بیگمات محلات کے ہمراہ سرگرم تماشا ہوئے، بھٹیاریوں کی لڑائی دیکھی بعدہ مع محلات بادشاہ باغ تشریف لے گئے۔ عید تو عید تھی یہاں دن رات ایسے ایسے جشن ہوتے ہی رہتے تھے۔

عشرت لکھنوی

امم قدیمہ سے یہ دستور چلا آرہا ہے کہ ہر قوم سال میں ایک مرتبہ یا دو مرتبہ اظہار زینت و تجمل و تفریحات کے لئے جشن عام مقرر کیا کرتی ہے اور وہی طریقہ آج بھی دنیا کی موجودہ اقوام میں موجود ہے۔

یہود سال میں ایک دن عید فصح منایا کرتے ہیں[1] یہ اُس دن کی یادگار تھی جس دن مصر سے بنی اسرائیل نکلے تھے اور فرعون کے ظلم و تشدد سے نجات ملی تھی۔ اُس کی یہ یادگار بڑے لہو و لعب و رقص و سرود کے ساتھ منائی جاتی تھی۔

ہندوؤں میں مختلف تہوار مختلف موسموں کے شروع میں منائے جاتے ہیں مگر سب تہواروں میں بڑا تہوار (جشن مسرت) ہولی ہے جو سردی کے ختم اور بہار کے شروع کی نشانی ہے۔

ہولی کے متعلق عام اعتقاد یہ ہے کہ ایک دیونی "ہودا" یا "ہوتی کا" نامی نے ہندو تثلیث کے تین آنکھوں والے دیوتا شوجی کی خوب پوجا پاٹ کی اور اُس سے بچن لیا کہ کسی جگہ کسی موسم میں کسی ہتھیار سے کوئی اس کی جان نہ لے سکے۔ البتہ ایک خاص مہینہ کے ایک خاص دن میں بچے اسے مار سکیں۔ موت کے ڈر سے اس دیونی نے ہر بچہ کو پکڑ پکڑ کر مارنا شروع کیا لیکن بچے دیوتاؤں کی مدد سے اس کی گرفت سے نکل بھاگتے۔ ایک روز بچوں نے دیونی کو پکڑ کے مار ڈالا اور اسے لکڑیوں اور ارنے اُپلے کے ڈھیر میں جلا کے خاک کر ڈالا۔ اُس کی یادگار سالانہ منائی جاتی ہے۔ بچے رنگ رلیاں اور جوان و بوڑھے مزخرف حرکات گالی گلوچ و فحش بکتے پھرتے ہیں۔ اسی صورت سے یہ جشن مسرت منایا جاتا ہے۔

نصاریٰ کی عید بڑے دن کو ہوتی ہے۔ یہ دن حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے اعزاز میں منایا جاتا ہے، رومن کیتھولک گرجے میں بچہ گہوارے میں دیکھا جاتا ہے۔ اور اس روز عیسائی بہت خوشیاں کرتے ہیں۔ اور ہر قسم کا لہو لعب روا سمجھا جاتا ہے

اہل عرب میں بھی ایام نیروز اور مہرجان جشن مسرت ہر قسم کے کھیل اور گانے بجانے کے لئے مخصوص تھے۔

---

[1] تاریخ یوسیفس مورخ یہودی کتاب صفحہ ۴ و ۵

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ میں تشریف لائے تو باشندگانِ مدینہ کے لئے دو دن ایسے تھے کہ ان میں وہ لہو و لعب کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ کیسے دن ہیں انھوں نے عرض کی کہ ہم زمانۂ جاہلیت میں ان دو دنوں میں کھیل کود کیا کرتے تھے۔

تب آپ نے فرمایا کہ اللہ پاک نے بجائے ان دو دن کے دو اور دن اس سے بہتر بدلے میں دئے۔ "یوم الضحیٰ" اور "یوم الفطر" اس تبدیلی کی وجہ سے یادگار جاہلیت کا مٹانا مقصود تھا کہ مشرکین کی تقلیدِ رسم کا وہم و خیال تک دل میں نہ آنے پائے۔

لہو و لعب میں فسق و فجور تھا مگر ان دو اجتماعوں میں عبادت۔ اعلائے کلمۃ الحق اور ذکر ربانی ہے۔ اس کے ساتھ ضروریاتِ دینی و مصالح ملکی اور کثرت و اجتماع مسلمین سے شوکت کا اظہار اعدائے اسلام کے لئے مصالحت تھی۔ صدقہ فطر کے وجوب سے مساکین کی اعانت مقصود تھی۔ ظاہری تجمل و شوکت و زینت کے مقابل باطنی اصلاح و عمل خیر کی ترجیح دی گئی

"ایام عیدین میں ملّتِ حنفیہ کے شعار کی عظمت برقرار رکھی گئی۔ ان میں سے ایک تو وہ دن ہے کہ جب وہ اپنے روزوں سے فارغ ہوتے ہیں اور ایک طرح کی زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اس لئے اس دن دو قسم کی خوشیاں جمع ہو جاتی ہیں۔ طبعی اور عقلی طبعی خوشی تو ان کو اس لئے حاصل ہوتی ہے کہ روزہ کی عبادت شاقہ سے فارغ ہو جاتے ہیں اور محتاجوں کو صدقہ ملجاتا ہے اور فرحت عقلی یہ ہے کہ خدائیتعالیٰ نے عبادت مفروضہ کے ادا کرنے کی ان کو توفیق عطا فرمائی اور ان کے اہل و عیال کو دوسرے سال تک باقی رکھنے کا ان پر انعام کیا۔

دوسرا دن وہ ہے کہ حضرتِ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرتِ اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کیا اور خدائیتعالیٰ نے ان کی جان کے بدلے میں جنّت کا دنبہ عنایت کیا۔ اس لئے کہ اس میں ملّتِ ابراہیمی کے ائمہ کے حالات کی یاددہانی اور جان و مال کی خدائیتعالیٰ کے فرمانبرداری میں خرچ کرنے اور ان کے غایت درجہ کے صبر کرنے کے ساتھ لوگوں کو عبرت دلائی ہے[۱]

سرکارِ دو عالم کی عید

"نماز عید سے قبل سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم غسل فرماتے مسواک کرتے اور عمدہ لباس زیب تن کرتے، خوشبو لگاتے، عیدگاہ جانے سے قبل صدقہ فطر ادا فرماتے اور طاق کھجوریں نوش کرتے۔"

---

[۱] حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۳۴۶

صحیحین میں حضرت ابی سعید خدری سے مروی ہے کہ آنحضرت صلعم عید الفطر کے دن عیدگاہ کی طرف (جو مدینہ منورہ سے باہر تھی) تشریف لیجاتے اور سب سے پہلے جو چیز شروع فرماتے نماز تھی پھر نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کے سامنے کھڑے ہوتے (ابتدا میں منبر نہ تھا) ایسی حالت میں کہ اصحاب صف بستہ بیٹھے ہوتے پس (خطبہ میں) نصیحت فرماتے۔ وصیت فرماتے (تقویٰ اور پرہیزگاری کی) اور حکم فرماتے (احکام فطر اور دیگر مصالح ضروریہ کا) اور اگر جہاد پر لشکر بھیجنا مقصود ہوتا تو اُس کے بھیجنے کا حکم فرماتے، پھر اپنے گھر کی طرف واپس تشریف لیجاتے۔"

حضرتِ جابر سے مروی ہے کہ عید کے روز حضور کے ساتھ میں نماز میں شریک ہوا آپ نے بغیر اذان اور تکبیر اقامت کے خطبہ سے پہلے نماز (عید) پڑھی جب نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت بلال پر سہارا دے کر کھڑے ہوئے (اور کبھی آپ اثنائے خطبہ میں کمان پر کبھی برچھی پر سہارا دیتے تھے) پھر خدا کی حمد و ثنا کر کے لوگوں کو نصیحت کی اور (احکام دین) یاد دلائے اور طاعت حق کی رغبت دلائی۔" ایک راہ سے عیدگاہ جانا اور دوسری راہ سے واپس آنا آنحضرت کے عمل سے ثابت ہے[۵۱]۔

غنا عید پر دف پر گانے اور تفریحی بہادرانہ کھیل کی اجازت احادیث سے ثابت ہے

بخاری اور مسلم نے یہ حدیث عقیل کی زہری سے انھوں نے عروہ سے اُنھوں نے حضرت عائشہ رضؓ صدیقہ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ حضرت عائشہ رضؓ کے پاس تشریف لے گئے اور ان کے پاس دو لڑکیاں ایام منیٰ (دوران حج) میں دف بجاتی تھیں اور آنحضرت صلعم تمام بدن مبارک چادر سے چھپائے ہوئے تھے۔ ان لڑکیوں کو حضرت صدیق اکبر رضؓ نے جھڑکا آنحضرت صلعم نے اپنا چہرہ مبارک کھول کر فرمایا اے ابوبکر جانے دو اور کچھ مت کہو کہ یہ عید کے دن ہیں اور مسلم میں ابی ہریرہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر نے ان لڑکیوں کو جھڑکا تھا۔" یہ لڑکیاں روز بعاث کا ذکر گا رہی تھیں۔"

یہ بھی حضرتِ عائشہ سے ہی مروی ہے کہ "عید کا دن تھا کہ اس روز حبشی (صحن مسجد میں) پھری گدکے سے کھیل رہے تھے۔ مجکو شک ہے کہ میں نے آنحضرت صلعم سے اول درخواست کی یا خود آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم دیکھنا چاہتی ہو، میں نے عرض کیا کہ ہاں آپ نے مجکو اپنی پسِ پشت کھڑا کیا اور میرا رخسار آپ کے عذار مبارک پر تھا۔ اور آپ یہ فرماتے تھے کہ تماشا کئے جاؤ یہاں تک کہ جب میں تھک گئی تو آپ نے پوچھا کہ بس میں نے عرض کیا کہ ہاں آپ نے فرمایا، تو اب جاؤ[۵۲]۔

غرضکہ اسلام کے جشنِ مسرت میں لہو و لعب روا نہیں ہے بلکہ عبادت اس کے بعد جائز، دائرۂ انسانیت کی تفریح وہی بہادرانہ طرز کی اب عیدین کی تہذیب متانت و حقانیت و افادہ اجتماع کا "ہولی"۔ "عید فصح"۔ "بڑے دن"۔ "نوروز سے مقابلہ کیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بھی اسلام کا معیار کس قدر بلند اور شائستہ ہے

نجیب الحسن اکبرآبادی

---

[۵۱] مسلم بروایت ابوہریرہ رضؓ [۵۲] احیا العلوم جلد دوم صفحہ ۲۹۱

عید کارڈ

اُس بھلے آدمی کے مزاج میں عبوسیت کو اس قدر دخل تھا کہ ذرا ترش بات کہدیجئے بس تیوری چڑھی ہوئی ہے میں اس کو صرف ایک سال سے جانتا تھا۔ اگر "جاننے" کا مفہوم آپ کی سمجھ میں نہ آیا ہو تو اس مصرع سے اخذ کیجئے :- جانا تو یہ جانا کہ نہ جانا کچھ بھی!

در اصل آدمی ایک سال میں کیا کسی کو سمجھ سکتا ہے۔ وہ تو میں نے اپنی عادت کے مطابق اس کو اس قدر جلد بے تکلف کر لیا تھا۔ ایک اسی پر کیا موقوف ہے میں ہر انسان کو بے تکلف کر لیا کرتا ہوں۔ خیر تو ــــ وہ بہت ہی بے حس خشک مزاج اور روکھا انسان تھا۔ میں کب ان باتوں کا روادار ہو سکتا تھا۔ بہتیری کوشش کی کہ اس میں ملنساری اور مروت کا مادہ پیدا کردوں۔ مگر توبہ! ایک پیش نہ گئی۔ لیکن میں کب مایوس ہونے والا تھا۔

وہ میری بے تکلفانہ حرکات سے برافروختہ ہو کر روٹھ جاتا اور میں "نازت بکشم ــــ" کی تکمیل کے لئے نہیں بلکہ اُس کی انسانیت مکمل کرنے کے لئے اُس کا متعاقب رہتا۔ یہانتک کہ فتح آخر اسی کی ہوتی اور میں ہار گیا ــــ یعنی اُس کے اخلاقی پہلو کو نہ سنوار سکا!

کہتے ہیں کہ عید کے موقع پر تمام کینہ۔ عناد اور خصومت وغیرہ کو انسان برائے چندے پس پشت ڈالدیتا ہے اور دشمن بھی سامنے آجائے تو مراسم عید کو بجالاتا ہے۔ چنانچہ میں بھی، رسم دنیا بھی ہے موقع بھی ہے دستور بھی ہے

کا پہلا مصرعہ پڑھتا ہوا اُس کے مکان پر پہنچا!

حیاتِ مسرت میں واقعات سے استصواب کرنے کا منتظر رہنا بالکل عبث ہے۔ مسرت کے مبدا، حوادثِ روزگار اور سانحاتِ حیات نہیں ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو آج دنیا کا مسرور ترین انسان چارلی چپلن ہوتا۔ لیکن افسوس اِس بدنصیب شخص کی مسرت "نقل مطابق اصل" بھی نہیں (PHILANTHROPHISTS) (اصحاب فیوض) ذہنی پراگندگیوں کے ازالہ میں سعی ــــ لاحول ولاقوۃ، یہ مضمون سے ہٹ کر کہاں چلا گیا۔ کہنا یہ تھا کہ میں اس کے مکان پر پہنچا "موقع بھی ہے، دستور بھی ہے" کا پہلا مصرع پڑھتا ہوا۔ ایک میں ہی کیا بے تکلف افراد میں عید پر شاید ہر ایک کے منہ پر یہ رہتا ہوگا۔

"مکان پر پہنچا" کہدینے سے یہ گمان نہ کر لیجئے کہ میں اس کے مکان پر پہنچ ہی گیا۔ یہ تو زبان کا سقم اور الفاظ کا ابہام ہے کہ فاعل کی پوری کیفیات کی ترجمانی نہیں کرتے۔ کتنا ظلم ہے مجھ پر ــــ میں نے کہدیا کہ "میں مکان پر پہنچ گیا" اور آپ نے سمجھ لیا "بس پہنچ گئے" ارے صاحب! اس پر بھی آپ نے غور کیا کہ راہ میں میرے دل کے اندر کس قدر ہچر مچر سی بپا رہی ہوگی۔ اور مجھ پر کبھی آمادگی اور کبھی غیر آمادگی کے کس قدر دورے پڑے ہونگے آپ کو یہ خیال کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ میں نے کہدیا کہ "میں اس کے مکان پر پہنچ گیا" اور آپ نے اس سقیم علم تحریر کے ذریعہ تسلیم کر لیا" کہ چلو

صاحب پہنچ گئے" پھر؟ وہاں پہنچنے سے قبل جو ذہنی دشواریاں تھیں۔ مجھے پیش آئیں۔ کاش کوئی ان کا بھی خیال کر لیتا۔ لیکن کسی کو کیا غرض ہے بس ایک بات لکھدی "پہنچ گیا" پڑھنے والے نے سمجھ لیا "پہنچ گئے" یہ تمام قصور تحریر الفاظ و زبان وغیرہ کا ہے ——— او نہ! پھر بھٹک گیا! یہ آجکل میری عادت خواہ مخواہ اُلجھ پڑنے کی کیوں ہو گئی ہے؟

دراصل مجھے ظاہر کرنا یہ تھا کہ میں اُس کے مکان پر نہیں پہنچا۔ "پہلے وہ پہنچا" کہدینے سے میرا مقصد یہ تھا کہ دیکھیں آپ کو بھی یہ بات سوجھتی ہے یا نہیں۔ کہ سال بھر کے تنا سا کے ہاں بغیر بلائے کس طرح چلا گیا۔ بقول خواتین تیس تا پچاس سالہ۔ بے بلائے احمق۔ لے دوڑی سہنق۔

عید کو ایک ہفتہ گذر گیا۔ ایک روز میں اپنی مجنونانہ راہ پیمائیوں سے جب تھک کر شام کو لوٹا تو اسٹول پر ایک عید کارڈ پڑا ہوا انتظار کر رہا تھا۔ اُٹھا کر دیکھا تو اُس کا خط تھا۔ اور اُس پر صرف ایک شعر اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا:۔

نہیں آتی ہے ان کی یاد تو برسوں نہیں آتی مگر جب یاد آتے ہیں تو اکثر یاد آتے ہیں!

اچھا شعر تھا۔ اوّل تو میں اس کو اس کا اپنا "اختراعِ قلبی" سمجھا۔ لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ کسی اور کا ہے۔ جس کو بیجا تحریف کے بعد لکھا گیا ہے۔ بہرحال اس کے موزوں ہونے میں کلام نہ تھا۔

بعض اوقات یہ شاعروں کے مصرعے اور متاخرین کی گڑھی ہوئی ضرب الامثال انسانی دلوں پر زبردست اثر کر جاتی ہیں۔ ایسا اثر کہ مصنف کے دماغ میں بھی کبھی یہ نہ آیا ہوگا۔ کہ ان کے یہ "افادات" بعض مواقع پر کسی کی حیات کے لئے "مرکزِ مبدل" ثابت ہو جائیں گے۔ اس شعر نے کم از کم میرے جذبات کے ساتھ یہ سلوک کیا کہ میرے دل میں پہلی بار یہ ظن قایم ہوا۔ کہ وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں کیوں نہ اُس کی یاد کا احترام کروں۔ چنانچہ دو تین روز بعد میں نے ایک دوستانہ خط اُس کے جواب میں لکھا:۔

اس کے ہفتہ بھر بعد ہی اُس کا جذبات سے مملو ایک اور محبت نامہ آیا۔ جس کا جواب میری جانب سے اُسی گرمجوشی سے دیا گیا۔ اس طرح چھ ماہ کی باہمی خط و کتابت نے ہم کو ایک دوسرے سے اس قدر قریب کر دیا کہ دونوں طبیعتوں کا بُعد یکلخت جاتا رہا اور اُس کے عوض احترامِ محبت اور ہمدردی موجود ہو گئی!

جذباتِ محبت کی تاسیس محض ملاقاتوں سے نہیں ہوا کرتی۔ بعض اوقات وہم اور رائے کا فریب بھی خیالات میں محبت کی حرارت پیدا کر دیتا ہے اور پھر وہ اس قدر مستحکم پایدار اور استوار اثر ثابت ہوتا ہے کہ "حقائق" بھی اس کا اثر زائل نہیں کر سکتے!

جب میں اُس سے کچھ عرصہ بعد ملا تو وہ ایک محبت پرست دوست تھا اور میں محبت نواز انسان! یہ عید کارڈ کا طفیل تھا

قیسی رامپوری

چچا چھنّو کی عید ——— "مزاحیہ"

چھنّو خاں، جگت چچا مشہور تھے، جو شخص آپ کو چچا کہتا تھا آپ اُس سے بہت خوش ہوتے تھے۔ بوڑھے آدمی تھے، ۵۰-۶۰، برس کی عمر تھی، مگر جوانی کا دم بھرتے تھے۔ اور اگر کوئی لڑکا بڑے میاں کہہ کر آپ کو چھیڑ دیتا تھا تو آپ اس کے سر ہو جاتے تھے۔

جہاں محلے کے لڑکے کھیلتے وہاں آپ ضرور پہونچ جاتے۔ ان کے ساتھ کھیل میں شریک ہوتے، ویسے ہی ہنستے، ویسے ہی اودھم مچاتے اور جب کوئی اُن کا ہم عمر ادھر سے نکل آتا تو اسے دیکھ کر فرمایا کرتے تھے "بھئی لڑکے ہیں، ان کا دل بڑھانا چاہئے"

ایک مرتبہ عید آئی، چچا چھنّو رنگین کرتا اور لیس کی ٹوپی لگا کر محلے کے بچوں کے ساتھ عید گاہ جا پہنچے انھیں کے ساتھ نماز پڑھی، ٹپاخے چھوڑے، پان کھایا، سگریٹ پی۔ اور جب سب بچے ایک ہنڈولے کے پاس پہونچے تو خود بھی وہاں جا کر تماشا دیکھنے لگے۔ جو بچے ہنڈولے میں بیٹھنے سے ڈرتے تھے۔ آپ انھیں طعنے دے دے کر اُبھارتے تھے اور کہتے تھے" ڈرتے ہو، آخر ہو نا کچّے اماں ہنڈولہ ہی تو ہے کیا کبھی اپنے گھر میں جھولے پر نہیں بیٹھے۔ اور کیا تمہارے باپ نے جھو جُھو جھونٹا" نہیں سکھایا؟

ایک لڑکے نے کہا چچا ہم تو آپ کے ساتھ جھولیں گے۔ چچا تو اس موقع کے منتظر ہی تھے، فوراً آستین اور پاجامہ کی موریاں چڑھا کر ہنڈولے میں جا ڈٹے اور ہنڈولے والے سے کہنے لگے، دیکھو میاں ذرا ہوشیاری سے چلنا۔

ہنڈولے والے نے سمجھا کہ اب کے بڑے بڑے آدمی بیٹھے ہیں۔ اس نے ذرا گردش زیادہ دے دی۔ اب تو چچا کو چھٹی کا دودھ یاد آگیا۔ چہرہ کا رنگ فق ہو گیا چچا نے آنکھیں بند کرلیں اور ہونٹھ ہلنے لگے۔ جب خوف کے مارے آپ کی گردن ہلتی تھی۔ منہ بنتا تھا اور آنکھیں حرکت کرتی تھیں تو آپ کا حلیہ کچھ عجیب ہو جاتا تھا۔ کبھی کبھی آپ ہاتھ کا اشارہ ہنڈولا روکنے کے لئے کر دیتے تھے۔ مگر بھلا اس اشارہ کو کون سمجھتا تھا۔ کچھ دیر کے بعد چچا کی حالت اور زیادہ خراب ہو گئی۔ صبح کا کھایا پیا سب نکل گیا اور آپ خاصے ہولی کا سوانگ بن گئے۔

خدا خدا کر کے ہنڈولہ ٹھہرا۔ لڑکوں نے چچا کو بمشکل نکالا سنبھالا اور تانگے میں بٹھا کر گھر لائے۔ شام تک ذرا طبیعت سنبھلی اور چچا لکڑی ٹیکتے ہوئے باہر نکلے، اب جو ملتا ہے، اس سے کہہ رہے ہیں کہ "بھئی کیا عید گاہ جا رہے ہو۔ دیکھو ہنڈولے میں نہ بیٹھنا اُس پر آسیب ہے۔

میں تو بیٹھتے ہی بیمار ہو گیا۔" سب نے چچا کے ساتھ ہمدردی کی اور کہا کہ چچا عید گاہ جانے کا اب کیا وقت ہے۔ مگر چچا پر ہنڈولے کا بھوت ایسا سوار تھا کہ عید کو ایک مہینہ گذر گیا مگر آپ لڑکوں سے ہر وقت یہی کہتے رہے کہ دیکھنا عید گاہ جاؤ تو ہنڈولے میں کبھی نہ بیٹھنا لڑکوں کو بھی ایک چھیڑ ہو گئی، اب چچا جہاں ملتے تھے لڑکے انھیں خوب بناتے تھے اور کہتے تھے" چچا عید آرہی ہے ہنڈولے میں بیٹھو گے؟"

چچا کو اپنی کمزوری اور بڑھاپے کا ذرا بھی احساس نہ تھا۔ وہ ہمیشہ یہی سمجھتے تھے کہ ہنڈولے پر کوئی آسیب ضرور تھا۔ یا انھیں کسی کی نظر لگ گئی اور ہنڈولے میں بیٹھنا راس نہ آیا۔

بقر عید آئی تو چچا پھر بن سنور کر چودہ برس کے بنے ہوئے لڑکوں کے ساتھ عید گاہ پہونچے۔ ہنڈولے اب بھی گڑے ہوئے تھے۔ لڑکے اب بھی جھول رہے تھے، مگر چچا چھنو سو قدم سے دیکھ دیکھ کر کانپ رہے تھے اور جوان کے پاس سے گذر رہا تھا۔ اس سے کہہ رہے تھے دیکھو میاں ادھر نہ جانا۔ ورنہ ہنڈولے کا بھوت دبالے گا اور تم بیمار ہو جاؤ گے۔ لوگ ان کی باتوں کو سنتے تھے اور ہنستے ہوئے چلے جاتے تھے۔ جب ہنڈولے والا ہنڈولے کو گردش دیتا تھا تو چچا ادھر سے منہ پھیر کر کھڑے ہو جاتے تھے اور ان کے جسم کی تمام رگیں کھچ کر ان کے چہرے کو خوفناک بنا دیتی تھیں۔

دوسرے سال جب عید آئی تو چچا اس دنیا میں موجود نہ تھے مگر اُن کا ہنڈولے میں جھولنا تمام لڑکوں کو یاد آکر ہنسا رہا تھا اور اُن کی روح ہنڈولے کے پاس کھڑی ہوئی اب تک بچوں کو ہنڈولے میں بیٹھنے سے منع کر رہی تھی، مگر شریر اور کھلاڑی لڑکوں پر اس کا کوئی اثر نہ تھا۔ وہ برابر ہنڈولے میں بیٹھ رہے تھے اور بعض منچلے چچا چھنو کی روح کو ہنڈولے کا ثواب پہونچانے کے لئے ان کے نام سے پیسے دے دے کر جھولتے تھے اور کہتے تھے کہ ایک ہنڈولہ چچا چھنو کے نام پر۔ جب ہنڈولہ چرخ چوں کرتا تو لڑکے ہنستے تھے اور ان کی زبان سے بے اختیار نکل جاتا کہ سنو بھی چچا چھنو کی آواز آرہی ہے اور وہ ہمارے جھولنے پر عالمِ بالا سے اظہارِ خوشنودی فرما رہے ہیں۔

پلشم

تصحیح۔ نومبر کے کنول میں حضرتِ فراق گورکھپوری کی غزل کے تیسرے شعر کا پہلا مصرع غلط چھپ گیا ہے۔ قارئین اس طرح تصحیح فرمالیں " تیری بیگانگی کا کیا کہنا۔"

عیدؔ ـــ ایک غمخوارِ قوم کے نقطۂ نگاہ سے

اے چمکدار سحر! اے زرنگار سحر کے عشرت آگیں تبسّم! کیا میں مسکرادوں؟ کیا میں قلب کی نوخیز غنچگی کو پھولوں کی سرسبز عمر عطا کردوں؟
اے صبحِ عید کے کیف آور دھندلکے! اے اُفق کی میکدہ بردوش ہلکی ہلکی سرخی! کیا میں مست ہوجاؤں؟ اور کیا میں واقعی کھوجاؤں؟
اے جھیل کے شفاف پانی کی نغمہ ریز لہروں پر زہرہ کی طرح رقص کرنے والی کرنو! کیا میں آج حقیقی مسرت کا یقین کرلوں؟
اور اے کنول کے پتوں پر ہیرے کی طرح تاباں پانی کے مرتعش قطرے! کیا سچ مچ آج عید ہے؟

اے معطر اور زرّیں لباس میں مہکا دینے والو نوجوانو! کیا تم واقعی آج مسرور ہو؟ اور کیا حقیقتاً تمہارے دلوں میں مسرت کے سمندر کی فضا بوس موجیں شور انگن ہیں۔ اے منبر پر بیٹھ کر مذہب کی اشاعت کرنے والے...... بزرگو! کیا تم کوئی خطبۂ مسرت پڑھنے کے لئے تیار ہو؟ آج جبکہ غریب مسلمانوں کے خون کی مظلوم خوشبو سے فضا رنگین ہو رہی ہے۔ جن کی آسمان شکن کراہ سے اوراقِ ارض جھلسے جا رہے ہیں۔ جن کے معصوم آنسوؤں میں ہزاروں خونیں فریادیں ہیں اور جن کی آخری سانسیں عالم کے لئے ایک دل ہلا دینے والی اپیل کر رہی ہیں۔
اے نکہت سے زیادہ خوشبودار کرنوں سے زیادہ چمکدار پھول سے زیادہ رنگین اور قوسِ قزح سے زیادہ بھینا لباس پہنکر گھروں میں بیٹھنے والی عشرت اور مسرت کی خوش نصیب بیبیو کیا واقعی تم مسرور ہو؟ کیا حقیقتاً تمہاری زندگی عید کی مسرور کیفیتوں میں جھولا جھول رہی ہے۔ آج جبکہ تمہاری بہت سی بہنیں اپنے کثیف دوپٹوں میں اپنے شفاف آنسوؤں کی نہ رکنے والی ندیوں کو بیٹھی ہوئی جذب کر رہی ہیں۔ اور جن کے دلوں میں جذباتِ غم کا ایک اندوہ ناک محشر ہے۔ جن کے سینے ایک جلا دینے والی ہوک سے لبریز ہیں اور جن کی رگوں کا خون اس فوراً آجانے والے خیال سے کہ اُن کے اسبابِ مسرّت قتل کردیئے گئے اونٹ رہا ہے۔

عید، عید

اے ناہمدرد ہستیو! عید نہیں ہے۔ بلکہ فطرت نے آج تمہارے لئے ایک خوبصورت لعنت کا نزول کیا ہے اک نہ ختم ہونے والا غمگین وقت تمہارے اوپر برسایا ہے!

"جاگو، جاگو، چونکو۔ اور اپنی ہمدردی کو جگاؤ۔ ورنہ انسانیت کا انتقام شور شوں میں ہے"

"پیمانہ"

حقیقی عید کس دن ہوگی؟

رسمی عید رسمی عید ہندوستان میں ہر سال آتی ہے اور اپنی مسرتوں کا ایک دھندلا سا یہ ڈال کر رخصت ہو جاتی ہے مگر وہ ہمارے لئے ہماری قوم کے لئے ہماری موجودہ نسلوں کے لئے اور ملت اسلام کے لئے کوئی نیا انقلاب نہیں لاتی۔ ہم اُس کی مسرتوں کا رسمی طور پر احترام کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حقیقی مسرتوں کا ہمیں احساس نہیں ہوتا۔ ہمارے دل بدستور مرجھائے رہتے ہیں۔ بہار آتی ہے اور چلی جاتی ہے۔ نہ ہماری حالتیں بدلتی ہیں، نہ ہماری پستی دور ہوتی ہے اور نہ ہم فلاکت و نکبت کی اس تاریکی سے نکلتے ہیں جنہوں نے ہمیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے

دلوں کا لباس ہم عید کی مسرتوں کا خیر مقدم کرنے کے لئے قرض دام کر کے محنت کر کے نئے لباس تیار کراتے ہیں۔ عید کے دن پہنتے ہیں، عید گاہ جاتے ہیں۔ دوستوں سے ملتے ہیں۔ لذیذ کھانے پکواتے ہیں۔ مگر ہمارے دلوں کا وہ لباس نہیں بدلتا جو سینکڑوں سال سے گرد آلود ہے اور جس میں انحطاط و زوال اور مایوسی کی بد بو آنے لگی ہے۔

نئے کپڑوں سے لذیذ کھانوں سے، اور نمائشی مظاہروں سے ہمیں عید کی سچی خوشی حاصل نہیں ہوتی۔ دراصل ہم عید کی نقالی کر رہے ہیں، ہم اپنے دلوں کو فریب مسرت دے رہے ہیں۔ اور وہ عشرتِ عید جو بالیدگی روح ہے ہم سے کوسوں دور ہے۔ اسکی ایک رمق بھی ہمارے افسردہ دلوں کے ظلمت خانوں میں نہیں پہنچتی۔

غلام گردی ہم ایک مدت مدید سے محسوس کر رہے ہیں کہ صبح عید اپنے جانے کے بعد کوئی ایسا نقش یادگار نہیں چھوڑ جاتی جو ہمارے لئے مستقلاً دوسری عید آنے تک سمائے مسرت ہوا اور جسے ہم اپنی جاودانی مسرتوں کا مرکز بنا سکیں۔

جب عید چلی جاتی ہے تو ہم بدستور اُسی غلام گردی میں مبتلا ہو جاتے ہیں جو ہم پر سالہا سال سے مسلط ہے اور جسے گردشِ ایام نے ہماری زندگی کا لازمہ بنا دیا ہے۔ فکرِ معاش کی ہیبت ناک مصیبت ہم پر بدستور نازل ہو جاتی ہے۔ غریبی اور ناداری کی گھٹائیں پھر گھنگھور ہو جاتی ہیں اور عید کے دن جتنا ہم ہنستے ہیں اُس سے زیادہ ہمیں سال بھر تک رونا پڑتا ہے۔ آسودگی

ہم سے کنارہ کش رہتی ہے۔ اطمینان ہم سے متنفر رہتا ہے اور ہم پھر ایک عجیب طوفانِ ہلاکت میں غوطے کھاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

مسلمان انسان ہمیں سوچنا چاہیے اور غور کرنا چاہیے کہ آخر ہم اپنی حالتوں کو کس طرح بدل سکتے ہیں؟ ہمیں دوسری قوموں سے سبق لینا چاہیے کہ وہ اپنی حالت کس طرح بدل رہی ہیں۔ اور ہم سے زیادہ کیوں خوش نظر آتی ہیں۔ جہاں تک انسانیت کا سوال ہے، دنیا میں سب انسان برابر ہیں۔ قومیت کے امتیاز نے انہیں حدیں قائم کردی ہیں۔ ورنہ انسان ہونے کی حیثیت سے ہندو مسلمان۔ سکھ۔ عیسائی۔ پارسی اور ان کے علاوہ جرمنی، جاپانی، انگلستانی، ترکی، شامی، عربی سب یکساں ہیں پھر آخر کوئی سبب تو ہے کہ تمام انسان عروج و کمال کی بلندیوں پر نظر آرہے ہیں، مگر مسلمان انسان جو کبھی ان سب سے زیادہ بلند نشیں تھے، آج سب سے زیادہ پستی میں گرے ہوئے ہیں۔

ہستی کی پستی آخر مسلمانوں کو حقیقی سکون و مسرت کیوں حاصل ہو؟ وہ حصولِ مسرت کے لئے کیا کوشش کررہے ہیں؟ ان کی ۶۰، کروڑ آبادی میں فیصدی ۵ مسلمان بھی تعلیم یافتہ نہیں ہیں، فیصدی ۲ مسلمان بھی تجارت پیشہ نہیں ہیں فیصدی ایک مسلمان کی زندگی بھی منظم نہیں ہے، فیصدی دس مسلمان بھی مذہب کے پابند نہیں ہیں۔ اور فیصدی دو مسلمان بھی متفق الخیال نہیں ہیں پھر انہیں عید پر ہی کیا موقوف ہے کسی تقریب شادی پر مسرت کیوں نصیب ہو؟ بے شک انہیں مسرور رہنے کا کوئی حق نہیں۔ انہوں نے اپنی ہستی کو خود ہی نذرِ پستی کردیا ہے۔ وہ خود ہی زوال کی اندھیریوں میں اُترتے چلے جارہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان کے یہاں شادیاں ہوتی ہیں تو شادیوں کے بعد وہ مقروض ہوجاتے ہیں۔ اُن پر ڈگریاں دائر ہوتی ہیں، ان کے مکان قرق ہوتے ہیں۔ ان کی بے آبروئی ہوتی ہے۔ جب ان کے تہوار آتے ہیں تو ہر تہوار کے بعد وہ مفلس نظر آتے ہیں۔ اور انہیں پشیمان ہونا پڑتا ہے کہ وہ جھوٹی اور نمائشی مسرتوں میں اپنا روپیہ اندھے بن کر اُٹھا بیٹھتے ہیں انہیں کوئی مسرت حاصل نہیں ہوتی اور ان کی روح احساسِ ذلت سے تحلیل ہوتی چلی جاتی ہے۔

اُبھرنے کا طریقہ اس پستی سے اُبھرنے کا ذریعہ کیا ہے؟ حقیقی مسرتوں کے حصول کا طریقہ کیا ہے؟ دنیا میں زندہ رہنے کا اصول کیا ہے؟ یہ ہے کہ مسلمان اپنی موجودہ حالت کا احساس کریں، غلامی کی زنجیریں اُتار کر پھینک دیں اپنے گھروں میں تعلیم کی روشنی پھیلائیں، اپنے خاندانوں سے بدرسمیاں دور کریں۔ آپس میں متفق و متحد ہوجائیں، اپنی قومیت کو نمودار کریں۔

خودداری اور عزتِ نفس سیکھیں، تجارت اور صنعت و حرفت کی طرف متوجہ ہوں، اسراف اور لہو و لعب سے پرہیز کریں۔ اور اولوالعزم انسانوں کی طرح، زندہ قوموں کی طرح، اور بیدار جماعتوں کی طرح دنیا کو اپنی ہستی کا ثبوت دے کر دنیا میں رہنے کے قابل بن جائیں۔

سب سے پہلے تنظیم

عام مسلمان تو درکنار، اُن کے رہنماؤں میں بھی اختلاف ہے۔ ایک دوسرے کو گالیاں دے رہا ہے۔ ایک دوسرے کو بُرا کہہ رہا ہے جب گلہ بانوں کا یہ حال ہے کہ انھیں آپس کی لڑائی سے فرصت نہیں ملتی تو گلہ کی بھیڑیں غلط راستوں پر بھٹکتی ہوئی کیوں نہ چلی جائیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں خود سری، خود روی اور خود رائی کی وبا پھیل گئی ہے۔ ہر شخص کا ایک ذاتی مسلک ہے۔ ہر فرد کا ایک خاص راستہ ہے، اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ کدھر جا رہا ہے۔ یا اُس کی منزلِ مقصود کس طرف ہے۔

جبتک مسلمانوں کو تنظیم کی مضبوط قوت سے منظم نہ کیا جائیگا، اور رہنما اپنے اختلافات کی گندگی اور آلودگی سے نکل کر صحیح راستہ پر قوم کی رہنمائی نہ کریں گے۔ اس وقت تک ترقی اور آسودگی کا صحیح راستہ ملنا دشوار ہے

اس کے بعد

جب تنظیم ہو جائے، اور تمام قوم "حبل اللہ" کو مضبوط تھام لے تو پھر صرف ایک بانگِ درا کی ضرورت ہے۔ پھر منزلِ مقصود دور نہیں۔ وہ ہمارا خود انتظار کر رہی ہے۔ مگر ہم ہیں کہ غلط اور ٹیڑھے راستوں پر بھٹکتے پھر رہے ہیں دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے لاتعداد نفوس، بے شمار افراد، اسی کجروی کی ہلاکت میں مبتلا ہو کر اپنی عزیز جانیں بھی ضایع کر چکے ہیں۔

تنظیم کے بعد صرف تدبیر کی ضرورت ہے۔ ہم میں بڑے بڑے مدبر موجود ہیں۔ ان کے لئے ہمیں تلاش و جد و جہد کی ضرورت تھیں، بس تنظیم ہوئی اور تدبیر نے ہمیں منزل سے ہمکنار کر دیا۔

حقیقی عید

فی الحقیقت ہماری حقیقی عید اُسی دن ہوگی جب ہماری قوم کا ہر فرد فکرِ معاش سے بے نیاز ہوگا۔ سب کے پیٹ بھرے ہوئے ہوں گے۔ ظاہری اور باطنی حالتیں یکساں ہوں گی۔ عید کے لئے ہمیں جدید انتظامات کی ضرورت نہ ہوگی، ہمارے یتیم اور ہماری بیوائیں، کس مپرسی اور لاوارثی کی مصیبتوں سے آزاد ہو جائیں گی۔ غلامی کے بادل چھٹ جائیں گے اور ہمارے مطلعِ حیات پر آزادی و خوشحالی کا نیا سورج طلوع ہو جائے گا۔ ہماری حقیقی عید اس دن ہوگی جس دن ہم محکومیت کی پستیوں سے اُبھر آئیں گے۔ ہمارے مزدور سرمایہ دار ہوں گے اور ہماری عورتیں ہمیں زندگی کی ضرورتوں میں مدد دینے کے قابل ہو جائیں گی۔ جس دن ہمارا ہر فرد تعلیم یافتہ اور ہر فرزند دولت و عظمت کی برکتوں سے مالا مال ہوگا۔

ہماری حقیقی عید اُس دن ہوگی، جبدن ہمارا شمار دنیا کی زندہ قوموں میں ہوگا۔ ہمارا گذشتہ دورِ عظمت و جلال واپس آجائیگا اور ہم ہندوستان کی سب سے زیادہ قوی۔ سب سے زیادہ با عزت، اور سب سے زیادہ با اثر قوم کہلانے لگیں گے۔

غرضکہ ہماری حقیقی عید اُس دن ہوگی جس دن عید کی مسرتیں ہمیں حقیقت میں مسرتیں محسوس ہوں گی اور فریبِ نشاط کے سنہری دھوکے سے ہم باہر نکل آئیں گے۔

رنگِ عشرت کا نہیں نیرنگیٔ اُمید ہے
عید سمجھے ہو جسے، مطلق فریبِ عید ہے

"تاج"

نقد و نظر

دنیا کے راستے | اس موضوع پر اپنی قسم کی پہلی کتاب ہے جسے پروفیسر صغیر علی صاحب ایم۔ اے ”منتظم بہادر“ ہلکر کالج اندور نے تصنیف فرمایا ہے۔ یہ کتاب یوں تو طلبا تاریخ اور جغرافیہ کے لئے لکھی گئی ہے لیکن حقیقت میں اس کے مطالعہ سے ہر پڑھا لکھا انسان مستفیض ہو سکتا ہے اور اپنی معلومات میں بیش بہا اضافہ کر سکتا ہے۔
تمام کتاب پچیس ابواب پر مشتمل ہے جن کے تحت میں دنیا کے تمام راستوں پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور اس ذیل میں وہ تمام حالات بھی لکھے گئے ہیں جنھیں تحقیقِ جدید یا دنیا کی درجہ بدرجہ ترقی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ طلبا اور تمام دنیا کی تاریخی معلومات سے باخبر ہونے کی آرزو رکھنے والے حضرات کے لئے یہ کتاب بےحد مفید ہے۔ قیمت کتاب پر درج نہیں دت برادرز اجمیر اور رسیوہال برادرز توپخانہ بازار اندور سے مل سکتی ہے۔

پیمانِ وفا | ہز ہائینس مہاراجہ جیواجی راؤ سندھیا عالیجاہ بہادر فرمانروائے گوالیار کے جشنِ تاجپوشی کے سلسلے میں اراکینِ بزمِ ادب لشکر کی طرف سے یہ مجموعہ شایع ہوا ہے۔ جس کے ذریعے تہنیت کی نظمیں اور سپاسنامے پیش کئے گئے ہیں۔ اس مجموعہ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ گوالیار کے ذی ہوش اور صائب الرائے حضرات اپنے تاجدار سے کس درجہ خلوص و محبت رکھتے ہیں اور ان کے اس جذبہ کے اظہار سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ گوالیار کی رعایا اپنے راعی سے کس قدر خوش اور مطمئن ہے۔ اس مجموعے کے مرتب میرے محترم دوست اور ملک کے مشہور ادیب و شاعر ڈاکٹر ضیائے عباس ہاشمی ہیں جو بزمِ اردو کے سکریٹری بھی ہیں اور لشکر میں ایک نمایاں حیثیت و عزت کے ساتھ ایک ممتاز عہدے پر فائز ہیں۔ تہنیت خوانوں کی متعدد تصاویر بھی شریکِ کتاب ہیں۔ لکھائی چھپائی نفیس ہے حجم بھی کافی ہے اور قیمت شاید ۸ ہے
ملنے کا پتہ سکریٹری بزمِ ادب لشکر گوالیار

حمید کے سو شعر | جامعہ ملیہ دہلی نے بعض مشہور شاعروں کے سو سو شعر شایع کر کے ہندوستان کے تمام شاعروں کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ بھی اپنے سو شعر شایع کریں۔
چنانچہ اب تک بہت سے شاعر ایسا کر بھی چکے ہیں۔ اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔
اس نئے رواج کی تقلید کے تحت میں خواجہ حمید الدین صاحب حمید لکھنوی نے بھی اپنے سو شعر شایع کئے ہیں جن کا انتخاب ملک کے مشہور شاعر حضرت ثاقب لکھنوی نے فرمایا ہے۔ اس مجموعے کا دوسرا نام گلِ صد برگ ہے جسے ثاقب صاحب کی نگاہِ انتخاب نے صحیح معنوں میں گلِ صد برگ بنا دیا ہے حجم ۲۲ صفحات قیمت ۴ ملنے کا پتہ منیجر نامی پریس لکھنؤ۔

برسی | سید عیسیٰ میاں صاحب سبل سیدی ٹونک کے مشہور جوان اور رنگین بیان شاعر ہیں اور صحیح معنوں میں انھیں شاعری زیب دیتی ہے میرے نزدیک تو وہ خود ایک شعر ہیں۔ جن حضرات کو ان سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے وہ میرے اس فیصلے کی تائید کر سکتے ہیں۔
برسی کے عنوان سے آپ نے ایک نظم لکھی ہے جو ان کے پدرِ محترم کی وفات کا ایک دردناک نوحہ ہے مگر آپ نے اس نظم کو اصلاحی بنا دیا ہے اور اس کوشش میں آپ بڑی حد تک کامیاب بھی ہیں، ماحصل نظم یہ ہے کہ جن حضرات کے سروں پر دامانِ پدری کا سایہ منزلگن ہے وہ

اس سے نصیحت و سبق حاصل کریں اور جو اس نعمت سے محروم ہیں وہ اپنی زندگی کو کامیاب بنا سکیں۔ مقصد بہت مفید ہے اور ہم بسمل صاحب کے اس جذبہ کی بلندی کی داد دیتے ہیں۔

حضرت ماہر القادری نے اس کا دیباچہ لکھا ہے جو دلچسپ اور کارآمد ہے۔ بسمل صاحب کی نظم کیلئے ایسے ہی دیباچہ کی ضرورت تھی، مگر اس کا افسوس ہے کہ جیسی پاکیزہ نظم ہے اس کا عنوان ویسا نہیں شاید اس میں بسمل صاحب کی کوئی مصلحت ہوگی۔ لکھائی چھپائی دیدہ زیب ہے۔ قیمت درج نہیں شہر کہنہ ٹونک کے پتہ سے مصنف سے طلب کیجا سکتی ہے۔

بخشی پاکٹ ڈائری ۱۹۳۷ء | سالہائے گذشتہ کی طرح بخشی کمپنی نے نئے سال کی دیدہ زیب ڈائری شایع کی ہے جو نہ صرف دیدہ زیب اور خوبصورت تصاویر سے آراستہ ہے بلکہ تمام سال کی معلومات اور بہت سی کارآمد باتوں کی آئینہ دار ہے۔ ڈائری کو دلچسپ بنانے کے لئے اکثر نظمیں غزلیں اور مفید قطعات بھی شامل کئے گئے ہیں اور کئی جمیل و رعنا تصویریں بھی جاذبِ نظر ہیں۔

ڈائری کی ترتیب بہت اچھی ہے جو صحیح معنوں میں ڈائری معلوم ہوتی ہے۔ جنتری مکمل تفصیل کے ساتھ دی گئی ہے اور اسے مرتب کرنے میں جس صحیح الذوقی کو بروئے کار لایا گیا ہے وہ بہت بلند ہے۔ پھر لطف یہ ہے کہ امیر و غریب سب کے کام کی ہے اور ارزاں اتنی کہ قیمت بار نہیں گذر سکتی یعنی ۳ر کا ٹکٹ بھیجکر طلب کیجا سکتی ہے یا مشہور شہروں کے کتب فروشوں سے خریدی جا سکتی ہے۔ قارئین کنول نئے سال کے اس حسین تحفے اور کام کی چیز کو ضرور منگائیں۔

سندری سہاگ تیل | یہ تیل بخشی کمپنی کا ایک مخصوص تحفہ ہے میں نے اسے خود استعمال کیا ہے اور اتنا اچھا پایا ہے کہ اگر جیب کی گنجایش اجازت دے تو ہمیشہ یہی تیل استعمال کیا کروں خوشبودار، خوشنما اور صد درجہ فائدہ مند ہے، بال بڑھاتا ہے۔ دماغ کو تقویت پہونچاتا ہے۔ بہت سے دماغی امراض کو دور کرتا ہے، بالوں کو ٹوٹنے سے روکتا ہے۔ اور پھر مرد و عورت سب کے لئے یکساں مفید ہے۔ غرضکہ لاتعداد خوبیوں کا حامل ہے اور عورتوں کے لئے خاص طور پر بہت ہی نادر چیز ہے، راجہ مہاراجہ امیر غریب سب سے استعمال کرتے ہیں اور اس کی خوبیوں کا اعتراف کرتے ہیں قیمت بھی ایسی کچھ زیادہ نہیں۔ یعنی فی شیشی صرف عمر اور تین شیشی عہ؍ مقرر ہے ایک مرتبہ ضرور منگائیے۔

سندری اسنو | آجکل ولایتی اور جاپانی کریم، اسنو اور ہیزلین وغیرہ کے استعمال کا رواج اس قدر بڑھ گیا ہے کہ کوئی گھر ان سے خالی نظر نہیں آتا۔ مگر ان باہر کی آئی ہوئی چیزوں کے مقابلے میں بخشی کمپنی کی سندری اسنو سب سے بہتر ہے اس کی پہلی خوبی تو یہ ہے کہ یہ ہندوستان ہی کی بنائی ہوئی ہے اور ولایتی کریم یا اسنو وغیرہ سے کسی طرح کم نہیں۔

خوشبودار بھی ہے اور چہرے کو خوبصورت بنانے کے لئے ایک اچھا تحفہ بھی پھر لطف یہ ہے کہ چہرے کی تمام تکالیف کے لئے بھی مفید ہے۔ عورتوں کی محبوب چیز ہے اور ہندوستان کے معزز گھرانوں کی بیشتر خواتین اسی کو استعمال کرتی ہیں عورتوں کے علاوہ مرد بھی استعمال کرتے ہیں اور بچے بھی سب کے لئے یکساں فائدہ مند ہے اکثر والیانِ ریاست بھی اس کی خوبیوں کا اعتراف کرچکے ہیں ولایتی کے مقابلے میں سستی بھی ہے اور بہت ہی اچھی چیز ہے۔ قیمت صرف ۱۲ر علاوہ محصول مقرر ہے۔

ڈائری۔ تیل اور اسنو یہ تینوں چیزیں بخشی کمپنی سے طلب کیجا سکتی ہیں۔ ملنے کا پتہ ایس۔ اے۔ بی بخشی کمپنی گھڑی والی کوٹھی نمبر ۳۲ کولوٹولہ اسٹریٹ کلکتہ۔

م۔ ص۔ ا

وہ کون تیل ہے؟
جو
جو قوتِ بصارت کو بڑھاتا ہو؟ سندری سہاگ ہے
جو دماغ کی خشکی اور کمزوری کو دور کرتا ہو؟ سندری سہاگ ہے
جو دل دماغ کو معطر کرتا ہو؟ سندری سہاگ ہے
جو بالوں کو گھونگھر والا اور چمکدار بناتا ہو؟ سندری سہاگ ہے
جو دردِ سر، نزلہ، زکام، کو دور کرتا ہو؟ سندری سہاگ ہے
جو مٹی کے تیل یا نقصان رسان جزو سے پاک ہو؟ سندری سہاگ ہے
جسکے استعمال سے بال چکٹتے نہیں ہیں؟ سندری سہاگ ہے
جسکے استعمال سے بال سفید ہونے سے محفوظ رہیں؟ سندری سہاگ ہے
جسکے استعمال سے عورت مرد خوش رہتے ہوں؟ سندری سہاگ ہے
لہذا جب سندری سہاگ میں تمام خوبیاں موجود ہیں تو پھر اس کے منگانے میں کیا تامل ہے۔ کیا ایک شیشی ارسالِ خدمت کیجائے؟
قیمت فی شیشی ایک روپیہ۔ ۳ شیشی کی قیمت دو روپیہ آٹھ آنہ محصول علاوہ
سُندری اسنو رجسٹرڈ
عورتوں اور مردوں کے چہرہ پر لگانیکا بہترین غازہ ہے
اس کو چند روز استعمال کرنے سے چہرہ کی جھریاں۔ داغ۔ مہاسے پھنسی اور چھائیں وغیرہ صاف ہوجاتے ہیں۔ چہرہ کی سیاہی اور میل صاف کرکے چہرے کے رنگ کو نکھار کر گورا اور صاف بنا دیتا ہے۔ عورت۔ مرد۔ سب کیلئے یکساں مفید ہے۔ قیمت فی پوٹ بارہ آنے محصول علاوہ
ایک سرٹیفکٹ بھی ملاحظہ فرمائیے!
مس جمیلہ خاتون صاحبہ علی گڑھ سے تحریر فرماتی ہیں۔ کہ مجھے سندری سہاگ تیل بیحد پسند ہے۔ اس کی خوشبو اچھی ہے اور مقوی دماغ ہے۔ بالوں کو بڑھاتا۔ اور ملائم کرتا ہے۔ غرض اس کا استعمال دماغ کے لئے مفرح اور تازگی بخش ہے لہذا مہربانی فرما کر آٹھ شیشی سندری سہاگ تیل اور روانہ فرمائیے مشکور ہوں گی۔
پتہ ملنے کا: ایس۔ اے۔ بی۔ بخشی کمپنی۔ گھڑی والی کوٹھی ۳۲ کولو ٹولہ اسٹریٹ کلکتہ

جنوبی ہند کے
مشہور اور ہر دل عزیز
ہفتہ وار
مجلّہ مُصوّر کا
جواہر لال نہرو نمبر
ہندوستان کی سیاسی دُنیا کے زبردست انشا پرداز، مفکر اور پر خلوص قائد پنڈت جواہر لال نہرو کی ہستی محتاج تعارف نہیں ان کے جذبۂ خدمت وطن اور انقلابی افکار اور اون کی حُریت پرور سرگرمیوں سے ملک و قوم کا ہر فرد آشنا ہے، ملک کی اس مایۂ ناز ہستی کی وطنی خدمات اور سرگرمیوں کے متعلق ایک اہتمام با شان نمبر شایع کیا جا رہا ہے۔ جس کی ترتیب و تدوین میں ہندوستان کے مشہور ادبا حِصّہ لے رہے ہیں۔
اس پرچے کی ضخامت ۱۵۰ صفحات ہوگی، مضامین کی رفعت، اہمیت اور اُنکے تنوع کا اندازہ ذیل کے چند عنوانات سے ہو سکتا ہے
باپ بیٹا روح القدس
از مولانا ابو العلا چشتی مدیر روزنامہ "احسان" لاہور
جواہر لعل کی سوانح حیات
از مولانا ابو العلا چشتی مدیر روزنامہ احسان لاہور
جواہر لال اور سرمایہ دار
(مزاحیہ) از حاجی لق لق
اشتراکیت
اشتراکی تحریک پر ایک سیر حاصل مقالہ
از جناب محمود بریلوی!
لمحۂ فکریہ
از مولانا مظفر حسین صاحب شمیم،
اشتراکیت کا امتحان
اشتراکی ادیب مسٹر باری کے قلم سے
سرمایہ و محنت میں تصادم
فرانس، برطانیہ، امریکہ، المانیہ کی اشتراکی تحریک پر ایک نظر
مسٹر باری
عورتوں پر اشتراکی فضا کا اثر
از جناب توارش!
شرابی
از سعادت حسن منٹو
نوبہار مشرق
از حضرت ساغر نظامی
قومی اتحاد کی واحد راہ
از مولانا محمد اللہ بخش صاحب ضیا سرحدی
جواہر لال (چند نظمیں)
مولانا خدا بخش اظہر امرتسری
مسٹر الطاف حسین مشہدی ایڈیٹر مجاہد
اس فقید المثال پرچے کی قیمت اپنی تمام خوبیوں کے باوصف بہت معمولی رکھی گئی ہے۔ اشتہار دہندگان کیواسطے سنہرا موقع ہے!
"مینجر"

تاریخ داخلہ ۳۰ جنوری ۱۹۳۷ء
سچائی چھپ نہیں سکتی
بناوٹ کے اصولوں سے

مبلغ بارہ ہزار روپیہ نقد انعام
Rs 12000

تاریخ نتیجہ ۱۰ فروری ۱۹۳۷ء
کہ خوشبو آ نہیں سکتی کبھی
کاغذ کے پھولوں سے

تھوڑی سی کوشش سے دولت کے ڈھیر حاصل کریں

بے ایمانی کا قطعاً امکان نہیں بالکل سچا سودا ✤ ✤ ✤ ✤ معمہ بازی سے مایوس شدہ اصحاب فوراً توجہ کریں

ناظرین! آجکل کی غیر دیانتدارانہ معمہ بازی کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے مایوس شدہ عوام کو صحیح معنوں میں فائدہ پہنچانیکی خاطر اپنے سلسلہ کا تیسرا معمہ آسان تیار کیا ہے۔ آپ معمولی کوشش سے اسے حل کر کے ایک رقم خطیر انعام میں حاصل کرسکتے ہیں۔ لطف یہ کہ بے ایمانی کا قطعی امکان نہیں۔ بالکل سچائی کا سودا ہے۔ اور فیس داخلہ برائے نام ہے۔

پہلا انعام	مبلغ آٹھ ہزار روپیہ نقد	پورا درست حل بھیجنے والونمیں
دوسرا انعام	مبلغ تین ہزار روپیہ نقد	نصف درست حل بھیجنے والونمیں
تیسرا انعام	مبلغ آٹھ صد روپیہ نقد	سب سے زیادہ حل بھیجنے والے کو

علاوہ ازیں پانچ اعلیٰ قسم کے اونی کمبل سب سے پہلے پانچ پورے درست حل بھیجنے والوں میں اور پانچ رسٹ واچ اعلیٰ قسم سب سے پہلے پانچ نصف درست حل بھیجنے والوں میں تقسیم کیجاویں گی۔

انعام حاصل کرنیکی ترکیب ذیل میں دئے ہوئے نقوش میں اعداد سے خانہ پری اس طور پر کریں کہ ہر طرف سے ہر قطار کا مجموعہ نقشہ ۱ میں ۷۲ اور نقشہ ۲ میں ۹۶ آئے۔ مگر یہ خیال رہے کہ کوئی عدد ایک نقشہ میں دہرایا نہ جائے۔ درست حل وہی ہوگا جو کہ پنجاب سندھ بنک لمیٹڈ لدھیانہ کے پاس رکھے ہوئے ہمارے سربمہر حل کے ساتھ خانہ بہ خانہ ہندسہ بہ ہندسہ ملتا ہوگا۔

نقشہ ۱

	۲۴	

نقشہ ۲

	۳۲	

شرائط فیس داخلہ فی دو نقش ایک روپیہ ہے۔ جو کہ بذریعہ منی آرڈر یا پوسٹل آرڈر آنی چاہیئے۔ رسید حل کے ہمراہ ارسال کیجائے۔ حل سادہ کاغذ پر ارسال کئے جائیں۔ ایک شخص کئی حل اپنے نام پر بھیج سکتا ہے۔ اسی حساب سے فیس داخلہ ارسال کی جائے۔ درست حل اخبارات میں مشتہر کر دیا جائیگا۔ نتیجہ کی فہرست اور درست حل براہ راست حاصل کرنے کیلئے ۲ کا ٹکٹ ارسال فرماویں۔ حل کے گم ہونے یا وصول نہ ہونیکا منیجر ذمہ دار نہ ہوگا۔ بڑے انعام والے اصحاب کو بذریعہ تار اطلاع دی جائیگی۔ منیجر معمہ کا فیصلہ قانونی اور قطعی طور پر قابل تسلیم ہوگا۔ تقسیم انعامات بموجب جملہ وصولی اور وضع اخراجات ہوگی۔ دیگر شرائط حسب معمول۔

Favourite Commissions Ludhiana

نوٹ: اوپر کی عبارتیں پڑھ کر دونوں نقش اور ایک ہی ادا ایک نقش ہے۔ حل اور فیس داخلہ بھیجنے کا پتہ: منیجر معمہ ۳ دی فیورٹ کمیشنز لدھیانہ پنجاب
نیز ہر حل کنندہ کو لازمی طور پر یہ تحریر کرنا چاہیئے کہ مجھے منیجر معمہ کا فیصلہ ہر حالت میں منظور رہیگا۔

شمالی ہندوستان کا مشہور ہفتہ وار اخبار

دور جدید لاہور

معاصرین کرام کی آراء

لاہور کے ہفتہ وار اخباروں میں دور جدید ممتاز حیثیت رکھتا ہے مجموعی حیثیت سے دلچسپ اور مفید ہے۔ **معارف**
اس میں ایک ہفتہ وار اخبار کی تمام خصوصیات موجود ہیں ایڈیٹر صاحب پرچے کو دلچسپ بنانے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔ . . . . **جاسوس**
ترتیب شگفتہ۔ مقالات پر فکر رائے ہیں صحت دیانت مضامین عمدہ اور معلومات کا اچھا ذخیرہ ہوتے ہیں۔ **انجم**
اس کی خبروں کا انتخاب پنجاب کے ہفتہ وار اخباروں میں سب سے بہتر ہوتا ہے۔ **ہمسکند**
نہایت قابلیت سے ایڈیٹ کیا جاتا ہے۔ پڑھنے والے کو مختلف اخباروں کے مطالعہ سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ . . . . **مصباح**
لاہور سے آجکل جسقدر اخبارات شائع ہوتے ہیں بجز روزانہ چھوڑ کر ہفتہ وار اخباروں میں دور جدید ایک خاص امتیازی شان رکھتا ہے۔ . . . . **ندیم**
دور جدید اردو کا بہترین ہفتہ وار اخبار ہے۔ . . . . **دلچسپ**
نو لوگوں میں مقبولیت اور کسی پر اعتراض کرتے وقت نہایت ظرافت کو مدنظر رکھتا ہے۔ **پیغام صلح**
بڑی محنت اور کاوش سے ترتیب دیا جاتا ہے۔ عام طور پر دلچسپیوں اور مفید معلومات سے اس کا کوئی نمبر خالی نہیں ہوتا۔ . . . . **شاہکار**

سالانہ قیمت پانچ روپے　　قیمت فی پرچہ ایک آنہ　　نمونہ مفت

منیجر دور جدید۔ میکلوڈ روڈ۔ لاہور

سکھ سنچارک کمپنی متھرا کا
انگوری منقاؤں سے تیار کردہ

سکھ سنچارک دراکشاسو

جسم کو طاقتور بنانے، گوشت وخون بڑھانے، چہرہ پر رونق لانے، دست صاف ہوکر بھوک بڑھانیوالی خوش ذائقہ دوا - قیمت چھوٹی بوتل عہ / بڑی عالہ /
ہمارا ہی ایک دراکشاسو ایسا ہے - جس کی ۵۸ اخباروں نے تعریف لکھی ہے
طلب فرمانے پر نمونہ اور فہرست مفت روانہ کی جاتی ہے -

تالیفات خواجہ عشرت لکھنوی

بغیر استاد کے شاعری اور مضمون نگاری سکھانیوالی کتابیں

شاعری کا مکمل سٹ - چار جلدوں میں شاعری اور مضمون نگاری گھر بیٹھے سیکھ لیجئے - قیمت عالہ /
آب بقا - اردو کے غیر معروف شعرا کے مکمل حالات اور کلام کا مجموعہ - قیمت عالہ /
ہندو شعرا - تقریباً ۵۰۰ ہندو نامور شعرا کے حالات مع انتخاب کلام - قیمت عالہ
لغات اردو - چار جلدوں میں فصیح اور صحیح مصدر محاورات و الفاظ کی تحقیق وغیرہ - قیمت سہ ۸ /
مضمون نویسی - بہترین عبارت لکھنے کا آسان طریقہ علم بیان کی وضاحت - قیمت ۸ /
زباں دانی - فصیح اور صحیح الفاظ کی جانچ مستند لفظوں کا بیان - قیمت ۶ /
اصلاح زبان اردو - متروک الفاظ کا بیان مع صحیح بدل شاعرانہ خیال کیموافق - قیمت ۶ /
قواعد میر - صحیح جملے بنانے کا آسان طریقہ تذکیر و تانیث معلوم کرنیکی کنجی - قیمت ۶ /
جانِ اردو - اردو ہندی کا فرق جملے کی غلطیوں کی پہچان اردو ہندی کا میل جول - قیمت ۶ /

المشتہر :- مینیجر عشرت بکڈپو - احاطہ خانساماں - لکھنؤ

ضروری اطلاع

اسکے پڑھنے سے لاکھوں کا بھلا ہوگا! صاحبان! میں نہ اشتہاری حکیم ہوں نہ ڈاکٹر بلکہ ایک معمولی آدمی ہوں بدقسمتی سے مجھے اپنے ہاتھوں اپنی جوانی کا ستیاناس کرنیوالی عادت پڑ گئی تھی جس کے نتیجہ سے میں بالکل بیخبر تھا۔ اچانک عرصہ ڈیڑھ دو سال کے بعد مجھے نامردی کا نامبارک مرض لاحق ہو گیا۔ سرعت جریان احتلام وغیرہ کی بے انتہا شکایتوں کے سبب میرا چہرہ دن بدن لاغر اور زرد ہوتا جاتا تھا دیگر دل ہر وقت دھڑکتا رہتا چکر آتا آنکھوں کے سامنے اندھیرا آتا۔ گھبراہٹ سستی اور اداسی چھائی رہتی تھی دوست احباب میری پژمردگی کا سبب پوچھتے تھے مگر میں کسی کو اپنی حالت سے آگاہ کرنا مناسب نہ سمجھتا تھا گو درپردہ مشہور شہروں کے بڑے بڑے ڈاکٹروں اور حکیموں سے جن کے لمبے چوڑے اشتہاروں کی کوئی حد نہ تھی ادویات منگا کر استعمال کرتا رہا لیکن مجھے بالکل خاک بھی فائدہ نہیں ہوا بلکہ علاوہ خرچ کے کئی اور تکلیفوں کا سامنا کرکے بھی مایوس ہی رہنا پڑا۔ اس مایوسی کی حالت میں زندہ درگور ہونیکو ترجیح دیتا تھا۔ اتفاقاً خوش قسمتی سے مجھے ایک ملازمت میں پشاور جانا پڑا۔ پشاور جس جگہ پر جاکر میں ٹھہرا ایک فقیر خضر صورت جو کہ پہلے سے وہاں مقیم تھے مجھ سے پوچھنے لگے کہ تم اداس اور اعتباری صورت مرضوں کی سی کیوں ہو میرے تیمردرد دل نے اس خضر صورت اور کامل سنیاسی سے اپنا ماجرا دردِ دل کہہ ڈالنے کی ہدایت کی چنانچہ میں نے یہ بھی کہہ دیا کہ اب میں زندگی سے تنگ آکر خودکشی کرنے پر آمادہ ہوں اس فقیر صاحب کمال نے ازراہ شفقت میرے حال زار پر رحم فرما کر ایک نسخہ کھانے کیلئے مقوی گولیوں کا اور دوسرا نسخہ رگوں اور پٹھوں کی سستی دور کرنے کے لئے بتلایا۔ چنانچہ میں حسب ارشاد صاحب کمال کے لاتعداد جنگلی جڑی بوٹیاں اور کئی ادویات بازار سے خرید کر ہر دو حرہر کیمیا کو روبرو اس صاحب کمال کے تیار کرکے استعمال کرنا شروع کیا۔ **ناظرین! میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر سچ کہتا ہوں** کہ ساتویں روز ہی میری تمام شکایتیں جو کہ ایک مریض کو لاحق ہوا کرتی ہیں رفع ہونی شروع ہوگئیں اور میں اپنے آپکو قابل فخر مرد کہنے کا مستحق ہوگیا۔ اگرچہ مجھ کو چند ہی روز کے استعمال سے ضبط کرنا دشوار ہوگیا مگر بموجب ارشاد اپنے محسن خضر صورت کامل سنیاسی کے ۲۱ روز تک پرہیز اور علاج جاری رکھنا پڑا۔ میں ہر روز تین سیر یا ساڑھے تین سیر دودھ بآسانی ہضم کر لیتا تھا میرا چہرہ بارونق، بدن مضبوط، بینائی طاقتور ہوگئی۔ اب میں ایسا قابل فخر مرد بن گیا ہوں کہ جس کے بیان کرنے کی تہذیب اجازت نہیں دیتی واپس آکر باقاعدہ دوائی کا نامردی کے مایوس مریضوں پر تجربہ کیا تو ہر قسم کی نامردی، سستی، جریان، احتلام، سرعت وغیرہ کے لئے اکسیر سے بڑھ کر پایا پھر کئی ایک دور اندیش اصحاب کے اصرار اور عوام کے فائدہ کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ اشتہار بغرض رفاہ عام دیا جاتا ہے کہ جو اصحاب اس شرمناک اور قبیح عادت کے شکار بن کر حظوظ انسانیت سے محروم ہو بیٹھے ہوں اور سینکڑوں روپیہ علاج معالجہ پر صرف کرکے بھی مایوس ہو چکے ہوں وہ اس قلیل القیمت اور سریع الاثر دوائی کو استعمال کرکے صحتیاب ہو جائیں انشاء اللہ۔ **خدا کے فضل سے** کیونکہ قیمت صرف لاگت ادویات اور خرچ اشتہار پر بمشکل اکتفا کرتی ہے فائدہ بہت کم ملحوظ ہے۔ **قیمت مقوی گولیاں جس میں ۲۱ روز کی خوراک موجود ہے صرف دو روپیہ (عہ) قیمت روغن مالش جس میں ۲۱ روز تک رگوں اور پٹھوں کے لئے کافی ہے فی شیشی دو روپیہ آٹھ آنے (عہ/)** جریان کے لئے یہ گولیاں از حد مفید ہیں، مادر زاد نامردی کے سوائے خواہ کسی قسم کی نامردی کا مرض کیوں نہ ہو اکسیر ہے۔ اور روغن مالش سے کسی قسم کی پھنسی یا آبلہ ہرگز نمودار نہ ہوگا اس دوائی میں کسی کشتہ وغیرہ کی آمیزش نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ ہر بچہ بوڑھا اور جوان بآسانی بغیر لحاظ موسم کے ان گولیوں کا استعمال کرسکتا ہے اور لطف یہ کہ اس دوائی کے استعمال کے بعد دوبارہ کسی دوائی کی ضرورت نہیں پڑتی آخر میں یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اشتہار کے نکالنے سے میری کوئی ذاتی غرض نہیں ہے اور نہ ہی میرا مدعا جعلی اشتہار شائع کرکے پبلک سے روپیہ کمانے کا ہے۔ بلکہ ہر خاص و عام کے فائدہ کو مدنظر رکھ کر اور احباب کے اصرار پر یہ اشتہار شائع کیا جاتا ہے۔ تندرست اور شوقین آدمی بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ کیونکہ اس کے استعمال سے سست سے سست اور ضعیف سے ضعیف طاقتور بن جاتا ہے اگر بڑھاپے میں بھی لطف جوانی اٹھانا چاہتے ہیں تو ان گولیوں اور مالش کا استعمال کریں ان کے استعمال سے بدن میں خون صالح پیدا ہوتا ہے۔ الغرض جب تمام جوڑ ڈھیلا ہوگیا ہو تو انکا استعمال کریں اور فائدہ اٹھائیں، مخفی دکھوں کا تمام دنیا کی دواؤں سے عجیب و غریب علاج ہے۔ **نیز عورتوں کی جوانی قائم رکھنے کے لئے** جو عورتیں مردوں کی طرح جریان الرحم یا اخراج رطوبت یعنی لیوکوریا جیسے خطرناک امراض میں مبتلا ہوں ان کے لئے مقوی گولیاں از حد مفید ہیں ضرورت مند اصحاب تجربہ کریں مکمل پرچہ ترکیب ہمراہ ہوگا۔ محصولڈاک ۸ر علاوہ ہوگا۔ تمام خط و کتابت پوشیدہ رکھی جاتی ہے۔

خاص نوٹ:- وہ اصحاب ہم سے دوائی منگائیں جو استعمال کریں اور اخبار کا حوالہ ضرور دیں کیونکہ کئی اصحاب نے پیشہ اختیار کر رکھا ہے کہ ہم سے دوائی منگوا کر زیادہ قیمت پر فروخت کر دیتے ہیں۔ لہذا فقیر خضر صورت سنیاسی کے قول کے مطابق اس کی کمائی کھانا گناہ ہے۔ فی سیر آٹھ آنہ (نوٹ) کوئی صاحب مجھے اور دوائی کے لئے تحریر نہ کریں۔

شرطیہ علاج اور شرطیہ وعدہ

ہندو کو دھرم اور مسلمان کو ایمان کی قسم ہے کہ اگر میری دوائی کے استعمال سے حسب خواہش فائدہ نہ ہو تو طلعی تحریر بھیجکر قیمت واپس منگوائیں عدم صحت کی صورت میں کسی کا پیسہ رکھنا گناہ سمجھتا ہوں اگر کوئی صاحب اس دوائی سے اب بھی فائدہ نہ اٹھائیں تو انکی "قسمت"

ضروری اطلاع

یہ یاد رہے کہ میری دوائی صرف نامردی سستی جریان، احتلام، سرعت، کمزوری اور لاغری اور جریان الرحم ولیوکوریا کے لئے مخصوص ہے یہ امراض خواہ کسی سبب سے ہوں جلق یا کثرت جماع یا عادت بد سے سب کے لئے اس کا استعمال کرنا طاقت کا بیمہ کرانا ہے اور مادر زاد نامردی کے سوائے میری دوائی اکسیر ہے۔

دوائی ملنے کا پتہ:- **منیجر دار الشفاء گوئیاں بٹالہ۔ ضلع گورداسپور (پنجاب)**

اگر چاہتے ہو کہ جوانی کی کرنیں تمہارے جسم میں دوڑنے لگیں اور سچے معنوں میں
جوان کہلاؤ بوڑھے ہو تو بڑھاپا جوانی میں بدلنا شروع ہو جاوے تو

تیار کردہ

کرن جوانی

کو استعمال کرو اور دوسرے ہزاروں اشخاص کی مانند آپ بھی فائدہ اُٹھاؤ!

چند خطوط کا خلاصہ ضرور پڑھیئے!

جناب منیجر صاحب! میں نے دو عدد شیشی کرن جوانی ماہ جنوری ۳۶ء میں آپ سے منگوائی تھیں۔ اس دوائی کے استعمال سے پیشتر میں نے دو انگریزی پیٹنٹ ادویات جو قیمت میں اس سے زیادہ تھیں استعمال کیں مگر کرن جوانی کے مقابلہ میں کچھ بھی مفید ثابت نہ ہوئیں۔ کرن جوانی کے استعمال سے میرا وزن بڑھ گیا۔ خوراک خوب ہضم ہونے لگی رنگ سرخ ہو گیا۔ دل میں ہر وقت چستی اور خوشی سی رہنے لگی۔ میرے دوست حیران تھے کہ میری صحت میں یکدم کیسے تبدیلی ہو گئی۔ میں بمقابلہ انصاف یہ کہونگا کہ کرن جوانی واقعی آپ کے کارخانہ کی ایک لاجواب و نخرہ بہ صفت موصوف ایجاد ہے۔

(چوہدری محمد سعید ملیں کلرک مردان چھاؤنی)

شریمان پنڈت جی! ساود نمسکار۔ کرن جوانی کی تین ہزار گولیاں آپ کے یہاں سے منگوائی تھیں جو لوگوں کو لابھ کر رہی ہیں۔ اور آگے پورے پورے لابھ کی آشا ہے۔ ابھی میرے پاس سٹاک میں ۵۰۰ گولیاں ہیں۔ ایک ہفتہ تک پھر منگواؤں گا۔

(وید راج پنڈت بال کرشن شرما مالک جیون رسائن کاریالیہ بھوپال)

جناب بندہ! میں نے کرن جوانی استعمال کی نہایت ہی مفید و با اثر چیز ہے۔

(اصغر نورانی بمبئی)

شریمان جی! پہلے آپ سے گولیاں کرن جوانی منگوائیں جو نہایت اچھی ثابت ہوئیں کئی آدمیوں کو مفت تقسیم کر دی تھیں۔ ایک شیشی اور بھیجدیں۔

(چوہدری موتی رام راولپنڈی)

مکرم بندہ تسلیم! بندہ نے دو شیشی آپ کے کارخانہ سے کرن جوانی کی منگوا کر استعمال کی ہیں۔ انشاء اللہ بہت فائدہ ہوا واقعی بے نظیر چیز ہے۔ کئی عوارض جسمانی و دماغی کے لئے تیر بہدف ثابت ہوئی ہے۔

(محمد دلدار حسین قریشی راولپنڈی)

جناب من تسلیم! میں نے جو کرن جوانی کی گولیاں آپ سے منگوائی تھیں۔ درحقیقت انہوں نے بہت ہی فائدہ کیا جو شکایات اعضاء مخصوصہ میں تھیں سب دور ہو گئیں۔ سینکڑوں ادویات استعمال کرنے کے بعد آپ کی کرن جوانی نے معجزہ کا کام کیا۔ اب انشاء اللہ جس وقت کسی شخص کو ضرورت ہو گی۔ آپ سے طلب کی جایا کرے گی!

(شیخ احمد حسین سوداگر)

جناب من تسلیم! آپ سے جو کرن جوانی میں نے منگوائی تھی۔ وہ اپنے مریض کو استعمال کرائی ہے۔ اس سے بہت ہی فایدہ ہوا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور دوائی ملنی مشکل ہے۔

(رہر دو رام ایشر داس حکیم)

کرن جوانی

بڑے غور و خوض کے بعد یہ ایک نئی اکسیر تیار کی ہے۔ جو کہ جسمانی ان غدود جن کی رسوں سے جوانی قائم رہتی ہے سیدھا اثر کرتی ہے۔ اور جانداروں کے غدود کھانے کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس کے کھانے سے دل۔ دماغ۔ معدہ۔ جگر۔ گردہ۔ مثانہ۔ طحال۔ آنت اور باہ پر اچھا اثر ہونے لگتا ہے۔ دن بدن دماغ روشن ہوتا جاتا ہے۔ دل میں خوشی و اُمنگ بڑھتی ہے۔ جگر صاف ہو کر رنگ خوبصورت و سُرخ ہونے لگتا ہے۔ نزلہ۔ زکام۔ کھانسی دُور ہونے لگتی ہیں۔ بھوک بڑھتی ہے۔ کھایا پیا ہضم ہوتا ہے۔ پاخانہ صاف ہوتا ہے۔ جریان۔ رقت۔ احتلام رفت وغیرہ دُور ہو کر باہ بڑھنے لگتی ہے۔ سرعت دُور ہو کر قدرتی امساک پیدا ہوتا ہے اور بڑھاپے میں جوانی کی اُمنگیں اُٹھنے لگتی ہیں۔ اور جوانوں کو اصل جوانی حاصل ہوتی ہے۔ نئی جوانی حاصل کرنے یا جوانی قائم رکھنے کیلئے بینظیر ثابت ہوئی ہے۔ جوانی میں بال سفید ہوں تو سیاہ ہو جاتے ہیں! **قیمت** ۲۴ گولی ایک روپیہ (عہ) یکفصلہ گولی چار روپے (للعہ)۔

مفصل حالات کے لئے رسالہ امراض مخصوصہ مردمان مفت طلب فرماویں۔ خط و کتابت و تار کا پتہ:- "امرت دھارا" ۱۲۴ لاہور

المشتہر منیجر امرت دھارا اوشدھالیہ امرت دھارا بھون امرت دھارا روڈ امرت دھارا ڈاکخانہ لاہور

غدر کے بعد مسٹر ٹیلر پرنسپل دہلی کالج کے قتل کے الزام میں مولوی محمد باقر مارے گئے تو آزاد وطن چھوڑ کر حیدر آباد جا بسے ایک عرصہ تک ممالک دکن میں آوارہ گردی کی۔ پھر لاہور آئے۔ مولوی رجب علی سابق میر منشی نے پنڈت من پھول صاحب میر منشی سے سفارش کر کے میجر فلیر ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم کے دفتر میں ۱۵؍ روپیہ مشاہرہ کی جگہ دلوائی میجر فلر کے بعد کرنل ہالرائڈ صاحب ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم مقرر ہوئے۔ انھوں نے سرکاری اخبار کا ۲۵؍ ماہوار پر ان کو اسسٹنٹ ایڈیٹر مقرر کیا ایڈیٹر رائے پیارے لال آشوب تھے جو جناب آزاد کے بڑے خیر اندیش اور قدردان تھے۔ ۱۸۶۷ء میں پنڈت من پھول کے ہمراہ کابل اور بدخشاں گئے وہاں سے لوٹ کر لاہور کے سرکاری کالج میں ۵۰؍ ماہوار پر عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ ۱۸۸۶ء میں ایران کا سفر کیا۔ ۱۸۸۷ء میں ملکہ وکٹوریہ کی پنجاہ سالہ جوبلی پر آپ کو سرکار انگریزی کی طرف سے شمس العلماء کا خطاب عطا ہوا۔ ۱۸۸۹ء میں جنون کے آثار پیدا ہوئے۔ ۲۲؍ جنوری ۱۹۱۰ء مطابق ۹؍ محرم ۱۳۲۸ھ کو انتقال کیا۔ لاہور میں سپرد زمین ہوئے۔ آب حیات۔ دربار اکبری۔ سخندان پارس۔ مجموعہ نظم آزاد۔ جانورستان۔ ڈراما اکبری۔ مجموعہ مکتوبات آزاد۔ تذکرہ علما۔ دیوان ذوق۔ لغات اردو۔ قند پارسی۔ نگارستان۔ نصیحت کا کرن پھول۔ نیرنگ خیال۔ بیاض آزاد۔ کائنات عرب۔ سیر ایران۔ فلسفہ الٰہیات۔ اردو کا قاعدہ۔ اردو کی پہلی۔ دوسری۔ تیسری۔ چوتھی کتاب۔ قصص ہند۔ قواعد اردو۔ فارسی کی پہلی کتاب۔ دوسری کتاب۔ جامع القوائد۔ مولانا آزاد کی تصانیف سے ہیں۔

مولوی احمد خاں صوفی خلف زماں خاں اکبرآبادی۔ اہل علم سے تھے۔ شاعری میں حضرت شہید سے تلمذ تھا۔ مطبع مفید عام کے بانی تھے۔ مولود شریف جدید۔ ذکر شہادتین۔ مثنوی فسون بابل۔ مینا بازار اردو۔ مثنوی فریاد دل۔ بلقیس و سلیمان (فارسی) ایک دیوان یادگار سے ہے۔ ۱۸۹۱ء میں انتقال ہوا

منشی بہاری لال متخلص بہ رضی اکبرآبادی راجہ جسونت سنگھ والی بھرت پور کے زمانہ میں وکیل ریاست تھے۔ ذی علم و خوش استعداد تھے۔ گلستاں۔ بوستاں۔ انوار سہیلی وغیرہ کا منظوم ترجمہ کیا۔ ۱۲۸۷ھ تک زندہ تھے۔ یادگار رضی۔ دستور تحریر۔ ارژنگ رضی یادگار سے ہے۔

ڈاکٹر سید الطاف علی نائی منڈی آگرہ میں رہتے تھے۔ بعد تحصیل علم فن ڈاکٹری حاصل کیا۔ ڈاکٹر الہام اللہ متوفی ۱۹۱۳ء و ڈاکٹر مکند لال کے معاصر تھے۔ ٹامسن ہاسپٹل میں علم الادویہ کے مدرس رہے۔ یہیں سے پنشن پائی۔ کثیر التعداد ڈاکٹری کتب کے مصنف تھے۔ اصول علم جراحی۔ امراض چشم وغیرہ

مشہور تصانیف ہیں۔ ۱۲۸۴ھ تک بقید حیات تھے۔ تاریخ وفات معلوم نہ ہو سکی۔

مولوی بنارسی خاں خلف محمد اسلم خاں بن محمد عجم خاں باجوڑی۔ آگرہ کے ارباب علم سے تھے۔ تحصیلداری سے پنشن لی۔ ۱۸۹۸ء میں انتقال ہوا۔ قواعد اردو رسالہ منطق یادگار سے ہے۔

مولوی اسد الحق ابن شمس العلماء مولانا عبدالحق عمری خیرآبادی اپنے والد کے تلمیذ رشید تھے بعد وفات والد۔ مدرسہ عالیہ رام پور کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ صرف ایک ہی سال اس خدمت پر فائز رہے تھے کہ دست اجل نے مرقع حیات خاک میں ملا دیا۔ ۷ ربیع الاول ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۱ء کو رام پور میں سپرد خاک ہوئے رسالہ علم منطق بزبان اردو یادگار ہے

حافظ علیم الدین گوپاموی دینیات اپنے نانا مولانا عبدالحق محدث گوپاموی متوفی ۱۲۵۷ھ سے اور دیگر علوم عربیہ مولوی قدرت احمد سے تحصیل کئے۔ ۲ شوال ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۷ء میں مدراس میں انتقال ہوا شجرۃ القراء تصنیف سے ہے۔

مولانا محمد شعیب ٹونکی خلف شیخ مروان علی صدیقی ۱۲۶۴ھ میں پیدا ہوئے۔ کتب فارسی عبدالحکیم ٹونکی سے پڑھیں۔ تکمیل مولوی قیام الدین سے کی۔ عربی کی تحصیل مفتی عبداللہ ٹونکی سے کی مولوی عالم مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ پہلے درس و تدریس شغل تھا۔ پھر آثار قدیمہ میں ملازم ہو گئے آگرہ قیام رہا۔ لٹریری اسسٹنٹ آرکیولوجیکل سروے تھے۔ ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۴ء میں انتقال کیا۔ العجائب شرح سلم الادب۔ خلاصہ اخلاق جلالی۔ مختصر العروض۔ ترجمہ الف لیلیٰ یادگار سے ہیں۔

منشی احمد بن امیر احمد اساتذہ وطن سے علوم رسمیہ کی تحصیل کی ۱۸ رجب ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۴ء کو انتقال کیا۔ رسالہ تحقیق انساب یادگار ہے۔

سید ظہیر الدین حسین عرف نواب مرزا دہلوی۔ قصہ ممتاز تصنیف سے ہے۔ ۱۹۰۹ء میں انتقال کیا۔

حکیم سید ضامن علی متخلص جلال خلف حکیم اصغر علی داستان گو۔ ۱۲۵۰ھ میں پیدا ہوئے ۴ اکتوبر ۱۹۰۹ء کو انتقال ہوا۔ چار دیوان۔ سرمایہ زبان اردو۔ افادہ تاریخ۔ منتخب القواعد۔ تنقیح اللغات گلشن فیض۔ رسالہ دستور الفصحا۔ مفید الشعرا یادگار سے ہیں۔

مولوی سید وارث علی کاکوروی عمر آگرہ میں گذری۔ ذی علم بزرگ تھے۔ رسالہ نئی روشنی۔ میڈیکل جرنل آپ کی ادارت میں نکلتا تھا — شمس التواریخ کا اولین حصہ آپ نے لکھا۔ سانحہ کربلا۔

معرکۂ کربلا۔ جنگ روس وجاپان۔ رسالہ عروض۔ ہدایۃ النحو۔ مفتاح الادب۔ ہدایت الادب۔ فی لسان العرب۔ رسالہ صرف پارہ الم کی تفسیر۔ قاموس العلوم کی تالیف میں لگے ہوئے تھے کہ ۱۳۲۷ھ (۱۹۱۰) میں انتقال ہوا۔

مرزا مچھو بیگ متخلص عاشق لکھنوی ۲۲ سال تک سپہ گری کی مشق کی ۱۸۵۷ء میں بعد تحصیل علم شعرو سخن سے ذوق ہوا۔ نسیم دہلوی سے مشورہ سخن کیا۔ نثر نگاری میں ظرافت تھی۔ بہار ہند۔ گلزار نجات۔ مثنوی نیرنگ خیال یادگار سے ہے۔ ۱۹۱۱ء میں انتقال ہوا۔

مولوی احتشام الدین مرادآبادی جلد اوّل فتاویٰ عالمگیری کا ترجمہ ان کی یادگار سے ہے۔ ۱۹۰۹ء سے پیشتر انتقال کیا۔

سید محمد عبدالرزاق حسنی حسینی خلف سید محمد سعید ساکن رائے بریلی۔ ٹونک میں ملازم تھے۔ فتوح الشام کا ترجمہ منظوم صمصام الاسلام کے نام سے کیا ہے۔ ۱۹۱۱ء تک بقید حیات تھے۔

منشی جوالا پرشاد برق پیدائش ۱۲ر اکتوبر ۱۸۶۳ء قصبہ محمدی (سیتاپور) میں ہوئی ۱۸۸۲ء میں بی۔اے کا امتحان پاس کیا۔ آخر ۱۸۸۵ء میں سرکاری ملازمت میں داخل ہوئے۔ ۱۹۰۹ء میں گورنمنٹ کی طرف سے گرورین کمیٹی کے میمبر ہوئے۔ اخبار اودھ پنچ کے نامہ نگار رہے۔ مثنوی بہار۔ معشوقہ فرنگ۔ (رومیو جولیٹ کا ترجمہ) شیکسپیر کے متعدد ڈراموں اور بنکم چند چٹرجی بنگالی کے ناولوں (بنگالی دلہن۔ پرتاب۔ مار آستین۔ روہنی۔ سرگ وغیرہ) کا ترجمہ کیا۔ ۲۶ر مارچ ۱۹۱۱ء کو جج خفیفہ کے عہدہ پر مامور ہوئے۔ بعارضہ طاعون لکھنؤ میں انتقال کیا۔

منشی امیر اللہ تسلیم خلف مولوی عبدالصمد فیض آبادی ۱۲۳۶ھ میں پیدا ہوئے۔ مشورہ سخن مرزا اصغر علی خاں نسیم دہلوی سے کیا۔ نواب کلب علی خاں والی رام پور کے ملازم رہے۔ دیوان نظم ارجمند۔ نظم دل افروز۔ نالۂ تسلیم۔ شام غریباں۔ صبح خنداں تصانیف سے ہیں۔ مولانا حسرت موہانی ارشد تلامذہ سے ہیں ۱۳۲۹ھ انتقال ہوا۔

مولوی حکیم شیخ محمد ظہور احمد لاہرپوری ابن حکیم وزیر علی مطہری ۱۸۴۱ء میں پیدا ہوئے۔ بدو شعور پر مولانا محمد افضل عباسی لاہرپوری سے علوم صرف و نحو فرائض کی تحصیل کی بقیہ علوم عربیہ اور علم طب کی تکمیل مولانا حکیم محمد نور کریم قدوائی دریابادی سے کی بعد ازاں نارمل اسکول لکھنؤ میں مدرس فارسی مقرر ہوئے آخر میں ہردوئی میں مدرس عربی فارسی تھے۔ یہیں پنشن حاصل کی رسالہ صلاح بے نظیر۔ رسالہ صلاح نیک مرتب کئے ترجمہ شرح وجیز اور مختصر الفرائض یادگار سے ہے۔ ۵ر دسمبر ۱۹۱۱ء میں انتقال ہوا

مولوی احمد علی گوپاموی ذی علم بزرگ تھے صرف حملات حیدری آپ کی یادگار ہے۔ تاریخ وفات نہ معلوم ہوسکی۔

مولوی سید علی خلف خان بہادر سید زین الدین جو بنگال پراونشل سروس میں تھے۔ مرحوم کا مرزبوم صوبہ اودھ کا وہ مشہور مردم خیز قصبہ ہے۔ جس کو بلگرام کہتے ہیں جو گوپاموکے نزدیک ہے۔ آپ بلگرام کے مشہور خاندان سادات کے فرد تھے۔ آپ کے بڑے بھائی سید حسن بلگرامی المعروف نواب عماد الملک تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے عم بزرگ وار خان بہادر سید اعظم الدین۔ سی۔ آئی۔ ای کے گھر میں مکتبی طریق پر حاصل کی۔ فارسی۔ عربی تحصیل کرنیکے بعد پٹنہ کالج سے بی۔ اے کیا۔ سکنڈ لنگوج سنسکرت تھی۔ اس کے بعد میکانکل سائنس کی تحصیل رڑکی کالج سے کی سرسالار جنگ جو حیدرآباد کے وزیر اعظم تھے۔ انھوں نے طلب کرکے ذاتی اسٹاف میں رکھ لیا۔ جب سرسالار جنگ انگلستان گئے یہ ہمراہ تھے۔ ان کو معدنیات کے شاہی مدرسہ میں داخل کرادیا۔ یہاں پروفیسر ہکسلے اور پروفیسر ٹنڈل جیسے مشاہیر روزگار سائنس دانوں کی شاگردی حاصل کی۔ معدنیات کا امتحان پاس کیا۔ اور جیالوجی میں تمغہ حاصل کیا۔ جرمنی۔ فرانسیسی لاطینی۔ یونانی۔ اطالی زبانیں سیکھیں۔ یورپ سے حیدرآباد آئے۔ یہاں انسپکٹر جنرل معدنیات اور پھر ہوم سکریٹری اور ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم اس کے بعد معتمد تعمیرات عامہ ڈائرکٹر ریلوے و معدنیات نظامیہ ریلوے کی خواہش انتظامی کے صلہ میں ریلوے بورڈ انگلستان سے گولڈ میڈل عطا ہوا۔ ۱۹۰۱ء میں حیدرآباد سے وظیفہ دیدیا گیا۔ اور آپ انگلستان گئے وہاں دارالعلوم کیمبرج میں مرہٹی کے پروفیسر ہوگئے۔ اس کے بعد سنسکرت وعربی زبان کی تعلیم بھی سپرد ہوئی۔ کیمبرج یونیورسٹی کے مشہور کرائسٹ چرچ کالج نے۔ ایم۔ اے۔ کی اعزازی ڈگری عطا کی اور بورڈ آف اورنٹیل سٹڈیز کی ممبری اور اورنٹل لنگوجز ٹریپاس کے ممتحن قرار دئے گئے۔ جب ہندوستان واپس ہوئے۔ مدراس یونیورسٹی کے سنسکرت کے امتحان ایم۔ اے کے ممتحن مقرر ہوا کرتے تھے۔ کلکتہ یونیورسٹی سنیٹ نے ڈاکٹر آف لٹریچر کی ڈگری ۱۹۰۹ء میں عطا کی۔

تصانیف وتالیف سنسکرت میں آپ کی چند نظمیں ہیں۔ تمدن عرب اور۔ تمدن ہند فرانسیسی زبان سے اردو میں ترجمہ کی گئیں۔ کلیہ ودمنہ اور فارسی وسنسکرت کی جداگانہ خوبیوں پر بھی آپ کی تصنیف ہے ایک عربی اخبار بھی نکالا۔ تاریخ عرب لکھ رہے تھے جس کے کچھ اجزا مخزن میں شایع ہوئے۔

وفات بعمر ۶۰ سال ۳۱ رمئی ۱۹۱۱ء میں انتقال کیا۔ بلگرام کی خاک کے پیوند ہوئے۔

اشتہاری طلاؤں سے بچو
نسخہ طلائے مردمی شائع کر دیا

ناظرین :- اس طلاء نے صدہا نہیں بلکہ ہزاروں مایوس مریضوں کی زندگی بدل دی اور ہزاروں کو بامراد اور کامیاب بنا دیا ہے یہ **طلائے مردمی** عرصہ ۲۰ سال سے پبلک میں اپنی مسیحائی مردہ کو زندہ کی صفت اور صداقت کا سکہ جما کر شہرت اور قبولیت کا ڈنکا بجا رہا ہے اور نہایت مجرب اور پُراثر ثابت ہو رہا ہے ہم نے پبلک کی تکالیف کا خیال کر کے عام مخلوق خدا کی ہمدردی اور اشتہاری دواؤں کی شکایت کا خیال کرتے ہوئے عام انسانوں کیلئے ایک مجرب اور شرطیہ طلا بلا ہچکچاہٹ کے شائع کر دیا ہے۔ جو عضو مخصوص (اندری) کی تمام خرابیوں کیلئے بید مفید ہے اور عضو مخصوص کی سستی، کمزوری، پتلاپن، ٹیڑھاپن، چھوٹاپن جھکاؤ، نیلی رگوں کا ابھرآنا وغیرہ تمام امراض کیلئے حیرت انگیز طور پر مفید ثابت ہو چکا ہے۔ تمام شکایتوں کو رفع کر کے طوالت فربہی اور تحریک د قوت پیدا کرنے میں لاثانی ہے زود اثر اس درجہ کہ اول مرتبہ کے لگانے سے نصف گھنٹہ میں فائدہ محسوس ہوتا ہے ہزارہا مایوسوں کی زندگی جو بے لطف تھی اسے عیش و راحت کامیابی اور شادمانی کے ساتھ بسر کرا دی جو کہ دعائیں دیتے ہیں اور شکریہ کے خطوط لکھتے ہوئے نہیں تھکتے۔ اس لئے اس کے استعمال سے اس کا جوہر معلوم ہو سکتا ہے شوق سے اس کو تیار کریں اور دعائے خیر سے ناچیز کو یاد کریں اگر کسی صاحب کو ضرورت نہ ہو تو اپنے دوستوں اور عزیزوں کو نسخہ بتا کر طلائے مردمی بنانے کی سفارش کریں اسے ردی کی ٹوکری میں نہ پھینکا جائے بلکہ بہت حفاظت سے رکھا جائے کیونکہ یہ نسخہ بار بار شائع نہ ہو گا۔

نسخہ حسب ذیل ہے :- مغز پستہ ایک تولہ۔ مغز اخروٹ ایک تولہ۔ مغز بادام ایکتولہ۔ مغز چلغوزہ ایک تولہ۔ سفید کنیر کی جڑ ایک تولہ۔ لونگ ایکتولہ۔ جائفل ایک تولہ۔ کائیفل ایکتولہ۔ بیربہوٹی ۶ ماشہ۔ مال کنگنی ایک تولہ۔ کوڑیا و بان ایکتولہ۔ سفید چرمی ایکتولہ۔ ڈھاک کے بیج ایکتولہ۔ سم اسپ ایکتولہ۔ عقرقرحا ایکتولہ۔ جاوتری ایکتولہ۔ دارچینی ایکتولہ۔ اونٹ کٹارے کی جڑ ایکتولہ۔ تخم پیاز ایکتولہ۔ کھلہ ۶ ماشہ۔ زعفران ۶ ماشہ۔ سونٹھ ۶ ماشہ کینچوے خشک ۶ ماشہ۔ کستوری ۲ ماشہ۔ اندری ریچھ ۶ ماشہ۔ چربی چیتا ۵ تولہ۔ چربی شیر ۵ تولہ۔ چربی سانڈہ ۵ تولہ۔ تیل چمیلی ۵ تولہ۔ سم الفار سفید ۶ ماشہ آئل سناموں (OIL CINNAMON) ۵ تولہ۔ آئل کلو (OIL GLOYES) ۵ تولہ۔ مندرجہ بالا خشک دواؤں کو پیس کر چربی اور تیل کو ملائیں۔ پھر کسی کھرل میں ڈالکر ۲۴ گھنٹہ گھوٹکر کسی بڑی آتشی شیشی میں بھریں اور پاتال جنتر کی ترکیب سے تیل نکال لیں۔ اور شیشی میں بھر کر کاگ لگا دیں۔

دستور :- رات کو سوتے وقت مالش کریں۔ انشاء اللہ ایک ہفتہ کے استعمال سے وہ قوت پیدا ہو گی جو تمام زندگی قائم رہیگی اور تمام نقائص عضو مخصوص کے دور ہو جائیں گے۔ لطف یہ ہے کہ اس طلاء سے آبلہ نہیں پڑتا اور نہ کوئی تکلیف ہوتی ہے۔ نازک سے نازک حضرات اس کو استعمال کرتے ہیں۔ ہر موسم میں ایک سا مفید ہے اگر کوئی صاحب بوجہ وقت یا شرمندگی خود تیار نہ کر سکیں تو ہمارے دوا خانہ **روپ بلاس کمپنی رجسٹرڈ** میں مریضوں کے لئے ہر ہفتہ تیار ہوتا رہتا ہے۔ جس کی قیمت فی شیشی مبلغ تین روپیہ آٹھ آنہ مع محصول ڈاک ہے۔ طلب کریں۔ ایک شیشی ایک مریض کے لئے کافی ہوتی ہے۔ اگر خود ہی تیار کرنا چاہیں اور کسی دوا کے نہ ملنے سے مجبور ہو جائیں تو وہ بھی طلب کریں۔ غرضکہ آپ کو دھوکے باز اشتہار بازوں سے بچانا مقصود ہے جس طرح سے چاہیں اس نسخہ کا تجربہ کریں۔ اور اگر جریان **قوت باہ** کی شکایت ہو تو ہمارے یہاں سے وہ بھی نسخہ اکسیر جریان یا دوا **ویر سنجیون ست رجسٹرڈ** جو کہ بیس سال سے مجرب مستند ہے۔ جس کے استعمال سے بلا مبالغہ بیس بیس سال کے لاعلاج مریض جو برسوں تک حکیموں ڈاکٹروں کے زیر علاج رہکر اپنی دولت کو برباد کر کے بھی مایوس ہو چکے تھے۔ آج وہ صاحب اولاد ہیں۔ جسکی قیمت اکیس روز کی خوراک کی مبلغ دو روپیہ دس آنہ علاوہ محصول ڈاک ہے طلب کریں۔

(جملہ خط و کتابت کا پتہ)

خادم۔ ویدرتن ستیہ دیو جی۔ مالک روپ بلاس کمپنی ۳۰۵ کینجوسی ضلع اٹاوہ (یوپی)

سالنامۂ کنول کے حصّۂ نظم کی نامکمّل فہرست

جس کا مقابلہ ہندوستان کا کوئی رسالہ نہیں کر سکتا

ہندوستان کے مستند شعرائے گرامی

(۱) جوش ملیح آبادی (۲) سیماب اکبرآبادی
(۳) اثر لکھنوی (۴) نہال سیوہاروی
(۵) ساغر نظامی (۶) ماہر القادری
(۷) ہوش ملیح آبادی (۸) بیکش اکبرآبادی

سالنامۂ "کنول" میں

(۹) راز چاندپوری (۱۰) صبا رشیدی
(۱۱) ضیا فتح آبادی (۱۲) علی منظور حیدرآبادی
(۱۳) انجم آفندی اکبرآبادی (۱۴) ارشد تھانوی
(۱۵) فراق گورکھپوری (۱۶) منور لکھنوی

عنوانات

(۱) تارے کی تنقید (۲) اگر خدا سے
(۳) خواب وصال (۴) نذر غالب
(۵) سرود مستانہ (۶) کنول اور تاج
(۷) جگنو کا الہام (۸) دنیا (۹) وہ

عنوانات

(۹) ساغر جم (۱۰) گل و گرد
(۱۱) رند و زہد (۱۲) بسنت کی جوت
(۱۳) آس (گیت) (۱۴) آمد صبح بہار
(۱۵) تماشہ دیکھنے والے (۱۶) مرزبان زادگان ہند

آج ہی
سالنامہ حاصل کرنے کے لئے
خط لکھئے :-
مینیجر

خیالات کی پریشانی اور پراگندگی آپکی تنزلی کی وجہ ہوجائیگی

یہ پریشانی اور پراگندگی - دل دماغ اور معدہ میں حرارت کی زیادتی کیوجہ سے پیدا ہوتی ہے - گرم خوراک - چائے بیڑی سگریٹ

پان - تمباکو وغیرہ زیادہ استعمال کرنے سے خون اور منی میں تپش پیدا ہو کر جسم میں آتشیں مادہ پیدا ہو جاتا ہے اور حرارت زیادہ ہو کر ریاح پیدا کر دیتا ہے جس سے دل و دماغ پریشان ہو جاتے ہیں - ایسی حالت میں آپ اپنی حفاظت کیلئے صحت افزا روح پرور جڑی بوٹیوں کے مرکب سے تیار شدہ **امرتار نوا ولیہہ** کا استعمال کریں

امرتار نوا ولیہہ جسم سے گرمی کی زیادتی دور کر کے آتشیں مادہ کو دور کر دیتا ہے **امرتار نوا ولیہہ** دل دماغ اور معدہ کو تراوت بخشتا ہے **امرتار نوا ولیہہ** خون اور منی بکثرت پیدا کر کے جسم کو فربہ اور مضبوط بناتا ہے **امرتار نوا ولیہہ** خیالات کی پراگندگی - اعضاء جسم کا ڈھیلا پن - چہرے کی بے رونقی - قوت ہاضمہ کی کمی ، سستی ، کاہلی وغیرہ دور کر کے حیرت انگیز قوت فرحت اور رونق عطا کرتا ہے - ایک مرتبہ آزمایش کر کے اطمینان حاصل کریں - قیمت فی ڈبہ ۲ تولہ صرف دو روپیہ ۲ علاوہ محصولڈاک

نہایت عمدہ مضامین سے مزین ۹۲ صفحات کی کتاب کام شاستر بالکل مفت منگوا کر ملاحظہ فرمادیں

المشتہر :- مینجر - آتنک نگرہ فارمیسی - جام نگر - (کاٹھیاواڑ)

تاج محل اور ساحل جمنا سے قریب

اکبر آباد کا مشہور ، ممتاز ، کامیاب اور سب سے اچھا آرام دہ

مسلم ستارہ بمبئی ہوٹل آگرہ

اس ہوٹل میں قیام و طعام کا بہت عمدہ اور نفیس انتظام ہے اسٹیشن سے بالکل قریب ہے ، اور شہر کے وسط میں ایک پُر فضا مقام پر ۱۹۱۷ء سے قائم ہے

جب بھی آپ آگرہ تشریف لائیں

مسلم ستارہ بمبئی ہوٹل

کو یاد رکھئے :- مفصل حالات و قواعد ایک کارڈ لکھکر معلوم کیجئے - اور ایک مرتبہ ضرور تشریف لائیے - ہمارا پتہ نوٹ کر لیجئے

مینجر - مسلم ستارہ بمبئی ہوٹل (رجسٹرڈ) بازار سیب آگرہ

THE "KANWAL" AGRA REGD. No. A. 2744

Telegrams:- "HINA"

ESTABLISHED 1839

TELEPHONE 139.

ASGHURALI MOHAMMEDALI

Manufacturing Perfumers

"HINA BUILDINGS"

LUCKNOW.

Branches at DELHI, Hyderabad(Dn) MUSSOOREE

Branches at CALCUTTA, KANAUJ, AMINABAD.

تار کا پتہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر حنا بازار لکھنؤ ٹیلیفون نمبر

"حنا" شاخ دہلی-حیدرآباد دکن-منصوری-کلکتہ-قنوج-امین آباد ۱۳۹

REFAH-I-AM PRESS, AGRA.
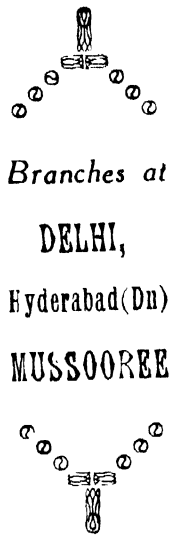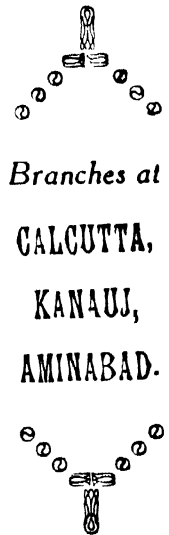
کنول کا سالنامہ ۱۹۳۷ء کا تحفہ جمیل
اگر آپ ادب اردو کے شاہکار اور نادر و انمول جواہر ادب دیکھنا چاہتے
ہیں تو سالنامہ "کنول" ضرور منگائیے
جو بڑی آب و تاب اور کہی شان اور
حسین و جمیل یک رنگی و سہ رنگی تصاویر کے ساتھ
وجد آفریں نظموں، بہترین علمی و تحقیقاتی مضامین
شاہکار افسانوں
مجموعے کی صورت میں
جنوری کے شروع میں شائع ہو جائے گا۔
اگر آپ کنول کے خریدار نہیں ہیں
تو آج ہی خریدار ہو جائیے۔ مستقل خریداروں کو مفت دیا جائیگا
آج ہی خط لکھیے۔
مینیجر

کنول
مدیر۔ منظر صدیقی اکبرآبادی
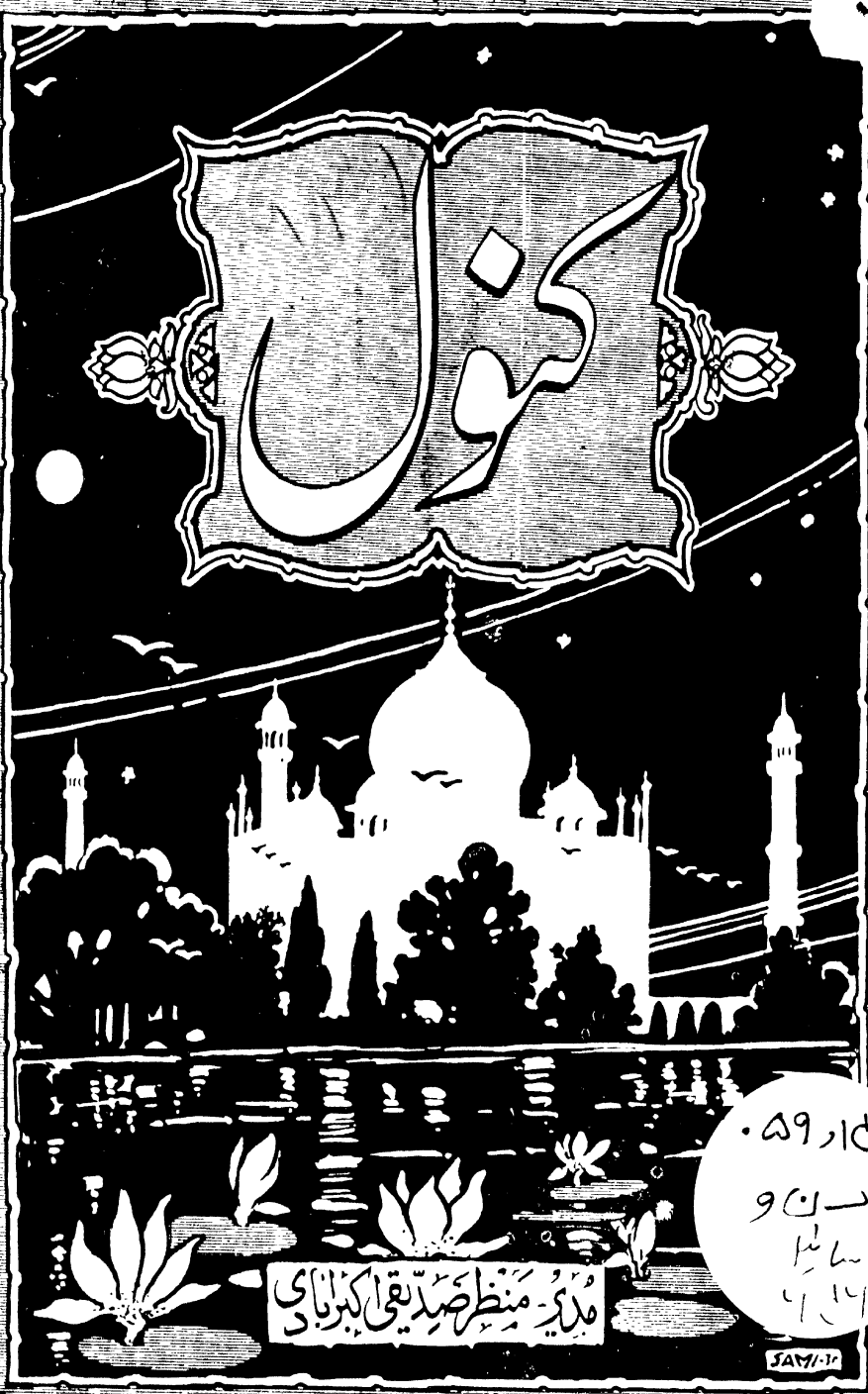
کمزوری اور مایوسی کے بادلوں سے جوانی کا سورج چمکیگا
ہندوستان بھر میں طاقت کی بے نظیر دوا
کیمیائے شباب
کیمیائے شباب طاقت اور کمزوری کے لئے اکسیر ثابت ہو چکی ہے مگر خصوصیت کیساتھ ان شکایتوں کے لئے تو شفا کا حکم رکھتی ہے۔ سرعت، احتلام، جریان، پیشاب
کی کثرت، خرابی معدہ، خرابی خون، خرابی جگر، وغیرہ وغیرہ ان تمام شکایتوں کو دو ہی دن کے استعمال میں دور کر دیتی ہے
دوا کے استعمال سے پہلے اپنا وزن کر لیجئے۔ اور پھر سات یوم تک کیمیائے شباب استعمال کرنے کے بعد دوبارہ اپنا وزن
کیجئے۔ اور اندازہ لگائیے کہ آپ کا وزن کتنا بڑھا۔ آپ کا چہرہ گلاب کے پھول کی طرح دہکنے لگیگا۔ کیمیائے شباب کی پہلی
خوراک استعمال کرتے ہی جسم میں ایک بجلی سی دوڑ جاتی ہے۔ اور عجیب تقویت محسوس ہوتی ہے۔ جب آپ ہماری دوا
استعمال کریں گے تو آپ کو ہماری سچائی کا یقین ہو جائیگا۔ اگر اس مجرب دوا سے آرام نہ ہو تو قیمت واپس کر دی جائیگی
قیمت صرف للعہ چار روپیہ
ملنے کا پتہ:- منیجر کراؤن فارمیسی بلڈنگ نمبر ۲۴۷ نائیکی منڈی آگرہ

مصوّرِ غم حضرتِ علاّمہ راشد الخیری دہلوی کی تصانیف

بچہ کا کرتہ ایک عاشق زار بدنصیب ماں اپنے جوان بچے کی بدولت وہ وہ مصیبتیں اٹھاتی ہے کہ کلیجہ منہ کو آتا ہے دنیا اس کی محبت اور ایثار کا وہ عبرت انگیز جواب دیتی ہے کہ آنکھ سے آنسو نکل پڑتے ہیں۔ بارسوم۔ قیمت ۴ ر

ستونتی کہنے کو افسانہ ہے پڑھنے کو کہانی لیکن نہایت اعلیٰ درجہ کی اخلاقی کتاب ہے قیمت ۶ ر

طوفانِ حیات شرک و بدعات کے بدنتائج کا بیان دلآویز قصہ کے پیرایہ میں قیمت عہ ر

تفسیرِ عصمت بے انتہا عبرت انگیز اور مؤثر و سبق آموز افسانہ ہے قیمت ۶ ر

جوہرِ عصمت اس میں تیرہ مختلف نہایت دلچسپ اور سبق آموز افسانہ ہیں قیمت ایک روپیہ (عہ ر)

طوفانِ اشک یعنی رواج کی چوکھٹ پر مظلوم عورتوں کی قربانیاں بارہ مؤثر و دلچسپ اور سبق آموز افسانوں کا مجموعہ قیمت عہ ر

سیلابِ اشک علاّمہ راشد کے سات ایسے ہی معرکۃ الآرا افسانے جنکا ڈنکا بج چکا ہے ہر افسانے کے ساتھ ہاف ٹون بلاک کی تصاویر ہیں قیمت عہ ر

انگوٹھی کا راز تین مختلف الخیال لڑکیوں کا سبق آموز افسانہ قیمت ۶ ر

شہیدِ مغرب شہید مغرب اور دوسرے درد انگیز جگرخراش افسانے جو درد و اثر کے لحاظ سے علاّمہ راشد کے تمام افسانوں میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں قیمت ایک روپیہ (عہ ر)

وداعِ ظفر اس میں آخری تاجدار مغلیہ کی پانچ نوبتیں اس قدر درد انگیز پیرائے میں لکھی گئی ہیں کہ خون کے آنسو رلوا دیں گی۔ پانچویں نوبت وہ ہے۔ جب دلی نے بادشاہ کو وداع کیا غدر کے واقعات۔ مخبروں کا ظلم مظلوموں کی حالتِ زار مردوں کی بربادی۔ عورتوں کی تباہی۔ ناممکن ہے کہ آپ آنسو بہائے بغیر پڑھ سکیں قیمت عہ ر

امین کا دم واپسیں ہارون رشید کے بیٹے امین الرشید کے دردناک قتل کا درد انگیز واقعہ قیمت ۶ ر

محبوبۂ خداوند حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ کا اسلام مذہبی بھیس میں مسیحی علما کی سیہ کاریاں نہایت دلآویز تاریخی ناول۔ قیمت ۱۲ ر

روداد قفس مولانا کی ان بیش بہا اور عبرت انگیز معاشرتی نظموں کا دلآویز مجموعہ جس میں ہندوستانی مسلمان عورتوں کی حالت زار کا نقشہ کھینچا گیا ہے قیمت ۶ ر

شہنشاہ کا فیصلہ عہد عباسی کے بغداد کا دلآویز افسانہ قیمت ۴ ر

لال قلعہ کی ایک جھلک

(سیّد ناصر نذیر فراق دہلوی کی قلم سے)

جس میں انہوں نے دکھایا ہے کہ سلطنت مغلیہ کے آخری تاجدار شاہ ابو ظفر کے زمانے میں لال قلعہ کی کیا حالت تھی اور اُس انتہائی انحطاط کے زمانہ میں بھی وہاں کی دلچسپیوں کا کیا عالم تھا سیّد ناصر نذیر فراق دہلی کے مشہور انشا پرداز تھے اور اُس اسکول کے لوگوں میں سے تھے جس کا اب ایک فرد بھی باقی نہیں۔ زبان کی حلاوت، انداز بیان کی شیرینی اردوئے معلی کے ٹکسالی محاورے تہذیب قدیم کے عوائد و مراسم کا بیان۔ الغرض اس چھوٹی سی کتاب میں وہ کیا چیز نہیں ہے جس سے اسوقت انشا پردازی کی بڑی سے بڑی کتاب خالی نظر آتی ہے۔ میں نے اس کتاب کو ہاتھ میں لینے کے بعد اُس وقت تک کوئی دوسرا کام کیا ہی نہیں جب تک وہ ختم نہیں ہو گئی۔ اور جب ختم کر چکا تو تاثر کا یہ عالم تھا کہ آنکھ اور دل دونوں رو رہے تھے۔ قیمت عہ ر

(نیاز فتحپوری ایڈیٹر نگار)

سحرِ بنگال

محترمہ طاہرہ دیوی شیرازی کے افسانوں کا مجموعہ ہے۔ جس کے ایک افسانے کے متعلق نیاز فتحپوری ایڈیٹر نگار لکھتے ہیں۔

"یہ افسانہ فن کے لحاظ سے اردو میں اُس ارتقائی درجے کی چیز ہے جہاں مردوں کا دماغ بھی مشکل ہی سے پہنچ سکتا ہے چہ جائیکہ عورتیں طاہرہ دیوی نہ صرف فارسی بلکہ فرانسیسی زبان کی بھی ماہر ہیں اور غالباً یہیں سے یہ معمہ حل ہوتا ہے کہ انکی افسانہ نگاری میں یہ رنگ کہاں سے آیا زبان کی صفائی و شگفتگی کو دیکھکر حیرت ہوتی ہے کہ بنگال کی ایک خاتون اتنی صاف و صحیح اردو لکھنے میں کیونکر کامیاب ہو سکیں"

ایک اور افسانہ کے متعلق جناب منصور احمد ایڈیٹر ادبی دنیا لکھتے ہیں:

"جناب طاہرہ دیوی صاحبہ کے خواب رنگین کے متعلق یہ عرض کر دینا کافی ہے کہ اگر آج موپساں زندہ ہوتا تو فیصلہ نہ کر سکتا تھا کہ ترجمہ کونسا ہے اور اصل کونسا، کتابت و طباعت نہایت پاکیزہ، عمدہ کاغذ، قیمت صرف عہ ر علاوہ محصول۔

(تمام کتابوں کا محصول خریدار کے ذمہ ہوگا)

ملنے کا پتہ:۔ **منیجر وارث بک ڈپو ہینگ کی منڈی آگرہ**

ساغرؔ نظامی کا کلیاتِ نظم و غزل

بادۂ مشرق

وہ تاریخی کتاب جس کے دیباچے مشرقی و مغربی علوم کے ماہرین و سربر آوردہ انشا پردازوں نے تحریر فرمائے ہیں مثلاً

مصورِ فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی مدظلہ

بلبلِ ہند مسز سروجنی نائیڈو

ڈاکٹر سید محمود ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی بارایٹ لا

امامِ ادب علامہ عبدالحق صاحب بی۔ اے علیگ

جس میں امریکہ کی مشہور آرٹسٹ مسٹر ایچ مرویں ہینڈلے کا بنایا ہوا

ساغر نظامی کا اسکیچ بھی شامل ہے

حجم ۴۰۰ صفحات کاغذ دبیز چکنا ۲۸ پونڈ سائز پیامِ مشرق

کتاب بارہ ابواب میں منقسم ہے۔ ہر باب کا سرورق رنگین و مصور ہے۔ غیر مجلد ٹائیٹل، ابھری ہوئی رنگین ڈائیوں سے مرصع ہے۔ اور مجلد ٹائیٹل سنہری ڈائی سے مزین، جلد کا کور سہ رنگا ہے۔ اور دہلی کے مشہور آرٹسٹ

مسٹر عبدالسمیع کے قلم کا شاہکار ہے

گیارہ ابواب قومی، مذہبی، متصوفانہ، منظریاتی، روحانی، اور نگارنگ نظموں پر مشتمل ہیں۔ بارہویں باب میں صرف منتخب غزلیں ہیں۔ ساری کتاب ہندوستانی شاعری کے جدید پاکیزہ تخیل کی حقیقی تصویر ہے۔ زندگی اور جوانی، حُبِّ وطن اور آزادی کے وہ آتشیں نغمات اس کتاب میں پائے جاتے ہیں جنہوں نے قوم میں نئی زندگی پیدا کردی ہے اس کے باوجود اس کی قیمت کتاب کے حسن و جمال اور ضخامت کے لحاظ سے بالکل حقیر ہے۔ یعنی صرف

پانچ روپیہ مجلد غیر مجلد چار روپیہ (علاوہ محصول)

ملنے کا پتہ

منیجر کنول بک ڈپو۔ مرکزِ اشاعت آگرہ

نجم السحر

از

جناب مولوی عنایت اللہ بی۔ اے

سابق ناظم دارالترجمہ حیدرآباد دکن

اس کتاب کے چند باب ساقی میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں اور اسقدر پسند کئے گئے ہیں کہ وہ پرچے اب دفتر ساقی میں فائل کے لئے بھی باقی نہیں ہیں۔ شائقین کے اصرار سے پوری کتاب بصرفِ کثیر شائع کیگئی ہے اور ہاتھوں ہاتھ لی جارہی ہے۔ جن حضرات نے رائڈر ہیگرڈ کی مشہور کتابیں "عذرا" (SHE) اور "عذرا کی واپسی" (RETURN OF SHE) پڑھی ہیں جانتے ہیں کہ یہ مصنف تدنی، تہذیب و معاشرت کو صحت کے ساتھ پیش کرنے میں کس قدر مہارت رکھتا ہے "نجم السحر" اسی مصنف کا شہ پارہ ہے جس میں اس نے مصر قدیم یعنی اب سے کم از کم پانچ ہزار سال پہلے کی ایسی عمدہ تصویر پیش کی ہے کہ اس زمانے کی ایک ایک بات آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے فراعنۂ مصر کے عالیشان محلوں کی شان و شوکت، ان کا طرزِ حکومت، ان کا طرزِ عبادت، انکا طرزِ مبارزت، غرض رزم و بزم کا کوئی پہلو ایسا نہیں چھوڑا جس پر خاطر خواہ روشنی نہ ڈالی گئی ہو۔ پھر ان شاہی ایوانوں میں حسن و عشق کا پروان چڑھنا، محبت کی شیریں رقابت کی آتشناکی اور ہجر و فراق کی جگر خراشی و دل پاشی! اس مٹے ہوئے تمدن اور اس مٹی ہوئی انسانیت کی بولتی چالتی تصویر آپکو اپنے محیر العقول مناظر میں گم کردیگی۔ دربار کے پرشکوہ سین آپکو محو کردیں گے سحر کی کرشمہ سازیاں دیکھکر آپ دنگ رہجائیں گے ملکہ نیطرطیہ پر (جو رب عمون کی بیٹی تھی) کیسی کیسی افتادیں پڑیں اور اس کی عجیب و غریب ہمزاد نے کیسے کیسے حیرت انگیز کارنامے دکھائے اشمون نجومی کی سحر طرازی تودان کے مظالم، "نجم السحر" کی فراست و استقامت، ساحرۂ اشق کی وفاداری، غرض ہر کردار اپنی جگہ پر ایک عجوبہ ہے یہ کتاب اپنی گوناگوں خوبیوں کی وجہ سے انگریزی میں بہت مشہور ہوچکی ہے۔ ہندوستان کے بہترین مترجم جناب عنایت اللہ دہلوی بی۔ اے نے فصیح و سلیس اردو میں اس کا ترجمہ کیا ہے اور صرف انکا نام ہی ترجمہ کی فصاحت و عمدگی کا ذمہ دار ہوسکتا ہے۔ کتابت و طباعت نہایت عمدہ کاغذ سفید قسم اعلیٰ ضخامت بانگ درا سائز کے (۴۸ ۲۰) صفحات۔ قیمت ڈہائی روپیہ ۲/۸ علاوہ محصول ڈاک

ملنے کا پتہ

منیجر کنول بک ڈپو۔ مرکزِ اشاعت آگرہ

تحریر کیوں ایجاد ہوئی اور کیسے ایجاد ہوئی؟

"تحقیقِ علم کا ایک قابلِ رشک کارنامہ، بلادِ مشرق سے اپنی نوعیت کی مخصوص اور جدید کتاب"

SALAR JUNG ESTATE LIBRARY
(Oriental Section)
URDU PRINTED BOOKS:
Accession No. 2995 Cat. No.
Subject .... No ....

علم الحروف
"تحقیقاتِ ماہر"

علم الحروف پر اب تک بہت کم کتابیں شائع ہوئی ہیں اور خصوصاً ہندوستان اس تحقیق میں کوئی اہم کامیابی حاصل نہیں کر سکا ہے۔ فخر الاطبا حضرت حکیم **محمود علیخاں** صاحب ماہر اکبرآبادی نے اس موضوع پر سالہا سال کی محنت اور کوشش کے بعد اس کتاب کی تکمیل کی ہے اور نہایت آزادی کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب مشرقی دنیا سے شائع ہونے والی تمام کتابوں میں ممتاز ترین درجہ رکھتی ہے۔

اس میں

(۱) دنیا کی سینکڑوں زبانوں کے حالات جمع کر دیئے گئے ہیں

(۲) تمام دنیا کی مروج اور مفقود شدہ ابجدوں کی تفصیل انتہائی تحقیق اور دلائل کے ساتھ پیش کی گئی ہے۔

(۳) ابجدوں کے فوٹو بلاک دئے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ کئی مشہور خوشنویسوں کی وصلیوں کے فوٹو بلاک بھی شاملِ کتاب ہیں

(۴) عرب اور عجم کے تمام باکمال لوگوں کے سوانح حیات اور علم الحروف کی مکمل تاریخ پیش کی گئی ہے۔

(۵) تمام دنیا کے رسم الخط کے نمونے بھی دیئے گئے ہیں۔

(۶) علم الحروف کی ترتیب و تدوین میں جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔ ان کے مستند اور بہترین ہونے کے ثبوت میں حوالے بھی پیش کئے گئے ہیں۔

(۷) کاغذ۔ قلم۔ اور سیاہی کی مکمل تاریخ بھی بیان کی گئی ہے۔

(۸) اس کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ تمام مرموزات بھی پیش کئے گئے ہیں۔ جن کے علم کے بعد آپ پوشیدہ اور مشکل سے مشکل عبارتیں آسانی کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ

فہرست مضامین بہت طویل ہے مختصراً یوں سمجھئے کہ علم الحروف پر سیر حاصل بحث کرنیکے بعد اس کتاب کو مکمل کیا گیا ہے اخراجات کا اندازہ لگایا جائے تو ایک کتاب کی قیمت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن اس کتاب کی اشاعت کا اولین مقصد یہ ہے کہ ہر صاحب ذوق اس سے فائدہ اٹھائے اس لئے اس کی قیمت صرف برائے نام مقرر کی گئی ہے

علم دوست طبقہ کے لئے طلباء کے لئے اور مذاقِ تحقیق رکھنے والے حضرات کے لئے ایک انمول کتاب ہے۔ کتابت و طباعت لاجواب فوٹو بلاک کی بیسیوں تصویریں شامل ہیں ان تمام خوبیوں کے باوجود قیمت صرف تین روپیہ (سےر) آج ہی اس کتاب کو حاصل کرنے کی کوشش کیجئے۔ محصول ڈاک الگ ہوگا۔

ملنے کا پتہ:- **مینجر کنول بک ڈپو مرکزِ اشاعت ہینگ کی منڈی آگرہ**

چار لائبریریوں کے برابر چار کتابیں

اخلاق، صحت اور معلومات کے قیمتی خزانے

اپنے کمسن شہزادوں کیلئے آج ہی منگوا لیجئے

از علامہ مولانا سیماب اکبر آبادی - مدیر "تاج"، "شاعر"

ادبی موتی — چار حصے

حصہ اوّل - صحیح اور آسان اُردو میں بچوں کے لئے تاریخی، علمی، اور اخلاقی افسانے - اسمیں مندرجہ ذیل اخلاقی، ادبی، اور دلچسپ افسانے ہیں :-

(۱) آسمانی بائیسکوپ (۲) بہادر کہاں بنتے ہیں (۳) چالاک مینڈک (۴) بھکاری دولتمند (۵) کمسن گوالہ (۶) امرت کی تلاش (۷) ناکام سراغرساں (۸) بھولے میاں (۹) ایثار (۱۰) ایماندار (۱۱) آغائی صاحب (۱۲) جاندار موتی

حجم ۱۲۲ صفحات — قیمت ۸/

حصہ دوم - مندرجہ ذیل افسانوں کے ذریعہ تندرستی، صفائی، اور خوشگوار زندگی کا صحیح راستہ بتایا گیا ہے -

(۱) مرزا بھوپا (۲) بدپرہیز لڑکا (۳) انسانی پنجرا (۴) کاہل جھونت (۵) باغ کا رسیا (۶) پیٹ کی پلیٹ (۷) تن میلا تو من میلا۔ (۸) دولت کا دھواں (۹) دوا کا متوالا (۱۰) صحت اور صحبت (۱۱) جوانی میں بڑھاپا (۱۲) کتے کا لیکچر (۱۳) کیلاش کا باورچی خانہ

حجم ۱۲۵ صفحات — قیمت ۸/

حصہ سوم - دنیا بھر کے مشہور اور بڑے لوگوں کے حالاتِ زندگی -

(۱) قارونِ وقت مسٹر ہنری فورڈ (۲) اکبر الہ آبادی (۳) بھائی میلا سنگھ (۴) مسیح الملک مرحوم (۵) بھائی تلسی داس (۶) رابندر ناتھ ٹیگور (۷) ڈاکٹر مختار احمد انصاری (۸) حکیم مومن خان دہلوی (۹) تان سین (۱۰) ابوالصلت بن عبدالعزیز (۱۱) ٹالسٹائی (۱۲) بایزید (۱۳) پنڈت ہسراج (۱۴) نپولین

حجم ۱۴۲ صفحات — قیمت ۸/

حصہ چہارم - یورپ اور ہندوستان کے مشہور اور تاریخی مقامات کے معتبر حالات بطور افسانہ

(۱) ایلورا کے غار نمبر ۱ (۲) ایلورا کے غار نمبر ۲ (۳) یورپ کے پہاڑوں کی سیر (۴) گرنار اور سومنات کا سفر (۵) دنیا کا سب سے بلند مینار (۶) قلعہ تاراگڈھ (۷) فتح پور سیکری (۸) تاج محل (۹) باوامی کے پہاڑی غار (۱۰) جھولنے اور ہلنے والی عمارتیں (۱۱) بیجاپور کا طلسمی گول گنبد (۱۲) شالامار باغ کی سیر

حجم ۱۱۱ صفحات — قیمت ۸/

محصول ہر حالت میں ذمۂ خریدار ہوگا۔ سائز ۲۲×۲۶/۱۶ (اسکول ایڈیشن)

ملنے کا پتہ :- وارث بکڈپو مرکزِ اشاعت ہینگ کی منڈی آگرہ

حضرتِ شادؔ عظیم آبادی اور نواب نصیر حسین خیالؔ کی تصانیف

شاہنامے پر تبصرہ - از ادیب الملک نواب نصیر حسین خیال مرحوم مصنف مغل اُردو۔ یہ کتاب مستقل شاہنامہ عجم ہے - جو بصورت تبصرہ پیش کی گئی ہے - مضمون ادبیت سے لبریز گویا نثر میں شاعری کا لطف آتا ہے قیمت صرف عہ/ علاوہ محصول

مثنوی یادِ وطن - حضرت شادؔ عظیم آبادی کی بے مثل اور لاجواب مثنوی - جس میں گورنمنٹ سے ہندوستان کا مطالبہ کیا گیا، لیکن کس طرح؟ کتاب میں دیکھیئے -

ساتھ ساتھ رشید احمد صاحب صدیقی اور حضرتِ سیمابؔ اکبر آبادی کا بسیط مقدمہ بھی قابلِ مطالعہ ہے - قیمت صرف ۱۲/ علاوہ محصول

ظہورِ رحمت - بالکل نئی طرز کا میلاد نامہ ہے - جس کی تمام ہندوستان میں مانگ ہے - اپنے مضمون کے اعتبار سے بے نظیر ہے -

علامہ سید سلیمان ندوی اور اختر صاحب کا مقدمہ بھی شامل ہے

قیمت صرف ۸/ (علاوہ محصول)

پیارے اور معصوم بچوں کو

دِق

(کے موذی اور خوفناک مرض سے کیونکر بچایا جا سکتا ہے)

اگر آپ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں تو آج ہی "دق" کی ایک جلد طلب فرمائیے - جس میں بیس سال تجربے اور مشاہدے کے بعد اس مرض سے بچنے کے لئے بہترین اور کامیاب احتیاطیں تیار داری - آسان شناختیں تصدیق مدافعانہ جنگ - علاج کا سامان اور علاج کے مجرب طریقے بتائے گئے ہیں اپنی قسم کی بہترین اور بیحد مفید کتاب ہے قیمت صرف ۸/ محصول ۵/

پتہ - منیجر کنول بک ڈپو مرکزِ اشاعت ہینگ کی منڈی آگرہ

ضمیمہ بتول اگرہ

مولانا شررؔ مرحوم اور دوسرے مصنفین کے بہترین ناول

ملک العزیز ورجنا - مولانا شررؔ مرحوم کا سب سے اچھا تاریخی اور یادگار ناول ہے اسکے مطالعہ کے بعد آپ بیحد مسرور ہونگے۔ قیمت ۸ر

میوۂ تلخ - اپنی نوعیت کا بہترین ناول ہے نتیجہ خیز ہونے کے ساتھ ساتھ بیحد دلچسپ اور پڑھنے کے قابل ہے۔ قیمت صرف ۸ر

فردوسِ بریں - یہ ناول اپنی نوعیت کا بالکل انوکھا اچھوتا تاریخی اور شاہکار ناول ہے دنیا میں جنت کی سیر کیجئے۔ قیمت صرف ۱۲ر

بدر النسا کی مصیبت - اس ناول کے شایع ہوتے ہی مخالفت کا طوفان برپا ہوگیا تھا پڑھنے اور محفوظ رکھنے کے قابل ہے قیمت ۴ر

منصور موہنا - بیحد مشہور بیحد مقبول اور بیحد دلچسپ تاریخی ناول جو حد درجہ عبرت خیز اور دردناک ہے۔ قیمت صرف ۸ر

اِن ناولوں کے علاوہ مولانا شررؔ کے دوسرے ناول بھی مل سکتے ہیں یہ تمام ناول بہترین ٹائیٹل اور مصنف کی تصویر کیساتھ شایع کئے گئے ہیں

پانچ سہیلیوں کا جھمکا - ابو البیان جناب آزادؔ کا بہترین اصلاحی ناول ہے ٹائیٹل دیدہ زیب قیمت ۵ر

فتح ایران - ایک تاریخی ناول ہے جسمیں بہادرانِ اسلام کے حیرت انگیز کارنامے۔ آتش پرستوں کی پُرجوش لڑائی کے حالات اور حسن و عشق کے دلگداز واقعات پیش کئے گئے ہیں نہایت دلچسپ اور حیرت انگیز ناول ہے۔ ضخامت ۲۰۰ صفحات

مجلد اور بہترین رنگین ٹائیٹل قیمت صرف عہ

فریبِ رنگیں - خنجرؔ لکھنوی کا دلچسپ حیرت انگیز اور بہترین جاسوسی ناول قیمت صرف ۵ر

حسین شکاری - فن سراغرسانی کا بہترین ترجمان اور اپنی قسم کا لاجواب ناول جسے پڑھکر آپ تصویر حیرت بن جائیں گے قیمت ۵ر

شاہی جاسوس - حیرت انگیز جاسوسی اور بہت ہی دلچسپ ناول ہے جسے آپ یقیناً پسند فرمائیں گے قیمت ۵ر

کالا بھوت - تسلیم دہلوی کا حیرتناک اور عجیب و غریب ناول ہے۔ نام سے اندازہ لگائیے کہ یہ ناول کسقدر دلچسپ ہوگا۔ قیمت ۵ر

شیام کنور - دلچسپ جاسوسی ناول جس میں ایک دوشیزہ کے عبرتناک قتل اور بدمعاشوں کے خونیں کارناموں پر بے حد رنگین پیرایہ میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ ٹائیٹل بہترین اور رنگین قیمت صرف ۶ر

باغی سپاہی - بہت ہی دردناک جاسوسی اور حیرت ناک ناول جو حد درجہ دلچسپ اور نتیجہ خیز ہے قیمت ۵ر

(تمام کتابوں کا محصول خریدار کے ذمہ ہوگا۔)

ملنے کا پتہ:- **منیجر وارث بک ڈپو مرکزِ اشاعت ہینگ کی منڈی اگرہ**

ضمیمہ کنول آگرہ

دلچسپ تاریخی اخلاقی اور اصلاحی ڈرامے

محمود غزنوی - ایک تاریخی ڈرامہ جس میں معرکہ سومنات کے تفصیلی حالات لکھے گئے ہیں۔ بیحد دلچسپ ہے۔ قیمت ۵/

جان عالم انجمن آرا - فسانہ عجائب کے سلسلے کا ایک بہت ہی ہوشربا اور رنگین ڈرامہ - قیمت ۶/

انوکھی چھوتن - بالکل نیا اچھوتا اور قابل مطالعہ ڈرامہ جو شایع ہوتے ہی ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہا ہے۔ قیمت ۶/

نور اسلام - سچی قربانی کی زندہ مثال دیکھنی ہو تو اس ڈرامے کو ضرور پڑھیے قیمت ۶/

شیریں فرہاد - مشہور و معروف ڈرامہ جو بالکل جدید پیرائے میں از سر نو لکھا گیا ہے۔ قیمت ۶/

ماہی گیر - یہ ڈراما نہایت دلچسپ رنگین اور عشق و محبت کی زندہ تصویر ہے اور پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ قیمت ۶/

نوک نشتر - ایک اصلاحی دلچسپ اور قابل مطالعہ ڈرامہ ایک مرتبہ ضرور منگائیے۔ قیمت ۶/

غازی مصطفےٰ کمال پاشا - ایک تاریخی اور اصلاحی ڈرامہ جسمیں غازی موصوف کی لائف پر روشنی ڈالی گئی ہے قیمت ۴/

بچہ سقہ - افغانستان کے انقلاب نے کس طرح بچہ سقہ کو امیر کابل بنا دیا اس ڈرامے میں ملاحظہ فرمائیے۔ قیمت ۵/

علی بابا چالیس چور - مشہور ترین قصہ جو زبان زد عوام ہے بصورت ڈرامہ پیش کیا گیا ہے۔ قیمت ۵/

حاتم طائی - ایک بہت مشہور اور اصلاحی ڈرامہ پڑھنے اور عمل کرنے کے قابل - قیمت ۴/

چمکتا چاند - دلچسپ نتیجہ خیز تفریحی اور بہت ہی مفید ڈرامہ ہے ضرور منگائیے۔ قیمت ۴/

لیلیٰ مجنوں - آج لیلیٰ مجنوں کے فسانہ سے کون واقف نہیں ہے اسے بصورت ڈرامہ پیش کیا گیا ہے۔
قیمت صرف ۴/

سلطانہ ڈاکو - ضلع بجنور کے ایک مشہور ترین اور نہایت خطرناک ڈاکو کے حالات زندگی بصورت ڈرامہ پیش کئے گئے ہیں اس ڈرامے کو پڑھ کر آپ تصویر حیرت بن جائیں گے۔ قیمت ۵/

(تمام کتابوں کا محصول خریدار کے ذمہ ہوگا)

ملنے کا پتہ

مینیجر وارث بک ڈپو مرکز اشاعت ہینگ کی منڈی آگرہ

قوت کی لاثانی بے ضرر اور تیر بہدف دوا

کایا کُندن

مشرق کی وہ ایجاد جو صدیوں سے استعمال ہو رہی ہے

انسانی زندگی کی حقیقی حفاظت بڑھاپے کو دُور کر کے شباب میں بدلنے والی ایک ایسی ایجاد جس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ اشراقی اطبا نے اس دوا کا نسخہ ہندوستان کے رؤسا اور امرا کے لئے تیار کیا تھا۔ اور اسی دوا کے بل بوتے پر وہ ہمیشہ ہمیشہ جوان اور تندرست سُرخ و سپید رہتے تھے۔

زندگی اور زندہ دلی کا راز

انسانی طاقتوں میں اضافہ کرنے کے لئے کایا کندن سے بڑھ کر اور کوئی ایجاد نہیں ہے۔

مایوس مریض

چند دنوں کے استعمال کے بعد اس نسخے کے گرویدہ ہو جاتے ہیں۔ اس کے استعمال سے قوت میں اس قدر ترقی ہو جاتی ہے۔ جس کا اظہار مانع ہے۔ ایک شیشی نئی زندگی بخشتی ہے۔ قیمت فی شیشی پانچ روپیہ علاوہ محصولڈاک

منگانے کا پتہ :- مینجر یونانی کیمیکل فارمیسی نیلہ گنبد لاہور

لالہ فام

قیمت فی شیشی علاوہ محصولڈاک

ایک روپیہ (عہ/)

بواسیر کا حکمی علاج

بواسیر خونی ہو یا بادی لالہ فام کی ایک شیشی کے استعمال کے بعد ظالم مرض سے ہمیشہ کیلئے نجات ہو جاتی ہے

منگانے کا پتہ

مینجر یونانی کیمیکل فارمیسی نیلہ گنبد لاہور

ادیب العصر حضرت لطیف الدین احمد اکبر آبادی کے افسانے

اُردو ادب میں صاحب "لالہ رخ" کا نام محتاجِ تعارف نہیں اور افسانہ نویسی کا جو معیار ل احمد نے پیش کیا ہے وہ اپنی جگہ تنہا ایک مثال ہے ان کا ہر افسانہ علم و حکمت، جذبات، واردات، اور نفسیاتِ حسن و عشق کے نازک ترین اشارات کا حامل ہوتا ہے۔ انکا طرزِ انشا شعریت اور تفلسف اردو ادب میں مستقل اضافات ہیں۔ ل احمد صاحب کے افسانے بلا شائبۂ تغلیط ترقی یافتہ زبانوں کے مقابلے میں رکھے جا سکتے ہیں۔ انشائے لطیف ل احمد صاحب کے پندرہ شہ پاروں کا مجموعہ ہے جو اکثر نگار اور دیگر مجلات علمیہ و ادبیہ میں طبع ہو کر مقبولیتِ دوام حاصل کر چکے ہیں۔ امین ملئے۔

اگر آپ کو سلاست و نفاست زبان کیساتھ نفسیاتِ شباب اور جذباتِ حسن و عشق کی صحیح نقاشی سے کوئی خاص لگاؤ ہے اور اگر آپ ادب و شعریت کا ذوقِ سلیم رکھتے ہیں تو اس مجموعہ میں آپکو اپنی طلب و تشنگی کیلئے مکمل سامان سیرابی نظر آئیگا طباعت و کتابت روشن اور بہترین ہونیکے ساتھ کراؤن سائز پر تقریباً ڈھائی سو صفحات کی ضخامت نفیس مجلد اور قیمت صرف دو روپیہ علاوہ محصول

نغمات
(نثر کی شاعری)

ادب اردو میں جناب ل احمد کی تنہا وہ ہستی ہے جنے حسن و عشق کی واردات اور نفسیات کو انتہائی مطالعہ فکر کیساتھ ساتھ اپنے ذاتی تاثرات و کیفیات کے ماتحت شعریت موسیقی، یا موسیقیتِ شعر کی صورت میں صفحاتِ سادہ کو فردوسِ خیال بنا دیا ہے اس مجموعہ میں جناب لطیف کے ساتھ مختصر ترین فسانے اور ادب پارے شامل ہیں۔ جسے نثر کی شاعری کے شہ پاروں کا ایک وجد آفریں کارنامہ کہا جا سکتا ہے۔ یہ کتاب ابھی مکمل ترتیب و تہذیب کے بعد زیر طباعت ہے۔ اگر آپ اپنی زبان کی نزاکت و لطافت کا اندازہ کرنا چاہتے ہیں تو اس کتاب کے خریداروں کی فہرست میں اپنا نام درج کرا دیجئے۔ قیمت صرف عہ علاوہ محصول۔

ملنے کا پتہ
منیجر کنول بکڈپو مرکز اشاعت ہینگ کمیٹی آگرہ

کنول کے پھول کیطرح
حسین و جمیل، جدید نمونے پر ایک خاص قلم

ALL AT SAME PRICE

زنگی ڈی لکس

جو ہندوستان کے گوشے گوشے میں مقبول ہو چکا ہے

زنگی ڈی لکس اہل قلم، طلبا، رؤسا، معززین اور کاروباری حضرات کیلئے ایک خاص قلم ہے۔ جو ترقی یافتہ صنعت کا بہترین نمونہ اور ناقابلِ شمار خوبیوں کا حامل ہے۔ اس قلم کا۔

نب

خوبصورت مضبوط اور سونے کا ہے۔ جس پر بہترین ریڈیم لگا ہوا ہے اور جو

دس سال تک

استعمال کرنے کے بعد بھی نہ گھستا ہے اور نہ موٹا پڑتا ہے نہ خراب ہوتا ہے

سیاہی بھرنے کا پرزہ بھی سونے کا ہے اور ٹوپی پر نہایت خوشنما چھلا لگا ہوا ہے۔ ڈی لکس کا کلپ بھی رولڈ گولڈ کا ہے۔ جس کا رنگ اور چمک کبھی خراب نہیں ہوتی۔ بے حد خوبصورت اور خوشنما ہے

آج بازار میں جس قدر فاؤنٹین پن ملتے ہیں

ڈی لکس ان سب کا سرتاج اور قیمت میں بالکل ارزاں ہے یعنی صرف ۸ روپیہ
اس کے علاوہ ہر قسم کے بہترین قلم اور نب ہم سے طلب فرمائیے قیمت کا ہی معقول انتظام ہے

منیجر زنگی قلم کمپنی (۴۸) نئی سڑک دہلی

کوی نود وید بھوشن پنڈت ٹھاکر دت شرما وید مالک و موجد امرت دھارا کی تیار کردہ دوائی

کرن جوانی

بڑے غور و خوض کے بعد یہ ایک نئی اکسیر تیار کی ہے۔ جو کہ جسمانی اُن غدود پر جن کے رسوں سے جوانی قائم رہتی ہے، سیدھا اثر کرتی ہے۔ اور جانداروں کے غدود کھانے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ اس کے کھانے سے فوراً دل و دماغ، معدہ، جگر، گردہ، مثانہ، طحال، آنت اور باہ پر اچھا اثر ہونے لگتا ہے۔ دن بدن دماغ روشن ہوتا جاتا ہے۔ دل میں خوشی و اُمنگ بڑھتی ہے۔ جگر صاف ہو کر رنگ خوبصورت و سرخ ہونے لگتا ہے۔ نزلہ، زکام، کھانسی دُور ہوتی ہیں۔ بھوک بڑھتی ہے۔ کھایا پیا ہضم ہوتا ہے۔ اجابت صاف ہوتی ہے۔ جریان، احتلام، رقت وغیرہ دُور ہو کر باہ بڑھنے لگتی ہے۔ سُرعت دُور ہو کر قدرتی امساک بن جاتا ہے۔ پیشاب کے کل نقائص دُور ہوتے ہیں۔ بڑھاپے میں جوانی کی اُمنگیں اُٹھنے لگتی ہیں۔ اور جوانوں کو اصل جوانی حاصل ہوتی ہے۔ نئی جوانی حاصل کرنے یا جوانی کے قائم رکھنے کے لئے بے نظیر ثابت ہوئی ہے۔ جوانی میں بال سفید ہوں تو سیاہ ہو جاتے ہیں۔

قیمت ۲۴ گولی صرف ایک روپیہ۔ ۱۰۰ گولی چار روپے (للعہ)
خوراک ۲ گولی صبح و ۲ گولی شام ہے۔

ایک دو تازہ رائیں

جناب بندہ! تسلیم
بندہ نے دو شیشی کرن جوانی آپ سے منگوا کر استعمال کی ہیں۔ ماشاء اللہ بہت فائدہ ہوا۔ واقعی بے نظیر چیز ہے۔ کئی عوارض جسمانی و دماغی کے واسطے تیر بہدف ثابت ہوئی۔ فقط

محمد دلدار حسین قریشی برٹش
ملٹری ہاسپٹل راولپنڈی

جناب بندہ! تسلیم
آپ کی دوائی کرن جوانی کی گولیاں استعمال میں لائی گئیں۔ واقعی بہت مفید ثابت ہوئیں۔ جو تعریف ان کے متعلق اشتہار میں درج ہے۔ فوائد اس سے بدرجہا بہتر ہیں۔

لالہ کرم چند ہیڈ ماسٹر
مقام گوٹ رام چند

کارخانہ امرت دھارا کی فہرست ادویات ایک کارڈ لکھ کر مفت منگوا لیں

خط و کتابت و تار کا پتہ:- امرت دھارا ۵۶ لاہور

المشتہر
مینیجر امرت دھارا اوشدھالیہ امرت دھارا بلڈنگس امرت دھارا روڈ۔ امرت دھارا ڈاکخانہ لاہور

SALARJUNG LIBRARY
Acc. No
Call. No
Sub
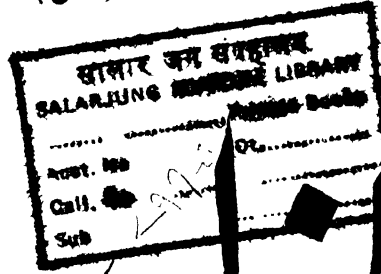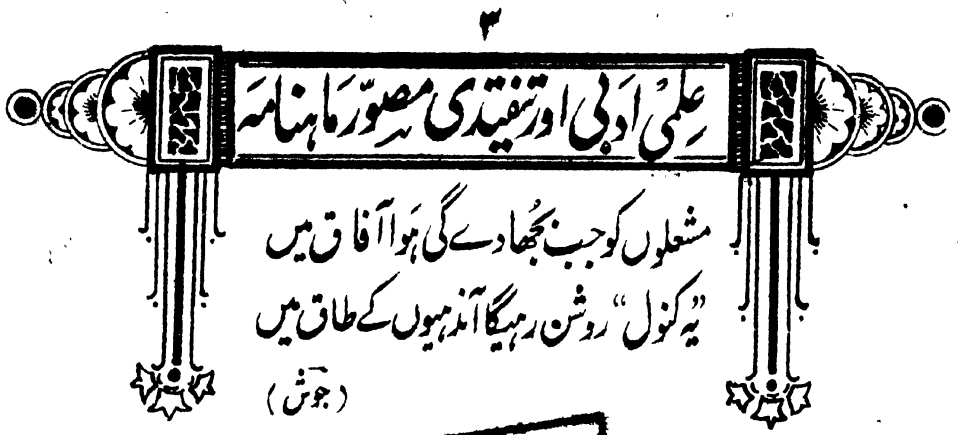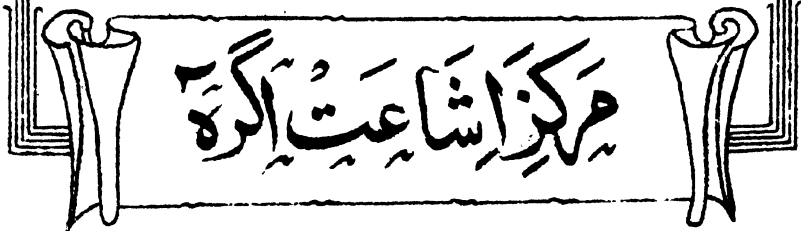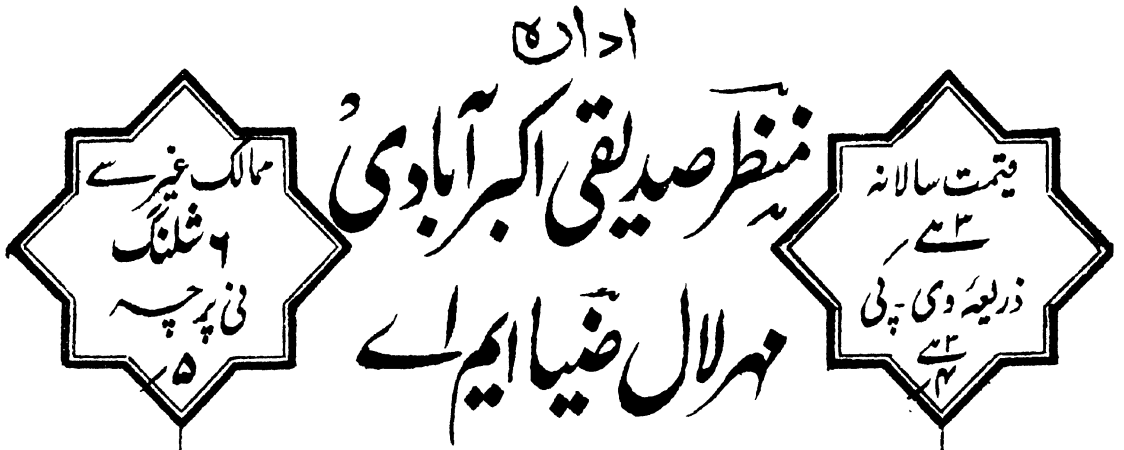
نظامِ اشاعت

۱- کنول ہر ماہ عیسوی کے پہلے ہفتہ میں شایع ہو جاتا ہے۔

۲- سالانہ قیمت ذریعۂ منی آرڈر تین روپیہ اور ذریعۂ وی۔ پی ۳؎ مقرر ہے نمونہ ۵ کے ٹکٹ آنے کے بعد روانہ کیا جاتا ہے

۳- جواب طلب خطوط کے ساتھ ۱/ آنے کا ٹکٹ یا جوابی کارڈ آنا چاہئے۔

۴- رسالہ نہ پہونچنے کی اطلاع ۱۵ تاریخ تک آجانی چاہئے ورنہ دوبارہ روانہ نہیں کیا جائے گا۔

۵- مضامین اور ترسیلِ زر کے لئے صرف یہ پتہ کافی ہے

منیجر "کنول" مرکزِ اشاعت ہینگ کی منڈی آگرہ

تاج محل دیکھنے سے پہلے اور دیکھنے کے بعد

تاریخِ تاج محل

پڑھیے! انگریزی ادب میں تاج محل کے متعلق زیادہ سے زیادہ مواد محفوظ تھا اور اسیطرح فارسی تاریخوں میں بھی تاج و متعلقات تاج کا تذکرہ بدرجہ اتم موجود ہے۔ مگر اسوقت تک اُردو ادب میں کوئی ایسی کتاب نہ تھی جو بیک وقت ہماری نگاہ کے سامنے تاج محل اور اسکے متعلقات کی تمام جزوی وکلّی تاریخ بسط و کشاد کے ساتھ پیش کر سکتی۔ اس کمی کو آگرہ ہی کے ایک محترم بزرگ نے محسوس کیا اور زبردست کاوش و تحقیق کے بعد "معین الآثار" کے نام سے "تاریخ تاج محل" لکھی اور اس میں وہ سب کچھ تحریر کر دیا جو تحریر میں آنا چاہیے تھا۔

ہر اس مسلمان کو جو اپنے اسلاف کے اعمال کا مطالعہ کرکے جد وجہدِ حیات میں مردانہ وار حصہ لینا چاہتا ہے اور تاریخ کا شیدا ہے۔ اس کتاب کی ایک جلد اپنے پاس محفوظ رکھنی چاہیے۔ گو یہ کتاب تاریخ جیسے خشک موضوع پر لکھی گئی ہے لیکن غیر معمولی طور پر دلچسپ ہے اور اسمیں کاغذ وکتابت نیز تاج محل کی متعدد تصاویر نے چار چاند لگا دیے ہیں۔ قیمت صرف عہ محصول ۶؍ اسی کتاب کا ترجمہ انگریزی میں بھی ہو چکا ہے۔ جس کی قیمت ۱؎ علاوہ محصول ڈاک ہے۔

ملنے کا پتہ:- **منیجر کنول بک ڈپو مرکزِ اشاعت ہینگ کی منڈی آگرہ**

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعارف

تصاویر:- (۱) حضرتِ مولانا نیاز فتحپوری ایڈیٹر نگار --- (۲) نوعروس --- (۳) اُڑتی ہے شراب پھول بن کر

جلد ۱ | کنول اکتوبر ۱۹۳۵ء | نمبر ۴

کنول ==== معاصرین کی نگاہ میں

تیج ویکلی دہلی

یہ نیا پرچہ نثر و نظم کے مضامین اور ترتیب کے لحاظ سے بہت ہی اعلیٰ اور دلچسپ ہے ملک کے بلند پایہ ادیبوں اور شاعروں نے اسمیں شرکت کی ہے اور ترتیب ایسی ہے کہ کسی مضمون کا پڑھنا چشم و دل کے لئے بار نہیں معلوم ہوتا۔ منظر صاحب نے اسمیں ملک کے مشہور ادیبوں کے سوانح حیات شایع کرنے کا ایک سلسلہ شروع کیا ہے جو اضافہ معلومات کے علاوہ نئے ادیبوں کے لئے چراغِ راہ بھی ثابت ہوگا۔ پہلے پرچے میں مولانا راشد الخیری دہلوی کی تصویر اور حالاتِ زندگی دئے گئے ہیں۔ منظر صاحب نے جو ادبی خدمت شروع کی ہے اس کا ہم خیر مقدم کرتے ہیں اور اس رسالہ کی ترقی کے لئے دُعاگو ہیں۔ کاغذ عمدہ اور چکنا ہے کتابت اور طباعت بھی بہت اچھی ہے اور پہلا پرچہ اس کے شاندار مستقبل کی خبر دیتا ہے۔

ہمدردِ صحت دہلی

جنابِ منظر صدیقی اکبرآبادی نے اس نام کا ایک ماہوار رسالہ آگرہ سے شایع کیا ہے۔ جنابِ منظر اس سے پیشتر بھی میدانِ صحافت میں جلوہ فرما رہ چکے ہیں اور ادبِ اُردو کے قدر شناس آپ کے نام اور آپ کے کلام سے اچھی طرح آشنا ہیں۔ اس رسالہ کی غرض ادبِ اُردو کی خدمت اور اس کی اصلاح ہے اور جس انداز پر یہ پہلا پرچہ نکالا گیا ہے اسے دیکھکر ضرور ایسی توقعات قائم کی جاسکتی ہیں کہ "کنول" کا معیار عام ادبی رسائل سے بلند رہیگا۔ اور اس کا وجود اُردو کے لئے موجبِ صد آفات ہونے کی بجائے صحیح معنوں میں باعثِ برکات ثابت ہوگا۔ ہماری دلی دُعا ہے کہ خدا منظر صاحب کی کوششوں میں برکت دے اور وہ کامیابی کے ساتھ ایک ایسے رسالہ کو چلا سکیں جس سے حقیقتاً ادبِ اُردو کو کچھ فائدہ پہونچ سکتا ہے۔

نیرنگِ خیال لاہور

اکبرآباد (آگرہ) دہلی اور لکھنؤ کے بعد زبان اُردو کا مرکز سمجھا جاتا ہے اور اس جگہ سے اچھے لکھنے والے وقتاً فوقتاً پیدا ہوتے رہتے ہیں مگر افسوس ہے کہ اس حلقہ سے کوئی کامیاب اخبار یا رسالہ جاری نہ ہوسکا "کنول" ان کوششوں میں سے ایک نمایاں کوشش ہے جو اکبرآباد کو اخباری برادری میں ایک باعزت جگہ کا مستحق بنادے گی۔

حضرتِ سیماب کے فرزندِ اکبر حضرتِ منظر صدیقی اس رسالہ کے ایڈیٹر ہیں نیرنگِ خیال کے سائز پر شایع ہوتا ہے۔ ترتیب اچھی ہے

مضامین میں تنوع ہے۔ زبان سلیس اور "پیمانہ" کا رنگ لئے ہوئے ہے۔ حصۂ نظم بھی دلکش ہے۔

کنول کی کامیابی کے اسباب اس کے پہلے پرچے سے نظر آرہے ہیں۔ تصاویر کا بھی اہتمام ہے اور پہلے پرچے میں تین تصویریں ہیں اور خوب ہیں۔ پرچے کی ظاہری حسن کاری بھی قابلِ تعریف ہے

ادبِ لطیف لاہور

مولانا منظر صدیقی کی ادارت میں ایک نیا مجلۂ ادبیہ کنول منصۂ شہود پر آیا ہے۔ رسالے کی ترتیب تزئین، انتخابِ مضامین، حسن کتابت و طباعت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ یہ عنقریب اُردو کی دنیائے رسائل میں امتیازی درجہ حاصل کرلے گا۔

متعدد کارآمد مضامین مختلف عنوانات کے تحت میں دیئے گئے ہیں "تحقیق زبانِ اُردو"، "طرزِ نگارش" وغیرہ عنوانات کے ذیل میں جو مضامین درج کئے گئے ہیں وہ نہایت کاوش و تحقیق سے لکھے گئے ہیں۔

جامعہ دہلی

جنابِ منظر صدیقی نے یہ رسالہ جاری کیا ہے پہلا پرچہ محنت اور سلیقے سے مرتب کیا گیا ہے۔ رسالے میں علمی و ادبی مضامین فسانے، نظمیں، غزلیں، غرض ہر طرح کا سامان موجود ہے۔ شعرا اور مضمون نگاروں میں بھی بعض اچھے اچھے نام نظر آتے ہیں بلاک کی بھی تین تصاویر ہیں اگر منظر صاحب اسی محنت اور دلچسپی سے کام کرتے رہے تو رسالہ بہت جلد مقبولیت حاصل کرلیگا۔

ساقی دہلی

جنابِ منظر صدیقی کی ادارت میں "کنول" آگرہ سے شایع ہونا شروع ہوا ہے اس کے دو پرچے شایع ہوئے ہیں۔ منظر صاحب تجربہ کار جرنلسٹ ہیں اور جنھوں نے "پیمانہ"، "تاج"، اور "شاعر" کا مطالعہ کیا ہے جانتے ہیں کہ ادبی دُنیا میں منظر صاحب کے ہاتھوں معتدبہ اضافہ ہوا ہے

"کنول" بھی بہت اہتمام سے شایع ہو رہا ہے مضمون نگاروں میں میکش اکبرآبادی، ل احمد، عشرت لکھنوی، راز چاند پوری، ایم اسلم، ماہر القادری جیسے مستند اہلِ قلم شامل ہیں۔ "کنول" میں چند مستقل عنوانات بھی ہیں "ناثرینِ اُردو" ایک بہت کارآمد سلسلہ ہے ہر مہینے کسی صاحبِ طرز انشا پرداز کے وقائع حیات اور ادبی خدمات پر تبصرہ کیا جاتا ہے۔ پہلے پرچے میں علامہ راشد الخیری دہلوی اور دوسرے میں میر ناصر علی مرحوم کا "تذکرہ" شایع کیا گیا ہے۔ "طرزِ نگارش" کے زیرِ عنوان زبان و طرزِ بیان کی خامیاں پیش کی جاتی ہیں اور انکی اصلاح کی جاتی ہے "یوپی میں اُردو" ایک مستقل تصنیف ہے جو بالاقساط "کنول" میں اسطرح شایع ہو رہی ہے کہ ہر اشاعت میں اس کے چار صفحے آخر میں لگا دیئے جاتے ہیں۔ انتظام اللہ صاحب کی یہ ادبی کاوش مشکور ہے پہلے پرچے میں علامہ راشد الخیری کی تصویر شایع ہوئی ہے اور دوسرے میں میر ناصر علی مرحوم کی۔ ضخامت ۶۴ صفحے سرورق رنگین۔

احساس آگرہ

ہمارے محترم دوست اور ہندوستان کے مشہور شاعر و ادیب حضرتِ منظر صدیقی اکبرآبادی نے "کنول" کے نام سے ایک صحیفۂ ادب شایع کیا ہے جو ہر اعتبار سے ایک بلند معیاری اور ادبی و فنی ماہنامہ ہے اور استعداد و قابلیت سے مرتب کیا گیا ہے کہ بے اختیار داد دینے اور یہ کہنے کو جی چاہتا ہے کہ اپنی قسم کا پہلا صحیفۂ ادب ہے اور خصوصیت کے ساتھ آگرہ سے اس شان کا رسالہ آج تک شایع نہیں ہوا "کنول" کے تمام مضامین پڑھنے کے قابل اور حد درجہ دلچسپ ہیں "ناثرینِ اردو" "تحقیق زبان و ادب" اور "طرزِ نگارش" کا سلسلہ بیحد مفید اور کارآمد ہے تصاویر کا انتخاب بھی نہایت صحیح ہے اور ان پر جو نظمیں لکھی گئی ہیں وہ منظر صاحب کی جدت پسند طبیعت کا حصہ ہیں غرضکہ بحیثیت مجموعی "کنول" صحیح معنوں میں گلستانِ ادب کا روشن و منور "کنول" ہے ہم اپنے معاصر کا نہایت مسرت کے ساتھ خیر مقدم کرتے ہیں اور اس کے اجرا پر منظر صاحب کو مبارکباد دیتے ہیں ہماری دُعا ہے کہ کنول زیادہ سے زیادہ کامیاب ہو کنول کا ٹائیٹل جاذب اور خوبصورت ہے لکھائی، چھپائی لاجواب کاغذ نفیس اور حجم ۴۸ صفحات سے بھی زیادہ ہے ان تمام خوبیوں کے باوجود سالانہ قیمت تین روپے جو حقیقتاً بہت کم ہے۔

ادبی دُنیا لاہور

یہ علمی ادبی اور تنقیدی ماہنامہ آگرہ سے حضرتِ منظر صدیقی اکبرآبادی کی ادارت میں شایع ہونا شروع ہوا ہے ابتدائی دو نمبر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پرچہ اُردو ادب کی حقیقی خدمت کرے گا۔ "طرزِ نگارش" کے عنوان سے زبانِ بیان کی خامیوں اور اُن کی اصلاح کے متعلق اس کے فاضل مدیر نے جو سلسلہ چھیڑا ہے وہ قابلِ قدر ہے۔

اجمل میگزین بمبئی

یہ ایک جدید الشیوع علمی ادبی ماہوار رسالہ ہے جو کہ زیرِ ادارت منظر صاحب صدیقی آگرہ سے بہ آب و تاب شایع ہوتا ہے اس ہونہار پرچے کے صفحات میں حکمت و موعظمت حسن و محبت لطافت شعری و نظافتِ ادبی حتیٰ کہ ہر وہ چیز جو دل کے لئے موجبِ انبساط ہو سکتی ہے بقدرِ وسعت موجود ہے۔ کاغذ، کتابت، طباعت دیدہ زیب، ہم معاصر موصوف کو "کنول" کے اجرا پر مبارکباد پیش کرتے ہیں،

فسانۂ سلطنتِ مغلیہ

اطالوی سیاح مینوکی کی زبانی۔ جو خود شاہزادہ دارا شکوہ کی فوج میں شریک رہکر اورنگ زیب کے لشکر سے نبرد آزما ہوا تھا۔ وینس سے دہلی تک کے سفر کے حالات اور اورنگ زیب عالمگیر کی تخت نشینی تک عہدِ مغلیہ کی تاریخ۔ اپنی قسم کی پہلی کتاب، قیمت صرف عہ علاوہ محصول

ملنے کا پتہ:- **منیجر "کنول" بکڈپو مرکزِ اشاعت ہینگ کی منڈی آگرہ**

حضرت مولانا نیاز فتحپوری ایڈیٹر نگار لکھنؤ

شذرات

ہندوستانی صحافت کا یہ دور اپنی بعض خصوصیات کے اعتبار سے بہت اہم ہوتا چلا جا رہا ہے اور اُردو، ہندی، ہندوستانی کا مسئلہ سب سے نمایاں نظر آرہا ہے ابتک اس موضوع پر متعدد مضامین مختلف رسائل میں شایع ہو چکے ہیں، ہو رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ یہ بحث متفقہ طور پر نتیجہ خیز کیونکر ثابت ہو۔ اور وہ کیا تدابیر ہیں جن پر عمل کرنیکے بعد زبان و رسم الخط کے قضیہ کا تصفیہ ہو سکے۔ بعض حضرات اُردو کو تمام ملک کی ایک زبان بنانے کی تائید میں ہیں اور بعض ہندی کو، میرے خیال میں ان اختلافات کا خاتمہ صرف اسطرح ہو سکتا ہے کہ ملک کی مقتدر جماعت اور مستند ادیب کسی ایک مرکز پر جمع ہو کر بحث و تمحیص اور غور و فکر کے بعد کوئی ایسی راہ نکالیں جو اُردو، ہندی جاننے والے دونوں طبقوں کے افراد کے لئے قابلِ عمل ہو۔

دوسرا سوال جو اپنی اہمیت کے اعتبار سے زیادہ وزن رکھتا ہے "مرکزِ اُردو"، کا ہے اشاعتِ زیرِ نظر میں حضرت رآز چاند پوری (کنول کے معاونِ خصوصی) کا ایک مضمون اسی موضوع پر ملاحظہ فرمائیے۔ میں اس مضمون کے مطالعے کے بعد جس نتیجے پر پہونچا ہوں وہ یہ ہے کہ ہم مرکزِ اُردو کی اہمیت کو محسوس بھی کرتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر محسوس کرتے ہیں تو اُس کے عملی اقدام کے متعلق ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ رآز صاحب نے اپنے مضمون میں جس دقتِ نظر اور کاوشِ فکر سے اس مسئلے کی اہمیت کو واضح کیا ہے وہ قابلِ داد ہے اور میں ملک کے تمام فاضلینِ ادب سے پُرزور درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس باب میں اپنی آرائے کے اظہار میں بخل سے کام نہ لیں کیونکہ یہی وقت ہے جب ہم اُردو کے لئے کچھ کر سکتے ہیں ہماری رفتارِ عمل تیز سے تیز ہونی چاہئے اور کم از کم صحیفہ نگارانِ اُردو کا فرضِ اولیں یہ ہے کہ وہ اس موضوع کے لئے اپنے قلم اور دماغ کو برابر صرفِ عمل رکھیں۔

یہ اطلاع بیحد مسرور کُن ہے اور اپنے اندر کافی جذب و کشش رکھتی ہے کہ لکھنؤ کی ایک مقتدر اور اُردو پرست جماعت نے "لکھنؤ اُردو اکاڈمی"، کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا ہے جس کے مقاصد کی تفصیلِ مختصر درجِ ذیل ہے

لکھنؤ اُردو اکاڈمی

مقصد:۔ اُردو زبان کی ترقی و اشاعت علمی ذرائع سے۔

ذرائع (۱) ادارہ نقد و مطالعہ (۲) ادارہ درسیات (۳) ادارہ کتب خانہ (۴) ادارہ تصنیف و تالیف (۵) ادارہ صحافت۔

۱ - ادارہ نقد و مطالعہ کے قیام کا پہلا مقصد اُردو زبان کی قدیم و مستند ادب کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنا۔ اُردو کی مخصوص مستند کتابوں پر تحقیقی مقالے مرتب کرانا اور جلسہ ارکان میں ان پر بحث و گفتگو کر کے رائے قائم کرنا ہے۔

دوسرا مقصد صوبہ متحدہ کے اسکولوں اور کالجوں کے نصاب اُردو کی جانچ کر کے دیکھنا کہ وہ بلحاظ زبان و مطالب موزوں ہیں یا نہیں، محکمۂ تعلیم کو متوجہ کر کے ناموزوں نصاب میں ردّ و بدل کرانا اور اگر ضرورت ہو تو خود نصاب کے لئے کتابیں مرتب کرنا۔

۲ - ادارہ درسیات تین شعبوں میں منقسم ہوگا:۔

(الف) شعبۂ تعلیم - یعنی مدارس شبینہ قائم کرکے طلبہ کو اُردو زبان کے ذریعہ سے ضروری علوم کے مبادیات کی تعلیم دینا۔
(ب) محکمۂ تعلیم کو توجہ کرنا کہ وہ ٹریننگ کالجوں میں اُردو معلمین کے ٹریننگ کا انتظام کرے اور اگر ضرورت ہو تو خود اردو ٹریننگ کالج قائم کرکے اُردو زبان کے معلم تیار کرنا۔
(ج) اُردو زبان میں امتحانات کا نصاب معین کرکے حسب ذیل تین ڈگریاں تقسیم کرنا۔ ماہر اُردو۔ فاضل اردو۔ کامل اردو۔

۳- ادارہ کتب خانہ - اس ادارہ کا فرض ہوگا کہ وہ مختلف کتب خانوں میں جا کر اُن کے مہتمم صاحبان کو اُردو کتابوں کی خریداری پر آمادہ کرے کتابوں کی فہرست مرتب کرنے اور اُن کی فراہمی میں لائبریریوں کو آسانیاں بہم پہونچائے جگہ جگہ کتب خانے قائم کرائے میونسپل بورڈ اور ڈسٹرکٹ بورڈ سے کتب خانوں کے لئے امداد حاصل کرے اور لوگوں کو آمادہ کرے کہ وہ اپنی آمدنی کا کم از کم ایک فیصدی اُردو کتابوں کی خریداری پر صرف کریں جا بجا دارالمطالعہ قائم کرنا اور سفری کتب خانوں کو رائج کرنا بھی اسی ادارہ کا فرض ہوگا۔

۴- ادارہ تصنیف و تالیف - اس شعبہ کے ذریعہ سے اکاڈمی کوشش کریگی کہ وہ عمائد و اُمرا جو اُردو کے بہی خواہ ہیں اُردو کی بہترین تصانیف پر اکاڈمی کی معرفت انعامات عطا فرمائیں۔ علاوہ اسکے اکاڈمی ہر سال اپنے فنڈ سے بھی کم از کم دو انعامات بہترین تصنیف یا تالیف پر دینے کی کوشش کریگی۔
اس شعبہ کا یہ بھی فرض ہوگا کہ وہ مختلف تعلیمی اداروں کے طلبہ کو ہائی اسکول بورڈ اور یونیورسٹیوں کے امتحانات میں امتیاز حاصل کرنے اور مقررہ عنوانوں پر معیاری مضامین لکھنے کے صلہ میں تمغے یا وظائف دینے کا انتظام کرے اور ان مسودات کو حاصل کرکے طبع کرائے جو باوجود بلند پایہ اور مفید ہونیکے طبع نہیں ہوسکے ہیں۔ علاوہ اس کے ملک کے مصنفین کو اُن کی تصنیفات میں ہر قسم کی آسانیاں پہونچانا بھی اس ادارہ کا فرض ہوگا۔

۵- ادارہ صحافت - اس شعبہ کا یہ کام ہوگا کہ وہ طلبہ کو فن صحافت کی تعلیم دے اور خود کوئی جریدہ شایع کرکے صحافت و مضمون نگاری کا بہترین معیار پیش کرے۔

مقاصد کی تفصیل کے مطالعہ کے بعد جس چیز کی طرف سب سے پہلے ذہن منتقل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس ادارہ کا قیام تحفظ زبان و ادب کے لئے نہ صرف ضروری ہے بلکہ اس کی افادی حیثیت تعمیر ادب کے درجے تک پہونچتی ہے جہانتک اس تحریک کے مفید اور اہم ہونے کا سوال ہے کہا جاسکتا ہے کہ اگر ارباب قلم و محبان اُردو نے توجہ فرمائی تو اُردو زبان کی اساس مستحکم ہوجائے گی اور یہ حقیقت میں صحیح خدمت زبان ہوگی۔
قارئین "کنول" سے میں پُر زور سفارش کروں گا کہ وہ آج ہی جنرل سکریٹری لکھنؤ اُردو اکاڈمی سے تفصیلی لٹریچر منگائیں اُسکا مطالعہ کریں اور اکاڈمی کی ممبری قبول فرماکر اپنی اُردو پرستی اور علم دوستی کا ثبوت دیں۔

کنول کا چوتھا نمبر حاضر ہے۔ مجھے آپکی عدم توجہی کا شکوہ کرنا تو آتا نہیں مگر یہ ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ آپ کی یہ روش آپ کے کنول کے لئے مضر ترین ہے کیونکہ جبتک آپ مکمل بیداری اور سعی عمل کی پوری قوتوں کے ساتھ کنول کے لئے جد و جہد نہ کریں گے اس کے باوجود کہ میں اسکی اشاعت میں اپنی روح کو تحلیل کر رہا ہوں "کنول" کو "خطرات" سے آزاد نہیں سمجھا جاسکتا۔
"خطرات" کے ذیل میں آنے والی ناگوار بحث چھیڑ کر آپکے ذہن و دماغ کو ناحق تکلیف دینا نہیں چاہتا اور صرف یہ کہکر اس بہت ہی غیر دلچسپ فسانے کو ختم کئے دیتا ہوں کہ کنول کے لئے آج نہیں تو کل آپ کو کچھ نہ کچھ ضرور کرنا پڑیگا۔
اُن حضرات کے گوش ناشنوا کے لئے میرے یہ فقرے یقیناً بار سماعت ہوں گے جو ابھی تک اپنا زر اعانت نہیں بھیج سکے ہیں کہ خدارا اتنی بے اعتنائی نہ فرمائیے اور "کنول" کا زر اعانت بھیجکر آئندہ اس قسم کی اطلاعات کو صفحات کنول تک آنے ہی نہ دیجئے۔

منظر

مرکزِ اُردو

موجودہ زمانے میں تہذیب وتمدن معیشت ومعاشرت اور علم وادب کے کسی شعبہ میں اُس وقت تک خاطر خواہ ترقی نہیں ہو سکتی جب تک اس کی ضرورت و اہمیت کو باقاعدہ نشر و اشاعت کے ذریعہ سے خاص و عام کے دلنشیں نہ کر دیا جائے اور باقاعدہ نشر و اشاعت کا انتظام اسوقت تک نہیں ہو سکتا جب تک ایک ذمہ دار منظم جماعت ایسی نہ ہو جو خلوص و دیانتداری کے ساتھ اپنے مقاصد کی تبلیغ کرے۔ چنانچہ اُردو زبان کی ترقی و توسیع کے لئے بھی ایک ایسی مرکزی جماعت کی ضرورت ہے جس کا دائرۂ عمل کسی خاص مقام یا صوبے کی حدود ہی تک محدود نہ ہو بلکہ ہندوستان گیر ہو۔ لیکن اس ضرورت کے احساس کے باوجود حامیانِ اُردو اپنی عادت مستمرہ کے مطابق ہنوز مصروف خواب نوشیں ہیں۔

یادش بخیر "اُردو کانفرنس" کا پہلا اور غالباً آخری اجلاس ۲۰ اپریل ۱۹۳۴ء کو دہلی میں منعقد ہوا تھا جس کی روداد کے مطالعہ سے یہ امید ہو گئی تھی کہ اگر منظور شدہ تجاویز عملی صورت اختیار کر سکیں تو اُردو کی تمام ضروریات بوجہ احسن پوری ہو جائیں گی، مگر آج تک یہ معلوم نہ ہوا کہ کارکنان خوش فکر و تیز گام منزلِ مقصود کے کس مرحلے میں گامزن ہیں؟

اس ہنگامہ خیز اجلاس کی اہمیت کا اندازہ اُن خوش نظر حضرات کی تحریر و تقریر سے کیا جا سکتا ہے جنھوں نے اس کی تجاویز کو اپنے مفروضہ محدود زاویۂ نگاہ سے دیکھا تھا اور حامیان اردو کے جائز مطالبات پر غیظ و غضب کا اظہار کیا تھا، حتیٰ کہ بعض وہ خوش کلام جو جا بیجا طور پر اُردو کی خدمت گزاری کے دعویدار ہیں وہ بھی رواداری و وسیع النظری سے کام نہ لے سکے اور "اُردو رسم الخط کو عام کرنے کی تجویز کو "مضحکہ خیز" قرار دے کر اپنے حسن باطن کا ثبوت بہم پہنچانے پر مجبور ہو گئے۔

اس وقت اُردو کو خراب کرنے کی جو کوششیں ہو رہی ہیں اور دوستی کے پردے میں جو دشمنی کی جا رہی ہے اس سے قطع نظر کر کے صرف "مرکزِ اردو" کے قیام کے متعلق اظہار خیال مقصود ہے اور یہ دیکھنا ہے کہ فی زمانا جبکہ اُردو ہندوستان کے طول و عرض میں پھیل چکی ہے اور ایجاد و اجتہاد کی کارفرمائی تقلید احسن کو بھی گوارا کرنے پر آمادہ نظر نہیں آتی تو "مرکزِ اُردو" کے قیام و نظام کی بہترین صورت کیا ہو سکتی ہے؟

چونکہ اگست ۱۹۳۵ء کے آخری ہفتہ میں زندہ دل پنجاب نے لاہور میں ایک مقامی کانفرنس (پنجاب اردو کانفرنس) قائم کر لی ہے اور امرتسر میں ایک "آل انڈیا اُردو کانفرنس" کے انعقاد کی تجویز زیر غور ہے، لہذا اس وقت "مرکزِ اردو" کی اہمیت کا جائزہ لینا یقیناً مناسب ہوگا۔

قدیم زمانہ میں اُردو کے دو مستند مرکز تھے (۱) دہلی اور (۲) لکھنؤ۔ اگرچہ اہلِ نظر و خرد اب بھی انھیں مرکزوں کا اتباع کرتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ آجکل ان دونوں میں سے کسی کو بھی وہ مرتبہ حاصل نہیں جو ایک مرکز کے شایان شان ہوتا ہے۔ بظاہر اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ماضی کے مقابلہ میں آجکل اُردو تمام ہندوستان میں مروّج ہوگئی ہے اور ہر صوبے میں اہل علم و قلم بکثرت موجود ہیں، اس لئے مرکز کی اہمیت غیر ارادی طور پر نظر انداز ہوگئی ہے، حالانکہ اس دورِ ایجاد و اختراع میں پہلے سے زیادہ ایک مرکز کی ضرورت ہے تاکہ ہر صوبے میں ایک جداگانہ مرکز قائم ہوکر اجتماعی قوت منتشر نہ ہوجائے اور زبان کی خصوصیات کو صدمہ نہ پہنچے۔

اُردو کے قدیم مرکزوں کے متعلق جو آرار دستیاب ہوسکیں، ان کا مطالعہ یقیناً استفادہ سے خالی نہ ہوگا۔

دہلی کی زبان کے متعلق مرزا غالب دہلوی کا ارشاد ہے۔

"جان غالب! تمھارا خط پہنچا۔ غزل اصلاح کے بعد پہنچتی ہے .... ارے میر مہدی تجھے شرم نہیں آتی میاں یہ اہلِ دہلی کی زبان ہے؟ اب اہل دہلی یا اہل ہنود ہیں یا اہل حرفہ۔ یا خاکی ہیں یا پنجابی یا گورے انہیں سے تو کس کی زبان کی تعریف کرتا ہے؟"

"اللہ اللہ! دلّی نہ رہی اور دلّی والے اب تک یہاں کی زبان کو اچھا کہے جاتے ہیں۔ واہ رے حسن اعتقاد!" (عود ہندی)

اگرچہ یہ رائے دہلی کی بربادی کے بعد خاص جذبے کے ماتحت ظاہر کی گئی ہے، تاہم قابل غور ہے۔

لکھنؤ کی زبان کے متعلق مرزا رسوا لکھنوی کا قول ہے۔

"ہم لکھنؤ والوں کو جس زبان پر اس قدر ناز ہے، اگر سچ پوچھو تو وہ فی الحقیقت دہلی ہی کی زبان ہے، اس لئے کہ لکھنؤ میں جن لوگوں کی زبان قابل اعتبار ہے اُن کے آباؤ اجداد اوّلاً دہلی سے فیض آباد اور پھر وہاں سے لکھنؤ میں آکر آباد ہوئے۔ ان نوآباد لکھنؤ والوں نے مثل اور جائداد کے زبان بھی اپنی اولاد کو ورثہ میں دی ......"

لکھنؤ میں دو قسم کے آدمی سکونت پذیر ہیں۔ ایک وہ جن کو دہلی سے تعلق ہے، دوسرے وہ جن کو نہیں ہے ......

ان لوگوں کی (قسم اوّل) مرد و عورت دونوں کی زبان حقیقت میں دہلی کی زبان ہے اور دوسری قسم کے باشندوں کی زبان اُردو پوربی آمیز ہے جس کو قصباتی زبان کہتے ہیں ...."

(دیباچہ مرقع لیلیٰ مجنوں)

اس کے ساتھ ہی مولانا نیاز فتحپوری کی رائے بھی غور طلب ہے

"اہل لکھنؤ کا دعویٰ ہے کہ زبان کو جو ترقی یہاں ہوئی، کسی جگہ نہیں ہوئی، یہاں تک کہ شعرائے دہلی نے بھی یہیں آکر یہاں کی زبان کو سامنے رکھ کر اپنی زبان کی موج نکالی۔ اوّل تو مجھے اس میں گفتگو ہے کہ یہاں زبان کو ترقی ہوئی، کیونکہ زبان کی ترقی کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ وہ بلند سے بلند جذبہ و خیال کے اظہار پر قادر

ہو جائے اور اس کی ایک مثال بھی یہاں کے بڑے سے بڑے شاعر کے کلام میں نہیں ملتی۔ البتہ عیاشانہ اور بازاری زبان نے یہاں ضرور ترقی کی اور عامیانہ خیالات کے اظہار کے لئے ایک جدید اسلوب پیدا کر دیئے۔"

(نگار۔ نومبر ۱۹۲۹ء)

مندرجہ بالا آراء کسی تشریح و توضیح کی محتاج نہیں، البتہ مولانا نیاز فتحپوری کی رائے کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس میں ایک حد تک مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔

دہلی اور لکھنؤ کے علاوہ بہار اور دکن نے بھی اُردو زبان کی قابل قدر خدمت کی ہے، لیکن یہ واقعہ ہے کہ دہلی اور لکھنؤ کے مقابلہ میں ان کو کبھی تفوق و برتری حاصل نہیں ہوئی، چنانچہ مرزا غالب نے میاں سیف الحق سیاح کو یہ ہدایت کی تھی۔

"بھائی! ہم نے یہ نہیں کہا کہ تم مرزا رجب علی بیگ کے شاگرد ہو جاؤ اور اپنا کلام ان کو دکھاؤ۔ ہم نے یہ کہا ہے کہ تذکیر و تانیث کو ان سے پوچھ لیا کرو۔ دکن اور بنگالے کے رہنے والوں کو اس امر خاص میں دلی۔ لکھنؤ کے رہنے والوں کا تتبع ضروری ہے۔"

(اُردوئے معلیٰ)

شاید کوئی صاحب یہ خیال فرمائیں کہ یہ تو غالب کے عروج اور آتش کی جوانی کے زمانے کے قصے ہیں، لیکن بنظر غور دیکھا جائے تو آجکل بھی ان کی صداقت شک و شبہ سے بالاتر ہے جو حضرات ادبیات اُردو سے دلچسپی رکھتے ہیں اور ہندوستان کے مختلف صوبوں سے شایع ہونے والے اخبار و رسائل یا کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں وہ حقیقت سے بیخبر نہیں ہو سکتے۔

لاریب، دکن اور پنجاب اُردو کی ترویج و اشاعت میں آجکل پیش پیش ہیں اور بہار میں بھی آثار بیداری نظر آرہے ہیں لیکن ہنوز ان کی زبان تشنہ و استناد ہے اور جب کبھی زبان کا کوئی مسئلہ پیش آتا ہے تو دہلی اور لکھنؤ ہی کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔

مندرجہ بالا افکار و آراء پیش کرنے سے کسی کی دل آزاری ہرگز مقصود نہیں بلکہ غرض صرف یہ ہے کہ فی زمانا دہلی۔ لکھنؤ۔ دکن۔ پنجاب اور بہار میں کوئی بھی ایسا نظر نہیں آتا جس کو انفرادی طور پر "مرکز اُردو" تسلیم کر لیا جائے اور اس کی زبان کو مستند مان لیا جائے، لہذا "مرکز اُردو" کے قیام کے سلسلہ میں ایک ایسی مجلس ترتیب دینی لازمی ہے جس میں ہندوستان کے تمام صوبوں سے مشاہیر و مستند اہل زبان و زباں داں اور صاحبانِ علم و فن بلاقید مذہب و ملت شامل ہوں تاکہ زبان کی تمام خصوصیات کو مدنظر رکھ کر صلاح و مشورہ کے بعد ضروری یا نزاعی مسائل کا فیصلہ کیا جا سکے اور اس کے ساتھ ہی اُردو زبان کی ترقی و ترویج کے لئے متفقہ طور پر کوئی لائحہ عمل تیار کر کے اس پر عمل کیا جائے ورنہ اُردو زبان خاطر خواہ ترقی نہیں کر سکتی۔

اب سوال یہ ہے کہ "مرکز اُردو" کے قیام کی کیا سبیل نکالی جائے؟ چونکہ اسوقت امرتسر سے ایک "آل انڈیا اُردو کانفرنس" کے انعقاد کی تحریک ہوئی ہے۔ لہذا اس کانفرنس میں دوسرے ضروری امور کے ساتھ "مرکز اُردو" کا قیام آسانی کے ساتھ عمل میں لایا جا سکتا ہے۔

"مرکزِ اُردو" کی افادی حیثیت سے تو کسی صاحبِ نظر کو انکار نہیں ہو سکتا، البتہ اُس کے طریق کار سے بحث کی جا سکتی ہے، لیکن ابھی اس بحث کو چھیڑنا قبل از وقت ہے اور کانفرنس میں اصول کار کا مقرر کرنا زیادہ موزوں ہوگا۔

اگر "مرکزِ اُردو" کی ضرورت و اہمیت کو تسلیم کر لیا جائے تو اُس کے مستقر کے لئے دہلی سے بہتر کوئی اور مقام نہیں ہو سکتا کہ یہ شہر اُردو کا مولد، مربّی اور قدیم و مستند مرکز ہے اور یہاں کی خاک پاک سے وہ ادبا و شعرا پیدا ہوئے ہیں جن کے کارنامے زندہ جاوید ہیں اور انکی صدائے بازگشت سے آج تک فضائے علم و ادب معمور ہے ؎

حافظ وظیفۂ تو دعا گفتن است و بس

راز چاندپوری

تاثرات

تمھیں کہو کہ یہ ارزانیٔ جفا کیا ہے
جو ناروا ہے ہر اک بات تو روا کیا ہے

کھلا نہیں ابھی تجھ پر خدا کرے نہ کھلے
کہ تیرے خاک نشینوں کا مرتبہ کیا ہے

دلِ شکستہ و نومید ہی کو ہے معلوم
کہ لذتِ غمِ ناکامیٔ دعا کیا ہے

فریب و عجزِ تخیل ہے اصل میں ورنہ
حقیقتِ اثر و خوبیٔ دعا کیا ہے

مرے شعور سے پہلے کہاں تھی یہ مخلوق
مرے خیال کی تخلیق ہے خدا کیا ہے

جو میرے ہاتھ میں کشتی ہو تو بتاؤں میں
کہ فرضِ منصبیٔ دستِ ناخدا کیا ہے

وہ اور فرصتِ پرسش! خدا وہ دن نہ کرے
قریب آ کے وہ پوچھیں کہ مدعا کیا ہے

نفس نفس ہے غمِ زندگی سے لذت یاب
میں جانتا ہوں بقا کیا ہے اور فنا کیا ہے

سحر سے منتظرِ مے ہے ساقیا ساغر
کسی بخیل کی ڈیوڑھی ہے میکدہ کیا ہے

ساغر نظامی

شعر و حکمت

(چند رباعیاں)

خود اپنے ہی فرمان سے معزول ہوں میں
بُو جسکی ہے خود حریف وہ پھول ہوں میں
خود اپنے ہی خنجر سے ہوا ہے جو شہید
اے اہلِ جہاں وہ طرفہ مقتول ہوں میں

مائل ہوں کبھی ریگِ رواں کی جانب
جاتا ہوں کبھی کاہکشاں کی جانب
مجھ میں دو دل ہیں اک تو مائل بہ زمیں
اور ایک کا رُخ ہے آسماں کی جانب

شیون ہی میں گو شباب کاٹا ہم نے
پر عہد یہ کامیاب کاٹا ہم نے
آنکھوں نے تمام رات تارے بوئے
اور صبح کو آفتاب کاٹا ہم نے

اک ذرۂ ناچیز کو انجم سمجھا
اک موجِ سبک رو کو تلاطم سمجھا
اُس علمِ قلیل کو کہ ہے صرف اک بوند
افسوس کہ جاہلوں نے قلزم سمجھا

چھانی ہر چند اک خدائی ہم نے
کیا کیا نہ یہاں خاک اُڑائی ہم نے
واللہ کہ خشکی و تری میں کوئی شے
انساں سے عجیب تر نہ پائی ہم نے

پردے میں خمشی کا راج دیکھا ہم نے
امید کے سر پہ تاج دیکھا ہم نے
پلٹے جو سفر سے تم تو اک عمر کے بعد
اپنی جانب پھر آج دیکھا ہم نے

جو اہلِ ترنم ہیں لہکتے ہیں ضرور
فیضانِ صبا سے گل مہکتے ہیں ضرور
جو رند ہیں گو پی کے بگڑتے تو نہیں
البتہ کبھی کبھی بہکتے ہیں ضرور

اپنے ہی دماغ و دل کا مقہور ہوں میں
خود اپنے ہی دلمیں اک ناسور ہوں میں
واقف ہوں کہ سوچنے میں ہے جی کا زیاں
کیا کیجیے سوچنے پہ مجبور ہوں میں

جوشؔ ملیح آبادی

نواب ظہیر الدّولہ وزیرِ اودھ

نواب ظہیر الدولہ بہادر کشمیری الاصل تھے۔ انکا نام (مولوی) غلام یحیٰی خاں عرف میاں کلن تھا۔ باپ کا نام کمال الدین قوم ماٹھو سی تھے کمال الدین ایک زمانہ شناس آدمی تھے۔ اپنے فرزندوں کی تعلیم میں اہتمام بلیغ رکھتے تھے۔ ظہیر الدولہ ابتدا سے ذہین، طبّاع اور عقلمند تھے فارسی تو کشمیریوں کی مادری زبان ہے۔ کسی قدر عربی حاصل کرنے کے بعد انگریزی پڑہنا شروع کی۔ اور بہت جلد اتنی قابلیت حاصل کرلی کہ بے تکلف بولتے تھے۔ انگریزی سے فارسی میں اور فارسی سے انگریزی میں ترجمہ کرلیتے تھے۔ میاں کلن کا ابتدائی زمانہ کچھہ راحت و آرام کا زمانہ نہ تھا۔ پڑہنے کی مشقت سے فراغت پائی تو روزگار کی تلاش ہوئی ابتدا میں نواب مرزا جنگلی کے نوکر ہوئے۔ پندرہ روپیہ ماہوار تنخواہ۔ کام صرف اتنا تھا کہ املاک کا کرایہ وصول کرنا اور رزیڈنسی سے تنخواہ وصول کرنا۔ رزیڈنسی کی آمد و رفت میں وہاں کے میر منشی سید التفات حسین خان بہادر سے ملاقات ہوگئی اور بار بار کے کہنے سے وہ اس بات کے منتظر رہے کہ کوئی موقعہ ایسا ملے تو میں مولوی صاحب کو پیش کردوں۔ میجر پاٹن صاحب اسسٹنٹ اول رزیڈنٹ بہادر کو اس بات کا شوق تھا کہ انگریزی کتب اخلاق کا ترجمہ فارسی میں کیا جائے۔ اسوقت کوئی ترجمے والا نہ ملتا تھا۔ میر منشی نے مولوی صاحب کو پیش کردیا۔ میجر پاٹن ان کی قابلیت سے بہت خوش ہوا اور اس کا معاوضہ دینا چاہا تو مولوی صاحب نے معقول عذر کیا۔ کہ میں نواب مرزا جنگلی بہادر کا ملازم ہوں۔ اس کام کو بھی آپ اسی تنخواہ میں مشروط سمجھئے۔ میجر صاحب تھے شریف ان کے دل پر ان باتوں کا بہت اثر ہوا۔ تھوڑے زمانے کے بعد خواجہ امام الدین خاں کشمیری داروغہ کوٹھی رزیڈنسی برطرف کئے گئے۔ نواب روشن الدولہ بہادر نے تو اِس جگہ پر محمد خاں کو تجویز کیا تھا۔ لیکن اسسٹنٹ بہادر کے ایما سے مولوی غلام یحیٰی داروغہ امارات رزیڈنسی مقرر ہوئے۔ چند روز میں جنرل بارمو صاحب ان کی دانشمندی سے راضی ہوگئے۔ تاج الدین حسین خاں سفیر موقوف کئے گئے۔ تو مولوی صاحب عہدہٗ سفارت پر مقرر ہوئے۔ ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر ہوئی۔ اور ظہیر الدولہ خطاب ملا۔ آپ کے ایک بھانجے محمد ابراہیم خاں ایک آوارہ مزاج آدمی تھے۔ کسی رنڈی مسماۃ چپلا کے عشق میں اس کے ساتھ حیدرآباد چلے گئے۔ اور وہاں مہاراجہ چندو لال کے دربار میں کسی عہدے پر ملازم ہوگئے۔ ظہیر الدولہ نے ان کو بلوا کر اپنی جگہ پر داروغہ امارات رزیڈنسی کردیا۔ اور یہ دونوں اپنی سلامت روی اور دیانت سے عملۂ رزیڈنسی کو خوش رکھنے لگے محمد علی شاہ بہادر کا یہ زمانہ تھا۔ نواب روشن الدولہ بہادر وزیر تھے لیکن شاہی عتاب سے عہدہٗ وزارت سے معزول ہوگئے۔ نواب منتظم الدولہ حکیم مہدی علیخاں بہادر کشمیری کیلئے مدت سے کوشش ہورہی تھی جب عرضداشت تہنیت معہ نذر جلوس پیش ہوئی۔ مزین بدستخط خاص فرمایا کہ حاضر ہو۔

منتظم الدولہ بہادر فرخ آباد میں تھے۔ دوشنبہ کو لکھنؤ میں آئے۔ سہ شنبہ ۲۳ رجب ۱۲۵۲ھ کو دربار میں حاضر ہوئے خلعت وزارت سے سرفراز ہوئے۔ لیکن بہت ضعیف تھے مزاج میں غصہ بہت ہوگیا تھا۔ فقیر محمد خاں نے مرغ کے چوزے بھیجے تھے۔ وہی نوش فرمایا کرتے تھے ایک روز بعد غسل خفیف حرارت ہوگئی۔ حکیم مرزا محمد علی طبیب شاہی نے علاج کیا۔ قضا آگئی تھی کچھ فائدہ نہ ہوا دو مہینے وزارت کرکے آخر ماہ رمضان ۱۲۵۳ھ میں انتقال فرمایا جنازہ دھوم سے اٹھا۔ سادات کشمیر تابوت لئے ہوئے تھے۔ جلوس شاہی تھا۔ قریب شام اپنے مقبرے میں دفن ہوئے۔

ظہیر الدولہ مرزا ولیعہد بہادر کے ہمراہ کانپور تشریف لے گئے تھے۔ نواب میجر پاٹن صاحب نے جنرل لو صاحب سے ظہیر الدولہ کی وزارت کی سفارش کی جنرل لو صاحب میجر صاحب کو بہت مانتے تھے۔ میر منشی نے بھی تائید کی۔ جنرل لو صاحب بہادر کو سوائے اس کے اور کچھ نہ بن پڑا۔ اور بادشاہ سے صاف صاف لفظوں میں کہدیا کہ وزارت کے لئے میرے نزدیک ظہیر الدولہ بہت مناسب ہے۔ مرد دانشمند اور خیر خواہ سلطنت ہے۔ بادشاہ کے دربار میں اور بھی کشمیری موجود تھے۔ سب نے ایک زبان ہوکر ظہیر الدولہ کی تعریف کی۔ ظہیر الدولہ کانپور سے آئے۔ دربار شاہی میں داخل ہوئے۔ خلعت وزارت سے سرفراز ہوئے ان کی جگہ پر نواب محمد ابراہیم خاں سفیر شاہی مقرر ہوئے۔ اور شرف الدولہ بہادر خطاب ملا تھوڑے دنوں کے بعد بادشاہ نے ان کو خطاب مرحمت فرمایا۔ "مصلح الملک ظہیر الدولہ نواب غلام یحییٰ خاں صاحب مقیم جنگ بہادر" انتہا یہ تھی کہ ایک روز بادشاہ نے جنرل لو صاحب بہادر سے کہا کہ میں باب وزارت میں آپ کا شکر گذار ہوں۔ ظہیر الدولہ سلطنت کا خیر خواہ وزیر ہے" تاریخ بوستان اودھ میں لکھا ہے

"مردے شائستہ بود از سرمایۂ عقل و فراست بہرہ وافی داشت"

ظہیر الدولہ پندرہ روپیہ کی نوکری سے وزیر ہوئے۔ نیک مزاجی خدا ترسی، کنبہ پروری میں مشہور ہوئے۔ اس دولت اور حشمت پر مزاج سادہ رہا۔ خدا نے دولت کے ساتھ اولاد بھی نیک عطا فرمائی تھی۔ نواب عبد الباسط خاں صاحب فرزند رشید تھے انکی شادی محمد ابراہیم خاں کی دختر سے ہوئی تھی۔ جو نواب مجد الدولہ وزیر دہلی کی اولاد میں تھے۔ دوسرے نواب عبد الرشید خاں تھے۔ تیسرے بیٹے محمد باقر خاں تھے۔ دو بیٹیاں تھیں جو کشمیریوں میں منسوب کی گئیں۔ نواب ظہیر الدولہ بہادر کی ذات سے کشمیریوں میں ایک عمدہ مثال یہ قائم ہوگئی کہ وہ اپنے قومی مرکز سے باہر نہ ہوئے۔ اور غیر قوموں سے ربط ضبط میل جول۔ شادی بیاہ کو جائز نہ رکھا۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ جتنے کشمیری اودھ میں موجود تھے وہ امیر تھے یا غریب سب عزت اور وقار سے زندگی بسر کرنے لگے یہی بات ہر جگہ کشمیریوں میں ہے خواہ وہ ہندو ہیں یا مسلمان ہیں قابل ستائش ہے۔ لیکن اب نہایت افسوس سے کہا جاتا ہے کہ مسلمان کشمیریوں نے اپنی قومی خصوصیت کو ضایع کرنا شروع کیا۔ اور اس ایجاد کا مظلہ اکابرین قوم پر ہے ورنہ ابھی تک اس قدر کشمیری اودھ میں موجود ہیں کہ اگر اپنے قومی وقار کو قائم رکھنا چاہیں۔ اور غیر قوموں کو خلط مبحث نہ کرنا چاہیں تو ممکن ہے۔ ظہیر الدولہ نے وزارت محض انگلش زبان کے جاننے سے پائی۔ یہی علمی قابلیت ان کی ترقی اور سفارش کا باعث ہوئی۔ اگر وہ

انگریزی نہ جانتے ہوتے تو نہ ان کی رسائی رزیڈنٹ تک ہوتی۔ نہ ایک معمولی حیثیت سے وہ کمال عروج تک پہنچتے۔ شرافت کی نشانی علم ہے۔ افسوس ہے ان شریف لوگوں پر جو جہالت میں بسر کرکے اپنی شرافت کو خاک میں ملاتے ہیں اور خاندان کا نام مٹاتے ہیں۔

ابھی نواب ظہیر الدولہ بہادر نے تین مہینے وزارت کی تھی اور تمام دربار کو راضی اور خوش کر لیا تھا کہ دفعتہً آخر ماہ ذی الحجہ سنہ ۱۲۵۴ھ میں وبا میں مبتلا ہو کر انتقال فرمایا۔ اِنّا لِلّٰہ وَاِنّا اِلیہ راجعون۔ بود علی شاہ کے تکئے میں دفن ہوئے۔ لڑکوں کو خلعت ماتم پرسی ملا اور ایک ایک ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر ہوئی۔

عشرت لکھنوی

جمشیدی و فغفوری

قیامت ہے یہ مجبوری قیامت ہے یہ معذوری
کمالِ قرب پر بھی ہوں شہیدِ رنجِ مہجوری

مری ہر سانس جب آباد ہے تیرے تخیّل سے
تو پھر آنکھوں سے کیوں پردہ؟ تو پھر آنکھوں سے کیوں دوری

یہ دُنیا رہ گذر ہے رہ نوردانِ محبّت کی
گذر جا دامن افشاں اے ہلاکِ رنجِ مہجوری

کوئی دیوانہ اس وادی میں ایسا بھیجدے یارب
اُلٹ دے اک نظر میں جو نظامِ جبر و مجبوری

دلِ بیدار سینے میں نہ سوزِ آرزو دل میں
یہ جینا کوئی جینا ہے نہ عطّاری نہ منصوری

گدائے آستانِ سرورِ لولاک ہے رزمی
سما سکتی نہیں نظروں میں جمشیدی و فغفوری

سعید رزمی بھوپالی

چینی نقّاشی

فنِ نقّاشی کو چین میں بلند ترین درجہ حاصل ہے۔ مگر ایسے لوگ بہت کم ہیں جو چین کی نقّاشی اور اس کے علاوہ چین کی سنگ تراشی سے بخوبی واقف ہوں۔ چین میں سنگ تراشی کو وہ درجہ نہیں دیا جاتا جو نقّاشی کو حاصل ہے۔ یہ آرٹ قطعی طور پر بودھ مذہب سے متعلق ہے اور اس کے شاہکار پہلے وقتوں کی تخلیق ہیں تاہم یہ بودھ سنگ تراشی ایک خاص حُسن اور جاذبیت لئے ہوتی ہے۔ اِس آرٹ میں اس خیال کو نظر انداز کرتے ہوئے کہ ہستی انسان کی بعینہٖ نمایش کی جائے، فوق الفطرت سنجیدگی، طاقت اور رحم کے تخیلات کو پیش کیا جاتا ہے اور طویل لہراتے ہوئے نقوش جو مادّیت کو روحانیت کا مطیع بناتے ہیں ناظر پر "ہپناٹزم" کا اثر رکھتے ہیں اس آرٹ کو گاتھک (Gothic) سنگ تراشی سے متعلق کہا جا سکتا ہے۔

علمی تفہیم کے لحاظ سے چینیوں کو بہت زیادہ نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ اور یہ امر تعجب خیز ہے کہ وہ روحانیت کے حسن کو متشکّل کرنے میں اس قدر کامیاب ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اہلِ چین کی فطرت میں دقت پسندی ہے۔ ہندوستان سے بودھ مذہب کے چین میں آنے سے بہت پہلے لاؤتزی (Lao-tze) اور اس کے مقلدوں نے زندگی کے متعلق ایسے نظریے کا اظہار کیا تھا جو کنفیوشس (Confucius) کے نظریے سے بہت زیادہ اختلاف رکھتا ہے۔ اس نظریے سے مراد وہ عارفانہ یقین تھا جس نے بودھ مذہب کی قبولیت کے ذرائع پیدا کر دیئے۔

کنفیوشس کا نظریہ انسان کی مجلسی فطرت اور اس کی مجلسی ذمہ داریوں پر زور دیتا ہے اس کے برعکس لاؤتزی کا مذہب خلوت اور آزادی کی تلقین کرتا ہے اس تکمیلی حصہ کے بغیر چینی آرٹ یقینی طور پر اس قبولیت کے درجہ تک نہ پہنچتا۔ اور شاید نثری بلندی کے علاوہ کچھ اور حاصل نہ کر سکتا۔ ٹاؤزم (Taoism) پر ہی چینی نقّاشی کا تخیلی مفہوم اور اس کی منظر کشی کی خاص صفتیں منحصر ہیں۔

چینی نقّاشی کو سمجھنے سے پیشتر یہ سمجھ لینا نہایت ضروری ہے کہ یہ فن تحریر سے بہت گہرا تعلق رکھتا ہے۔ ہر دو فنوں میں برش کو استعمال کیا جاتا ہے۔ ایک مشہور کاتب کے نمونۂ کتابت کو اہلِ چین دوسرے فنوں کے نمونوں سے زیادہ حفاظت کے ساتھ اپنے پاس رکھتے ہیں۔ چینیوں کے علاوہ کوئی غیر ملکی شخص اس فن کی لطافتوں اور باریکیوں کو سمجھنے کی اُمید نہیں کر سکتا لیکن اس سے

یہ مطلب نہیں کہ سمجھنے کی کوشش ہی نہ کی جائے اور ایسا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ایک نمونے کا دوسرے نمونے سے مقابلہ کرکے یہ معلوم کیا جائے کہ زندگی کی لہر کس نمونے کے اندر دوڑی ہے

کیونکہ نقاشی میں ایسا ہی ہوتا ہے اور نقاش کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنی تمام قوتوں کو اپنے برش کی جنبشوں میں منتقل کر دے یہاں تک کہ اگر کام کرتے وقت برش ٹوٹ بھی جائے تو اس میں سے بھی رنگ بہہ نکلے۔ یہ جنبش ہی روح پھونکنے کا کام سرانجام دیتی ہیں۔ وہ نقاش کی اندرونی کیفیتوں کو منظرِ عام پر لاتی ہیں اور ایک بڑی تصویر میں اس کے علاوہ، وہ اس کائناتی زندگی کا اظہار بھی کرتی ہیں جو مشغول نقاش پر الہام کی صورت میں نازل ہوتی ہے۔ سیاہی کی نقاشی چینی آرٹ کا بنیادی اصول ہے۔

ساتویں صدی عیسوی سے دسویں صدی عیسوی تک خاندانِ ٹی آنگ (Tang) کا زمانہ وہ زمانہ تھا جب چینی نقاشی مجموعی طور پر اکملیت کے درجہ تک پہنچ گئی تھی۔ لیکن بمشکل کوئی ایسا نمونہ اس وقت دستیاب ہو سکتا ہے جو اس عہد کے شاہکاروں کی ایک جھلک ہم تک پہنچا سکے۔ افسوس ہے کہ سب کچھ بربادی اور تباہی کی نذر ہو چکا ہے۔

خاندانِ سنگ (Sung) دسویں صدی عیسوی سے تیرہویں صدی عیسوی تک حکمراں رہا اس عہد کے البتہ کافی نمونے دستیاب ہوتے ہیں۔ اِن تصاویر کی منظر کشی سے معلوم ہوتا ہے کہ چین میں یورپ سے بھی بہت پہلے اس چیز کا رواج تھا۔ عہدِ سنگ (Sung) کے ایک مشہور ترین نقاش کا ایک شاہکار "دس ہزار میل کی نہر" بہت مشہور ہے۔ اس سے نقاش کی قوتِ قلم اور چینیوں کی اس خصوصیت ہی پر کہ وہ گذراں ساعتوں سے محبت کرتے ہیں روشنی نہیں پڑتی بلکہ اس سے اہلِ چین و جاپان کے اُس فن کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ جو ایک طویل لپٹے ہوئے کاغذ (long horizental roll) سے متعلق ہے اور جس کا وجود دوسرے کسی ملک کے فنون میں نہیں پایا جاتا۔ اس تصویر کو آہستہ آہستہ کھولا جاتا ہے اور اس سے بھی وہی حظ اُٹھایا جاتا ہے۔ جو ایک کتاب کے مطالعہ سے حاصل ہوتا ہے۔

اہلِ چین سب سے پہلے ایک ادبی قوم ہیں۔ اور اس قسم کی تصویر بھی وہی کام دیتی ہے جو ایک مسودہ دے سکتا ہے۔

درحقیقت چین میں نقاشی اور شاعری میں ایک کافی حد تک مماثلت پائی جاتی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ نقاش اپنے نقوش کے ذریعہ سے اُن چیزوں کو ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے جو الفاظ میں بہتر طریق پر ظاہر ہو سکتی ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ نقاش کا تخیل بھی شاعرانہ ہوتا ہے اور خصوصاً سنگ (Sung) منظر کشی کے سلسلے میں۔ علاوہ ازیں چینی آرٹ میں متناسب حرکات کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔

پھولوں اور پرندوں کی تصویروں میں اس شاعرانہ رنگ کو زیادہ نمایاں کر دیا جاتا ہے۔ اس قسم کی تصویریں اہلِ چین کے نزدیک اُسی قدر اہم اور ضروری ہیں جس قدر وہ تصویریں جن میں انسانی شکل و صورت کی نمائندگی کی جاتی ہے۔ کیونکہ اس فن کے پسِ پردہ ایک ایسی کائناتی زندگی کی روح کا تصور ہے جو ہر چیز میں موجود ہے۔ آدمی کو مرکزی حیثیت دے کر باقی تمام زندگیوں

کو اُس کی ضروریات اور مسرتوں کا غلام نہیں بنایا گیا۔ اِسی وجہ سے وہ پھول جو شاخ پر تبسم ریز ہیں وہ ہوا جو بانسوں کو رقصاں کر دیتی ہے۔ وہ ندیاں جو چٹانوں سے معانقہ کرتی ہوئی بہتی ہیں، کہر، پہاڑی چوٹیاں سب اُس ایک مسلط زندگی، اُس ایک سادی و طاری روح کا آئینہ ہیں جو بلا تخصیص و امتیاز ہر شے میں پائی جاتی ہے۔

اگرچہ وہ کردار جو اسطورہ ([illegible]) اور داستانوں سے متعلق ہیں اور جن کی آرٹ نمائندگی کرتا ہے نا آشنا معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن وہ جس دنیا میں رہتے ہیں وہ ہماری اپنی دنیا ہے اور اکثر ہمیں یہ معلوم کر کے تعجب ہوتا ہے کہ ہم ذہنی و دماغی لحاظ سے ان سے کس قدر نزدیک ہیں درآں حالیکہ اُن نقاشوں کے نقوش کے ذریعہ جو ہزاروں برس ہوئے داعیٔ اجل کو لبیک کہہ چکے ہیں ایک عرصہ تک اِن کو عجیب اور غیر ملکی تصور کیا جا چکا ہے

(ماخوذ)

ضیا فتح آبادی ایم۔ اے

دل ہے کہ جبیں ہے

اک چاکِ گریباں ہی پہ موقوف نہیں ہے
جس رنگ میں ہے عشق کی تصویر حسیں ہے

سجدہ ہے مرا پیشِ کشِ عام نہیں ہے
یہ دیکھ، کہ در پر ترے دل ہے کہ جبیں ہے

اب ہوش ہی سجدے کا نہ اب ہوشِ جبیں ہے
کیا جانئے سر ہے ترے در پر کہ نہیں ہے

ذرّوں میں ہو غنچوں میں ہو شعلوں میں ہو شاید
اے عشق ہمارا دلِ گم گشتہ یہیں ہے

دل میرا سمجھتا ہے اُسے حسن کا خالق
دُنیا کی بس اتنی ہیں نگاہیں کہ حسیں ہے

آساں نہیں دیوانوں کے سجدوں کا تحمل
لرزی ہوں ابھی تک ترے کوچہ کی زمیں ہے

دشمن ہے مری مملکتِ دل کا زمانہ
شاید کہ تری انجمنِ ناز یہیں ہے

جینا مجھے دشوار ہے مرنا مجھے آساں
مشکل ہے یہی مصلحتِ حسن نہیں ہے

کیا جلوے دکھاتا ہے مجھے عالمِ صد رنگ
سب دل پہ یہ موقوف ہے دل اور کہیں ہے

تشہیرِ جنازہ نہ کریں دوش پہ احباب
دو گز جو کہیں میرے مقدر کی زمیں ہے

رعناؔ شبِ غم کٹتی ہے کس طرح سے دیکھیں
دل بجھنے لگا اور ابھی شام نہیں ہے

رعنا اکبر آبادی

دل کا شوالہ سُونا پڑا ہے

(۱)

دل کا شوالہ پریم کا مندر — پریم کا مندر، پریت کا مظہر
روشن روشن اور منوّر — جیسے جگنو باغ کے اندر
پریت کے اسمیں چار سمندر — زمزم، جمنا، گنگا، کوثر
آہ مگر اے جلوۂ کافر — جلوۂ کافر، کفر سراسر
جب سے بدلے تیرے تیور — یہ دُنیا تاریک ہے مجھ پر

جیون غم میں ڈوب گیا ہے
دل کا شوالہ سُونا پڑا ہے
سُونا پڑا ہے
دل کا شوالہ

(۲)

میں غم کا مارا دُکھیارا — پھرتا ہوں بن بن آوارہ
دل ہے میرا پارہ پارہ — پریتم نے لوٹا پریم نے مارا
آنکھوں سے ہے دُور نظارا — بہتا ہے اک نیر کا دھارا
کیونکر ہو یہ درد گوارا — کچھ تو ہو جینے کا چارہ
کون ہو میرے دُکھ کا سہارا — دیکھ خدارا، دیکھ خدارا

مجھ پہ کیا ظلم ہوا ہے
دل کا شوالہ سُونا پڑا ہے
سُونا پڑا ہے
دل کا شوالہ

(۳)

لاگ کی آگ سے جھلسا تن من — ٹوٹ نہ جائے پریم کا درپن
دل ہے پیاسا، بیکل جیون — چاک گریباں ٹکڑے دامن
جب تو ہی ہو جائے دشمن — پھر میں جیوں بھی تو کس کارن
برکھا رُت ہے آگئے ساون — ہریالی ہے گلشن گلشن
ٹوٹ رہا ہے پریت کا بندھن — کیونکر ہوں اب تیرے درشن

کیا تو سچ مچ روٹھ گیا ہے؟
دل کا شوالہ سُونا پڑا ہے
سُونا پڑا ہے
دل کا شوالہ

(۴)

بن تیرے سُونا ہے عالم — دیر ہے ویراں، کعبہ برہم
یاد میں تیری حُسنِ مجسم — کب تک نالے، کب تک ماتم
ایک خلش ہے دل میں پیہم — اشکوں سے ہیں آنکھیں پُرنم
پھر کیونکر لہرائے ہمدم — پریت کا جھنڈا، پریم کا پرچم
روتا ہوں میں جیسے شبنم — جان ہے بیکل، دل محوِ غم

کہہ تو سہی کیا میری خطا ہے
دل کا شوالہ سُونا پڑا ہے
سُونا پڑا ہے
دل کا شوالہ

(۵)

پھر کر دے آباد شوالا — تُو نے جسے ویراں کر ڈالا
تُو خود ہو میرا متوالا — اور جیوں میں تیری مالا
پاپی من ہے پاپ سے کالا — ہو جائے اس میں اجیالا
چاند بنے تُو، اور میں ہالا — پریت کا جگ میں بول ہو بالا
من ہے میرا موجوں والا — تیری سُندر پریت کا پالا

تیری پریت کا من بھوکا ہے
دل کا شوالہ سُونا پڑا ہے
سُونا پڑا ہے
دل کا شوالہ

منظر

انصاف پسند جج

"بیشک میں نے بے لوث جج دیکھے ہیں"۔ جین مارٹو نے کہا، بے لوث جج میں نے تصویریں دیکھے ہیں۔ میں تحقیقات کنندہ مجسٹریٹ کی عدالت سے بھاگ کر بلجیم چلا گیا تھا۔ مجسٹریٹ مصر تھا کہ میں نے بلوائیوں کیساتھ سازش کی ہے۔ مگر میں نہ بلوائیوں سے واقف تھا اور نہ بلوائی مجھ سے لیکن اُسے کوئی دشواری یا تردد نہ تھا۔ وہ شہادت پر برابر غور کرتا رہا گو اُس کی قوتِ تمیز میں کوئی اضافہ نہ ہوا۔ میں اُس کی ضد سے خائف ہو کر بلجیم گیا تھا اور اینٹورپ میں، جہاں میں ایک نقال کا مددگار ہو گیا، مقیم ہوا ایک اتوار کو نگار خانے میں دو بے لوث ججوں کی ایک تصویر جو میتوس کی قلم کاری کا نتیجہ تھی میری نظر سے گذری۔ ججوں کی وضع قطع ایسی تھی جو اب دنیا سے معدوم ہو چکی ہے۔ میری مراد پیروانِ ارسطو کی وضع سے ہے، جو دو گاما چلنے والے گھوڑوں پر ایک ہی رفتار سے سفر کیا کرتے تھے۔ ان کے جلو میں مسلح پیدل سپاہی اور رسالدار ہوتے تھے ان ججوں کی ڈاڑھیاں اور بال قدیم اہلِ فلاندرز کے بادشاہوں کی سی تھیں جن کا ذکر انجیل مقدس میں ہے اور اُن کے سروں پر بے قاعدہ مگر ایسی پُر شکوہ ٹوپیاں ہیں جو پہلی نگاہ میں شب کلاہ اور تاج کا تصور پیشِ نظر کرتی ہیں اُن کے زرین لباس نہایت ہی آراستہ پیراستہ ہیں عہدِ عتیق کے ماہرِ فن مصوّر نے اس تصویر میں متانت۔ طمانیت اور سلیم الطبعی کو نہایت کامیابی سے نمایاں کیا ہے۔ ججوں کے گھوڑے بھی اُنھیں کی طرح حلیم و آرمیدہ ہیں۔ بایں ہمہ یہ دونوں بلحاظ انصاف اور نقطۂ خیال ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ جس کا اندازہ فوراً ہو سکتا ہے۔ ایک جج اپنے ہاتھ میں کاغذ لئے ہوئے ہے اور انگلی سے عبارت کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ دوسرا جج اپنا ہاتھ زین کے اگلے حصہ پر رکھے ہوئے ہے اور سیدھا ہاتھ اس انداز سے بلند کئے ہوئے ہے۔ جس میں اقتدار کم اور شغف کی شان زیادہ پائی جاتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ انگوٹھے اور کلمے کی انگلی کے درمیان کوئی لطیف سفوف لئے ہوئے ہے۔ ہاتھ کی اس زیرکانہ اور متحیر و ششدر کر دینے والی ادا سے زکاوت، دور اندیشی اور زود رسی کی شان مترشح ہوتی ہے۔ دونوں کے دونوں بے لوث ہیں لیکن پہلا الفاظ کا پابند ہے اور دوسرا نفسِ مطلب کا۔ میں نے اُن کی گفتگو اُس کٹہرے پر جھک کر سنی جو اس غرض سے لگا دیا گیا ہے کہ لوگ تصویروں کے بالکل قریب نہ آ جائیں۔

"میں قانونی الفاظ کے اصل مفہوم پر عمل کرنا اشد ضروری سمجھتا ہوں دنیا کا سب سے پہلا قانون پتھر پر لکھا گیا تھا جو اس بات کی علامت ہے کہ وہ تا قیامت قائم رہے گا۔"

دوسرے جج نے جواب دیا:۔

"ہر قانون اپنے لکھے جانے کے ساتھ ہی قابلِ تنسیخ ہو جاتا ہے۔کیونکہ کاتب کا ہاتھ سست، انسان کا دماغ تیز اور اس کی قسمت غیر متعین ہے۔"

اس کے بعد دونوں بزرگ پُر مغز مباحثے میں مصروف ہو گئے

پہلا جج - قانون مستحکم ہے۔

دوسرا جج - قانون ہرگز محکم و قائم نہیں۔

پہلا جج - قانون منجانب اللہ ہے اور غیر متغیر ہے۔

دوسرا جج - قانون کو سماج پیش کرتا ہے۔ اور وہ دنیا کی تبدیلیوں کا تابع ہوتا ہے

پہلا جج - قانون مشیتِ ایزدی ہے جو تبدیل نہیں ہوتی

دوسرا جج - قانون انسان کی مرضی ہے جو ہمیشہ تبدیل ہوتی رہتی ہے

پہلا جج - قانون انسان سے زیادہ پُرانا ہے اور اسی لئے وہ اُس سے افضل ہے

دوسرا جج - قانون کا تعلق انسان سے ہے اور انسان ہی کی طرح کمزور غیر مستقل اور محتاج تکمیل ہے

پہلا جج - آپ اپنی کتاب کھول کر دیکھیے اُس میں کیا لکھا ہے یہ خدا نے اُن لوگوں کے ہاتھ سے لکھوایا ہے جو اس پر ایمان لائے تھے۔

دوسرا جج - مگر محض دیکھنے سے کیا ہوتا ہے، وہ لوگ جو زندہ ہیں اس نوشتہ کو منسوخ کر دیتے ہیں جبکہ لکھنے والے دنیا سے گذر چکے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ لوگ جو دنیا سے گذر چکے ہیں پس ماندگان کو اپنے احکام کا پابند رکھتے۔ گویا مُردے زندہ ہوتے اور زندہ مُردے۔

پہلا جج - مُردوں کے وضع کئے ہوئے قانون کی پابندی زندوں پر لازم ہے خدا کے نزدیک مُردے زندوں کے ہمعصر ہیں۔ حضرتِ موسیٰ سیروس کبیر، قیصر روم اور شہنشاہ المان (جرمنی) ہم پر اب بھی حکومت کر رہے ہیں کیونکہ خدا کی نظر میں ہم سب ایک ہی زمانے کے لوگ ہیں۔

دوسرا جج - زندوں پر ان قوانین کی پابندی لازم ہے۔ جن کو زندوں نے وضع کیا ہے۔ ہم امر و نواہی کے متعلق زرتشت اور شہر پومپائی کے باشندے نوماسے اتنی ہدایت نہیں کر سکتے جتنی سینٹ گوڈول کے کفش دوز سے۔

پہلا جج - پہلا قانون حکیم مطلق کی طرف سے ہم پر منکشف ہوا ہے بہترین قوانین وہی ہیں جو اپنے اصل سے قریب ہوتے ہیں۔

دوسرا جج - کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ آئے دن جدید قوانین وضع ہوتے رہتے ہیں اور وہ بوجہ اختلافِ زمان و مکان ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں

پہلا جج - جدید قوانین اُنھیں قوانین سے پیدا ہوتے ہیں جو عہدِ عتیق میں وضع ہو چکے ہیں۔ وہ ایک ہی درخت کی تازہ شاخیں ہیں جو ایک ہی غذا سے پرورش پاتی ہیں۔

دوسرا جج - قانون کے پرانے درخت سے کڑوا مد ٹپکنے لگتا ہے اور اس پر کلہاڑیاں بھی چلنا شروع ہو جاتی ہیں۔

پہلا جج - یہ امر تحقیق کرنا کہ آیا قوانین انصاف پر مبنی ہیں جج کا کام
نہیں ہے۔ کیونکہ ان کا انصاف پر مبنی ہونا لابدی ہے۔
اس کے خلاف جج کا فرض صرف اتنا ہے کہ منشا قانون
نافذ کرنے میں انصاف سے کام لے۔

دوسرا جج - اس امر کا تحقیق کرنا ہمارا فرض ہے کہ قانون جس کی
منشا کو ہم نافذ کرتے ہیں منصفانہ ہے یا غیر منصفانہ۔ کیونکہ اگر
ہمیں یہ تحقیق ہو جائے کہ وہ غیر منصفانہ ہے تو ضروری ترمیم
کیاتھ اس کا نافذ کرنا ہمارے امکان میں ہے۔

پہلا جج - قوانین پر نکتہ چینی کرنا اُس ادب کے خلاف ہے جو
ہمیں اُن کے ساتھ برتنا لازم ہے

دوسرا جج - قانون میں اعتدال کیونکر پیدا کیا جا سکتا ہے۔
تاوقتیکہ ہم کو اس کی سختی معلوم نہ ہو۔

پہلا جج - ہم جج ہیں، واضعانِ قانون یا فلسفی نہیں ہیں۔

دوسرا جج - ہم انسان ہیں

پہلا جج - انسان کا انصاف کرنے کے قابل انسان نہیں ہے۔
جس وقت جج انصاف کی کرسی پر بیٹھتا ہے تو بشریت دور کر کے
الوہیت اختیار کر لیتا ہے اور پھر نہ خوشی سے متاثر ہوتا
ہے نہ غم سے۔

دوسرا جج - انصاف روحانی نہ ہو تو مہمل اور بے معنی ہے

پہلا جج - اصولِ قوانین ربانی ہوتے ہیں اور جو نتائج اُن سے
اخذ ہوں وہ بھی اتنے ہی ربانی ہیں۔ اگر قانون خدا کا بنایا
ہوا نہ ہوتا بلکہ کلیتاً اسے انسان ہی نے وضع کیا ہوتا تو بھی
لازم تھا کہ اسے نافذ کرنے میں الفاظ کی پابندی کی جائے۔ کیونکہ
الفاظ استوار و قائم ہیں اور مفہوم غیر مستقل اور فانی۔

دوسرا جج - قانون کلیتاً انسان کا بنایا ہوا ہے انسانی منطق کی
ابتدائی جھلک میں غیر عاقلانہ اور غیر منصفانہ قانون کا آغاز
ہوا تھا۔ لیکن اگر قانون ربانی الاصل ہوتا تو بھی مفہوم کی
پابندی کرنا لازم تھا نہ الفاظ کی۔ کیونکہ الفاظ مردہ ہیں اور
روح زندہ ہے۔

اس گفتگو کے بعد دونوں بے لوث جج گھوڑوں سے اُتر پڑے
اور اپنے سپاہیوں کے ساتھ عدالت میں پہنچے جہاں ہر شخص
کے ساتھ انصاف کرنے کے لئے انہیں جانا پڑتا ہے۔ اُن کے
گھوڑے ایک سرسبز و شاداب درخت کے نیچے بندھے ہوئے باہم
گفتگو میں مصروف ہو گئے۔ پہلے جج کے گھوڑے نے گفتگو کا آغاز کیا۔

"جب زمین گھوڑوں کو ورثے میں ملیگی" اُس نے کہا (اور یہ دنیا
کسی نہ کسی زمانے میں ضرور اُنکی ملک بنجائے گی کیونکہ تخلیق کا مقصد
آخر گھوڑا ہی ہے) "جب زمین پر ہمارا تسلط ہو جائے گا۔ اور ہم
اپنی خواہش کے مطابق عمل کرنے میں آزاد ہونگے تو ہم بھی انسان
کی طرح قانون کے تحت زندگی بسر کیا کریں گے اور اپنے ہم جنسوں
کو قید کرنے، پھانسی دینے اور کولہو میں پلوا دینے میں مسرت
حاصل کریں گے۔ ہم صاحبِ اخلاق ہوں گے۔ ہمارا اخلاق اُن
مجسموں، صلیبوں سے ثابت ہوگا جو ہمارے شہروں میں
تعمیر اور نصب کئے جائیں گے۔ اُس وقت دنیا میں گھوڑے
قانونی ہوا کریں گے کیوں روزن؟ تمہارا کیا خیال ہے"

روزن نے جو دوسرے جج کا گھوڑا تھا جواب دیا "میری رائے
میں گھوڑا تمام مخلوقات کا بادشاہ ہے۔ جلد یا بدیر اُسکی
حکومت ضرور ہونے والی ہے۔"

"اور جب ہم شہر تعمیر کر چکیں گے پلانچٹ!" اس نے اپنی تقریر

جاری رکھتے ہوئے کہا۔ جیسا تم نے ابھی کہا ہم پولس کا انتظام بھی قائم کریں گے۔ اُس زمانے میں جو قانون نافذ ہوگا وہ ایسی قانون ہوگا یعنی وہ قانون جو گھوڑوں کے حق میں مفید اور ان کی رفاہ اور خوشحالی کا باعث ہو۔"

"تمہاری اس سے کیا مراد ہے روزن؟" پلاٹچٹ نے دریافت کیا۔

"میری غرض بالکل فطری ہے۔ میرا مطالبہ ہے کہ قانون اس امر کا تحفظ کرے کہ ہر گھوڑے کو غلہ میں حصہ اور اصطبل میں جگہ ملتی رہے نیز یہ کہ جب موسم آئے گھوڑوں کو معاشقہ کرنے کی اجازت ہوا کرے کیونکہ ہر کام کے لئے ایک وقت ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ گھوڑوں کے قوانین فطرت کے مطابق ہونگے۔"

"مجھے امید ہے" پلاٹچٹ نے جواب دیا "کہ ہمارے واضعانِ قانون کا تخیل تمہارے تخیل سے کہیں بلند ہوگا وہ آسمانی گھوڑے کے الہام کے مطابق جو تمام گھوڑوں کا خالق ہے قانون وضع کریں گے۔ آسمانی گھوڑا بڑا مہربان ہے۔ وہ قادرِ مطلق ہے۔ قوت و رحم اُس کا خاصہ اور اُس کی صفات ہیں۔ اُس نے ازل کے دن اپنی مخلوق کی قسمت میں لکھ دیا ہے کہ لگام کی تکالیف برداشت کرے گاڑی کی رسی گھسیٹے مہمیز کی چبھن محسوس کرے اور کوڑے کھاتے کھاتے جاں بحق تسلیم ہو جائے۔ تم عشق و محبت کے خواب دیکھ رہے ہو، میرے دوست اس کا حکم تو یہ ہے کہ ہم میں اکثر آختہ کئے جائیں قوانین میں اسکے قابلِ پرستش حکم کا تحفظ لازمی ہے۔"

"لیکن کیا تمھیں پورا پورا یقین ہے میرے دوست" روزن نے کہا "کہ یہ تمام مصائب ہمارے پیدا کرنیوالے آسمانی گھوڑے کی طرف سے ہیں کہ انسان کی طرف سے جو اُس کی کم رتبہ مخلوق ہے؟"

"انسان آسمانی گھوڑے کے وزیر اور فرشتے ہیں" پلاٹچٹ نے جواب دیا۔ "اُس کی مرضی ہر اُس امر سے جو واقع ہوتا ہے نمایاں ہے۔ مرضیٔ مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔ خرابی کا اچھا ہونا لازمی ہے۔ کیونکہ اُس کی مرضی ہماری خرابی ہی میں ہے۔ اگر قانون سے مقصود ہماری فلاح و بہبود ہے تو اُس کے احکام ایسے ہونے چاہئیں کہ ہم آلام و مصائب میں مبتلا رہیں۔ گھوڑوں کی حکومت میں لازم یہ ہے کہ ٹھوکریں، سزاؤں، فیصلوں اور احکام قانونی کے ذریعہ سے ہر طرح مجبور کئے جائیں اور ہمیں طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی جائیں تاکہ آسمانی گھوڑے کی خوشنودی حاصل ہو سکے۔"

"روزن" پلاٹچٹ نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "تم گدھے کا دماغ رکھتے ہو۔ تم اتنا نہیں سمجھتے کہ گھوڑا دنیا میں تکالیف برداشت کرنے کے لئے پیدا ہوا ہے۔ اگر وہ تکالیف برداشت نہیں کرتا تو نوشتۂ تقدیر کی تعمیل میں کوتاہی کرتا ہے۔ آسمانی گھوڑا خوش حال گھوڑے کی طرف سے اپنا مُنہ پھیر لیتا ہے۔"

(ترجمہ)

دریا انصاری جیوری

روح کا پیمانہ

بھر دے میرا جام اے ساقی بھر دے میرا جام

آیا ہوں میں دُور سے ساقی بھر دے میرا جام   پُر کیف و پُر نور سے ساقی بھر دے میرا جام
نور وہ جس سے روشن دل کا، کاشانہ ہو جائے   کیف وہ جس میں ڈوب کے ہستی میخانہ ہو جائے
زیست جسے کہتی ہے دُنیا مستی کا ہے نام
بھر دے میرا جام

مشرق سے وہ سورج اُبھرا سر پر زرّیں تاج   چاند ستارے چھوڑ کے بھاگے اپنا اپنا راج
بیداری کے نغموں سے بیتاب ہوا ہر ساز   تُو بھی تو لے میرے ساقی دے مجھ کو آواز
میری اُمیدیں ہی کیوں رہ جائیں تشنہ کام
بھر دے میرا جام

بے خود ہے نشے میں رنگ و بُو کے گُل گلزار   فرق نہیں ہے مطلق کوئی گُل ہوں یا ہوں خار
دُور کہیں اک گلشن ہے اس گلشن سے بھی خوب   دل تو دل ہو جاتی ہیں جس سے روحیں منسوب
اُس گلشن کے راز بتا کر مجھ کو کر لے رام
بھر دے میرا جام

بادل کرتے ہیں گردوں پر بے تابی کا رقص   خاک کا ہر ذرّہ کرتا ہے شادابی کا رقص
بھُول چکے ہیں سارے مجھ کو ہو کر نا اُمید   نا اُمیدی ہے دورِ خود رائی کی تمہید
مجھ کو بھی للّٰہ نہ رکھ تُو مایوس و ناکام
بھر دے میرا جام

پی کر میں بیخود ہو جاؤں، گاؤں تیرے گیت   میری جیت حقیقت میں ہے، ساقی تیری جیت
دیکھ کے میری حالت دُنیا پھر مستی میں آ جائے   اس عالم میں مجھ کو کھو دے اور تجھے پا جائے
مجھ سی ہی غفلت ہو کیسی میں ہوں ایک غلام
بھر دے میرا جام

مدت سے تیرا میخانہ ہے بے رنگ و نور   کیا اس کا انجام تجھے ایسا ہی تھا منظور
ہار کے جا بیٹھے ہیں گوشے میں سارے میخوار   جو بھی ہے اس محفل میں، ہے مستی سے بیزار
لیکن مجھ کو دیکھ کہ میرا شوق نہیں ہے خام
بھر دے میرا جام

تیرے ہی بندے ہیں سب با ہوش و بیہوش   زیب نہیں دیتا ہے تجھ کو ہو جانا خاموش
اے کیف و مستی کے خالق مستی کر تقسیم   ان بے چینوں کو پھر سے دے تسکیں کی تعلیم
لا اپنی وہ خاص صُراحی رنگیں، لالہ فام
بھر دے میرا جام

ضیا فتح آبادی ایم۔ اے

چتا کی آخری چنگاری

(۱)

دولت اور آزادی دو ایسے دہکتے ہوئے انگارے ہیں جو کبھی سرد نہیں ہوتے۔ جن کی گرمی انسان کے دماغ کو ایک عجیب چکر دے کر نہ جانے کیا بنا دیتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ دولتمند آزاد ہمیشہ ناعاقبت اندیش ہوتے ہیں۔ گویا اُن کے دماغ میں عقل ہی نہیں ہوتی اور ہوتی بھی ہے تو صرف اتنی کہ "دولت کو برباد کرو اور چین کی بنسی بجاؤ"۔

یہ ایک کلیہ ہے کہ جب انسان کے پاس دولت ہو اور آزادی بھی ہو یعنی وہ یہ سمجھ لے کہ میں نہ تو آسمان کے نیچے ہوں اور نہ زمین کے اوپر بلکہ ایک دوسری دنیا میں مرکزِ عیش و نشاط بنا ہوا ہوں۔ تو ایسی حالت میں بالکل یقینی ہے کہ انسان، انسان نہ رہے اور جب انسان، انسان ہی نہ رہا تو اُس کا ناعاقبت اندیش ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہیں۔

دولت کی گرمی، دولت کا نشہ، اور دولت کا غرور ایک انسان کو مل جائے اور ایسی حالت میں وہ خدا بننے کی کوشش نہ کرے تو اس کی فطرت مشتبہ سمجھئے۔ دولتمند کی نگاہ میں دولت کے مصرف کی صرف دو ہی صورتیں ہوتی ہیں ایک یہ کہ اُس کی دولت قارون کا خزانہ بن جائے اور دوسری یہ کہ اسے صرف کر دیا جائے۔ جمع کرنے والا اتنا مسرور نہیں رہتا جس قدر ایک خراج مسرور رہتا ہے۔ کشور کا راجاؤں میں تو شمار نہ تھا لیکن وہ پھر بھی دولتمند کہلاتا تھا وہ نہ خوبصورت تھا نہ حسین نہ شکیل لیکن پھر بھی سب کچھ تھا اور یوں سب کچھ تھا کہ اس کے پاس دولت تھی، دولت کے اُجالے تھے اور دولت کے دیوتا نے اس کے گھر میں جنم لیا تھا

وہ ایک مہاجن کا سپوت بیٹا تھا۔ جس کے یہاں صبح سے شام تک دولت کی پریاں ناچتی رہتی تھیں دُنیا بھر کے ضرورت مند اُسکے باپ جگل کے پاس آتے وہ اپنی خشمگیں نگاہوں اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے ایک بے روپ سی مسکراہٹ کے ساتھ سب کا استقبال کرتا اور حسب ضرورت روپیہ دے کر یا تو مکان رہن کر لیتا، یا زیور، اور پھر اطمینان آفریں سانس لے کر اپنی دولت کے شمار میں ایک میخانہ دربغل شرابی کی طرح محو ہو جاتا۔

کشور اُس کا پہلا اور آخری لڑکا تھا وہ اُس کے لئے جو کچھ کرتا کم تھا اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جگل نے اپنی تمام ترمامتا کشور کی نشوونما پر صرف کر دی تھی، لیکن یہ تو سبھی والدین کرتے ہیں جگل نے اس فطری پروگرام میں کچھ جدید اضافے بھی کئے تھے اور کشور کو جوان ہونے سے پہلے اور جوان ہونے کے بعد اچھی طرح بتا دیا تھا، سمجھا دیا تھا اور آگاہ کر دیا تھا کہ وہ دولت کے بادشاہ کا بیٹا اور ولیعہد ہے دولت اس کی لونڈی ہے اور کشور کو اجازت ہے کہ وہ رئیس زادوں راجاؤں اور نوابوں، کی طرح زندگی بسر کر سکتا ہے۔ پھر جگل ایسا کیوں نہ کرتا، جب وہ اپنے خزانے پر نگاہ ڈالتا تو دولت سورج سے زیادہ روشن اور چاند سے زیادہ منور جلووں کے ساتھ اس کا استقبال کرتی اور وہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں مسکرا کر رہ جاتا۔

اُس کے پاس لاکھوں روپیہ تھے، وہ دولت کے ایک لاتعداد خزانے کا مالک تھا اور یہ سب اُن افلاس زادوں اور فرزندانِ گردش

کی ضروریات کی تکمیل کا معاوضہ تھا جسے وہ بہت زمانے سے جمع کرتا رہا تھا اور جس کی بدولت آج اپنے وقت کا قارونِ اعظم بنا ہوا تھا۔

(۲)

بہت دن ہوئے جب کشور کی ماں زندہ تھی اور کشور ہنوز بچپن کے گہواروں میں جھول رہا تھا کہ جگل کے مشورے سے کشور کی ماں نے اپنی ایک عزیز ترین اور غریب سہیلی کی بھولی بھالی اور سندر لڑکی سے کشور کو منسوب کر دیا تھا اور سگائی کی رسم بڑی دھوم دھام سے ادا ہوگئی تھی۔ ادہر کشور نے ہوش سنبھالا بچپن کا الوداعی پھول کھلا اور مرجھا گیا، جوانی نے اپنے شہپروں کو پھٹ پھٹایا اور چاند کے جلووں کیطرح اسپر مسلط ہوگئی وہ جوانی کے آغازِ لطیف کے قریب تر آ چلا تھا کہ اس کی ماں کا انتقال ہوگیا۔ اب وہ اپنے باپ کے ساتھ تنہا رہ گیا۔ جگل یوں تو اوّل درجہ کا کفایت شعار اور کم خرچ تھا مگر اپنے بیٹے کے لئے اس کی فطرت بالکل بدلی ہوئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب کشور بی۔ اے کا امتحان پاس کر چکا تو جگل نے اُسے مزید تحصیل علم کے لئے انگلینڈ بھیجدیا۔

بہی کھاتہ لکھنے والے اور رقموں کا شمار کرنے والے باپ کو گمان بھی نہ تھا کہ اس کا کپوت بیٹا انگلینڈ جا کر اس کے ارادوں پر پورا نہ اُتر سکے گا جنھیں وہ اپنی دنیائے تخیل میں آباد کر چکا تھا۔ وہ بڑی مسرت کے ساتھ کشور کے اخراجات کو پورا کرتا رہا، یہانتک کہ اس کی دولت کا کافی حصہ کشور کو پہونچ گیا۔ لیکن بار بار استفسار کرنے کے بعد بھی اسے یہی معلوم ہوا کہ کشور ہنوز امتحان میں کامیاب نہیں ہوا۔ وہ کامیاب کیوں ہوتا، اُسے تو انگلینڈ کی آزاد فضاؤں نے بالکل مغرب پرست بنا دیا تھا اور وہ ایک امریکن لیڈی سے شادی کرکے دادِ عیش لے رہا تھا۔

اس نے یہاں آکر ایم۔ اے کا امتحان ضرور دیا مگر کامیاب نہ ہو سکا، اُس کی آزاد طبیعت بارِ تعلیم کی متحمل نہ ہو سکی اور دولت کے نشے نے اُسے تعلیمی تفکرات سے آسمان پر چمکتے ہوئے تاروں کی طرح آزاد کر دیا

اسے یقین تھا کہ اُس کے والد کے پاس کافی دولت ہے پھر کیا ضرورت تھی کہ وہ اپنی آزادی میں مداخلت کرکے اپنی جوان طبیعت کو مجبور، اور جوشِ جوانی کو فنا کر دیتا۔

شراب اس کی محبوب دوست اور امریکن لیڈی اسکی محبوب ترین زینتِ حیات تھی۔ رنک اور تھیٹر، اسکی سیرگاہ تھے اور ڈربی کلب گھوڑ دوڑ میں روپیہ لگانا اسکا اقتصادی شغل، دولت اُسے دُنیا کے اسٹیج کا ایک باکمال ایکٹر بنائے ہوئے تھی اور وہ انگلینڈ کی ہر آنے والی صبح کو ایک نیا تفریحی پروگرام لیکر بیدار ہوتا تھا۔ ابتک اُسکے باپ کی دولت کا نصف حصہ صرف ہو چکا تھا کہ اُسے سیاحت کی سُوجھی۔ انگلینڈ سے وہ نیویارک پہونچگیا لیکن اسوقت وہ بہت تنگدست تھا مکان سے خرچ آنا بالکل بند ہو چکا تھا، سفر میں اخراجات کافی ہو چکے تھے، اور اس کے والد نے صاف لکھدیا تھا کہ میرے پاس روپیہ نہیں ہے تم فوراً ہندوستان چلے آؤ۔

کشور نے باپ کے اس حکم کو انتہائی حقارت کی نگاہ سے دیکھا اور "او یو فول" کہکر خط پھاڑ کر پھینکدیا۔ ایک مشرقی بیٹا مغرب کی فضاؤں میں سانس لینے کے بعد اپنے مشرقی باپ کی انتہائی توہین کر رہا تھا۔ لیکن سوسائٹی کی نگاہ میں یہ کوئی جرم نہ تھا اور جرم کیوں ہوتا۔ جگل اپنی ذلت کا خود ذمہ دار تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ ہندوستان واپس ہونے کا ارادہ کرے اسکی ملاقات ایک دوسری حسین ترین دوشیزۂ مغرب سے ہوئی جو یہاں سیر کی غرض سے آئی ہوئی تھی اور ایک دولتمند خاندان کی لڑکی تھی۔ کشور اس سے ملا اور متعدد بار ملا، آپس میں مراسم ہوگئے اور کشور نے امریکن لیڈی کو چھوڑ کر اس کے ساتھ شادی کر لی اور اسے ساتھ لے کر ہندوستان روانہ ہوگیا۔

(۳)

جگل، جسے امتدادِ زمانہ نے اپنے سخت تھپیڑوں سے ایک زنگ خوردہ وجود بنا دیا تھا اپنی تاریک کوٹھری میں بیٹھا ہوا، "دولت" کم ہو جانے کے خمار سے کسلمند ہو رہا تھا کہ یکایک کشور کی سسرال سے آئے ہوئے لوگوں نے اسے تخیلات کی محویت سے چونکا دیا۔ وہ اُن سے ملا۔ کشور کے آنے کی اطلاع دی، اور وعدہ کرلیا کہ اُس کے آتے ہی شادی ہو جائیگی سب لوگ واپس چلے گئے اور شادی کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے،

کامنی، جو کشور کی شریکِ حیات بننے والی تھی اپنے شباب کے اُن لمحوں سے گذر رہی تھی جو موسمِ بہار میں ایک بار پھولوں پر اور فروغِ ماہ میں ایک مرتبہ چاند پر طاری ہوتے ہیں، وہ تاروں سے زیادہ سنہری رنگ والی لڑکی تھی اور اُسکی جوانی کا نکھار ایک شگفتہ گلاب کا رنگ تازہ پیش کر رہا تھا۔ مشرق کی باعصمت اور صاحبِ حیا لڑکی اپنی دوشیزگی کے کیف سے مخمور ہو رہی تھی اور مسرور تھی کہ وہ عنقریب ایک اعلیٰ کریکٹر کے تعلیم یافتہ معزز انسان کی بیوی بننے والی ہے۔ اسے یقین تھا کہ اس کا ہونیوالا شوہر اُس کے جذبات کی پاکیزگی کی طرح قطعی معصوم ہوگا۔ وہ کچھ ایسے ہی تخیلات کی وسعتوں میں انگڑائیاں لیتی رہی اور اسکا شباب نکھرتا چلا گیا۔ وہ ایک پختہ آم کی طرح مستی بکنار ہو گئی۔ اس کے بال کالی گھٹاؤں سے زیادہ خوبصورت ہو گئے اور اس کے سارے جسم سے ایک ایسی خوشبو پھوٹ نکلی ایک ایسی مستی کا طلوع ہوا جسے جوانی کی خوشبو اور جوانی کی مستی کہتے ہیں۔ دفعتاً اسے اطلاع ملی کہ کشور واپس آگیا ہے۔ اُس نے دل ہی دل میں اسکا استقبال کیا اور مسرت کے لطیف ترین تاثرات میں کھو کر رہ گئی۔

مگر آہ اس کی یہ مسرت کچھ دیر بھی قائم نہ رہی اور اُسے بہت جلد معلوم ہو گیا کہ کشور اپنے ساتھ ایک میم کو بھی لایا ہے اور ایک عالیشان کوٹھی میں فروکش ہے اس خبر نے اس اطلاع نے اور اس قلب میں سما جانے والی صدا نے اسے ساکت و صامت بنا دیا وہ فرطِ غم سے رونے لگی، اس کی مدہ بھری آنکھوں سے دُکھ کے آنسو بہنے لگے اور اس کے جذبات جنھیں اُسنے اچھوتے موتیوں کی طرح محفوظ رکھا تھا، پانی بنکر بہہ گئے اسکا شباب، شباب نہ رہا جیسے چاند پر ابر آجائے۔ وہ عالمِ یاس میں آسمان کی طرف دیکھنے لگی، روئی، اور خوب روئی، اُس کے آنسوؤں سے شرما کر تاروں نے بھی مُنہ چھپا لیا۔ ایک مشرقی لڑکی رونے کے سوا اور کر ہی کیا سکتی تھی۔

(۴)

کشور واپس آچکا تھا۔ مغربی بیوی اُس کے ساتھ تھی اور شہر سے باہر ایک کوٹھی میں اس کا قیام تھا۔ وہ اپنے باپ سے ملنے ضرور آیا لیکن صرف اس لئے کہ اُسے روپیہ کی ضرورت تھی۔

جگل نے اُسے بہت کچھ سمجھایا، بہت کچھ بُرا بھلا کہا، لیکن اس پر کیا اثر ہو سکتا تھا، اسنے اپنی نادانی پر مطلق اظہارِ افسوس نہیں کیا اور جب اس سے کہا گیا کہ "تمھیں شرم آنی چاہیے تم ہندوستانی ہو کر ایک انگریز عورت سے شادی کر بیٹھے ہو کیا تمھیں علم نہ تھا کہ تمہاری سگائی ہو چکی ہے" تو اُس نے صرف یہ جواب دیا "اب تو میں شادی کر چکا" یہ کہتے ہوئے وہ مُسکراتا ہوا چلا گیا اور اپنے بوڑھے باپ کے جذباتِ محبت کا احساس تک نہ کیا۔

(۵)

تمام خاندان میں چھپی پھیل گئی، مگر کشور کو سمجھاتا کون، وہ "ڈیم" اور "فول" کے بغیر کسی سے بات نہ کرتا تھا۔ ۶ مہینے گذر گئے مگر سمجھوتہ نہ ہو سکا۔ کشور کو ہر وقت یہ فکر تھی کہ کسی طرح موقع پا کر اپنے باپ کی دولت پر قبضہ جمائے اور تمام دولت سمیٹ کر ہندوستان سے باہر چلا جائے۔

وہ اپنی تجاویز میں کامیاب ہونے کے لئے سائنٹیفک تدبیریں سوچتا رہا۔ آخر اس کی بیوی نے اُسے ایک زہر آلود شربت بنا کر دیا کہ اسکے چند گھونٹ پلا کر وہ اپنے سخت جان باپ کا خاتمہ کر دے۔

(۶)

کامنی کو مرنے کیلئے کسی تدبیر کی ضرورت نہ تھی، وہ کئی مہینے سے بیمار تھی حکیموں اور ڈاکٹروں نے اس کی صحت کی طرف سے جواب صاف دیدیا تھا۔ کشور کسی طرح اسے رخصت کر کے اپنے باپ کے گھر لانے کے لئے تیار نہ تھا۔ آخر عین اُسوقت جبکہ جگل شربت کا ایک گلاس کہار کے ہاتھ سے پی کر ٹوٹی ہوئی چارپائی پر پڑا دم توڑ رہا تھا۔ کامنی بھی کشور کی بیوفائی اور لاپروائی کا شکار ہو گئی۔ جگل کو رونے والا کوئی نہ تھا۔ البتہ اس کی دولت اس کے ماتم پر آنسو بہا رہی تھی مگر کامنی کے گھر میں ماتم کی صداؤں سے قیامت برپا تھی اور دو بے گناہ روحیں کشور کی نگاہوں کے سامنے کھڑی مسکرا رہی تھیں۔

(۷)

کشور نے دو کہاروں کو بلایا۔ کچھ دیا، اور راتوں رات جگل کی لاش مسان پہنچوا دی، اس کے بعد گھر میں جتنی دولت تھی سب کو کوڑے کیطرح سمیٹا۔ ٹرنک بھرے اور مکان کھلا ہوا چھوڑ کر صبح ہونے سے قبل ہی اسٹیشن روانہ ہو گیا۔

(۸)

صبح صادق کا وقت تھا کشور اپنی یوروپین بیوی کیساتھ، باپ کا مال اور جائز بیوی کا صبر لئے ہوئے ٹرین میں چلا جا رہا تھا۔ جب ٹرین دریا کا پل پار کر رہی تھی تو قریب کے مسان سے جو پل کے کنارے پر تھا ایک چنگاری اُڑ کر آئی اور کشور کے سوٹ میں آلودہ ہو گئی۔ ابھی وہ دریا کی موجوں کے انتشار کو دیکھ ہی رہا تھا کہ اس کے سوٹ سے شعلے نکلنے لگے۔ اس کی بیوی اور ٹرین کے مسافروں نے آگ بجھانیکی کوشش کی مگر بے سود، مجبوراً گاڑی کی زنجیر کھینچ لی گئی۔ ٹرین رک گئی۔ گارڈ آیا، اس نے دیکھا کہ ایک جنٹلمین بُری طرح جل رہا ہے اور چلا رہا ہے۔ اسٹیشن ابھی دور تھا گاڑی پل میں تھی، نیچے دریا لہریں لے رہا تھا۔ موجیں آپس میں کھیل رہی تھیں اور اوپر آگ بھڑک رہی تھی۔ جبتک پانی دریا سے آئے کشور کا کام تمام ہو گیا۔ تمام جسم جل گیا اور دل پر آبلے پڑ گئے۔ اور وہ اپنے باپ کی دولت اور بیوی کا صبر لے کر زیادہ آگے نہ بڑھ سکا۔

یہ معصوم کامنی کی چتا کی آخری چنگاری تھی، جس نے کامنی کا انتقام لے لیا، یوروپین بیوی مع مال و اسباب پکڑ لی گئی ——— اس کا کیا انجام ہوا؟ ——— یہ کسی کو معلوم نہیں۔

منظر

انقلابِ فرانس کا آرٹ پر اثر

فرانس کے مصوروں پر انقلابِ فرانس کا اثر معلوم کرنے کے لئے اٹھارویں صدی کی مصوری پر ایک طائرانہ نظر ڈالنا ازبس ضروری ہے۔

فرانسیسی اکاڈیمی جس کا سنگِ بنیاد ۱۶۴۸ء میں رکھا گیا تھا اور جسکی غرض و غایت آرٹ کی پرورش اور نشر و اشاعت تھی اب ایک منظم جماعت میں تبدیل ہو کر تباہ کن طریقے پر مظالم برپا کر رہی تھی۔ ان صنّاعوں کو جو اکاڈمی کے ممبر نہ تھے اپنے کاموں کی عوام میں نمایش کرنیکی اجازت نہ تھی اور اکاڈمی کے ممبروں کو بھی دوسری جگہ اپنی تخلیق کردہ چیزیں پیش کرنیکی ممانعت تھی۔۔۔۔ اُن میں سے ایک تیرس نامی مصور واقعی اس بناء پر اکاڈمی سے باہر نکالدیا گیا تھا کہ اُس نے اپنی ایک تصویر (The Reader in the Wilderness) کو روپیہ پیدا کرنیکی خاطر آزادانہ عوام میں پیش کیا تھا۔ عام لوگوں کے لئے اکاڈمی نے صرف یہ رعایت رکھی تھی کہ سال میں ایک بار اُس کے دروازے اُن پر کھلتے تھے

قدیم بادشاہت کے زیرِ عہد آخری نمایش میں جو ۱۷۸۹ء میں منعقد کی گئی، صرف تین سو پچاس تصاویر جمع ہو سکیں۔ ۱۷۹۱ء میں "نیشنل اسمبلی" نے اعلان کیا کہ نمایش کے دروازے ہر صنّاع کیلئے کھلے ہیں خواہ وہ فرانسیسی ہو یا غیر ملکی یہ نمایش (Salon) میں منعقد ہوئی اور اسمیں ۷۹۴ تصاویر پیش ہوئیں "عہدِ خطر" (۱۷۹۳) کے دوران میں ایک ہزار سے زائد تصاویر کی نمایش کی گئی۔ ۱۷۹۵ء میں نمایش کردہ تصویروں کی تعداد تین ہزار سے زیادہ ہو گئی تھی

ان اعداد و شمار سے ظاہر ہے کہ فرانسیسی انقلاب نے مصوروں کو اپنی تصاویر کی نمایش کرنے کی عام اجازت دیدی تھی۔ اس کے علاوہ سلطنت کی مالی حالت کو نظر انداز کرتے ہوئے انقلابی حکومت نے ۲۴۲۰۰۰ فرانک کی ایک رقم خطیر صنّاعوں کی قدر افزائی کے لئے وقف کر دی۔ یہ رقم ہر سال انعاموں کی صورت میں تقسیم کیجاتی تھی اب عجائب خانوں کا انتظام ایک باقاعدہ جماعت کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ ۲۷ جولائی ۱۷۹۳ء کو اسمبلی نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا کہ (Louvre) میں یکجا نگار خانہ قائم کرنا چاہئے اور یہ کہ صنعت کے وہ خزانے جو پادشاہی محلوں، خانقاہوں اور امراء کے محلوں میں بکھرے پڑے تھے اس جگہ اکٹھے کرنے چاہئیں۔ اسمبلی کے اسی اجلاس میں ایک لاکھ فرانک کی رقم آرٹ سے متعلق اشیا کی خرید کے لئے منظور کی گئی

جب ملک کے کچھ حصوں میں جاہل اور وحشی لوگوں کا ایک گروہ قیمتی متبرکوں، کتب خانوں اور آرٹ کے خزانوں کو تباہ و برباد کر رہا تھا۔ انقلاب کے قائد فنونِ لطیفہ اور قدیم عمارات کی نگہداشت کے لئے اپنا اضطراب ظاہر کر رہے تھے۔ گو انقلاب نے حتی الامکان ہمعصر آرٹ کی نشر و اشاعت اور قدیم آرٹ کے نمونوں کو محفوظ و مامون رکھنے کی سعی کی مگر وہ صحیح معنوں میں سنگتراشی یا مصوری کا بہترین فن کار پیدا نہ کر سکا۔

ہم اُس مضطرب زمانے کے آرٹ میں ایک حیوانی قوت اور حقیقت کی موجودگی کا تصور کر سکتے ہیں مگر یہ حقیقت ہے کہ فرانس کے اس انقلابی دور کی تمام تصاویر سرد ہیں اور ان میں سب سے زیادہ نقص یہ ہے کہ وہ تمام کی تمام بے روح ہیں۔

انگلستان کے آرٹ میں مسرّت خیز رومانیت کا عنصر غالب نظر آتا ہے مگر انقلابی فرانس کے مذاق کا رجحان زیادہ تر قدیم مصوری کی طرف تھا۔ وہ قوم جو اپنے حقیقی آرٹ کی رفتہ خوبیوں کو دوبارہ حاصل کرنا چاہتی تھی قدرتی طور پر اسی کی طرف مائل ہونا چاہئے تھی۔ اور جیسا کہ سیاسات میں اسکی نگاہ "ایتھنز" کی بجائے روما پر تھی، اس کے پیشِ نظر قدیم مصوری روما ہی سے متعلق تھی۔

وہ شخص جس نے فرانسیسی مصوری کا رُخ ایک نئی سمت بدل دیا جیکوئس لوئی ڈیوڈ تھا جو مشہور مصور بوشر (Boucher) کا شاگرد

ہونیکے علاوہ اُسکا رشتے دار بھی تھا بوشر کی شاگردی چھوڑ کر وہ ڈیین (۱۸۰۹-۱۷۱۶) کا شاگرد ہوگیا۔ جس کے ہمراہ وہ روما گیا۔ اسوقت ڈیین کو اس شہر میں فرانسیسی اکاڈیمی کا ڈائرکٹر مقرر کردیا گیا۔

روما میں ڈیوڈ عہدِ عتیق کی مصوری کے مطالعے میں مصروف ہوگیا اور اسی کے تتبع میں تصاویر تیار کرنا شروع کیں۔ جنھیں پیرس کی نمائش میں اچھی کامیابی نصیب ہوئی۔ انقلاب کے زمانے میں ڈیوڈ، رابس پئیری کا مداح ہوگیا اور گو رابس پئیری کی شکست کے بعد اس کی جان خطرے میں تھی مگر اس نے عہدِ خطر کے اختتام تک اپنے آپ کو کمال ہوشیاری سے بچائے رکھا۔ اس عرصے میں سیاسیات کو برطرف کرکے بڑے انہماک سے آرٹ کی خدمت میں مصروف رہا۔

جب بادشاہی اکاڈمی کی مسمار شدہ عمارات پر "فرانسیسی ادارہ" قائم ہوا تو ڈیوڈ کو فنونِ لطیفہ کے شعبے کا رکن مقرر کیا گیا اور دوسرے ممبروں کے انتخاب کا نازک کام بھی اُسی کے سپرد کیا گیا۔ اب فرانسیسی آرٹ میں ڈیوڈ کا رتبہ بہت بلند ہوگیا۔

دیگر انقلابیوں کی طرح ڈیوڈ بھی "فرسٹ کونسل" کی استعداد سے بہت متأثر ہوا اسکے نزدیک وہی جدید رومنوں کا مناسب سیزر تھا۔ ایک روز جبکہ وہ بونا پارٹ کی تصویر تیار کرنے میں مشغول تھا اُس نے اپنے شاگردوں سے کہا "یہ وہ انسان ہے، جس کے لئے ازمنۂ قدیم میں قربانگاہیں تیار کیجاتیں ــــ ہاں بونا پارٹ ایک ہیرو ہے"۔ مگر ڈیوڈ اپنے ہیرو کی تصویر مکمل نہ کرسکا اس لئے کہ نپولین طویل نشستوں سے بہت گھبراتا تھا۔ اسکے علاوہ اُسے تصویر کے صحیح نقوش کے متعلق کوئی خاص خیال نہ تھا۔ وہ اگر مصور سے کسی چیز کا طالب تھا تو وہ یہ تھی کہ اسکی بنی ہوئی تصویر عوام کی پسندیدگی حاصل کرسکے۔ چنانچہ ڈیوڈ نے اسکے مذاق کے مطابق چند ایسی تصویریں تیار کیں جن میں بونا پارٹ ایلپس کو طے کرتے ہوئے اور اپنی فوج میں "عقاب" تقسیم کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ گویا یہ تصاویر ڈرائنگ کے لحاظ سے بالکل صحیح ہیں مگر دیگر فنی خوبیاں ان میں مفقود ہیں۔

ڈیوڈ کی شاہکار تصاویر چند ([illegible]) ہیں جنہیں زیادہ قوت اور زندگی موجود ہے انکی تیار کردہ تصاویر میں "مادام ری کیمیر" کو ایک خاص رتبہ حاصل ہے۔ گو یہ تصویر مصور کے نزدیک مصوری کا ایک ادنیٰ و حقیر نمونہ تھی اور وہ ایک مرتبہ اُسے تلف کرنے پر بھی آمادہ ہوگیا تھا۔ دراصل معاملہ یہ تھا کہ "مادام ری کیمیر" اپنی تصویر کو نامکمل چھوڑ کر ڈیوڈ کے ایک شاگرد کے پاس چلی گئی جو ان دنوں مصوری میں اچھا نام پیدا کرچکا تھا۔ اس واقعہ کے چند سال بعد ڈیوڈ کے شاگرد کی عامیانہ مصوری سے متنفر ہوکر مادام ری کیمیر ایکبار پھر ڈیوڈ کے پاس آئی اور اُس سے استدعا کی کہ وہ اس کی تصویر کو مکمل کرے۔ مگر مصور نے یہ کہہ کر اس کی درخواست ٹھکرا دی "مادام" مصوروں کا مزاج بھی عورتوں کی طرح تغیر پسند ہوتا ہے ــــ اس تصویر کو نامکمل حالت ہی میں رہنے دیجئے"۔

واٹر لو کے بعد ڈیوڈ کو جسنے انقلاب میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا تھا ۱۸۱۶ء میں فرانس سے جلاوطن کردیا گیا۔ چونکہ اُسے اپنی خواہش کے مطابق روما میں جانے کی اجازت نہ تھی اس لئے وہ بروسلز میں اقامت پذیر ہوگیا۔ اسی جگہ ۱۸۲۵ء میں اس کی وفات ہوئی۔

جلاوطنی کے ایام میں بھی ڈیوڈ کو اپنے اسکول کا امام تسلیم کیا جاتا تھا۔ یورپ ڈیوڈ اور اُس کے شاگرد مصوروں کا مرہونِ منت ہے کہ اُنھوں نے قدیم مصوری کو حیاتِ نو بخشی۔

اِس زمانے کے مصوروں میں مادام الزبتھ لوئی لی برن کافی امتیاز رکھتی ہے اِسکے علاوہ گروس، انگریس، اور گویا بھی بہت مشہور ہیں جن کی تخلیق کردہ تصاویر آج تک قدر کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہیں۔

سعادت حسن منٹو

نوعروس

اللہ رے نوعروس کا پُرکیف پیچ و خم
رفتار ہے کہ رات کے نغموں کا زیر و بم

سمٹا ہوا بدن ہے تو رُکتے ہوئے قدم
خود سوچتی ہوئی "یہ کہاں جا رہے ہیں ہم"

کچھ اس طرح کا رنگ ہے نیچی نگاہ میں
گویا سمو گیا ہے "یقیں" "اشتباہ" میں

نیچی نظر ہے طرفہ فسانہ لئے ہوئے
شبہائے غنچگی کا ترانہ لئے ہوئے

خاموشیاں ہیں چنگ و چغانہ لئے ہوئے
ہر سانس ہے شرابِ مغانہ لئے ہوئے

ہر گام پر حیا میں ہے رنگ التفات کا
یا دل دھڑک رہا ہے نگارِ حیات کا

جسطرح شب کے سائے میں پچھلے پہر کی ضَو
جیسے ہوائے تند کے جلوے پہ کوئی لَو

جسطرح پھُوٹتی ہے گھنے جنگلوں میں پَو
یوں آ رہی ہے سر کو جھکائے "عروسِ نو"

سینے میں ایک حشرِ تجسّس لئے ہوئے
اک ناچشیدہ مے کا تصوّر کئے ہوئے

(متعلقِ تصویر)

جوشؔ ملیح آبادی

نوعروس

" اُڑتی هے شراب پهول بنکر "

ناثرینِ اُردو

حضرتِ مولانا نیاز فتحپوری ایڈیٹر "نگار" لکھنؤ

مستند اہلِ قلم حضرات کے سوانحِ حیات اور اُنکی ادبی خدمات پر ایک نظر (۴)

"ناثرینِ اُردو" کا سلسلہ اپنی اہمیت و قبولیت کے اعتبار سے جس قدر پسند کیا جارہا ہے اُس کی مجھے اتنی توقع نہ تھی ایسی صورت میں میرے لئے ضروری ہوگیا ہے کہ اسے کسی نہ کسی طرح برابر جاری رکھا جائے حالانکہ یہ تنہا میرے بس کا کام نہیں تاہم میں برابر کوشاں ہوں۔

"کنول" کی خوش قسمتی اور میری کوششوں کی کامیابی کی بڑی خوشگوار حیثیت یہ ہے کہ اس نمبر میں ملک کے مشہور ادیب اور صاحبِ طرز انشا پرداز حضرتِ مولانا نیاز فتحپوری کا تذکرہ شایع ہو۔ ہاں اور اس خوشگواری میں یادہ اضافہ یوں ہوجاتا ہے کہ نیاز صاحب کا تذکرہ "کنول" کے معاونِ خصوصی اور میرے محترم حضرتِ لطیف اکبرآبادی نے لکھا ہے جنھیں میری نسبت نیاز صاحب سے بہت قریبی تعلق ہے اور وہ ان کی ادبی زندگی کے ہر دور سے بخوبی واقف ہیں۔

پہلی قسط میں صرف مختصر سوانحِ حیات اور کلامِ نظم کے مختصر نمونے دیئے گئے ہیں آیندہ کے لئے لطیف صاحب نیاز صاحب کی ادبی زندگی اور تصانیف پر تبصرہ لکھ رہے ہیں جو نہ صرف ادبی حیثیت سے مفید ہوگا بلکہ نیاز صاحب کی ادیبانہ کاوشوں اور بلندیوں کے جواہرات کو صحیح معنوں میں پیش کرسکے گا۔

میں سمجھتا ہوں اگر ملک کے دوسرے ذمہ دار حضرات توجہ فرمائیں تو اسی سلسلے کی افادی حیثیت مستقل ہونے کے ساتھ ساتھ دنیائے ادب کے لئے صد درجہ کارآمد ہوسکتی ہے۔ کاش میری یہ استدعا جسے متعدد بار دُہرا چکا ہوں تشنۂ التفات نہ رہے!" **منظر**

جنابِ منظر، ایڈیٹر "کنول" نے "ناثرینِ اُردو" کا سلسلہ شروع کرکے ایک نہایت مفید اور کارآمد کام کی ابتدا کی ہے ان تبصروں کا مقصد اپنے ادبا کے محاسن و خصوصیات کو اجاگر کرنا اور ان کی ادبیت کی صحیح قدر کو قارئین کے حافظے میں تازہ و قائم کرنا ہے۔

میں خوش ہوں کہ مجھے حضرتِ نیاز فتحپوری کی ادبیت و صحافت پر اظہارِ خیال کا موقع ملا ہے۔ مجھے اپنی استعداد کے متعلق کسی قسم کا مغالطہ نہیں ہے، اس لئے میں جانتا ہوں کہ میں اس خدمت کو کماحقہٗ ادا نہ کرسکوں گا۔ تاہم میرے لئے یہ خیال ہمت افزا ہے کہ ایک طرف یہ خدمت

اگر خود میری مسرت کا باعث ہے تو دوسری جانب آئندہ تبصرہ نگار کیلئے سنگِ بنیاد ثابت ہو سکے گی۔

نیاز محمد خاں نیاز فتحپوری کے والد کا نام محمد امیر خاں صاحب تھا۔ غدر سے پہلے کے نظام حکومت میں نیاز صاحب کے والد کے نانا فتحپور میں بحیثیت کوتوال مامور تھے۔ اسی زمانے سے فتحپور ان کے خاندان کا وطن قرار پایا۔ نیاز صاحب ۱۳۰۲ھ میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم مولوی حبیب الدین صاحب نیوتنوی سے وطن ہی میں حاصل کی اور فارسی کی تکمیل خود اپنے والد سے کی جو اس عہد میں فارسی کے مشہور ادیب سمجھے جاتے تھے۔

عربی کی ابتدا مدرسہ اسلامیہ فتحپور میں ہوئی اور پھر دار العلوم ندوۃ العلما اور مدرسہ عالیہ رامپور میں تکمیل ہوئی اس کے بعد انگریزی ایف۔ اے تک پڑھی مگر امتحان میں شریک نہ ہو سکے۔ اور پولس ٹریننگ کے لئے مراد آباد چلے گئے وہاں سے ۱۹۰۲ء میں فارغ ہو کر الہ آباد میں سب انسپکٹری کے عہدے پر مامور کئے گئے تین سال پولس میں کام کر کے استعفا دے دیا۔ غالبًا نیاز صاحب کا یہ استعفا ان کی زندگی کا ایک اہم نقطہ ہے۔ ورنہ کون بتا سکتا ہے کہ آج وہ کیا ہوتے؟ راقم الحروف کا خیال ہے کہ وہ خواہ کچھ بھی ہوتے مگر نیاز صاحب نہ ہو سکتے تھے۔

۱۹۱۴ء تک مختلف ملازمتیں کیں اور ۱۹۱۶ء میں بھوپال پہونچنے کا ذریعہ ہو گیا جہاں وہ بالآخر صیغہ تصنیف و تالیف سے متعلق ہو کر گیارہ سال ملازمت کرتے رہے۔ ۱۹۲۵ء میں بھوپال سے لکھنؤ چلے آئے اور آج تک لکھنؤ میں ہیں۔ یا کہئے کہ لکھنؤ کے ہو گئے ہیں۔

اگر میری یاد غلطی نہیں کرتی تو نیاز صاحب کی ادبیت کو سب سے پہلے "صلائے عام" مرحوم نے دنیا سے روشناس کرایا۔ نیاز صاحب کو شاعری میں کسی سے تلمذ نہیں۔ لیکن پہلے غالبًا غزل گوئی ہی کی طرف توجہ ہوئی اور فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں غزلیں کہتے رہے۔ نظم لکھنے کی طرف بعد میں توجہ ہوئی۔

۱۹۲۲ء میں نیاز صاحب کی ایڈیٹری میں "نگار" آگرہ سے جاری ہوا پھر بھوپال اور بالآخر نیاز صاحب کے ساتھ ہی لکھنؤ منتقل ہو گیا اور آج تک جاری ہے۔

غالبًا "نگار" کی مصروفیتوں کے باعث نیاز صاحب نے شعر گوئی بالکل ترک کر دی۔ راقم الحروف کے خیال میں "یک در گیر و محکم گیر" کے اصول کے مطابق یہ نہایت دانشورانہ اور ساتھ ہی بڑا اہم اقدام تھا۔ ورنہ اتنی مشق ہو جانے کے بعد شعر ابیون کی خاصیت اختیار کر لیتا ہے۔

بہر حال نیاز صاحب کا جتنا منظوم کلام ہے وہ ان کی نزاکتِ تخیل اور جدت ادا کا ثبوت ہے۔ جن حضرات کو فارسی اور اردو شعر میں تھوڑا سا بھی درک ہے وہ بہ آسانی دیکھ سکیں گے کہ نیاز صاحب کے شعر میں بیدل کا اندازِ تخیل کس قدر جھلکتا ہے۔ ان کی اردو فارسی غزلوں کے کچھ اشعار اور ایک مختصر نظم پیش کی جاتی ہے۔ قارئین کو اس سے نیاز صاحب کی شاعری کا اندازہ بخوبی ہو سکے گا۔

"بھوپال کی ایک شام" مختصر نظم ہے مگر اپنے محاکاتی محاسن اور شعری تاثر کے اعتبار سے میرے خیال میں اردو کے شہ پاروں میں شمار ہونے کے قابل ہے۔

نثر میں "نگار" جاری ہونے سے قبل نیاز صاحب کے ادبی مضامین مختلف رسالوں اور خاصکر اور بشیر "نقاد" مرحوم میں شائع

ہوتے رہتے تھے "نقاد" میں جو مضامین شایع ہوئے وہ اُردو ادب حالیہ کے اعلیٰ نمونے ہیں "گیتا بخلی" کا ترجمہ بذاتِہ تصنیف کی خوبی اور لطف کا حامل ہے اور اس کا مقدمہ بجائے خود ایک مستقل چیز ہے "شاعر کا انجام" نیاز صاحب کا ابتدائی فسانہ ہے ہر چند اس میں نقشِ اوّل کی کمزوریاں بھی ہیں لیکن نیاز صاحب کی تخیل اور ادبیت اور اس کے ارتقا کا مطالعہ کرنے کے لئے خاص اہمیت رکھتا ہے۔ "جمالستان"، دورِ وسطیٰ اور "نگارستان"، اس عہد کی انشا پردازی کا نمونہ ہے "مکتوباتِ نیاز" بھی ان کی موجودہ ادبیت کو پیش کرتی ہو۔

مستقل تصانیف میں ذیل کی کتابیں نیاز صاحب کی تصنیف یا تالیف ہیں۔

نگارستان، جمالستان، شہاب کی سرگذشت، فراست الید، شاعر کا انجام، جذباتِ بھاشا، مکتوباتِ نیاز، ترغیباتِ جنسی مذاکراتِ نیاز، فلاسفۂ قدیم، تاریخ الدولتین، مجموعۂ استفسار و جواب، اصحابِ کہف۔

نیاز صاحب کی ادبیت و صحافت اور علمی و اصلاحی خصوصیات و خدمات کے متعلق اپنے خیالات دوسری قسط میں پیش کرونگا۔ نیاز صاحب کے منظوم کلام کا نمونہ ملاحظہ فرمائیے۔

زدلم نہ گفتنے نہ زتو شنیدنے | ولے اینقدر بدانم کہ غمت کشیدنے
نہ مژہ تراوش آورد، نہ دلم چکیدنے | گرہے مگر ز تارِ نفسِ بریدنے
تو وصد ہزار کیفِ نگہِ شراب ریزے | من زار و التعاشِ لبِ ناچشیدنے
بمزارم از چہ آئی، بگزر شتاب بگزر | کہ مرا ز شورشِ اکنون سرِ آرمیدنے
زحدیثِ حسنِ الفت خبرے جز ایں ندارم | نگہت خلیدنستے، جگرم تپیدنستے
سخنے نگو ز حسنِ نگہش نیاز اکنوں | کہ دلِ زبوں رسائے غم نارسیدنستے

نگرم بہ ہر رگِ سنگ ہمہ رنگ صنعتِ آذری | کہ نہاد ایں قدم رآگہی بہ مذاقِ شیوۂ کافری؟
نہ بہ نبضِ آئینہ می تپد، نہ بہ ریشۂ جگرم خلد | نگہے فگن کہ ترا سزد بہ طرازِ عشوۂ دلبری
زرخت نقاب فگندہ، تو خیالِ ہر تپیدہ | ہمہ جا تو کفر فشاندہ بہ فشارِ کعبۂ تبگری
بہ حصولِ جلوۂ دوستے چہ کشی نیاز مرا کہ من | بہ جہان نیافتم آنسے چو غنائے دولتِ بے زری

چاہتے ہیں وہ کہ اظہارِ شکایت چھوڑ دوں | یعنی اُلفت چھوڑ دوں اُسکی حکایت چھوڑ دوں
دیکھکر اُنکو مری آنکھوں میں آنسو بھی نہ آئیں | کسطرح اظہارِ شوقِ بے نہایت چھوڑ دوں
تم نہیں آتے تو ذکر اپنا مجھے کرنے ہی دو | شوقِ دل کی وفعتہً کیونکر رعایت چھوڑ دوں

تم سے مل کر بس یہی جی چاہتا ہے کچھ کہوں
کیا کہوں گر شکوۂ بیجا سے اُلفت چھوڑ دو

گھڑی گھڑی نہ اودھر دیکھئے کہ دل پہ مجھے
ہے اعتبار پر اتنا بھی اعتبار نہیں

مسکراہٹ سی جو چشمِ شوخ میں آنیکو تھی
روح میری کپکپی بنکر نکل جانیکو تھی

بھوپال کی ایک شام

رنگِ شفق عبیر ہے شام کی زُلفِ تار میں
آگ لگی ہوئی ہے یا صحنِ بنفشہ زار میں
مجمرِ سنبلی میں ہے آتشِ گل دہک رہی
کاسۂ نیلمی میں یا مے ہے پڑی چھلک رہی
زخمیٔ تیشہ کر دیا دامنِ کوہسار کو
کس نے جگا دیا غضب سوئے ہوئے شرار کو
شعلہ بجام ہے کوئی ساقیٔ لاجورد رنگ
ڈوب گیا ہے نیل میں دامنِ شاہدِ فرنگ
دشتِ چنار مشتعل کب سرِ کوہسار ہے
جوششِ بحر پر رواں تختۂ لالہ زار ہے
کس کی کنار نے دیا کوہِ یمن کو یہ فشار
لعل رقیق ہو کے سب بہہ گئے شکلِ جوئبار

آہ مگر یہ کیا ہوا لو وہ بڑھی سوادِ شام
ابتر و منتشر ہوا رنگ و ضیا کا یہ نظام
اُف رے مصوّرِ ازل یہ ترا رنگِ احتیاط
چل بھی دیا اُٹھا کے تو نقش و نگار کی بساط

ل۔ احمد اکبر آبادی

اے گُل ═══ ز تو خورسندم تو بوئے کسے داری

اللہ رے تری ساقی یہ نرگسِ مستانہ — یہ لغزشِ مستانہ یہ گردشِ پیمانہ
یہ رنگِ عروسانہ یہ جلوۂ جانانہ — یہ لوحِ دلِ عاشق یہ حُسن کا افسانہ

گلزارِ محبت میں اُف یہ تری گُل کاری
اے گُل ز تو خورسندم تو بوئے کسے داری

میں تشنہ ہوں ساقی تُو مجھکو پلائے جا — پیمانہ و ساغر سے ہاں آنکھ لڑائے جا
ہاں جام پلائے جا مدہوش بنائے جا — میخانے کے مستونکو تُو رقص میں لائے جا

پھر جذب ہوا پیدا پھر کیف ہوا طاری
اے گُل ز تو خورسندم تو بوئے کسے داری

پیمانۂ رنگ و بُو یہ محفلِ ہستی ہے — اس بربطِ ہستی کا ہر ساز الستی ہے
کیا نور کا پیمانہ کیا بادہ پرستی ہے — کیا نکہتِ صہبا ہے کیا بارشِ مستی ہے

معروفِ تجلی ہوں کیا مست تجلی ہوں
اے گُل ز تو خورسندم تو بوئے کسے داری

اُف عشق و محبت کی یہ انجمن آرائی — پھر رنگ ہے گلشن میں پھر تازہ بہار آئی
دلدادۂ نکہت ہے فطرت کا تماشائی — جلووں کا تمنائی پھولوں کا ہے شیدائی

گلشن کی ضیاؤں میں ہے نور فضاؤں میں
اے گُل ز تو خورسندم تو بوئے کسے داری

پیمانۂ وحدت کے ساغر جو چھلکتے ہیں — ہر پھول میں فطرت کے سو رنگ جھلکتے ہیں
کیا غنچے چٹکتے ہیں کیا پھول مہکتے ہیں — کیا وجد میں ہیں صوفی کیا قلب چمکتے ہیں

کیا درد بھری میری یہ دُھن ہے فقیرانہ
اے گُل ز تو خورسندم تو بوئے کسے داری

درد کاکوروی

جنتِ کشمیر کی سیر

"رہنے کے لئے جنتِ کشمیر ملے"

مسلمان ہمیشہ سے سفر کرنے کا شوق رکھتے تھے۔ قدیم عرب جہانگیر مشہور تھے انھوں نے بہت سے جزیرے اور ممالک دریافت کئے۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ امریکہ کا پتہ عربوں نے برسوں پہلے لگا لیا تھا۔ مگر اس نئی دُنیا کی دریافت کا سہرا کلبس کے سر لکھا تھا اور حقیقت میں امریکہ کے صحیح حالات کلبس کی بدولت مغربی دُنیا کو معلوم ہوئے "عرب اسفر وسیلۃ الظفر" کے مقولہ پر عامل تھے۔ اس خصوصیت کی بدولت انھیں تجارت میں فروغ حاصل ہوا۔ دولتمند بنے اور پُرانی دُنیا کے بہت سے ممالک پر قبضہ کرکے حکمراں ہوئے۔ اسی قوم کا ایک فرد ابن بطوطہ تھا جس نے بہت سے مشرقی اور مغربی ممالک کا سفر کیا اور باقاعدہ طور پر روزنامچہ لکھتا رہا۔ بالآخر اس نے ایک ایسا سفرنامہ اپنی یادگار چھوڑا جو اس زمانہ میں مشرقی تاریخ کا بہت بڑا ماخذ ہے۔

روزنامچہ لکھنے کا طریقہ گو ہندوستان میں عام نہیں ہے مگر بعض اکابر علما اور اعیان ملک اب بھی لکھتے رہتے ہیں اور بہت سے لوگوں نے اسی کی مدد سے اپنے سفرنامے مرتب کئے ہیں۔ خواجہ حسن نظامی صاحب کا روزنامچہ تو ضرب المثل ہے۔ ان حالات و واقعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اب کے موسم گرما میں جب میں نے شمالی ہند کے سفر کا ارادہ کیا تو روزنامچہ لکھنے کا ارادہ کیا۔ جہاں جہاں گیا، جو کچھ دیکھا اور جو کچھ سنا یا معلوم ہوا اپنی ڈائری میں لکھتا رہا۔

جب کشمیر کے دارالسلطنت سری نگر میں تھا اس وقت بعض حالات و اثرات نے اس خیال کو پختہ کر دیا کہ واپسی پر سفر کے حالات ایک مضمون کی صورت میں مرتب کروں، اور آج قارئین "کنول" کے سامنے پیش کر رہا ہوں

۱۳ مئی ۱۹۳۴ء کو جموں سے بذریعہ موٹر سری نگر روانہ ہوئے۔ یہاں سے آگے ریلوے لائن نہیں ہے، جموں کا شمیر کے لئے آخری ریلوے اسٹیشن ہے۔ سری نگر تک سب پہاڑی راستہ ہے اور چڑھاؤ زیادہ ہے۔ صرف ادھم پور اور رامبن پر اُتار آتا ہے۔ یہ دونوں مقامات دو ہزار فٹ سمندر کی سطح سے بلند ہیں، ورنہ جس قدر راستہ ہے بلند سے بلند تر ہوتا چلا گیا ہے۔ تین ہزار سے لیکر پانچ ہزار فٹ سے زیادہ بلندی تک موٹر چڑھتی چلی جاتی ہے۔ راستہ نہایت خمیدہ اور چکر دار ہے، ایک ایک دو دو فرلانگ پر موڑ ملتے ہیں۔ نئے مسافروں کو چکر آنے لگتے ہیں متلی شروع ہو جاتی ہے مگر راستہ کا منظر اسقدر دلکش اور سحر آفریں ہے کہ اس طرف سے ایک سیکنڈ کے لئے نظر ہٹانا گوارا نہیں ہوتا۔

جموں سے کم و بیش ۹ یا ۱۰ میل کے فاصلے پر رانی کا تالاب آتا ہے، جہاں گاڑیوں کو سڑک کا ٹول دینا پڑتا ہے، یہاں سے بیس پچیس میل تک کسی قدر گرمی ہی رہتی ہے۔ راستہ میں صاف و شفاف پہاڑی چشمے ملتے ہیں جن کا پتھروں سے ٹکراتے ہوئے گزرنا ایک مدہم اور شیریں راگ پیدا کرتا ہے۔ موٹر اپنی پوری رفتار کے ساتھ بلندی کی طرف چڑھتی چلی جاتی ہے۔ یہانتک کہ کھنڈ آجاتا ہے اس مقام کے قریب

راستہ کے موڑ زیادہ ہیں اور بلندی قریب چار ہزار فٹ ہے یہاں اکثر مسافر رات بسر کرتے ہیں۔ ٹھہرنے کے لئے ڈاک بنگلہ ہے اور یہاں شیریں پانی کا ایک چشمہ بھی ہے مگر ہم یہاں نہ ٹھہرے اور سفر جاری رکھا۔ چودہ میل کے بعد بٹوٹ پہنچے، یہ صحت بخش مقام ہے۔ دق کے مریض یہاں قیام کرتے ہیں اور خیمے لگا کر رہتے ہیں۔ کچھ میل کے بعد سڑک دریائے چناب کے کنارے کنارے چلی جاتی ہے اور سردی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، بالآخر ٹنل پہنچتے ہیں۔ یہاں سے وادیٔ کشمیر شروع ہوجاتی ہے اور ہر چیز، درخت، پہاڑ، اور چشمے دلکش اور خوش منظر معلوم ہوتے ہیں، ایک مقام پر سڑک دو شاخوں میں منقسم ہوجاتی ہے۔ ایک پر ویری ناگ ملتا ہے، جو دریائے جہلم کا منبع ہے اور یہاں مناظرِ قدرت اچھے ہیں دوسری سڑک سری نگر جاتی ہے۔

ویری ناگ کی سڑک پر، دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ اور بہترین مقامات ہیں جن میں اننت ناگ، اچھابل، کوکرناگ وغیرہ قابل دید ہیں، ہر مقام مناظر قدرت کی حسین تصویر ہے۔ میٹھے چشمے اور دلکش جنگلات ہیں ہمیں چونکہ سری نگر جانا تھا۔ اس لئے اس راستہ کو اختیار نہیں کیا اب تاریکی بڑھ رہی تھی اور راستہ مخدوش تھا۔ سڑک کے ہر دو جانب سفیدہ کے بلند قامت اور شاندار درخت ایک ایک فٹ کے فصل سے کھڑے نظر آتے تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فوج ایک قطار میں کھڑی ہے اور ہر سپاہی نے یہ شرط لگائی ہے کہ ضبط کے قائم رکھنے میں ایک دوسرے سے گوئے سبقت لیجائے گا۔ ہمارے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ کس کو کس پر فوقیت حاصل ہے۔ اس لئے کہ ہر ایک بے حس و حرکت نظر آتا تھا، اس راستہ میں پام پور ایک مقام ملتا ہے جو زعفران کی کاشت کے لئے مشہور ہے، اب سردی خوب ہوگئی تھی اور ہمارے بعض ہمسفر تو تھر تھر کانپنے لگے تھے۔ گیارہ یا ساڑھے گیارہ بجے شب کے قریب سری نگر کی روشنی نظر کو خیرہ کرنے لگی۔ بجلی کے قمقمے سڑک پر نظر آنے لگے، دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ کنٹونمنٹ کی آبادی آگئی۔ میل دو میل کے بعد سری نگر خاص میں داخل ہوئے اور ریذیڈنسی کے قریب اترے، جہاں بہت سے ہوٹل ہیں، ہم نے بھی ایک ہوٹل میں جس کے مالک ایک نوجوان کشمیری مسلمان ہیں قیام کیا

اب ہم کشمیر میں آگئے ہیں، کون کشمیر جس پر جہانگیر مرتا تھا اور نور جہاں فدا تھی، جس کو مغل بادشاہوں نے جنت نظیر کہا ہے اور جس کو حقیقی جنت بنانے کے لئے بہت سے باغ، حوض، فوارے، اور جوئبار بنوائے گئے تھے۔ آج بھی اُن میں سے بہت سی باقی ہیں مگر کشمیر کی خوبی اور اُس کی دلکشی کا راز اس کی لطافت خیز آب ہوا۔ پہاڑوں کے مناظر، برف سے ڈھکی ہوئی چوٹیوں ولولہ آفریں شفاف چشموں، گونہ گوں اور رنگا رنگ خودرو پھولوں، درختوں اور میووں میں مضمر ہے۔ یہاں آکر ایک کھٹک کہنے والا دل اور حسن کی جو یا آنکھ محوِ حیرت ہوجاتی ہے اور سکون پاتی ہے عرفی نے غلط نہیں کہا ہے۔

ہر سوختہ جانے کہ بکشمیر در آید گر مرغ کباب ست کہ با بال و پر آید

ہمالیہ پہاڑ کی یہ وادی سمندر کی سطح سے پانچ ہزار فٹ بلند ہے اور قریب ایک سو بیس میل لمبی اور ساٹھ میل چوڑی ہے۔ دریائے جہلم اور اس کے دوسرے معاونین اس کو سیراب کرتے ہیں۔ اور متعدد خوبصورت میٹھے پانی کی جھیلیں جگہ جگہ نگینوں

کی طرح اس میں جڑی ہوئی ہیں، جغرافیہ دانوں کا خیال ہے کہ وادی کشمیر کبھی ایک بڑے پانی کی جھیل یا خشکی سے گھرا ہوا سمندر تھا۔ جس میں مغربی ہمالیہ کا پانی جمع ہوتا رہتا تھا، بے تعداد صاف اور میٹھے پانی کے چشموں کا وجود اس نظریے کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے۔ پیر پنجال اور دوسرے چھوٹے ہمالیائی سلسلے اس وادی کو گھیرے ہوئے ہیں یہاں سے برفانی پہاڑی چوٹیاں اور گھنے جنگلات بھی نظر آتے ہیں، جنگلات کی پیداوار اس ریاست کی آمدنی کا خاص ذریعہ ہے۔ ان جنگلات سے جو لکڑی نکلتی ہے ان میں دیودار، سفیدہ، چنار، اخروٹ وغیرہ بکثرت ہیں یہ درخت بڑے تناور اور شاندار ہوتے ہیں۔ ان سے شہتیر، عمارتی لکڑی، فرنیچر اور قیمتی چیزیں بہت بنتی ہیں

سری نگر جس میں آج کل مقیم ہیں ریاست کا پائے تخت ہے اور اس کی آبادی ایک لاکھ سے زیادہ ہے۔ مسلمان بکثرت ہیں دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ چھیانوے فی صدی اسلامی آبادی ہے، مگر افلاس زدہ ہے۔ دریائے جہلم شہر کے وسط سے گزرتا ہے اور اس پر سات خوبصورت چوبی پل بنے ہوئے ہیں، کشمیری زبان میں پل کو کدل کہتے ہیں امیراکدل پہلا پل ہے۔ اس کے بعد حبا کادل فتح اکدل وغیرہ۔ یہ سب مسلمان بادشاہوں نے بنوائے تھے۔ اسلامی حکومت کے زمانے کی اور بھی بہت سی عمارات ہیں جن کا ذکر آگے کیا جائے گا۔ شہر کی جدید عمارتیں لکڑی اور اینٹ کی زیادہ ہیں۔

سری نگر صنعتی شہر ہے۔ یہاں کی دستکاریاں قابل دید ہیں۔ ایران کے بعد دنیا کے بہترین قالین یہیں کے ہوتے ہیں ان کی خوبی یہ ہے کہ پائدار، خوبصورت اور بڑے بڑے ہوتے ہیں۔ یہاں کے کمبل، لوئیاں۔ پٹو۔ نمدے، اونی اور ریشمی بیل بوٹوں کے کپڑے۔ پیپر میش کی صنعت اور لکڑی پر نقش و نگار عمدہ بنائے جاتے ہیں۔ ہزاروں زائرین ان کو بڑی قدر و منزلت سے خریدتے ہیں۔ یہاں کی بنی ہوئی چیزیں دور دور نمائشوں میں جاتی ہیں۔ ان سب صنعتوں اور دستکاریوں کے مالک مسلمان ہیں پھر بھی وہ مفلسی میں گھرے ہوئے ہیں۔

مسلمان چودھویں صدی میں سب سے پہلے کشمیر میں تبت کے راستے سے داخل ہوئے اور ان کا پہلا حکمران صدرالدین نامی ہوا ہے۔ جس کی حکومت رعایا اور ملک کے لئے بہت مفید ثابت ہوئی۔ پندرہویں صدی کے اوائل میں زین العابدین ایک رعایا پرور بادشاہ گزرا ہے۔ جس نے رفاہِ عام کے بہت سے کام کئے۔ موجودہ پلوں میں سے زیادہ اسی کے بنوائے ہوئے ہیں اس کے عہد کی اور بھی عمدہ عمارات ہیں۔ سولھویں صدی کے آخر میں ہندوستان کے جلیل القدر مغل شہنشاہ اکبر نے کشمیر پر قبضہ کرلیا سری نگر کا قلعہ اور چند دیگر عمارات اس کے نام سے موسوم ہیں۔ جب جہانگیر کا زمانہ آیا تو اُس نے کشمیر کو اپنی عشرت گاہ بنایا اور ڈل جھیل کے کنارے۔ نشاط اور شالامار باغ بنوائے۔ جب مغل سلطنت کا آخری دور تھا اور مرکزی حکومت کا شیرازہ بکھر چکا تھا، افغانستان کے بادشاہ ابدالی نے اس پر قبضہ حاصل کرلیا۔ جب ابدالی حکومت کمزور ہوگئی اور پنجاب میں رنجیت سنگھ کا طوطی بولنے لگا تو مجبوبۂ کشمیر اُس کی زینتِ آغوش ہوگئی ۱۸۳۹ء میں رنجیت سنگھ مرا اور انگریزوں سے سکھوں کی جنگ چھڑ گئی۔ سکھ مغلوب ہوئے۔ اور کشمیر*

* مہاراجہ گلاب سنگھ کو عطا ہوا اس کے معاوضہ میں مہاراجہ نے انگریزوں کو ۷۵ لاکھ یا ایک کروڑ روپیہ دیئے گلاب سنگھ کی اولاد ... کشمیر پر قابض و متصرف ہے اور موجودہ مہاراجہ کا نام سر ہری سنگھ ہے۔ (باقی)

محمد عبدالستار خان فاروقی اکبرآبادی

قرطاس

اناطولِ فرانس کا شہ پارہ

(تائیس کا دوسرا حصّہ)

تائیس کے جس قدر ابواب ہیں ان کے عنوانات مختلف ہیں پہلا حصہ جو شایع ہو چکا ہے اس کا عنوان "کنول" تھا اور اس نمبر سے دوسرا حصّہ "قرطاس" شروع ہو رہا ہے۔ مصنف نے ابواب کے عنوانات کے لئے جو الفاظ اختیار کئے ہیں وہ باعتبار معنویت نہایت درجہ علاماتی (symbolic) ہیں اور ان کے مرادفات جو مترجم نے قائم کئے ہیں وہ مصنف کے مفہوم کو پوری طرح ادا کرتے ہیں۔

لائیس کا چالاک لڑکا ہاتھ ردا کے اندر چھپائے ہوئے موٹھ پھیر کر تاکہ حسن التجا پرداز سے آنکھیں چار نہ ہوں اور وہ بوسہ لینے پر مجبور نہ ہو جائے، آگے بڑھتا ہے؛ جلوہ اسیر اشارے سے سمجھا دیتا ہے کہ اسے اندیشہ نہ کرنا چاہئے؛ اور اسکی مطمئن نگاہیں کہتی نظر آتی ہیں:-

"پولی سیاس، میں سمجھتی ہوں، اور ضرورت کے سامنے سر خم کرتی ہوں ــــ کیونکہ میں خود مدت کی طلبگار ہوں۔ پریام کی بیٹی اور ہیکٹر کی بہن کی سیج کو، جس کی آرزو شاہوں اور شاہزادوں کا مقصود حیات تھی۔ کوئی غیر ملکی آقا کبھی ملوث نہ کر سکے گا! میں عجلت رضا، دن کی روشنیوں کو خیرباد کہتی ہوں!"

ہکوبہ ابھی تک زمین پر صدمہ و غم سے نڈھال پڑی ہے دفعتہً اٹھ بیٹھتی اور اپنی بیٹی کو آخری بار اپنی مایوس آغوش میں لے لیتی ہے پولکزینہ مستقل مزاجی اور نرمی کیساتھ ماں کے ضعیف ہاتھوں کو، جو اس کے پیٹ پر اور جسم کا حلقہ کئے ہوئے ہیں، الگ کر کے کہتی ہے:-

"پیاری ماں، اپنے ظالم آقاؤں کے غیظ و غضب کا متوجب نہ بنئے۔ اس وقت کو دعوت نہ دیجئے کہ وہ مجھے آپ کی آغوش محبت سے جدا کرنے کے لئے آپ کو ناشائستگی کے ساتھ ڈھکیل دیں۔ میری پیاری اماں اس پر قناعت کیجئے کہ میں آپ کے جھریائے ہوئے ہاتھ تھام لوں اور آپ کے خشک رخساروں کا آخری بوسہ لے لوں!"

حالت حزن و الم تائیس کے حسن اور چشم دعنار میں سماویت پیدا کر دیتی ہے۔ مجمع تماشائیاں منت کش تھا کہ اس نے زندگی کے مختلف پہلوؤں، انسان کے مختلف جذبات میں، مافوق البشر شان رعنائی

پیدا کر کے دکھادی تھی۔ پفنوتیاس نے بھی اس کے مستقبل کی مکینی کا خیال کر کے اسکی موجودہ شان و تنعم کو نظرانداز کر دیا؛ اور اس خیال سے کہ اس نے عرش خداوندی کے سامنے ایک نئی بلا لاکر کھڑی کر دی ہے، دل ہی دل میں خوش ہوا۔

ڈرامے کا آخر آپہنچا تھا۔ ہکوبہ بیٹی سے جُدا ہو کر ایک لاش کی طرح گر پڑتی اور یولی سیاس، پولکزینہ کو لے کر قبر کی طرف بڑھتا ہے، جس کے گرد سردارانِ فوج حلقہ باندھے کھڑے تھے۔ جیسے ہی وہ قبر کچے چبوترے پر قدم رکھتی ہے جہاں ایکلیس کا لڑکا ہیرو کے نام پر شراب چڑھا رہا ہے، ایک نوحہ پڑھا جاتا ہے؛ اور جب قربانی کرنے والے مذہبی پیشوا اسے پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہیں تو "پولکزینہ ظاہر کر دیتی ہے کہ وہ بے قید و بند مرنے کی آرزو مند ہے" جو نسل شاہی کی ایک لڑکی کے شایانِ شان ہے۔ پھر وہ اپنا گریبان چاک کر کے مخزنِ کہربا سینے کو عریاں کر دیتی ہے۔ فیرس اپنی تلوار اس کے سینے میں پیوست تو کر دیتا ہے مگر اس حال میں کہ اس کا مونہہ دوسری جانب ہوتا ہے؛ نہایت صفائی کے ساتھ کوئی کامیاب ترکیب دوشیزہ کے مرمر ذی حیات سینے سے خون کا ایک فوارہ جاری کر دیتی ہے اور اس کے بعد فوراً اس کی آنکھوں سے موت کی خوف آفرینی پیدا ہو جاتی ہے؛ وہ گر پڑتی اور منکا ڈہل جاتا ہے؛

ایک سردار فوج اس پر چادر ڈال کر سوسن کے پھولوں سے ڈھک دیتا ہے۔ بعض رقیق القلب تماشائیوں کی چیخوں سے فضا گونج جاتی ہے۔ پفنوتیاس نے اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے طیش اور جوش کی حالت میں کہا:۔

"کافرو! شیطان کے پجاریو! اور تم، گمراہ آریاؤ جو بیدینوں سے بدتر ہو! سن رکھو! کہ جو کچھ تم نے اس وقت دیکھا ہے، ایک تمثیل اور نشانی ہے۔ اس قصے میں ایک روحانی معنویت ہے۔ یہ عورت جو اسوقت تمہارے سامنے ہے بہت جلد بکمال رضا و رغبت خداوند مزروع کے سامنے ایک پرمسرت قربانی میں پیش ہوگی!"

لیکن ہجوم خلائق کی تاریک موجیں دروازے کی جانب بڑھنے لگی تھیں اور خانقاہ آنطینوئی کا ایبٹ بھی، حیرت زدہ دربان کے پاس سے، اپنی پیشگوئی کا اعلان کرتا ہوا دروازے سے گزر گیا۔

ایک گھنٹے کے بعد اُس نے تائیس کے شبستان عشرت و نشاط پر دستک دی۔ وہ ان دنوں سکندر کی قبر کے پاس رکوٹس والے مکان میں رہتی تھی۔ یہ اسکندریہ کے متمول ترین لوگوں کا محلہ تھا۔ اس کا مکان سایہ دار درختوں سے گھرا ہوا تھا جس کے اندر ایک چشمے کے کنارے سفیدار کے سربلند درختوں کی قطار کھڑی تھی۔ چشمے نے مصنوعی گھاٹیوں اور چٹانوں میں پیچ و خم کھائے تھے۔ ایک معمر زنگی کنیز نے دریافت کیا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔

"میں تائیس سے ملنے آیا ہوں؛ مگر خدا میرا شاہد ہے کہ میرا مقصد محض ملاقات ہے"۔

اس کی قمیص اور لہجہ تحکمانہ تھا۔ حبشی کنیز نے اسے اندر آنے دیا۔

"تائیس وہاں اپنے پرستانی کنج میں ہے"۔ کنیز نے اشارے سے بتاتے ہوئے کہا۔

"قرطاس"

تائیس، آزاد مگر غریب والدین کے گھر میں پیدا ہوئی۔ اس کے ماں باپ بت پرست تھے۔ اس کا باپ، اسکندریہ میں چاند پول کے نزدیک، ایک سرائے کا مالک تھا۔ یہ سرائے بیشتر ملاحوں کا ٹھکانہ تھا

تائیس اسوقت بچہ تھی؛ لیکن سرائے اور ملاحوں کے بعض غیر مربوط واقعات ابھی تک اس کے حافظے میں باقی تھے۔ اُسے یاد تھا کہ اس کا باپ الاؤ کے پاس پالتی مارے بیٹھا رہتا تھا۔ وہ دراز قد، بارعب اور خموش تھا ــــ اس فرعون کی طرح خموش تھا جس کی کتھائیں سورداس اسوقت بھی گلیوں یا چوراہوں پر گاتے نظر آجاتے تھے۔ اس کے ذہن میں اپنی دُبلی پتلی ماں کی یاد بھی تازہ تھی جو ایک بھوکی بلی کی طرح آنکھیں جھپکاتی گھر میں گشت لگاتی رہتی تھی اور گھر اس کی تیز آواز سے ہر وقت گونجا کرتا تھا۔ پاس پڑوس والوں کا تو خیال تھا کہ وہ ایک ساحرہ تھی اور رات کو اُلو کے بھیس میں اپنے آشنا کے پاس جایا کرتی تھی۔ لیکن یہ غلط تھا۔ تائیس نے رات رات بھر جاگ کر دیکھ لیا تھا۔ البتہ وہ لالچی اتنی تھی کہ ساری ساری رات دن کی کمائی گنا اور سنبھالا کرتی تھی۔ کاہل باپ اور لالچی ماں کو اپنی بچی کی کوئی فکر اور پرواہ نہ تھی۔ چنانچہ تائیس گھر کی ایک مُرغی یا بلی کی طرح پلی اور بڑھی۔ جب ذرا بڑی ہوئی تو بدمست ملاحوں کو اپنے بے ترتیب گانے اور ناسزا گیتوں سے خوش کیا کرتی تھی؛ اور ان کے پیسے چرا لینے میں مشاق ہوگئی تھی۔ ادنیٰ قسم کی شرابوں کی مہک اور رال میں ڈوبے ہوئے شراب کے مشکیزوں کی بُو سے بسے ہوئے ایک کمرے میں، وہ ایک کی گود سے دوسرے کی گود میں پھدکتی پھرتی۔ اسکے عارضوں میں بئیر (شراب) میں ڈوبے ہوئے بوسوں سے چپکنے لگتے اور کھُردری ڈاڑھیوں سے چھل جایا کرتے تھے۔ وہ اپنے نازک اور چھوٹے چھوٹے ہاتھوں میں چُرائے ہوئے پیسے چھپائے کھسک جاتی چاند پول کے نیچے ایک بڑھیا سے شہد کی روٹی خرید لایا کرتی۔ ہر روز انھیں مناظر کی تکرار اور انھیں باتوں کا اعادہ ہوتا رہتا۔ ملاح اپنے قصے اور پرخطر واردتیں بیان کرتے، پانسہ پھینکتے، دیوتاؤں کو بُرا بھلا کہتے اور سلیشیا کی بہترین بئیر کی فرمایش کرتے جاتے تھے۔

نشے میں چور ملاحوں میں حجت و تکرار ہوتی، ایک دوسرے پر گھونسے مارتے، سر اور چہرے مجروح ہوتے اور یہ شور وغل سوتی ہوئی معصوم بچی کو چونکا دیا کرتا۔ کبھی کبھی تائیس چھریوں کی چمک اور خون کی روانی کا نظارہ بھی کرتی تھی۔

اب جب کبھی وہ اپنے بچپن کا تصور قائم کرتی تو منکسر و شفیق اہمیس کی ایک تنہا ہستی نظر آتی جس نے اس کے ساتھ انسانی محبت اور حقیقی شفقت کا برتاؤ کیا تھا۔ اہمیس جن برتنوں کو مانجھا کرتا تھا۔ اس سے بھی سیاہ تر شکل کا حبشی غلام تھا وہ اتنا نیک اور اچھا آدمی تھا جتنی ایک رات کی طویل نیند اچھی ہوتی ہے۔ تائیس کو اپنے گھٹنوں پر بٹھا کر بادشاہ کی حرص پروری کا قصہ سُناتا کہ اُس نے اپنے زر وجواہر مخفی کرنے کے لئے تہ خانے کس طرح بنوائے اور پھر ان کاریگروں کو کیونکر قتل کرادیا۔ دلیر اور ہوشیار ڈاکو کی کہانی سُناتا کہ وہ ایک بادشاہزادی کو کس طرح چرالے گیا اور اس کے ساتھ کیونکر شادی کرلی۔ ایک بازاری عورت کا فسانہ بیان کرتا کہ اس نے اہرام مصری کی تعمیر کس طرح اور کیونکر کرائی۔ ننھی تائیس کو اہمیس کے ساتھ، ایک ماں اور باپ اور ایک دایہ کی سی محبت ہوگئی تھی۔ وہ جب تہ خانے میں بئیر نکالنے جاتا یہ بھی ساتھ ساتھ جاتی۔ وہ جب مُرغی خانے میں جاتا یہ بھی پیچھے پیچھے ہوتی۔ اہمیس بھی جب رات کو اپنے پیال کے بچھونے پر لیٹتا تو سونے کی بجائے تائیس کے لئے کاغذ کی ناؤ اور پون چکی بنایا کرتا تھا۔

اہمیس کے آقاؤں نے اُس کے ساتھ سخت بیرحمی کا برتاؤ کیا تھا اسکا ایک کان پھٹا ہوا تھا اور جسم پر زخموں کے بیشمار نشان تھے۔ بایں ہمہ اس کے چہرے پر ہر وقت صبر و سکون کی مسرت

چھائی رہتی تھی۔ مگر کبھی کسی نے اس سے سوال نہیں کیا کہ یہ اطمینانِ قلب و سکونِ روح وہ کہاں سے لاتا ہے! وہ ایک بچے کی طرح سادہ روح تھا۔ اپنے باشقت فرائض و کارِ خدمت کی بجا آوری میں بھی وہ اپنے درشت لحن میں مناجاتیں پڑھتا رہتا تھا؛ جنھیں سن کر تائیس کانپ جاتی اور اسے خواب دکھائی دیا کرتے تھے۔ اہمیس اپنے خشونت مآب لہجے میں سرور آواز میں گاتا:۔

"مریم، بتا تو کہاں گئی تھی اور تو نے کیا دیکھا؟"

"میں نے ملبوس و کفن دیکھے اور قبر پر فرشتوں کو بیٹھا دیکھا؛

اور میں نے مرفوع کی شان و عظمت دیکھی!"

"بابا،" تائیس اس سے سوال کرتی کہ قبر پر فرشتوں کے بیٹھنے کا گیت کیوں گایا کرتے ہو؟"

"ننھی، میری آنکھوں کی روشنی، میں فرشتوں کا گیت گاتا ہوں کیونکہ ہمارا خدا یسوع آسمان پر اٹھ گیا ہے!"

اہمیس مسیحی تھا؛ اس کا بپتسمہ بھی ہو چکا تھا، اور وہ ایمان والوں کے مجمعوں میں تھیوڈور کے نام سے معروف تھا۔ ان صحبتوں میں وہ اس وقت شریک ہوتا جو اسے راحت و آرام کے لئے میسر ہوتا تھا۔

اس عہد میں کلیسا پر شدید ترین مصائب نازل ہو رہے تھے۔ شہنشاہی فرمان کے مطابق گرجے منہدم کر دیئے گئے تھے، مقدس کتابیں جلا دی گئی تھیں، اور ظروف و شمعدان گلا ڈالے گئے تھے۔ مسیحیوں کو اعزاز و مناصب سے محروم کر دیا گیا تھا اور ان سے موت کی توقع کے سوا تمام امیدیں چھین لی گئی تھیں۔ اسکندریہ کی مسیحی آبادی پر خوف و خطر کی حکومت تھی اور زندان عیسائیوں سے پر تھے۔ مومنین کے حلقے میں مخفی طور پر یہ افواہ گشت کر رہی تھی کہ شام، عرب اور عراق غرض ساری شہنشاہی میں اسقفوں اور مقدس کنواریوں کو کوڑوں کی سزا دی گئی ہے، مصلوب کئے گئے ہیں اور درندوں کے سامنے ڈال دیئے گئے ہیں۔ یہ وہ وقت تھا کہ مادر انطونی جو اپنی بشارتوں اور تقدس کی زندگی کی بنا پر پہلے ہی سے ایک پیغمبر کے درجے پر سمجھا جاتا تھا اور اسکندریہ کی تمام مسیحی آبادی اسے اپنا مذہبی پیشوا مانتی تھی، ایک عقابِ صحرائی کی طرح پہاڑی چٹانوں سے اتر آیا تھا؛ اور شہر اسکندریہ میں ایک کلیسا سے دوسرے تک پرواز کرتا ہوا سارے عیسائیوں کو مقدس جذبے اور مذہبی حرارت سے معمور کر دیا تھا۔ اگرچہ کفار کو چشمِ بصیرت نہ تھی، مگر وہ ایک ہی وقت میں مختلف مقامات پر مسیحی مجلسوں میں موجود ہوتا اور لوگوں کے اندر وہی روحِ قوت و دانائی پھونک دیتا جس سے وہ خود معمور تھا۔ اس حالت دار و گیر میں مخصوص طور پر غلاموں کے ساتھ نہایت سختی و بیرحمی کا برتاؤ کیا جا رہا تھا۔ اکثر لوگ خوف سے منکر عقیدہ ہو گئے تھے مگر بہت بڑی اکثریت صحرا کی طرف فرار ہو گئی کہ وہاں پہنچ کر راہب یا لٹیرے بن کر بسر کر سکیں گے۔

بہرحال اہمیس، حسب معمول، جلسوں میں شریک ہوتا، زندانی عیسائیوں سے ملنے جاتا، شہدا کی تکفین و تدفین میں مدد کرتا اور فخر و مباہات کے ساتھ اپنے عیسوی عقیدے کا اعلان کرتا رہا۔ مقدس انطونی اس کے مذہبی جوش و خلوص سے متاثر ہو کر صحرا کی مراجعت سے قبل اس کے ساتھ بغلگیر ہوا اور اسے سلامتی کا بوسہ دیا۔

اہمیس نے جب تائیس کو خدا کے ذکر و اذکار سنانا شروع کئے وہ سات سال کی تھی۔

"خدائے قدوس،" ایک روز اس نے تائیس کو بتایا - اپنے باغوں کے سایۂ اشجار اور اپنے حرم کے خیموں میں ایک فرعون

کی طرح رہتا ہے۔ وہ قدامت سے قدیم اور کائنات سے زیادہ پرانا ہے۔ شاہزادہ یسوعؑ اس کا اکلوتا بیٹا تھا اور خدا کو بہت محبوب و پیارا تھا۔ حوروں اور فرشتوں سے بھی بہت زیادہ خوبصورت تھا۔ خدائے پاک نے شہزادے سے کہا "میرا حرم اور محل، میرے کھجور اور نہریں ترک کرکے اور دنیا میں انسان کی بھلائی کے لئے جا! وہاں تو ایک معصوم بچے کی طرح، غریب رہ کر غریبوں ہی میں رہے گا۔ مصیبت اور بلائیں تیری روزانہ غذا ہونگی اور تو اس قدر روئے گا کہ تیرے آنسوؤں کی ندیاں بہہ جائیں گی۔ ان ندیوں میں خستہ و ماندہ غلام خوشی خوشی غسل کریں گے۔ جا، میرے بیٹے جا! شاہزادے یسوعؑ نے خدا کے حکم کی تعمیل کی اور دنیا میں ارض یہودا کے ایک مقام پر جسے بیت لحم کہتے ہیں پیدا ہوا کھیتوں سے گذرتے ہوئے اس نے اپنے حواریوں سے کہا "مبارک ہیں وہ جو بھوکے ہیں، میں انکو اپنے باپ کے دسترخوان پر بٹھاؤں گا! مبارک ہیں وہ جو پیاسے ہیں، کیونکہ وہ جنت کی نہروں کا پانی پئیں گے! مبارک ہیں وہ جو روتے ہیں، کیونکہ میں نقاب حور سے بھی زیادہ نفیس رومال سے اُن کے آنسو خشک کروں گا" یہی سبب ہے کہ غریب اس سے محبت کرتے ہیں اور غریب ہی اس پر ایمان لائے تھے۔ لیکن دولتمندوں نے اس سے انحراف کیا؛ کیونکہ وہ ڈرتے تھے کہ مبادا وہ غریبوں کو خود ان سے بڑھا دے۔ اس وقت دنیا میں قیصر اور قلوبطرہ حکمراں تھے ان دونوں کو یسوعؑ سے بغض تھا۔ چنانچہ انھوں نے اپنے حاکموں اور قسیسوں کو یسوعؑ کے قتل کا حکم دے دیا۔ ملکۂ مصر کی تعمیل حکم میں ان لوگوں نے شام کے اندر ایک صلیب کھڑی کی اور مسیحؑ کو اس پر چڑھا کر قتل کر دیا۔ شاہزادہ یسوعؑ قبر کو پھاڑ کر پھر اپنے باپ، خدائے پاک کے پاس چلا گیا۔ اس وقت سے جو لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں جنت میں داخل کئے جاتے ہیں۔ خدائے پاک ان کے لئے اپنی آغوش کھول دیتا ہے اور کہتا ہے "تمھارا آنا مبارک ہے، کیونکہ تمھیں شاہزادے یسوعؑ میرے بیٹے کے ساتھ محبت ہے۔ غسل کرو اور کھاؤ پیو!" دلپذیر موسیقی کے نغمے سنتے ہوئے وہ لوگ غسل کرتے اور ہر وقت کھاتے پیتے رہتے ہیں۔ ملائکہ کا رقص دیکھتے اور داستانیں سنتے ہیں جو کبھی ختم نہیں ہوتیں۔ خدا پاک ان کو اپنی آنکھوں کے نور سے بھی زیادہ عزیز رکھتا ہے، کیونکہ وہ اس کے مہمان ہوتے ہیں۔ ان کو خدا کے گھر کے قالین اور اسکے باغ کے انار ملتے ہیں۔"

اہمیس اس قسم کی باتیں اُسے اکثر سناتا اور تائیس کی تعلیم ہوتی رہتی اور وہ حیرت کے ساتھ کہنے لگتی:-

"میں بھی خدا کے باغ کے انار کھاؤں گی! میں بھی خدا کے باغ کے میوے کھاؤنگی۔"

"اچھی، جنت کے میوے وہی کھا سکتے ہیں جن کا بپتسمہ ہو چکا ہو۔" وہ جواب دیتا۔

یہ سن کر تائیس نے بپتسمے کی خواہش کی اور اہمیس نے اسے یسوعؑ کا معتقد دیکھکر مزید تلقین اور بپتسمہ دلانے کا تہیہ کر لیا کہ یہ کلیسا کی بڑی خدمت تھی۔ اسے تائیس کے ساتھ روحانی اولاد کی طرح محبت تھی۔

خود غرض ماں باپ کی شفقت و محبت سے محروم بچی کے لئے گھر میں پلنگ یا کوئی سونے کی جگہ نہ تھی۔ وہ اصطبل کے ایک کونے میں اہلی جانوروں کے ساتھ سو جایا کرتی تھی۔ اہمیس جب کام سے فارغ ہوتا، چپکے سے اس کے پاس جاتا، باہستگی اس کے چٹائی کے بستر تک پہنچتا اور اپنے قومی و آبائی طریقے پر اکڑوں بیٹھ جاتا۔ رات کے اندھیرے میں اس کا چہرہ اور سیاہ لباس نظر نہ آسکتے تھے۔

لیکن سفید آنکھیں چمکتی رہتی تھیں۔ اس کی آنکھوں کے اندر سے، دروازے کی جھریوں میں سے نورِ صبح کی طرح، روشنی نکلتی رہتی تھی۔ بھرائی ہوئی مگر غیر مبدل آواز میں گونہ غنیت کے ساتھ باتیں کرتا، جس سے اس کا لہجہ راستے اور بازاروں کی موسیقی کی شکل اختیار کر لیتا۔ بعض اوقات گدھے کا تنفس اور بیل کی ہلکی بھبیاہٹ[۵]، غیر مرئی ارواح کے گیتوں کی طرح اس کی انجیل خوانی کے لحن میں شامل ہو جاتی۔ اس کے الفاظ کی نرمی فضائے تاریک کو شوق و ولولہ، امید و ترحم سے مملو کر دیتی۔ اور نو آموز مومنہ، اُنہیں کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر، غیر مبدل آواز کی لوری سے، اپنے مختصر دماغ میں ایک نامشخص تصور لئے ہوئے، ظلمت شب کی ہم آہنگیوں اور اسرار مقدس کے اندر تبسم و سکون کے ساتھ سو جاتی۔ اصطبل کے چھپر کی جھریوں میں سے ستارے اسے دیکھا کرتے تھے۔

تعلیم و تلقین کا یہ سلسلہ ایک سال تک جاری رہا؛ اور عید فسح یعنی ارتفاع مسیحؑ (ایسٹر) کا زمانہ آگیا۔ اس مقدس ہفتے کی ایک رات کو تائیس حسبِ معمول اپنی چٹائی پر سو رہی تھی۔ دفعتہً اُس نے محسوس کیا کہ اہمیس نے اسے گود میں اٹھا لیا ہے، اس کی آنکھوں میں غیر معمولی روشنی ہے اور خلافِ معمول وہ ایک سفید عبا پہنے ہوئے ہے۔ اور ایسی آواز میں جس سے لطف و شفقت ٹپک رہی ہے کہہ رہا ہے:۔

"میری جان، میری آنکھوں کے نور، میری پیاری گڑیا، اُٹھ اور بپتسمے کے کپڑے پہن لے۔"

تائیس کو گود میں لے کر سینے سے لگائے اور عبا کا دامن اڑھائے ہوئے اہمیس روانہ ہو گیا۔ وہ سہمی ہوئی اور متجسس تھی۔ اُس کے ہاتھ اہمیس کی گردن میں پڑے تھے اور وہ اندھیری میں تیزی کے ساتھ چلا جا رہا تھا۔ تنگ و تاریک گلیوں سے نکل کر، یہودیوں کے محلے کو عبور کر کے، گورستان کا چکر کھاتے ہوئے اور مقتول و مصلوب عیسائیوں کی لاشوں کے سایہ کے اندر سے گزر کر جن کو چیل کوے نوچ رہے تھے، اُس نے ایک کھلا میدان طے کیا۔ تائیس نے اپنا مونھ اس کے سینے میں چھپا لیا تھا اور اسے اِدہر اُدہر دیکھنے کی جرأت نہ تھی۔ آخر اُس نے محسوس کیا کہ وہ کسی تہ خانے کے اندر جا رہی ہے۔ آنکھ کھول کر دیکھا تو اپنے آپ کو ایک سرنگ کے اندر پایا جو رال کی مشعلوں سے روشن تھی۔ دیواروں پر ایستادہ تصاویر کے نقوش شعلوں کی روشنی میں چلتے ہوئے معلوم ہو رہے تھے۔ یہ تصویریں جن لوگوں کی تھیں وہ لانبی عبائیں پہنے اور ہاتھوں میں کھجور کی شاخیں لئے ہوئے تھے۔ آس پاس بھیڑوں کے گلّے، فاختاؤں کے جھنڈ اور انگور کی ٹٹیاں تھیں۔

ان تصاویر میں تائیس نے عیسائے نفرتی کی تصویر کو فوراً پہچان لیا۔ غار کے وسط میں پانی کا ایک حوض تھا اور اس کے پاس ایک معمر شخص زری کی کشیدہ کار سُرخ عبا میں لپٹا ہوا کھڑا تھا۔ اس کے سر پر مجتہدانہ ٹوپی تھی۔ باوجودیکہ وہ قیمتی لباس پہنے تھا مگر اس کے چہرے اور دراز ریش سے حلم اور مسکینی ٹپک رہی تھی۔ وہ اسقف ویوانئیس تھا جو کلیسائے تیسر یا کا اسقفِ اعظم تھا۔ مگر اب جلاوطنی میں اسکندریہ کے اندر کمبل بُن کر بسر اوقات کرتا تھا۔ اُس کے پہلو میں دو غریب لڑکے تھے اور قریب ہی ایک حبشن عورت بھی مختصر اور سفید عبا پہنے موجود تھی۔ اہمیس نے تائیس کو آہستہ سے اُتار دیا اور اسقف کے سامنے گھٹنے ٹیک کر کہنے لگا:۔

[۵] یہ مقامی لفظ ہے جس سے گنوار لوگ گائے کے بچے کی اس آواز کو ظاہر کرتے ہیں جو وہ ماں سے جدا ہونے پر لگاتا ہے۔

" وہ ننھی سی جان، میری روحانی بیٹی یہی ہے اگر تقدس مآب کی مرضی ہو تو حسب وعدہ اسے بپتسمہ دیدیجئے۔"

بوڑھے اسقف نے اپنا بدہیئت ہاتھ باہر نکالا۔ اعلان مسیحیت کی سزا میں اس کے ہاتھ کچلے اور چھیدے گئے تھے۔ تائیس ڈر کر اہیس سے چمٹ گئی لیکن بوڑھے پادری کی نرم و پُرشفقت آواز سے اُس کا خوف دور ہو گیا:۔

" پیاری بچی، ڈرنے کی کوئی بات نہیں تیرا روحانی باپ اہیس تیرے پاس ہے۔ ایمان والوں کی جماعت اسے تھیوڈور کے نام سے جانتی ہے؛ اور ایک ماتاوالی ماں بھی تیرے پاس ہے جس نے اپنے ہاتھوں سے تیرے لئے سفید فرغل سیا ہے،" حبشن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے " اس کا نام نتیدہ ہے یہ اس دنیا میں اگرچہ ایک لونڈی ہے لیکن آخرت میں مسیح کی منوبہ بننے والی ہے۔" پھر کمسن نومسیحہ کی طرف مخاطب ہو کر "کیا تجھے خدا، قادر مطلق باپ اور اس کے اکلوتے بیٹے پر، جس نے ہم سب کے گناہوں کا کفارہ اپنے خون سے ادا کیا، اور اس کے حواریوں کی تعلیم پر ایمان ہے؟"

" ہاں ہے،" تائیس کے ساتھ حبشی اور حبشن نے بھی کہا جو دونوں طرف اسکا ایک ایک ہاتھ تھامے کھڑے تھے۔

اسقف نے اشارہ کیا اور نتیدہ نے تائیس کے کپڑے اُتار کر بالکل برہنہ کر دیا۔ اس کے گلے میں ایک تعویذ البتہ پڑا رہ گیا مذہبی پیشوا نے اسے تین بار حوض میں غوطہ دیا۔ ایک دوسرا پادری تیل لئے آیا اور اسقف نے نومسیحہ کے جسم پر ملا اور تھوڑا سا نمک اس کی زبان پر رکھدیا۔ پھر اس کا جسم جو متعدد امتحانات حیات سے گزرنے کے بعد زندگیٔ جاوید پانے کے لئے مقدس ہو چکا تھا، خشک کیا گیا اور نتیدہ نے اپنا سیا ہوا سفید فرغل اسے پہنا دیا۔

بوڑھے اسقف نے فرداً فرداً سب کو سلامتی کا بوسہ دیا۔ رسم ادا ہو چکی تو اس نے اپنا نشان مجتہدی اُٹھا لیا۔ اور جب یہ غار سے نکل رہے تھے اسوقت اہیس نے کہا:۔

" آج تو ہمیں خوشی منانا چاہئے کیونکہ ہم نے خدا کے حضور ایک روح کا تحفہ پیش کیا ہے اگر تقدس مآب کا ایما ہو تو ہم سب آپ کے بابرکت گھر پہنچ کر رات کا باقی حصہ اس تقریب کی خوشی میں بسر کریں!"

" تھیوڈور تیری تجویز نہایت مُبارک ہے۔" اسقف نے کہا اور اس مختصر جماعت کو اپنے گھر لے گیا۔ اُس کی قیامگاہ نہایت تنگ تھی، جسمیں دو کرگھے رکھے تھے، ایک بھاری میز تھی اور ایک بوسیدہ قالین۔ وہاں پہنچکر اہیس نے کہا:۔

" نتیدہ چولہا یہاں اٹھا لاؤ اور تیل کا بوہام بھی۔ ہم لوگ آج بہت عمدہ کھانا پکا کر خوب کھائیں گے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی عبا کے اندر سے چھپی ہوئی مچھلی نکالی۔ آگ روشن کی اور اسے بھوننے لگا۔ اسقف، تائیس، دونوں لڑکے اور دونوں حبشی حلقہ باندھکر بیٹھ گئے، اور کھانے میں معروف ہو گئے۔ کھانے کے بعد سب نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اسقف اپنے بیدین حاکموں کے مظالم کی داستانیں سناتا رہا اور آخر میں کہنے لگا کہ بہت مسیحیت کا بول بالا ہو گا۔ اس کی زبان اگرچہ فصیح نہ تھی لیکن بیان صنعت الفاظ سے مملو تھا۔ اس نے کہا کہ اہل اتفاق و انصاف کی مثال ایک پارچہ ارغوان رنگ کی سی ہے۔ پھر اس نے بپتسمے کی خوبیاں اور اس کی وجہ تسمیہ بیان کی:۔

" چونکہ روح سماوی سطح آب پر رواں رہتی ہے اس لئے مسیحیوں نے پانی سے بپتسمہ لینا اختیار کیا ہے؛ لیکن شیاطین بھی پانی کے چشموں میں رہتے ہیں اور وہ چشمے جو بعض دیوتوں سے منسوب ہیں زیادہ پرخطر ہیں بعض جگہ کا پانی ایسا بھی ہوتا ہے جس سے روح و جسم کے امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔"

کہیں کہیں اسکی گفتگو معمے کی مثال ہوتی تھی۔ مگر تائیس، حیرت زدہ و مرعوب، نہایت توجہ کیساتھ سنتی رہی۔ کھانا ختم ہوا تو ضعیف اسقف نے کچھ شراب نکالی جس نے انکی زبانوں کو کچھ وارستہ کر دیا۔ نوحے اور مناجاتیں

جوش و شوق کیساتھ گائی جانے لگیں۔ آہیس ورزیدہ حبشیوں کا ناچ دکھانے لگے جو انھوں نے اپنے بچپن میں سیکھا تھا، اور جو بلاشبہ ان کے مورث اوّل کے وقت سے اسی طرح ہوتا چلا آیا تھا۔ یہ رقص، رقصِ محبت تھا: ہاتھوں اور جسم کے حرکات متوازن تھے ایکدفعہ ایک اجتناب و گریز کرتا تو دوسرا ہمہ التجا و جستجو بنجاتا اور جب دوسرا التفات و توجہ کرتا تو پہلا اغماض و کشیدگی ہوجاتا۔ سفید آنکھیں متحرک تھیں اور تبسم کے باعث سفید دانتوں کی نمایش ہورہی تھی

اس طرفہ طریق سے تائیس نے بپتسمہ حاصل کیا اسے کھیل تماشے سے شوق تھا۔ جیسے جیسے وہ بڑی ہوتی گئی اسکے قلب و دماغ میں نامشخص آرزوئیں اور نامعلوم خواہشیں پیدا ہوتی رہیں۔ دن دن بھر محلے کے بچوں کے ساتھ گلیوں میں ناچتی گاتی رہتی رات ہوتے جب گھر پلٹتی تب بھی گاتی ہوئی جاتی اب اسے شفیق آہیس کی بجائے لڑکے اور لڑکیوں کا ساتھ زیادہ بھاتا اور اسے یہ احساس بھی نہ ہوتا وہ کیوں آہیس کے پاس زیادہ تر رہ سکتی تھی

غیر مذہبی حکومت کا جبر و تشدد کم ہوگیا اور مسیحیوں کے اجتماع زیادہ باقاعدہ ہونے لگے تھے۔ اور آہیس ان مجلسوں میں بہم شرکت کرتا تھا اس کا شوق و ولولہ بڑھ گیا تھا اور بعض اوقات عجیب و پر مز کلمات اس کے مونھ سے نکل جاتے تھے۔ بازاروں میں جہاں غریب مسیحی جمع ہوجایا کرتے تھے وہ اعلان کرتا کہ امرا کی دولت انکے ہاتھوں سے نکل جائیگی۔ غلام عنقریب آزاد ہوجائیں گے۔ یوم عدل و حساب نزدیک آ چلا ہے!

"خدا کی بادشاہی میں،" وہ کہا کرتا "غلاموں کو پینے کے لئے تازہ شرابیں اور کھانے کے لئے لذیذ غذائیں ملینگی اور دولتمند آقا گھسٹتے ہوئے انکا پس خوردہ ڈھونڈھتے پھرینگے"!

اس کے اقوال شہر کے ہر حصے میں گشت کرتے رہتے تھے۔ آقایانِ اسکندریہ کو اندیشہ ہوگیا کہ آہیس شہر کے غلاموں سے بغاوت کرانا چاہتا ہے تائیس کا باپ بھی اس سے متنفر تھا مگر اپنی نفرت کو چھپائے ہوئے تھا ایک روز نقرئی نمکدان جو دیوتاؤں کی نیز کے لئے مخصوص تھا سرائیں سے غائب ہوگیا

شہنشاہی دیوتاؤں اور آقایانِ وقت کے تئیں آہیس کا تنافر کوئی پوشیدہ بات نہ تھی اس پر نمکدان کی چوری کا الزام عائد کیا گیا۔ الزام کا کوئی ثبوت نہ تھا اور مسیحی غلام نے اپنی بیگناہی کا اعلان کیا۔ تاہم وہ عدالت کے سامنے لیجایا گیا چونکہ وہ ایک نالایق غلام ہونے کیلئے بدنام کیا گیا تھا، اسلئے مجسٹریٹ نے سزائے موت کا حکم صادر کردیا اور لکھا کہ:-

"چونکہ آہیس غلام اپنے ہاتھوں کا بہتر استعمال نہیں جانتا اس لئے اس کے ہاتھ صلیب پر کیلوں سے ٹھونک دیئے جائیں"

آہیس نے اپنی قسمت کا فیصلہ سکون کیساتھ سنا اور مودبانہ سر کو خم کردیا۔ وہ جیلخانے لیجایا گیا اور قتل سے پہلے جو تین دن ملے اس فرصت میں وہ قیدیوں کو انجیل کی تلقین کرتا رہا! اور بعد میں معلوم ہوا کہ تمام قیدی، حتیٰ کہ جیلر بھی مسیح مصلوب پر ایمان لے آئے تھے۔

چوتھے روز صبح کے وقت وہ اسی مقام پر لیجایا گیا جہاں تقریباً دو سال قبل، ایک رات کو اپنی عبا میں چھپائے ہوئے، اپنی روحانی اولاد اپنے دلپذیر گلاب، ننھی تائیس کو لیگیا تھا۔ اسے سولی دیدی گئی اور ہتھیلیوں میں کیلیں ٹھونکی گئیں۔ اس نے کوئی آہ و زاری نہ کی نالہ و بکا نہ کیا۔ البتہ چند بار نہایت دھیمی آواز میں جو گنگناہٹ سے زیادہ نہ تھی کہا "میں پیاسا ہوں"

تین شبانہ روز اسکی حالت کرب نزع قائم رہی لیکن یقین نہ آتا تھا کہ گوشت و پوست کا قوی سے قوی انسان بھی اتنی طویل تعذیب برداشت کرسکتا ہے۔ کئی دفعہ اُسے مردہ سمجھ لیا گیا مگر جیسے ہی کسی مکھی نے اس کے ہونٹوں کو چھوا اس کی خونناب آنکھیں وا ہوگئیں چوتھی صبح کو ایک بچے کی سی صاف و معصوم آواز میں کہنے لگا:-

"مریمؑ بتا تو کہاں گئی تھی اور تونے کیا دیکھا"؟

پھر متبسم ہوا اور کہنے لگا:-

"وہ آرہے ہیں، خدا کے پاک فرشتے آرہے ہیں! وہ میرے لئے میوے اور شرابیں لائے ہیں۔ انکے پروں کی ہوا کتنی فرحناک ہے"!

یہ کہا اور واصل بحق ہوا۔ *

ل۔ احمد اکبرآبادی

حِسان ہے۔
لفظ حِسان جو حسین کی بھی جمع ہے قرآن شریف میں آیا ہے فِیْهِنَّ خَیْرَاتٌ حِسَانٌ
اس سے واضح ہوا ہوگا کہ لفظ حسین کو عربی میں غیر مستعمل کہنا بے سر و پا
بات ہے۔

دوسرا گروہ جو عربی قواعد سے واقف نہیں" عربی ابواب کے تحت میں ہوئے
ہر لفظ کو اپنی ناواقفیت کی وجہ سے عربی سمجھنا چاہتا ہے خواہ وہ عربی میں مستعمل
ہو یا نہ ہو۔
محض اس لئے کہ اس کا مادہ عربی ہے اور اتنی موٹی بات بھی نہیں جانتا
کہ زبان اور لغت ان لفظوں کو کہتے ہیں جو کسی زبان والوں میں مستعمل ہوں
یہ قاعدوں سے نہیں بنائے جاتے بلکہ قاعدے ان پر نظر ڈال کر بنائے
جاتے ہیں۔ یہ گروہ کوئی سمجھ کی بات نہیں کہتا اس لئے اس کیطرف توجہ
کرنا فضول ہے۔
عربوں کو ایک لفظ کی ضرورت اپنی زبان میں محسوس نہوئی انھوں نے
نہیں بنایا اور اس گروہ کو ہندوستان میں ہوئی تو اس نے اپنی زبان کا میدان
چھوڑ کر صحرائے عرب کا رُخ کیا اور اپنی ناواقفیت کی ہندی کلہاڑی
سے وہاں کے" اذخر و جلیل،، کو مستاصل کرنا شروع کر دیا۔ تاکہ اپنی
زبان کی بھینس چری کی بجائے انکی سانی کا لطف اٹھائے۔ اور
کوہ کندن وکاہ برآوردن کی مثل سچ ہو جائے۔

غیر عربی داں جماعت کو اگر عبارت نویسی کا شوق ہے تو پہلی بات یہ ہے
کہ کوئی فن بھی بے سیکھے نہیں آتا بے پڑھے لکھے منشی فاضل مشہور ہونیکا
شوق درست نہیں ہے۔ تحصیل فن میں کچھ دن صرف کرنے چاہئیں۔

تنقید۔ وقیع۔ عادی۔ جذبات۔ بے عطفُ اضافت بھی استعمال ہو سکتے
ہیں۔ نظم میں تنقید کی جگہ تقریظ۔ وقیع کی جگہ رفیع عادی کی جگہ خوگر
جذبات کی جگہ امیال۔ آسکتا ہے۔

الفاظ کی فصاحت وصحت کے پرکھنے میں ایک زبردست اصول سے بڑی
غفلت برتی جا رہی ہے۔ صحت و فصاحت کا سب سے بڑا معیار یہ ہے کہ
لفظ اس زبان بولنے والوں میں مستعمل ہو اگر اسے خاص و عام بولتے ہیں
تو اس کی صحت و فصاحت میں کوئی شک نہیں ہو سکتا۔ فصاحت و صحت میں
قیاس کو دخل نہیں ہے۔ تمام روئے زمین کی زبانوں میں یہ اصل مسلّم ہے
مگر ہمارے یہاں نادانی کے سبب لغت میں بھی قیاس کے تکے چلتے ہیں
فصاحت کے گھمنڈ میں بیسوں الفاظ متروکات کے جال میں پھانس کر
اپنی استادی کی قبر پر بھینٹ چڑھا دیئے جاتے ہیں

لچکدار۔ مزیدار۔ رشتے دار۔ گاڑی بان۔ ٹھیکیدار اور پتنگ باز
سب صحیح ہیں۔
ثبوت یہ ہے کہ ہم بولتے ہیں اور بولتے ہوئے اوروں کو سنتے
ہیں۔ اور یہ صحت دلیل سب دلیلوں سے بہتر و برتر ہے۔ جس پر کل دنیا
کے اہل لسان کا اتفاق ہے۔ باقی فصیح اور غیر فصیح یہ بحث الگ ہے
یہ بات اس میں بھی ہے کہ جو لفظ زیادہ مستعمل ہے زیادہ فصیح ہے
اسی کو مانوس کہتے ہیں جو کم مستعمل ہے کم فصیح ہے اسکو غریب کہتے ہیں۔

حکیم عیش امروہوی

اے دوست

"چند رباعیاں"

جس کام پہ قدرت ہو کئے جا ای دوست
ہنگامۂ مرگ میں جئے جا اے دوست
ممکن ہے بدل جائے نظر ساقی کی
جبتک ملتی رہے پئے جا اے دوست

ہر منزلِ سخت سے گزرنا سیکھو
ہر بحر میں ڈوب کر اُبھرنا سیکھو
بے سود ہے درپئے تقدس رہنا
انسان بنو گناہ کرنا سیکھو

زاہد! تیری نماز لاحاصل ہے
ہاں! بادہ کشوں کا مدّعا حاصل ہے
پی! اور عبادتِ مجسّم بن جا
اس سجدۂ بے کیف سے کیا حاصل ہے؟

اللہ کی رحمت پہ بھروسہ کرنا
بخشش کے لئے حرم میں سجدہ کرنا
فطرت کے تقاضوں کو سمجھنے والے!
ذلت ہے گناہ کرکے توبہ کرنا

یہ مردہ دلی بزم میں کیسی اے دوست
ساقی سے شراب چھین کر پی ای دوست
لبریز نہ ہو جائے کہیں جامِ حیات
جینا ہے تو مردوں کی طرح جی ای دوست

دُنیا سے جُدا ہے مے پرستی میری
رکھتی ہے بلند ظرف مستی میری
وہ جام مری طرف بڑھا اے ساقی
جس جام میں ڈوب جائے ہستی میری

ساقی مئے احساس رُبا اور پلا
نیت نہیں بھرتی ہے ذرا اور پلا
ایمان سے کہتا ہوں کہ ہشیار ہوں میں
لا اور پلا! بہرِ خدا اور پلا

شاہد صدیقی اکبرآبادی

داغِ جگر

میری زباں پہ شکوۂ درد آفریں رہے! | شاید مرے حواس ٹھکانے نہیں رہے

جب تک الٰہی جسم میں جانِ حزیں رہے | نظریں مری جوان رہیں دل حسیں رہے

تا چند جوشِ عشق میں دل کی حفاظتیں | میری بلا سے اب وہ جنونی کہیں رہے

مجھ کو نہیں قبول دو عالم کی وسعتیں | قسمت میں کوئے یار کی دو گز زمیں رہے

ذات و صفاتِ حسن کا عالم نظر میں ہے | محدودِ سجدہ کیا مرا ذوقِ جبیں رہے

کس درد سے کسی نے کہا آج بزم میں | اچھا یہ ہے "وہ ننگِ محبت" نہیں رہے

دورِ غمِ فراق کے یہ سخت مرحلے | حیراں ہوں میں کہ پھر بھی تم اتنے حسیں رہے

جا۔ اور کوئی ضبط کی دُنیا تلاش کر | اے عشق! ہم تو اب ترے قابل نہیں رہے

سر دادگانِ عشق و محبت کی کیا کمی | قاتل کی تیغ تیز۔ خدا کی زمیں رہے

اللہ رے چشمِ یار کی معجز بیانیاں | ہر اک کو ہے گماں کہ مخاطب ہمیں رہے

اس عشق کی تلافیٔ مافات دیکھنا

رونے کی حسرتیں ہیں جب آنسو نہیں رہے

جگر مرادآبادی

تحقیقِ زبان و ادب

"کنول" کے پہلے نمبر میں جناب لطیف الدین احمد صاحب اکبرآبادی کی تحریر نظر سے گزری۔

عربی داں طبقے کا یہ خیال کہ

"جن لفظوں کو خود عربوں نے استعمال نہیں کیا یا جن الفاظ میں کسی نوع کا تغیر ہوگیا ہے اُردو سمجھے جائیں"،

بالکل معقول اور صحیح ہے۔ بشرطیکہ وہ تغیر اُردو میں ہوا ہو فارسی میں ہوا ہوگا تو وہ فارسی سمجھے جائیں گے۔

وہی تصرف و تغیر یافتہ الفاظ صحیح سمجھے جائیں گے جنھیں قبولیت عام حاصل ہوگئی ہو۔

قبولیت عام سے یہ مراد ہے کہ علما و فصحا زبان بھی بولتے ہوں اور عام خواندہ طبقہ بھی۔ عوام کا کوئی اعتبار نہیں ہے

تغیر کیوں کیا جاتا ہے

صوری تغیر کی وجہ تو معلوم ہی ہے کہ جب کسی ایک زبان کا لفظ دوسری زبان والوں کے لہجے اور حلق کے سانچے سے سازگار نہیں ہوتا تو وہ زبان والے اس میں مناسب کاٹ چھانٹ کرکے سازگار بنا لیتے ہیں یوں وہ لفظ اصل زبان کا لفظ نہیں رہتا اس لئے اس پر اصل زبان کے احکام جاری کرنا سراسر ناانصافی ہے۔

معنوی تغیر ایک غیر ارادی تجاوز سے ہوجاتا ہے۔ اور لفظ اپنے معنی موضوع کا حامل نہیں رہتا اور اصلی زبان کے لئے بیکار ہوکر اس کے دائرے سے خارج ہوجاتا ہے اس لئے اس پر بھی اصل زبان کے احکام جاری نہیں ہوسکتے۔

اُردو کے تصرف یافتہ لفظوں میں اُردو کی شان قائم رکھنے کے لئے اُردو زبان والوں نے انھیں فارسی عربی ترکیب سے بچایا ہے اس طرح زبان داں اپنے تصرفات کی فہرست اچھی طرح جان لیتا ہے۔ اور مبتدی کچھ دنوں میں اس فن کا منتہی بنجاتا ہے۔

جناب نیاز کا لفظِ حسین کو عربی نہ جاننا درست نہیں ہے عربی میں حَسُنَ یَحْسُنُ مفہوم العینین سے اسم فاعل حاسن آتا ہے جس کے معنی عارضی یا بناوٹی حسن والے کے ہیں اور خلقی حسن والے کے لئے دو لفظ ہیں حَسَن اور حَسِین انھیں صفت مشبہ کہتے ہیں

منتہی الارب میں ہے کہ فاعلی معنی پر تین لفظ آتے ہیں حَسَن حاسن اور حسین + حسین امیر کے وزن پر ہے۔

قطر المحیط جو لغتِ عرب کی نہایت جامع اور مستند کتاب ہے اور اس کے مصنف کی زبان بھی عربی ہے وہ لکھتا ہے

الحَسِیْنُ الحَسَنُ جمع حِسَان

یعنی حسین حَسَن کا ہم معنی ہے یعنی خوبصورت ان کی جمع

طرزِ نگارش

"زبان و طرزِ بیاں کی خامیاں اور اُنکی اصلاح"

اُردو زبان کے تمام مصنفین اور ادبا کو دعوتِ غور و فکر (چوتھی قسط)

ادبیت، زبان، اور طرزِ نگارش کی اصلاح ایک ایسا مشکل ترین اور اہم سلسلہ ہے جسکے متعلق استقلال کیساتھ برابر لکھتے رہنا مجھ جیسے بے بضاعت انسان کے لئے ناممکنات سے تھا مگر ایک جذبہ ہے، ایک آرزو ہے، ایک جوش ہے جو میرے ذہن و دماغ پر چھایا ہوا ہے۔ اور میں برابر عملی حیثیت سے مصروف نظر آرہا ہوں مگر اب میں دیکھ رہا ہوں کہ طرزِ نگارش کا سلسلہ مشکل کی حدود سے جا ملا ہے۔ اور اب شدت کیساتھ یہ ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ دوسرے صاحبِ فن اس سلسلے کو تقویت پہونچانے کے لئے نہ صرف میری حوصلہ افزائی فرمائیں بلکہ خود بھی عملی طور پر اسمیں حصہ گیر ہوں۔

"طرزِ نگارش" کے سلسلے کے دو چار مضامین وصول ہوئے ہیں جنھیں بہرصورت مفید ہی کہا جا سکتا ہے لیکن اس ذیل میں ایک غلط فہمی کام کر رہی ہے اور وہ یہ ہے کہ نگاہِ متجسس کو جہاں سے جو ملا اُسے محفوظ کر لیا، حالانکہ صورتِ حال اس سے مختلف ہے۔ اور اسکی واضح تشریح یہ ہے کہ "طرزِ نگارش" کے ذیل میں جو کچھ پیش کیا جا چکا ہے یا پیش کیا جائیگا اسے عام اور حشرات الارض کی طرح وسعتِ ملک میں پھیلے ہوئے لکھنے والوں کی تحریروں سے تعلق نہیں ہے اس کے متعلق میں پہلی قسط میں بھی کہہ چکا ہوں اور آج پھر اس کا اعادہ کر رہا ہوں۔ طرزِ نگارش کے ذیل میں صرف ایسے مشہور لکھنے والوں کی اصلاح مقصود ہے جن کے مضامین ادبی پرچوں میں اکثر شایع ہوتے ہیں اور جن کو کوئی ادبی درجہ حاصل ہے۔ اور انھیں کی طرزِ تحریر کی اصلاح سے عام طبقے کو فائدہ پہونچ سکتا ہے۔ میرے وہ کرم فرما اور کنول کے معاونین جو اس عنوان پر کچھ لکھنا چاہتے ہیں میرے اس بیان کو اپنے ذہنوں میں محفوظ رکھتے ہوئے کوئی اقدام فرمائیں۔ ان کے مضامین بصد شکریہ شایع کئے جائیں گے۔

"طرزِ نگارش" کا سلسلہ عام و خاص دونوں طبقوں میں مقبول تو ہو ہی چکا ہے مگر اب مجھے مجبور کیا جا رہا ہے کہ میں اسے کچھ اور بلند کر دوں تاکہ اسکی افادی اور اصلاحی حیثیت کچھ اور بڑھ جائے، اپنے بزرگوں دوستوں اور کنول نواز حضرات کی ہر آواز کا احترام کرنا میرے فرائض میں شامل ہے۔ اپنی عملی کوششوں کو جس حد تک میرے اختیارات کی دوڑ ہے صرفِ مقصد کر رہا ہوں اور کرتا رہوں گا۔ لیکن میری یہ آرزو ہے کہ دوسرے ذمہ دار حضرات بھی اس موضوع پر ضرور کچھ لکھیں۔ کیونکہ بغیرِ اتحادِ عمل اور سعیٔ مستقل اس اصلاحی مہم کو فتح نہیں کیا جا سکتا اسی کے ساتھ میں اپنے تمام معاصرین سے بھی یہ کہنا چاہتا ہوں کہ وہ اس سلسلے کے متعلق اپنے اپنے صحائف میں روشنی ڈالکر اسے تقویت پہونچائیں۔ تاکہ یہ اصلاحی کام جاری رکھا جا سکے۔

زبان وبیان کی خامیاں	تصحیح	تصریح
اگرچہ اُن کا پلاٹ ڈھیلا[۵۱] ہے	اگرچہ اُن کا پلاٹ کمزور ہے	[۵۱] طرزِ انشا کی بھونڈی صورت ہے۔
ہر ایک مقروض کی طرف گیا	ایک ایک مقروض کے پاس گیا	
اپنا غصّہ کیسے تھاموں[۵۲]	اپنا غصّہ کیسے روکوں (یا) اپنے غصّہ کو کسطرح ضبط کروں	[۵۲] غصّہ تھاما نہیں جاتا روکا جاتا ہے۔ ضبط کیا جاتا ہے۔
اس پر پہلا سوال یہی کریں	اس سے پہلا سوال یہی کریں	
اس موضع سے فراق گوارا نہ ہوتا	اس موضع کا فراق گوارا نہ ہوتا (یا) اس کی جُدائی گوارا نہ ہوتی	
جو خواب[۵۳] پنڈت جی لے رہے تھے۔	جو خواب پنڈت جی دیکھ رہے تھے	[۵۳] صاحبِ مضمون نے خواب بمعنی رویا استعمال کیا ہے
اپنی نظریں گاڑے ہوئے ہوں	اپنی نظریں گڑائے ہوئے (یا) جمائے ہوئے ہوں	
شام میں تفریح ہوتی ہے	شام کو تفریح ہوتی ہے (یا) شام کا وقت تفریح کا ہوتا ہے۔	
پانچسو روپیہ لئے ہوئے آؤں گا	پانچسو روپیہ لے کر آؤں گا۔	
کڑے سے کڑی نکتہ چینی	سخت سے سخت نکتہ چینی	
بندوق پکڑ کر باہر آگیا	بندوق لے کر باہر گیا	
فاسٹر[۵۴] کے بالکل اُلٹ تھا	فاسٹر کے بالکل برعکس تھا	[۵۴] صاحبِ مضمون نے فاسٹر کی طبع ومزاج کا تقابل کیا ہے۔
جھیل کے نیلے پانیوں[۵۵] پر	جھیل کے نیلے پانی پر	[۵۵] انگریزی کے تتبع میں مختلف سمندروں کے متعلق تو شاید غلط نہ کہا جاسکے لیکن دوسری صورتوں میں اس طرح کا استعمال صحیح نہیں ہوسکتا۔
ہر لمحہ اس کے آداخل ہونے کا خدشہ لگ رہا تھا	ہر لمحہ اس کے آجانے کا خدشہ تھا	
معمولی سلائی کردینی بھی سیکھ لی تھی	معمولی سلائی کرنا سیکھ لیا تھا	
تعجب سے سکتہ لگ گیا تھا	تعجب سے سکتہ ہوگیا تھا	
کچھ سیب اُتار[۵۶] لانا	کچھ سیب توڑ لانا	[۵۶] توڑ لانا کے معنی میں بالکل غلط ہے۔
اور آج تو بول بھی اُسکے منہ سے نہیں نکل رہی تھی	اور آج تو وہ بول بھی نہیں سکتا تھا	
آج کون دن ہے	آج کیا دن ہے (یا) آج کونسا دن ہے	
بدن پر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔	بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔	
ہر ذرہ میں مستقل دنیائیں	ہر ذرہ میں ایک مستقل دنیا	
مجھے آنکھ کی جھپک میں	مجھے پلک مارتے میں	
دونوں کے مطابق بدگمان سی تھی	دونوں کی طرف سے بدگمان سی تھی	
داخل ہوتے ہی پالیا تھا۔	داخل ہوتے ہی معلوم کرلیا تھا (یا) داخل ہوتے ہی پاگیا تھا۔	

دعوتِ روح ←── روسی نظمیں

بادام کے درخت

بادام کا درخت پھولوں سے لدا ہوا ہے
مگر میرے دل میں غم کی کلیاں بیساختہ چٹک رہی ہیں
پھول گر جائیں گے
درخت پھلوں سے لد جائیگا
اور اسکی ٹہنیاں
بوجھہ سے دب جائیں گی　　(الیکس کے ٹالسٹائی)

سرگوشیاں۔ دبے سانس
بلبل کے روپہلی نغمے
پرسکون وادی سے گذرتا ہوا سیمیں پانی
تاریک وسعت میں تیرتے ہوئے سائے
کسی حسینہ کے چہرے کے بدلتے ہوئے رنگ
فاختئی بادلوں میں پوشیدہ گلاب
ہلکی روشنیاں اور ہنس
لطیف بوسے اور ہلکی سسکیوں کی آواز
پھر ــــ صبح ــ صبح ــ صبح　　(یفاسی شینکن خوش)

خزاں کا منظر

آہ گلاب مرجھا رہے ہیں
چمن کے پھول سرنگوں ہیں
ــــ دن تاریک ہیں اور
رات کو تارے زیادہ شوخی سے چمکتے ہیں
یاسمین کی پتیاں گر گئیں۔ بنفشہ مرجھا گیا
کنول کا کہیں نام و نشان نہیں
ہاں کہیں کہیں ویران شدہ باغ میں خودرو پھول اُگ رہے ہیں
گھاس کے گچھے پڑے ہیں ــــ وادیاں دہوپ
میں مسکرا رہی ہیں
بیر پک رہے ہیں
پتے سنہرا رنگ اختیار کر رہے ہیں
لیکن ہم نہیں دیکھہ سکتے کہ خزاں کتنی تیزی سے آتی ہے
بہار کے چمکیلے اور جان بخش دن، بہار کے پھول اور انکی نکہتیں
کتنی تیزی سے گذر جاتی ہیں ــــ حسین موسم کتنی تیزی
سے پرواز کرتا ہے

(کے آر)

گیت

کتنی حسین ہے موت
میدانِ کارزار میں
برچھیوں اور تیروں کی سنسناہٹ میں
جب بگل بج رہا ہو
اور آفتاب نصف النہار پر ہو
ہاں! کتنا حسین ہے اپنے وطن پر نثار ہونا
جب کانوں میں یہ صدا آرہی ہو
"الوداع بہادرو"

موت حسین ہے
بوڑھے کے لئے
اپنے آبا کے لئے
بستر پر لیٹے ہوئے
جب جوان بچے اس کے گرد کھڑے ہوں
اور صدا آرہی ہو:-
"الوداع ابّا!"

مگر اس سے بھی حسین تر ہے موت
جب آخری کوڑی تک خرچ ہو چکی ہو
کسی حسینہ کے لئے
جو دوسرے دن بھول جائے
اور جب انسان کسی شاداب جگہ سے
اپنے فروخت شدہ گھر میں
کھانا کھانے کے لئے لوٹے
اور کوئی کتاب پڑھے ــــ ایک سو ایک بار
اور جب کوئی "الوداع!" نہ کہے
کھڑکی کھلی ہو
کمرے کی ہوا چٹکتے ہوئے پھولوں سے معطر ہو
اور دُور ــــ ہاں کہیں دُور سے بنسری کی صدا آرہی ہو۔
تب مرنا حسین تر ہے

(مینائل کرزون)

ابو سعید قریشی

مذاقیہ کھانے

دولہا بھائی سے نندوئی سے سہیلیوں سے مہذب مذاق کرنے کے لئے نہایت دلچسپ کتاب جس کی ہر ترکیب صحیح ہے۔ بیہودہ عامیانہ مذاق کی جگہ اس کتاب سے شائستہ مذاق کرو اور اس ہنسنے ہنسانیوالی کتاب سے زندہ دلی کا ثبوت دو۔ لڑکیوں کی شادی کے وقت دولہا بھائی کی خاطر تواضع کے لئے لڑکیاں نہایت شوق سے منگاتی ہیں اور لڑکیوں نے اس کتاب کو بہت پسند کیا ہے قیمت صرف ۶؍ محصول ۴؍ یا ۱۰؍ کے ٹکٹ بھیجکر منگائیے۔

ملنے کا پتہ

منیجر "کنول" بکڈپو مرکزِ اشاعت ہینگ کی منڈی آگرہ

اُس نے بالکل شادی نہ کی	اُس نے کبھی شادی نہیں کی	
دونوں ایک ایسی[۷] چیزیں ہیں	دونوں ایک سی چیزیں ہیں	۷ یہاں ایسی مقابلتاً استعمال کیا گیا ہے
غیاث ہوش کرو	غیاث ہوش میں آؤ	
مگر جبکہ تم مجھ بغیر بھی	مگر جبکہ تم میرے بغیر بھی	
مجھ پر جھوٹ تہمت رکھتا ہے	مجھے جھوٹی تہمت لگاتا ہے	
دو ہزار سے مول لیا تھا	دو ہزار میں خریدا تھا	
اسکول کا ناغہ[۸] کرنے لگا	اسکول سے غیر حاضر رہنے لگا (یا) اسکول کی ناغہ کرنے لگا۔	۸ ناغہ بصیغۂ تانیث
تجھے ہاتھ میں ہاتھ دے کر	تیرے ہاتھ میں ہاتھ دے کر	
سونے اور چاندی کے فرشوں پر	سونے اور چاندی کے فرش پر	
فلم کپنی بازی[۹] کی ہے	فلم کپنی شروع کی ہے	۹ کپنی بازی سنجیدہ طرزِ بیان نہیں۔
یا قبض[۱۰] رہتی ہے	یا قبض رہتا ہے	۱۰ مذکر ہے۔
بھاگا دوڑ[۱۱] دہلی پہونچے	بھاگا بھاگ دہلی پہونچے	۱۱ دوسرا محاورہ بھاگ دوڑ ہے جس کا مفہوم تگ و دو ہے
باپ کے سائے کو کھو بیٹھے	باپ کے سائے سے محروم ہو گئے	
آخر تو یہ خیرات[۱۲] تھا	آخر تو یہ خیرات تھی	۱۲ مذکر ہے
کیا یہ کارخانہ رک رہیگا	کیا یہ کارخانہ رک جائیگا۔ (یا) کیا اس کارخانے میں رکاوٹ ہو سکتی ہے	
تالیاں دونوں جگہ دی جاتی ہیں	تالیاں دونوں موقعوں پر بجائی جاتی ہیں	
جب سے مجھے ہوش ہوا	جب سے میں نے ہوش سنبھالا	
کپڑوں کو بھگاتا ہوا	کپڑوں کو بھگوتا ہوا	
جاڑے کی سناٹی راتوں میں	جاڑے کی راتوں کے سناٹے میں	منظر

جان کیٹس کے دو خط — فینی براؤن کے نام

جان کیٹس کے یہ دونوں خط اس کی شاعری اور شاعرانہ زندگی کو سمجھنے کے لئے بیحد ضروری ہیں اور بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ انگریزی ادب میں ان خطوط کا درجہ بہت بلند ہے اور نہ صرف دلچسپی سے پڑھے جاتے ہیں بلکہ ادب شعر کی جان سمجھے جاتے ہیں۔ یقیناً قارئین "کنول" بھی ان کے مطالعے سے محظوظ ہوں گے —————— منظر

(۱)

اپنی جان کی قسم میں اس کے علاوہ اور کسی چیز کا خیال نہیں کر سکتا —— میری محبت نے مجھے خود غرض بنا دیا ہے۔ تمہارے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ تمہیں پھر دیکھنے کے علاوہ مجھے کوئی بات یاد نہیں رہتی۔ میری زندگی کی آخری منزل یہی ہے اور اس کے آگے مجھے کچھ نظر نہیں آتا۔ تم نے مجھ کو جذب کر لیا ہے۔ اس وقت بھی میں محسوس کر رہا ہوں کہ میں تحلیل ہو رہا ہوں۔ تمہیں دیکھنے کی اُمید کے بغیر میری زندگی ناقابلِ برداشت ہو جاتی۔ میں تم سے دور ہو جانے سے ڈرتا ہوں۔ میری پیاری فینی کیا تمہارا دل بیسیج نہیں سکتا؟ میری جان، کیا یہ ممکن نہیں ہے؟ ...... مذاق کے طور پر بھی مجھے نہ ڈراؤ۔ مجھے تعجب ہوتا تھا کہ لوگ مذہب کے نام پر قربان ہو سکتے ہیں۔ تعجب ہی نہیں بلکہ خوف بھی ہے اب میں خوف زدہ نہیں ہوں۔ میں اپنے مذہب کے نام پر شہید ہو سکتا ہوں؛ عشق میرا مذہب ہے اور اس کے لئے میری جان حاضر ہے ..... تم نے مجھے ایک ایسی طاقت میں بیخود اور اسیر کر لیا ہے جس کا مقابلہ میں نہیں کر سکتا حالانکہ تمہیں دیکھنے سے پہلے میں اُسکا مقابلہ کر سکتا تھا۔ اور تمہیں دیکھنے کے بعد بھی میں نے اکثر کوشش کی ہے کہ "اپنے عشق کے دلائل کے خلاف دلائل پیش کروں" میں اب ایسا نہیں کر سکتا —— یہ تکلیف میرے لئے ناقابلِ برداشت ہے میری محبت خود غرض ہے اور میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔

(۲)

میں تمہارے حُسن کا ذکر کیوں نہ کروں اس کے بغیر میں تم سے محبت نہیں کر سکتا تھا۔ حسن کے علاوہ میں اُس محبت کا جو مجھے تم سے ہے اور کوئی آغاز متصور نہیں کر سکتا۔ ایسی محبت بھی دُنیا میں ہو سکتی ہے جس کے لئے میرے دل میں بغیر کسی جذبۂ نفرت کے بہت زیادہ عزت ہے اور دوسروں میں اس کی میں تعریف کر سکتا ہوں۔ لیکن اُس میں وہ دلچسپی، تازگی، تکمیل اور جاذبیت نہیں ہے جو میرے دل کی محبت میں ہے۔

(ترجمہ)

نسیم تمنائی

معلومات

مشتہر مشین

زیادہ عرصہ نہیں ہوا جب بعض ریلوے اسٹیشنوں پر ایک ایسی مشین لگائی گئی تھی جس میں ایک آنہ ڈالنے سے خود بخود پلیٹ فارم ٹکٹ خریدار کے ہاتھ میں آجاتا تھا اب بھی وزن کرنیوالی مشینیں اسی طریقہ سے عمل کر رہی ہیں۔ اس کے علاوہ ایسی مشینیں بھی ہیں جن کے ذریعہ سے چاکولیٹ، سگریٹ اور پھل وغیرہ بآسانی خریدے جاسکتے ہیں لیکن حال ہی میں لندن کے اسٹیشنوں پر ایک ایسی مشین لگائی گئی ہے جس کو مشتہر مشین ([illegible]) کہا جاتا ہے اس مشین کا کام یہ ہے کہ جب اس میں ایک آنہ ڈالا جاتا ہے تو اسمیں سے ایک سفید چکنا اور نہایت خوبصورت کاغذ باہر آجاتا ہے، مشتہر کرنے والا پنسل سے حسب مرضی اُس کاغذ پر اشتہار یا اعلان یا خبر لکھدیتا ہے اور وہ کاغذ خود بخود اُس بورڈ میں چلا جاتا ہے جس پر شیشہ لگا ہوا ہوتا ہے اور جسمیں اور بھی مختلف اقسام کے اشتہار ہوتے ہیں۔

اس مشین سے کئی فائدے اُٹھائے جاتے ہیں۔ اوّل تو یہ کہ اگر کوئی شخص یہ معلوم کرنا چاہے کہ فلاں شخص کس گاڑی سے گیا تو وہ اس بورڈ پر اُس کا لکھا ہوا اشتہار پڑھکر معلوم کرسکتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی شخص لیٹ ٹرین سے پہنچتا ہے یا کسی ایسی گاڑی سے آتا ہے جو مجوزہ گاڑی سے بعد میں اسٹیشن پر پہنچتی ہو تو وہ اس مشین کے ذریعہ جان سکتا ہے کہ اس کو لینے کے لئے اسٹیشن پر کسوقت کون آئے گا۔

یہ مشین بہت مقبول ہو رہی ہے اور ہزاروں مسافروں کی توجہ کو جذب کر رہی ہے۔ اُن اشخاص کے لئے تو یہ ایک شاندار تحفہ ہے جو اپنی عادت کے مطابق مجبور ہیں کہ دیواروں پر لکھکر خوش ہوں۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ پوسٹ آفس والے بھی اس نئی ایجاد میں بڑی دلچسپی لے رہے ہیں اور بہت ممکن ہے کہ سینکڑوں میل پر لگی ہوئی کسی مشین میں اشتہار چسپاں کرنے کے لئے ٹیلیفون اور ٹیلیگراف کو بھی استعمال کیا جائے۔

دُنیا کا سب سے بڑا پیٹو

موجودہ دور میں جب مادیت کو روحانیت پر ترجیح دیجاتی ہے ہر شخص اس کوشش میں ہمہ تن مصروف ہے کہ دُنیا میں کسی نہ کسی طریقہ سے نام پیدا کرے کوئی گھوڑے دوڑاتا ہے تو کوئی موٹر۔ کوئی کشتی کرتا ہے تو کوئی تکہ بازی۔ غرضکہ اس قسم کے شغلوں سے انسان کو اتنی بھی فرصت نہیں ملتی کہ اپنی روح کے وجود کا احساس کرسکے لیکن یہ بات یقیناً تعجب سے سُنی جائے گی کہ اب کھانے کے سلسلے میں بھی نام پیدا کیا جاسکتا ہے۔ بہت کم کھانے والوں میں تو مہاتما گاندھی مشہور ہیں ہی مگر زیادہ کھانے والوں میں سب سے بازی لیجانے والا جرمنی کا ایک شخص ہے جس کا نام ایرخ ([illegible]) بتایا جاتا ہے۔ ایرخ، مینونخ ([illegible]) کا اسباب ڈھونے والا ہے اس کا وزن بیس اسٹون ہے اور تمام زندگی میں آجتک

اسے کوئی پیٹ کی بیماری لاحق نہیں ہوئی۔ اُس نے کبھی کوئی ہاضم دوا استعمال نہیں کی اور نہ ہی اُس نے کبھی کوئی چیز پلیٹ میں باقی چھوڑی ہے وہ چوبیس ۲۴ بڑے سائز کی (meat [illegible]) اور بیر کے چار ادھے بڑے اطمینان سے ختم کر دیتا ہے پلک جھپکنے کی دیر ہے کہ کھانا ختم ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر اُس کو دیکھ کر بہت متعجب ہیں۔ اور اُن کا بیان ہے کہ اگر آیرخ کا یہ غیر فطری طریقہ اپنے قدرتی انجام کو پہنچا دیا جائے تو اُس کی نازی مونچھیں ہٹا کر اُس کے جبڑے کو دونوں طرف تین تین میٹر بڑھانا پڑے گا۔

پیغامبر کبوتر

کبوتروں کو پیغامبر بنانے کے لئے پالنے کا رواج سلیمانؑ اور یونانیوں کے زمانے سے چلا آتا ہے جنھوں نے شاید یہ فن ایرانیوں سے سیکھا تھا۔ برقی ٹیلیگراف کی ایجاد سے پیشتر پیغام رسانی کا یہ طریقہ تجارتی حلقوں میں مستعمل تھا۔ جو اشخاص "راتھس چائلڈ کا خاندان" نامی فلم دیکھ چکے ہیں اس بات کو بخوبی جانتے ہیں آب بھی جاپانی جرنلزم میں پیغامبر کبوتر ایک نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ بڑے بڑے اخباروں کے دفتروں میں ایسے ہزاروں پالتو کبوتر نظر آتے ہیں جو پیغام پہنچانے کا کام سر انجام دیتے ہیں۔ ٹوکیو اور اوساکا کے جدید اخباری دفاتر میں ان کبوتروں کے لئے ایک مخصوص جگہ بنائی گئی ہے۔ جاپان کے اسپورٹ رپورٹرز ان کبوتروں سے بہت زیادہ فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ اُن کو کھیل کا تماشا کرتے وقت ٹیلیفون پر پہنچنے کی جلدی نہیں ہوتی۔ وہ ہمیشہ دو تین کبوتر اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور ضرورت کے وقت خبر کے ساتھ اُن میں سے ایک ایک کو اُڑاتے جاتے ہیں۔ پریس فوٹو گرافرز کبوتروں ہی کے ذریعہ یوکوہاما سے ٹوکیو کو روانہ کرتے ہیں۔ ان کبوتروں کو اُس وقت بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ جب کوئی غیر معمولی حادثہ ظہور پذیر ہو اور زلزلہ یا زمین پھٹ جانے کی وجہ سے ٹیلیفون اور ٹیلیگراف کے ذریعے خبریں نہ پہنچائی جا سکیں

ہونے والے خاوند کا امتحان

فرانس تمام جدید فیشن کا مرکز ہے لیکن وہاں صرف فیشن ہی ایجاد نہیں کئے جاتے بلکہ سوسائٹی کے دوسرے اہم مسائل میں بھی اختراعات کی جاتی ہے۔ حال ہی میں پیرس میں چند فرانسیسی سوسائٹی کی لڑکیوں نے ایک شادی کلب بنایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب کبھی اُس کی کسی ممبر کی شادی قریب آ جاتی ہے تو دوسری دو تین ممبر اُس کے ہونے والے خاوند پر اپنے حسن و ادا کے دام پھیلا کر اس کو اپنے قابو میں کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ یعنی اس طریقہ سے اُس کی محبت کا امتحان لیا جاتا ہے اگر وہ اس امتحان میں کامیاب ہو جائے اور کسی کے دام میں نہ پھنسے تو شادی کر دی جاتی ہے ورنہ شادی کو منسوخ کر دیا جاتا ہے۔

ادارہ

دورِ اوّل

حضرت سید علاءالدین علی احمد المتخلص "صابر" بن سید عبداللہ جعفری ۵۹۲ھ میں پیدا ہوئے۔ ماں باپ کے سائے میں پرورش پائی ۱۱ سال کی عمر میں اپنے ماموں حضرت فریدالدین شکر گنج کی خدمت میں حاضر آئے یہیں ایک عرصہ تک رہکر کمالات ظاہری و باطنی کی تکمیل کی۔ آپ کے حالات میں صاحب سیرالاقطاب لکھتے ہیں۔

آں عارف کامل آں عالم و عامل صاحب کشف و کرامات عالیہ و صاحب مقامات جلیلہ و عالم عدیم النظیر و فاضل بے ہمتا و سندالاولیائے وقت خود بود و شانے عظیم و رتبہ رفیع داشت"

جذب کی حالت سے پیشتر تفسیر و حدیث سے خاص شغف تھا۔ اور شعر و شاعری سے بھی دلچسپی تھی۔

و آنحضرت گاہ گاہ فکر شعر ہم می فرمود و تخلص در فارسی احمد می فرمود و در ہندی صابر بنظر نیامدہ متعارف است و مشہور تبرکاً و تیمناً نوشتہ می شود[1]

۱۳ ربیع الاوّل ۶۹۰ھ کو وصال ہوا۔

امروز شاہ شاہاں مہماں شد است مارا	جبرئیل باملائک درباں شد است مارا
در جلوہ گاہِ وحدت کثرت کجا بگنجد	ہژدہ ہزار عالم یکساں شد است مارا
در محفلِ گدایاں مرسل کجا بگنجد	بے برگ و بے نوای شاہاں شد است مارا
احمد بہشت و دوزخ بر عاشقاں حرام است	اینجا رضائے جاناں ضواں شد است مارا

ہندی شعر

اس طرح اس میں ڈوب اے صابر کہ بجز ہو کے غیر ہو نہ رہے

حضرت امیر خسرو جناب صابر کلیری کے آخر عہد (۶۵۲ھ) میں پیدا ہوئے۔ غیاث الدین بلبن سے سلطان محمد بن تغلق تک گیارہ بادشاہوں کا زمانہ دیکھا" ان میں سے سات سلاطین کے ملازم بھی رہے اسی سلسلہ سے ملتان اور بنگالہ کے بھی سفر کئے۔ آپ ہندوستان کے مایۂ ناز ہمہ داں شاعر تھے۔ فارسی میں تو آپکا کلام بیشتر ہے مگر اردو سے بھی آپ کو لگاؤ تھا۔ چنانچہ تقی اوحدی (۱۰۲۴ھ) نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ہندی کلام آپ کا فارسی کلام سے بہت زیادہ ہے[2]

[1] سیرالاقطاب صفحہ ۱۷۹ یہ کتاب عہد جہانگیری کی مرتبہ ہے۔ [2] اردوئے قدیم مرتبہ مولانا شمس اللہ قادری حیدرآبادی

مگر دستبرد زمانہ سے یہ کلام برباد گیا ـــ امیر خسرو نے ۱۹ ذیقعدہ ۷۲۵ھ میں وصال فرمایا۔
خالق باری یادگار سے ہے۔

جاؤ دیکھ گھر آپنے تم کیا جانو سار ـــ عاشق چنگے کن کئے سوہن دیکھے دیدار
گوری سووے سیج پر مکھ پر ڈالے کیس ـــ چل خسرو گھر آپنے سانجھ بھئی چہوں دیس
پریم نہ جانے کسی مسجد کیا ٹھاکر دوار ـــ ہم تو اٹھیں سیس نواس جت تھے اپنا پیار

حضرت سید اشرف جہانگیر کچھوچھوی مشائخ ہند سے تھے۔
آپ اودھ کے اولیائے کبار سے ہیں آپ نے اپنے سلسلہ کے ایک بزرگ حضرت وجیہ الدین کے ارشادات ایک جگہ ہندی زبان میں فارسی رسم خط میں جمع کئے ہیں جو اردو نثر کا غالباً پہلا نمونہ ہے۔ جناب نے ۸۰۸ھ میں رحلت فرمائی۔

اے طالب آسمان و زمین سب خدا میں ہور (اور) سب میں خدا ہے[1]

کبیر داس بنارس کے رہنے والے اور گرو رامانند کے چیلے سکندر لودی کے زمانہ میں پیدا ہوئے۔ بابر و ہمایوں کے معاصر تھے۔ جلوس اکبر کے پچیسویں سال ۹۸۵ھ میں وفات پائی۔ آپ کے کثیر التعداد دوہے برج بھاشا میں ہیں۔ جن کا نمونہ ذیل میں ہے

کبیر آپ ٹھگائیے اور نہ ٹھگیے کوئے ـــ آپ ٹھگے سکھ اوپجے اور ٹھگے دکھ ہوئے
کاگا سب تن کھائیو چن چن کھائیو ماس ـــ دو نیناں مت کھائیو پیا ملن کی آس
ہوں ساجن جانت نہیں پیا بچھڑن کی سار ـــ جیا بچھڑن سے ہے کٹھن پیا بچھڑن کی بار
ارے پپیہا باورے آدھی رین جن کوک ـــ دھیرے دھیرے سلگتی سو تو نے دینی پھونک
کانٹ بھیو تن سوکھ کے پڑ ہے کوئی سالن ـــ ارے دئی لے چل ابھی جہاں پیا کا باس
پریتم تم جن جانیو تم بچھڑن موئے چین ـــ آلے بن کی لاکری سلگت ہوں دن رین
جلج بھیو کبیر بھیو سوان بھیو پھر آئے ـــ اب اباہ چاہت بھیو برہا ہری بلائے
جو میں ایسا جانتی کہ پریت کئے دکھ ہوئے ـــ نگر ڈھنڈورا پیٹتی کہ پریت نہ کریو کوئے
سانجھ بھئی اور دیا جرے پیا نہ آئے پاس ـــ نینن سے دو ندی گنگ جمن اور ڈوبن لاگی آس
نینا رے تم ہی برے تم سا برا نہ کوئے ـــ آپ ہی پیت لگائے کے آپ ہی بیٹھے روئے

[1] رسالہ نگار ماہ ستمبر ۲۵ء صفحہ ۱۵۔

باباتلسی داس خلف آتما رام سرجو پاری برہمن تھے۔ سمت ۱۵۸۳ بکرمی میں پیدا ہوئے۔ گرونرسنگھ داس سے تعلیم حاصل کی پہلے بڑے آوارہ مزاج تھے بعد کو ٹھوکریں کھا کر خدا رسیدہ ہوگئے۔ رامائن کی تصنیف شروع کی۔ تلسی داس کا زمانہ اکبر و جہانگیر کے عہد حکومت میں ہے۔ خانخاناں سے دوستانہ تعلقات تھے۔ آپ کی وفات سمت ۱۶۸۰ میں ہوئی[1]

تلسی تینوں لوک میں کو، جانے پر پیر ۔۔۔ یا جانے من آپنا یا جانے رگھو بیر

تلسی یہ سنسار میں رہیے سبھی ملائے ۔۔۔ ملیں سنگھ مارے نہی انہل مارے گائے

تلسی کا کلام عارفانہ جذبات کا مرقع اور وارداتِ قلبی کا آئینہ ہے رامائن کو لکھتے وقت بالمیک کے خیالات سے بڑھا کر راجہ رام چندر جی کے واقعات میں معرفت قدرتی مناظر اور وہ ناصحانہ انداز رکھا ہے کہ اہل نظر کلام پڑھکر لوٹ پوٹ ہو جاتے ہیں

"تلسی کا کلام ہندی زبان کا سرمایہ صد نازش ہے"

تلسی کرت رامائن میں سے کچھ دوہے اور چوپائیاں پیش ہیں۔

برکھا کال میگھ نبھ چھائے ۔۔۔ گرجت لاگت پرم سکھائے

تلسی یہ سنسار میں رہیے سبھی ملائے ۔۔۔ ملیں سنگھ مارے ہنی انہل مارے گائے

ادت ہی ہرشے ہنی نینن نہیں سنیہ ۔۔۔ تلسی تھان نہ جائیے کنچن میرے مینہ

تلسی جو تم کہت لے تسنگت ہی گن ہوئے ۔۔۔ بانجھ او کھاری رمرا رس کاہے کہن ہوئے

تلسی آہ گریب کی کبھو نہ کھالی جائے ۔۔۔ مرے چام کی سالن سے سار بھسم ہو جائے

جا کی جا کی سب کہیں مانی کہے نہ کوئے ۔۔۔ مانی سے جو نگ رہا بال نہ بیکا ہوئے

رام رام سب کوئی کہے ٹھگ ٹھاکر او چور ۔۔۔ بنا پریم ریجھے نہیں تلسی نند کشور

در دیوار درپن بھیے جت دیکھوں تت توئے ۔۔۔ کانکر پاتھر ٹھیکری بھئے آرسی موئے

مرزا عبدالرحیم المخاطب خانخاناں خلف بیرم خاں ۱۴ صفر ۹۶۴ھ میں بنت جمال خاں میواتی کے بطن سے تولد ہوئے۔

چار سال باپ کے آغوش میں رہے پھر محلات شاہی اکبری میں داخل ہوئے اکبر نے اولاد سے زیادہ نگہداشت کی۔ خان اعظم مرزا کوکلتاش کی صاحبزادی ماہ بانو بیگم سے شادی ہوئی۔ اکبر کے فتوحات ملکی میں دیگر جلیل القدر امرا کی طرح مرزا نے بھی داد شجاعت دی ہفت ہزاری منصب دار تھے۔ استعداد علمی معقول تھی۔ عربی لیاقت اچھی تھی۔ ترکی زبان تو مادری ہی تھی۔ فارسی میں اعلیٰ پائے کا انشا پرداز تھا۔

---

[1] خمخانۂ جاوید حصہ دوم ص ۱۲۳

ماثر الامرا میں ہے کہ :۔

"خان خاناں در عربی و فارسی و ترکی مہارت تام داشت"

سیاست ملکی میں انہماک رکھتے ہوئے بھی علمی دلچسپی رکھتے تھے۔ اکبر کے کہنے سے تزک بابری کا ترجمہ ترکی سے فارسی میں کیا۔ علم سنسکرت بھی حاصل کر لیا تھا۔ جوتش پر ایک مثنوی لکھی۔ ایک مصرع فارسی اور ایک سنسکرت میں ہے۔ فارسی دیوان اور مجموعہ ہندی کلام کا یادگار سے ہے۔

اکبر کے علمی شاہی دربار کے بعد امرا میں سب سے بڑی مجلس خان خاناں کی تھی۔ اس کے وقت میں اہل کمال کا وہ مجمع تھا جو سلطان حسین مرزا اور میر علی شیر کے عہد میں گذرا ہے"[عله]

آزاد کہتے ہیں :۔

ان کے دربار میں یہ لہر بہر دریائے سخاوت کی کجا کجی شاعروں کو اشرفیوں میں تلوا دیا۔ اسکی سخاوتوں کے کارنامے اکثر لطیفوں اور حکایتوں کے رنگ ڈوبیں محفلوں اور جلسوں پر پھول برساتے تھے[عله]

خانخاناں بہتر برس کی عمر پا کر ۱۰۳۶ھ میں راہی ملک بقا ہوئے۔

دُر دن پرے رحیم کہہ درتہل جیت بھاگ ٹھاڑے ہے ہو جت گھور پر جب گھر لاگت آگ

پریتم چھب نینن بسی، پر چھب کہاں سمائے بھری سرائے رحیم لکھہ آپ تھک پھر جائے

نین سلونے ادہر مدہو کہو رحیم گھٹ کون میٹو چھٹے لون پلے ہٹے ہو پہ لون

بیر سدا ہیں بیر تا جی جیتا جان رحمٰن ساپنے سور کو بیری کرت بکھان

تصحیح :۔ گذشتہ اشاعت میں "یوپی میں اردو" کے صفحہ دس پر پہلی لائن سے چوتھی لائن تک غلط عبارت شایع ہوئی ہے۔ قارئین اس طرح تصحیح فرمالیں۔

وقد نقل العلماء الامر جے سنگھ شرح الجغمنی وغیرہ من کتب الہیئت والہندسۃ من العربیہ الی الہندیہ۔ (سبحۃ المرجان)	ہندوستان کے علما نے جے سنگھ کے حکم سے شرح چغمنی وغیرہ کتابوں کے جو علم ہیئت اور ہندسہ میں تھیں عربی زبان سے ہندی زبان میں ترجمہ کیا گیا

عله ماثر الامرا عله دربار اکبری صفحہ ۶۴۸

IF COMFORT COUNTS

IF APPEARANCE IS A CONSIDERATION
IF ECONOMY IS DESIRABLE
IF FASHION IS YOUR MENTOR
THEN

COME TO US

FOR

WE HAVE AN EXPERT TAILORING DEPARTMENT AND WE STOCK MATERIAL BOTH INDIAN AND ENGLISH IN CHOICE SHADES FOR YOUR SELECTION.

NABI BUX & SONS,
SEO-KA-BAZAR,
AGRA.

فراستُ الید

یا

اُردو میں ہاتھ پاپچھنے کی عام فہم کتاب

اُردو زبان میں ہاتھ پاپچھنے کے علم پر اس سے بہتر مستند جامع اور دقیق کتاب نہیں ہے اسکے مطالعہ سے نفسی کیفیات۔ طبعی میلانات عادات و خصائل۔ عمر و صحت ازدواجی زندگی۔ اولاد اور اسکا مستقبل کامیابی یا ناکامی۔ گذشتہ اور آئندہ کے حالات آئینہ کی طرح عیاں ہو جاتے ہیں ناول سائز تقریباً تین سو صفحے اور ساٹھ سے زائد نقشے کپڑے کی جلد۔ مولفہ اشفاق احمد صاحب زاہدی۔ قیمت صرف ۱۲ر علاوہ محصولڈاک

ملنے کا پتہ

سید ادریس حسن مذاقی۔ کوچہ پنڈت دہلی

اگر آپ کسی مرض میں مبتلا ہیں

تو جناب حکیم محمد یعقوب خاں سے اپنے حالات بیان کر کے صحت حاصل کیجئے

آپ دہلی کے خاندانی حکماء میں سے ہیں بازار فراشخانہ میں آپکا مطب اور خاص مجربات کا دواخانہ نورتن ہے۔ آپکے مجربات نامردی، سوزاک، جریان، تنگی وغیرہ کے علاوہ مقوی۔ ممسک اور ملذذ مجربات خاص وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں جو سینکڑوں برس سے آپ کے خاندان میں سینہ بہ سینہ چلے آتے ہیں۔

رنگینی یہ قوت مردمی کی بے مثل سنہری گولیاں ہیں جنکو بڑے بڑے حکیموں اور ویدوں نے پسند فرمایا ہے جو زیر دستوں کو شیر بنا دیتی ہیں جنکو جناب حکیم محمد یعقوب خانصاحب نے بڑی محنت اور جانفشانی سے تیار کرایا ہے تمام قیمتی اجزا سے تیار کیجاتی ہیں جو نامردوں کو مرد اور بڈھوں کو جوانی کا مزہ دکھاتی ہیں تیس گولیوں کی شیشی قیمت دو روپیہ آٹھ آنہ عہ

پتہ :- منیجر دواخانہ نورتن دہلی بازار فراش خانہ

بیروزگاروں کو خوشخبری

اگر آپ بیکاری سے تنگ آ گئے ہیں تو موٹر کا کام ضرور بالضرور سیکھیں یہ ایک ہنر ہے جسکی ہر جگہ ضرورت ہے اس کام کو سیکھنے کیلئے دہلی کے سب سے پرانے اور معتبر کالج میں داخل ہو کر اپنی ضرورت کو پورا کیجئے اس کالج کے پاس شدہ ڈرائیور اور فٹر اپنی قابلیت کی وجہ سے ہر جگہ عزت کی نوکری کرتے ہیں اس کے سارٹیفکیٹ کی ہر جگہ قدر ہے یہ کالج گورنمنٹ سے رجسٹری شدہ ہے۔ اس کالج کے پروفیسر صاحبان نہایت ہوشیار اور تجربہ کار ہیں مفصل حالات کے لئے پراسپکٹس طلب کیجئے

دی امپیریل موٹر ٹریننگ کالج نزد امپیریل بنک

چاندنی چوک دہلی

موت کو آواز نہ دو

اگر زندہ رہنا چاہتے ہو تو زندگی کی قدر کرو

اپنی آنکھوں کی حفاظت کرو۔ تمہاری آنکھیں دو روحانی کھڑکیاں ہیں۔ انہیں پر تمہاری زندگی کا دارومدار ہے۔

اگر دور کی چیزیں دھندلی نظر آتی ہوں۔ لکھنے پڑھنے میں دقت محسوس ہوتی ہو۔ باریک کام کرتے وقت سر میں درد ہوتا ہو۔ یا آنکھوں سے چیپڑ یا پانی جاتا ہو تو غفلت نہ کرو اور فوراً آگرہ کی چشموں کی قدیمی فرم جہاں باقاعدہ سائنس کے اصول پر عینک تیار کی جاتی ہے کی خدمات حاصل کرو۔ ہمارے یہاں آنکھوں کا باقاعدہ بغیر کسی فیس کے امتحان کیا جاتا ہے۔

المشتہر

اے۔ ایچ۔ رضوی (عینک سازان) اینڈ کمپنی

کناری بازار آگرہ

تالیفات خواجہ عشرت لکھنوی

بغیر استاد کے شاعری اور مضمون نگاری سکھانے والی کتابیں

شاعری کا مکمل سٹ - چار جلدوں میں شاعری اور مضمون نگاری گھر بیٹھے سیکھ لیجئے۔ قیمت عـلـہ

آب بقا۔ اردو کے غیر معروف شعرا کے مکمل حالات اور کلام کا مجموعہ قیمت عـلـہ

ہندو شعراء۔ تقریباً ۵۰ ہندو نامور شعرا کے حالات مع انتخاب کلام قیمت [illegible]

لغات اردو - چار جلدیں یعنی فصیح اور صحیح مصدر محاورات الفاظ کی تحقیق [illegible]

مضمون نویسی - بہترین عبارت لکھنے کا آسان طریقہ علم بیان کی وضاحت قیمت ۸ر

زبان دانی - فصیح اور صحیح الفاظ کی جانچ مستند نقطوں کا بیان۔ قیمت ۶ر

اصلاح زبان اردو - متروک الفاظ کا بیان مع صحیح محل شاعرانہ خیال کا بیان قیمت ۶ر

قواعد میر - صحیح چلے جانے کا آسان طریقہ تذکیر و تانیث معلوم کرنے کی کنجی۔ قیمت ۶ر

جان اردو - اردو ہندی کا فرق جملے کی غلطیوں کی پہچان اردو ہندی کا میل جول قیمت ۶ر

پتہ :- منیجر عشرت بکڈپو احاطہ خانساماں لکھنؤ

اگر آپ

ہندوستان کی صنعت کا بہترین نمونہ دیکھنا چاہتے ہیں
تو ہم آپ کو مشورہ دیں گے کہ آپ آج ہی

عراق برانڈ شوز

خرید فرمائیے۔ جو اپنی خوبصورتی، ارزانی اور پائداری کی وجہ سے تمام ہندوستان میں مشہور ہیں۔ جنکا فٹنگ اسقدر نفیس اور صحیح ہوتا ہے کہ آپ کے پیروں کی حفاظت مکمل طور پر ہو سکتی ہے۔
تمام سامان عمدہ اور اعلیٰ قسم کا لگایا جاتا ہے

اس کے علاوہ

۹۹۹ برانڈ

کے شوز بھی اپنی مثال آپ ہیں۔ ایک مرتبہ بطورِ آزمائش ضرور خریدیے۔ اور اپنے شہر کے دوکانداروں سے طلب فرمائیے۔

منیجر عراق برانڈ شو فیکٹری حویلی خواجہ اگرہ

سکھ سنچارک کمپنی متھرا کی

ادویات

سُدھا سِندھو

کف، کھانسی، ہیضہ، دمہ، شول، سنگرہنی، آتیسار وغیرہ کی خوش ذائقہ وخوشبودار دوا۔ قیمت آٹھ آنہ ۸؍

دَدروگج کیسری

داد کی سب سے اچھی دوا۔ قیمت ۴؍ آنہ

بال سُدھا

دُبلے اور کمزور بچوں کو طاقتور بنانے والی دوا۔ قیمت ۱۲؍ سب دوا فروشوں کے پاس ملتی ہیں

تاج محل اور ساحل جمنا سے قریب

اکبر آباد کا مشہور، ممتاز، کامیاب، اور سب سے اچھا آرام دہ

مسلم ستارہ بمبئی ہوٹل آگرہ

اس ہوٹل میں قیام وطعام کا بہترین اور نفیس انتظام ہے اسٹیشن سے بالکل قریب ہے۔ اور شہر کے وسط میں ایک پُرفضا مقام پر ۱۹۱۷ء سے قایم ہے

جب بھی آپ آگرہ تشریف لائیں

مُسلم ستارہ بمبئی ہوٹل

کو یاد رکھیے ہ مفصل حالات و قواعد ایک کارڈ لکھکر معلوم کیجئے۔ اور ایک مرتبہ ضرور تشریف لایئے۔ ہمارا پتہ نوٹ کر لیجئے

عبدالصمد پروپرائٹر مسلم ستارہ بمبئی ہوٹل (رجسٹرڈ) بازار سیب آگرہ

(شمشاد حسین منظر صدیقی پرنٹر پبلشر نے رفاہِ عام پریس آگرہ میں چھپوا کر دفتر کنول سے شایع کیا)

ضمیمہ
کنول آگرہ

سوانحعمریاں مذہبی اور اخلاقی کتابیں

فاطمہ کالال - سید الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام کی مکمل سوانحعمری جس میں آپکی اخلاقی زندگی و سیاسی مجاہدات مع واقعات کربلا کے بیان کئے گئے ہیں نہایت مستند اور معتبر کتاب ہے۔ قیمت ۱۲/

حیاتِ خواجہ - حضرت خواجہ معین الدین چشتی سنجری اجمیری کی محققانہ بیمثل سوانحعمری و دیگر حالاتِ اجمیر مع نقشہ جات اس کتاب کے مطالعہ سے حضرت خواجہ غریبؒ نواز کے مکمل حالات معلوم ہوجاتے ہیں۔ قیمت صرف ۱۲/

تذکرہ صابرؒ - اس سوانحعمری میں حضرت صابر صاحبؒ کے شیوخ طریقت اور چشتیہ صابریہ مشائخین کے حالات مع اشغال و اذکار بڑی تحقیق کے ساتھ ۳۰ تواریخ و تذکروں سے اخذ کئے گئے ہیں درگاہ شریف کا نقشہ بھی دیا گیا ہے قیمت ۸/

مجموعۂ شہادت - اس مجموعہ میں تمام شہدائے کربلا کے حالات اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے حالات لکھے گئے ہیں۔ پڑھنے اور محفوظ رکھنے کے قابل ہے۔ قیمت ۸/

اکبرِ اعظم - اس کتاب میں اکبرآباد اور شاہی محلات کے مفصل حالات اور شہنشاہ اکبر و جہانگیر و شاہجہاں بادشاہ کی سوانحعمری محقق طریقہ سے لکھی گئی ہے۔ اور جابجا شاہی عمارتوں کے نقشے بھی دیئے گئے ہیں قیمت صرف ۵/

عبرت کے آنسو - اسلام کے نام لیواؤں کی موجودہ حالت سے متاثر ہوکر ایک دردمند دل کی پکار پڑھنے کے قابل کتاب ہے قیمت ۴/

میلاد اکبر - حضرت اکبر وارثی میرٹھی کا بیحد مشہور و مقبول میلاد شریف نہایت دیدہ زیب ہے قیمت صرف ۸/

سوانح نور جہاں بیگم - محققانہ طرز پر لکھی گئی ہے اور جہانگیر پر جو اعتراض اس کے پہلے شوہر کے قتل کا لگایا جاتا ہے۔ تاریخی ثبوت سے اس کی تردید کی گئی ہے قیمت صرف ۵/

سوانح زیب النسا بیگم - اب تک جسقدر سوانحعمریاں شایع ہوئی ہیں انمیں جو غلط واقعات اس عصمت مآب خاتون سے منسوب کئے گئے ہیں انکی محققانہ تردید اور جامع واقعات مع حالات شہنشاہ عالمگیر لکھے گئے ہیں۔ قیمت ۴/

مجموعۂ وظائف - دین و دنیا کے حصول کے لئے اور حلِ مشکلات کے لئے بہترین مجموعہ ہے۔ قیمت صرف ۵/

دعائے گنج العرش مترجم - اس میں درود ہزارہ درود اکبری اسماء الحسنیٰ اور نود و نہ نام آنحضرت صلعم بھی شامل ہیں قیمت ۴/

یازدہ سورہ - پیکو آرٹ پریس کا تیار کیا ہوا نہایت متبرک اور لاجواب تحفہ۔ قیمت مجلد ۶/

پارۂ اوّل - یہ بھی پیکو آرٹ پریس کا تیار کیا ہوا ہے اور بہت ہی نفیس ہے۔ قیمت ۶/ غیر مجلد ۴/

(تمام کتابوں کا محصول خریدار کے ذمہ ہوگا)

ملنے کا پتہ:- **منیجر وارث بک ڈپو مرکزِ اشاعت ہینگ کی منڈی آگرہ**

میاں محمد اسلم کی دلچسپ مشہور اور کامیاب تصانیف

اپنے پیارے بچوں کو، کسی تقریب یا خوشی کے موقع پر ان اخلاقی، سبق آموز اور نتیجہ خیز کہانیوں کا سیٹ دیجئے۔

ہجرت قیمت ۳ ر کبڑا شہزادہ قیمت ۳ ر
محنت کا پھل قیمت ۴ ر انتقام قیمت ۳ ر
ٹھنگنے کے تین تحفے۔ قیمت ۳ ر
بلقیس ملکہ سبا قیمت ۳ ر امانت ۳ ر

فاطمہ کی آپ بیتی۔ ایک شریف زادی کی خودنوشت سرگذشت، دوشیزگی، ازدواجی زندگی، ایکٹرس۔ ان تینوں عنوانات کے تحت میں مصنف نے ملک کے سامنے ایک ایسا مسئلہ پیش کیا ہے جو ہر ملت کے لوگوں کی توجہ کا مستحق ہے۔ بیحد دلچسپ اور نتیجہ خیز کتاب ہے حجم ۴۰۰ صفحات سے زیادہ سرورق رنگین لکھائی چھپائی لاجواب قیمت مجلد عہ

پیغام سرمش۔ دلچسپ افسانوں، دلنواز مضامین، اور دلسوز نظموں کا لاجواب مجموعہ سرورق سنہری حجم ۳۰۰ صفحات اور قیمت صرف عہ ۱۲ ر

نغمۂ حیات الفاظ کے ذریعہ شاعری اور مصوری کا لطف اٹھانا ہو تو اس کتاب کا مطالعہ کیجئے۔ ٹائیٹل ہفت رنگ اور دیدہ زیب ہے۔
قیمت صرف عہ

مرزا جی

حصہ دوم

(نئی ترمیم شدہ ایڈیشن)

عام طور پر فیصلہ کیا گیا ہے کہ اردو زبان میں "مرزا جی" سے زیادہ سنجیدہ ظرافت اور اچھوتے مذاق کی دوسری کتاب آجتک شایع نہیں ہوئی۔ مرزا جی کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے اکثر مضامین غیر زبانوں میں ترجمہ ہو چکے ہیں سرورق اس قدر دلفریب ہے کہ دیکھتے ہی ہنسی آجاتی ہے اسمیں ڈیڑھ درجن وہ لاجواب مزاحیہ افسانے ہیں کہ سو بار پڑھیے تب بھی طبیعت سیر نہ ہو۔

دن بھر کے کام کاج کے بعد اگر طبیعت مکدر ہو یا افکار نے پریشان کر رکھا ہو تو "مرزا جی"، پڑھیے آپ بے اختیار ہنسنے لگیں گے۔ خوبصورت جلد ضخامت ۳۲۰ صفحے لکھائی چھپائی بہترین اور قیمت صرف عہ پہلا حصہ عہ علاوہ محصول

مہدی

سرزمین مصر کا زبردست تاریخی ناول، مصر والوں کی آزادی کی جنگ، مہدی کا ظہور، مجاہدین کا اجتماع مصر کی اسلامی فضا میں ہلال و صلیب کی معرکہ آرائیاں اور حسن و عشق کی رنگینیاں۔ کتاب شروع کرنیکے بعد ختم کئے بغیر نہیں رہا جاتا۔ ٹائیٹل دلکش ہے اور کتاب کے اندر پانچ رنگین تصویریں بھی ہیں ضخامت ۴۰۰ صفحات قیمت صرف سے علاوہ محصول

بقائے دوام

اردو زبان میں حیات روح پر پہلی مستند اور دلچسپ کتاب ہر شخص کو خواہش ہوتی ہے کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا اس کتاب کے مطالعہ سے آپ کی تسکین ہو جائے گی۔ بڑی دلچسپ کتاب ہے قیمت صرف عہ علاوہ محصول

گناہ کی راتیں { انسان کی سیاہ کاریوں کے سات دل ہلا دینے والے افسانے، سات مختلف طبقوں کی عورتوں کے خودنوشت حالات قیمت مجلد صرف عہ علاوہ محصول۔

غزال بیحد دلچسپ اور پردرد کہانی قیمت ۱۰ ر

خطِ تقدیر۔ اسقدر دردناک واقعات ہیں کہ بے اختیار آنسو نکل آتے ہیں قیمت ۶ ر

پیمانِ وفا۔ سرزمین اندلس کا ایک تاریخی افسانہ ایفائے عہد اور ایثار کی لاجواب داستان ہے قیمت ۵ ر

نورِ ہدایت۔ اس کتاب کے مطالعہ سے نورِ ایمان حاصل ہوتا ہے
قیمت ۴ ر

ساربان سچے مسلمانوں کی شان دیکھنی ہو تو اس کتاب کا مطالعہ کیجئے۔
قیمت ۴ ر

ارمغانِ عرب بیحد اخلاق آموز اور پاکیزہ کہانی ہے قیمت ۴ ر

حکایاتِ عرب بچوں کے لئے تین پر لطف کہانیاں جو سلیس اور آسان زبان میں لکھی گئی ہیں قیمت ۳ ر

بڑی بی۔ عورتوں کے لئے ایک مقبولِ عام کتاب جسمیں نہایت دلچسپ سبق آموز اور اخلاقی کہانیاں ہیں قیمت صرف ۱۲ ر

چار سہیلیاں پریوں کے دلکش افسانے باتصویر، قیمت صرف عہ

عروسِ غربت۔ ایک یتیم لڑکی کی ہوشربا داستان باتصویر قیمت صرف عہ

طلسم سامری مملکت روس کی ایک عجیب داستان، انارکسٹوں اور سائبیریا کے خوفناک حالات قیمت مجلد عہ علاوہ محصول

ملنے کا پتہ:۔ منیجر "کنول" بک ڈپو مرکزِ اشاعت ہینگ کی منڈی آگرہ

(نوٹ:۔ تمام کتابوں کا محصول خریدار کے ذمہ ہوگا)

ادبِ اُردو کی مشہور، معیاری، اور انمول کتابیں

اخوان الشّیاطین

سائنٹفک افسانوں کا مجموعہ آجتک اس قسم کے لرزہ خیز افسانے اُردو میں شائع نہیں ہوئے پہلا افسانہ بہت مشہور ہے قیمت عہ ر

نجمہ نوری

ماں کی ممتا کے متعلق ایک دلدوز تمثیل نجمہ کی المناک سرگذشت ممتا کی ماری ماں کس طرح تڑپتی پھری گناہ کی لرزہ خیز تصویر قیمت ۱۲ ر

چار چاند

دلّی کی ٹکسالی اور ستھری ستھری زبان کا اگر آپ لطف اٹھانا چاہتے ہیں تو اس کتاب کو طلب کیجئے جو حضرتِ فراق مرحوم کی تصنیف ہے قیمت صرف ۸ ر

چندرا موہنی

حسن و عشق کی داستانِ خونچکاں محبت کا مذہب ہمیں کیا سکھاتا ہے! سچے عشق کی المناک کہانی۔ مؤثر اور مفید۔ قیمت عہ ر

سلمےٰ

آسکر وائلڈ کی تمثیل سالومی کا ترجمہ جس خون آشام کی ہوسناکی اور موت تخئیل اور طرز بیان خاص ہے۔ قیمت صرف ۸ ر

سرگذشتِ عروس

ایک اونچے گھرانے کی لڑکی کی شادی ماں باپ نے روپے پیسے کے لالچ میں ایک مالدار بوڑھے سے کردی۔ اُس کے خوفناک نتائج اور بدمزہ زندگی کی جو تفصیل نوجوان دُلہن نے اپنے روزنامچہ میں درج کی تھی وہ روزنامچہ من و عن کتابی صورت میں چھاپ دیا گیا ہے اس میں اپنی طرف سے کوئی اضافہ نہیں کیا گیا ہے صرف نام اور مقام بدل دیئے گئے ہیں تاکہ کسی کا راز فاش نہ ہو، واقعات سب وہی ہیں جو اُس مظلوم دُلہن کو پیش آئے۔ لڑکی کسی اور سے محبت کرتی تھی مگر اسکے خلاف مرضی اُس کی شادی ایک ایسے شخص سے کردی گئی۔ جس کے بالوں کی سیاہی شرمندۂ خضاب تھی اور اسکی بتیسی بھی نقلی تھی۔ اس بڑھاپے کو بھی برداشت کرلیا جاتا مگر اسکی آوارگی اور بے پروائی نے نئی دلہن کا دل توڑ دیا اور اسی شکستہ دلی کے موقع پر وہ شخص آگیا جس سے دلہن کو دراصل محبت تھی۔ یہ سین اس روزنامچے کی جان ہے کیونکہ عشق و ہوس میں یہیں امتیاز ہوتا ہے اور اس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سمجھدار اور شریف بیویاں اپنے شوہروں سے حد درجہ شاکی دل برداشتہ اور متنفر ہونے کے باوجود بھی اپنے گوہر عصمت کو ضائع نہیں ہونے دیتیں، بوڑھے مہاجن، جوان دُلہن اور اس کے محبوب عاشق کا کیا حشر ہوا یہ بیان کرنے کی چیز نہیں۔ بلکہ پڑھنے کی چیز ہے اس سے زیادہ دردناک اور عبرت انگیز آپ بیتی آپ نے اور کہیں نہ پڑھی ہوگی یہ ڈائری اس لائق ہے کہ ماں باپ، لڑکے لڑکیاں اور ہر عمر کی عورتیں اسے پڑھیں تاکہ اُن سے آئندہ کوئی ایسی لغزش نہ ہونے پائے (۲۸۰) صفحے کی بیحد دلچسپ کتاب ہے اس پر شاہد احمد صاحب کا طرزِ بیان سونے پر سہاگہ ہے

قیمت صرف ڈیڑھ روپیہ (عہ۱)

(تمام کتابوں کا محصول خریدار کے ذمہ ہوگا)

پروین و ثریّا

موریس مٹرلنک کی تمثیل پلیاس اینڈ میلی سنڈ کا پاکیزہ ترجمہ حسن و عشق کا ایک جدید نظریّہ بہت عمدہ کتاب ہے قیمت عہ ر

تعلیم زدہ بیوی

ایک جدید فیشن کی ہندوستانی عورت غلط راستے پر پڑ جانیکی وجہ سے کس قدر مصیبتوں میں مبتلا ہوتی ہے اور اسکا دلچسپ انجام۔ قیمت صرف ۸ ر

دِلّی کا آخری دیدار

۵۷ء سے کے غدر سے پہلے دلّی کی سوسائٹی کیا تھی؟ لال قلعہ جب آباد تھا تو اس چمنستان میں کیسی بہار تھی؟ سوسائٹی پہلے کی ایک جھلک دیکھئے۔ قیمت صرف ۱۲ ر

دوست

اپنی نوعیت کا ایک اصلاحی سبق آموز اور عبرت انگیز افسانہ موجودہ سوسائٹی کی کمزوریوں اور قدامت پسندی کو اس افسانے میں بے نقاب کیا گیا ہے قیمت ۴ ر

لیلیٰ فرنگ

ایک پاکباز انگیز خاتون کے جذبات کا آئینہ افسانے کی صورت میں ایک نصرانی عرب سے عشق و محبت کی داستان حد درجہ دلچسپ ہے۔ قیمت ۶

ملنے کا پتہ :- مینجر کنول بک ڈپو مرکزِ اشاعت ہینگ کی منڈی اگرہ

طبّی اور صنفی لٹریچر نوجوانوں اور جوانوں کیلئے

قانونِ مواصلت
عیش و نشاط کا رہبر، شباب کی پوری کیفیت سے لطف اندوز ہونیکے طریقے مواصلت کے جملہ قوانین کیا ہیں؟ ضروری ہدایات سے واقف ہو جائیے۔ قیمت عہ/

ثمرۂ وصال
دنیائے لذت و کیف میں انتہائی چیز ایک مرد کیلئے عورت سے مواصلت ہے اس کے مطالعہ سے آپ اس درجہ پر پہنچ جائینگے جہاں لذت ہی لذت ہے قیمت ۱۲/

دُلہن کی ڈائری
ایک شوخ و طرار دلہن کی آپ بیتی شب زفاف کا پرکیف سماں۔ پوشیدہ حالات کا انکشاف بہت دلچسپ کتاب ہے۔
قیمت صرف عہ/

عہدِ شباب
جوانی کی کیف انگیزی اور اسے دوام کرنیکے لئے کیا صورتیں اختیار کرنی چاہئیں مجرب طریقے قاعدے اور نسخے درج کئے گئے ہیں
قیمت عہ/

مُرقعِ حسن و شباب
اس کتاب کی جسقدر تعریف کیجئے کم ہے اسے ایک شاہی طبیب نے سلطان ٹرکی کے لئے رجوع الشیخ کے نام سے لکھا تھا بالکل اچھوتی اور طلسمی کتاب ہے۔ قیمت صرف عہ/

بیوی کے فرائض
اس کے مطالعہ کے بعد ازدواجی تعلقات خوشگوار ہو جائیں گے بیوی آپکی مزاج داں بن جائیگی اور خانہ داری کے تمام انتظامات پر حاوی ہو جائیگی۔ قیمت صرف ۸/

عروس و نوشہ
دولہا دلہن کے تعلقات پر نہایت مفید اور دلچسپ کتاب ہے اسمیں جو راز بتائے گئے ہیں اُن سے واقف ہو کر میاں بیوی عیش و راحت کی زندگی بسر کرسکتے ہیں قیمت عہ/

ایرانی کوک شاستر
شباب جاودانی کی تلاش ہو تو اس کتاب کا مطالعہ کیجئے۔ عورت کے تاثرات اور اُس کے جذبات سے پورا پورا لطف کس طرح اٹھایا جائے؟ قیمت عہ/

بہارِ عروس
شب عروسی کی سرگذشت۔ پوشیدہ باتوں کا انکشاف۔ سربستہ رازوں کو کھولا گیا ہے ایک دُلہن کی آپ بیتی پڑھیئے
قیمت عہ/

دُلہنوں کی کانفرنس
سات دلہنوں کی شب ہائے خلوت کی دلچسپ داستانیں ساتوں ایک جگہ جمع ہو کر اپنے اپنے واقعات شب عروسی کو صحیح صحیح لیکن نشر یلے الفاظ میں سناتی ہیں قیمت عہ/

بقائے شباب
اس کتاب میں مقوی باہ طلاؤں کے صدہا مجرّب نسخے ہیں جن کی تلاش میں عامۃ شائقین بلکہ بڑے بڑے اطبا سرگرداں رہتے ہیں۔ قیمت ۸/

تحفۂ شباب
ممسک اور ملذذ دواؤں کے شائقین کیلئے صدہا مجرّب آسان اور بے ضرر نسخے اس کتاب میں لکھے گئے ہیں اس کتاب کے نسخوں کی مدد سے جوانی کا لطف اٹھائیے۔ قیمت ۸/

طبّی چٹکلے
اس کتاب میں غربا اور عام لوگوں کیلئے بیش بہا مجرّب نسخے لکھے گئے ہیں۔ ایسی جو دوائیں لکھی گئی ہیں وہ ہر گھر میں مل سکتی ہیں۔ قیمت صرف ۸/

بیاضِ ماہر
اس کتاب میں سر سے پیر تک تمام بیماریوں کے اچھا کرنے کے عجیب و غریب مجرّب المجرّب نسخے درج کئے گئے ہیں۔
قیمت دو روپیہ (عہ/)

اکسیر ماہر
اس کتاب میں کشتے تیار کرنیکی صدہا آسان اور بے خطا ترکیبیں ہیں اور کشتہ جات سے ایسی بیماریوں کے علاج لکھے گئے ہیں جو لا علاج سمجھی جاتی ہیں قیمت عہ/

محافظِ شباب
شباب کی حفاظت قوتِ باہ اور مادہ تولید کے جملہ امراض کا مکمل اور مجرّب علاج اور آسان نسخے اس کتاب میں درج ہیں۔ قیمت ایک روپیہ (عہ/)

تمام کتابوں کا محصول خریدار کے ذمہ ہوگا

ملنے کا پتہ:- مینیجر کنول بک ڈپو مرکزِ اشاعت ہینگ کی منڈی آگرہ

مصورِ ظرافت مرزا عظیم بیگ چغتائی اور دوسرے مصنفین کی مقبولِ عام کتابیں

خطوط کی ستم ظریفی

مرزا عظیم بیگ چغتائی کی تازہ ترین تصنیف جسے پڑھکر ہنستے ہنستے آپ کے پیٹ میں بل پڑ جائیں گے۔

قیمت صرف ۱۲/

مرزا جنگی

لکھنؤ کے بانکے مرزا جنگی اور اُن کے احباب کا ایک نہایت دلکش ڈرامہ واجد علیشاہ کے زمانہ کے لکھنؤ کی ایک جھلک۔

قیمت صرف ۱۲/

گھرپا بہادر

ایک بدمعاش کی شادی فرمانروائے سلطنت کی لاڈلی بیٹی سے زبردستی کر دی گئی اور اس کے خندہ خیز و عبرت انگیز واقعات

قیمت ایک روپیہ

تفویض

ایک بی اے پاس خاتون کی شادی مسجد کے ملا سے ہو جاتی ہے۔ کیسی گذرتی ہے؟ انجام کار کیا ہوتا ہے؟ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

قیمت صرف ۵/

نرگس جمال

ترجمہ ہے مسٹر لنک کے ڈرامہ "جائزل" کا۔ ارس مسٹر لنک (بلجیم کا مشہور ڈرامہ نگار) ہمارے شاہد صاحب کا نہایت محبوب مصنف ہے اور اس میں شک نہیں کہ انکا یہ ذوق نہایت مشکل پسند ذوق ہے۔

مسٹر لنک کے ڈرامے عموماً چونکہ اسٹیج کے لئے نہیں ہوتے اسلئے اُن میں علمی و فلسفیانہ شان زیادہ پائی جاتی ہے اور طبقہ خواص ہی کی "تسکین ذوق" انکا اصل مقصود ہوتا ہے

مسٹر لنک زیادہ تر "عشق و جمال" اور اسکے متعلقات سے گفتگو کرتا ہے اسی لئے اسکے یہاں جذبات کی نزاکت وسعت اور فطرت انسانی کی وہ لچک جسے ہم چاہیں تو روحانیت سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ ہر جگہ پائی جاتی ہے وہ دہشت انگیز مناظر پیش کر کے دلوں کو دہلانا پسند نہیں کرتا وہ انسان کی خون آشامیوں کے فسانے سنا کر روح کے سکون کو مضطرب کرنا نہیں چاہتا بلکہ صرف اُن لطیف و پاکیزہ و انعطافات کی داستان سناتا ہے جو حسن سے پیدا ہوتے ہیں محبت کی آغوش میں پرورش پاتے ہیں اور روح میں جذب ہو کر شاہراہِ انسانیت کو منور بنا جاتے ہیں

ظاہر ہے کہ جس ادیب کا ذوق سخن یہ ہوگا اس کے یہاں خیال کی نزاکت بیان کی ندرت طرز ادا کی جدت اور معنی کے لحاظ سے الفاظ کا اشکال سبھی کچھ ہوگا اور ایک غیر زبان سے اِن تمام خصوصیات کو اپنی زبان میں منتقل کرنا یقیناً آسان کام نہیں لیکن مسٹر شاہد احمد بی اے اس میں بڑی حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ اس کا سبب یہی ہے کہ وہ خود اسی ذوق کے ادیب ہیں ایسی کتابوں کے ترجمہ میں بڑی دقت یہ ہوتی ہے کہ ایکطرف جذبات کی سادگی یہ چاہتی ہے کہ الفاظ بھی ویسے ہی سلیس سادہ ہوں اور دوسری طرف احساس کی بلندی جولانی بیان میں نزاکت پیدا کر دیتی ہے اسکی مقتضی ہوتی ہے کہ الفاظ و تراکیب بھی دقیق ہوں اور ایک مترجم گھبرا جاتا ہے کہ وہ ان دونوں کو کیونکر ایک جگہ مجتمع کر سکتا ہے۔ شاہد صاحب نے ان دونوں باتوں کے امتیاز میں کافی احتیاط سے کام لیا ہے اور اسی لئے اصل مصنف کے کلام کی روح ترجمہ سے مفقود نہیں ہوئی۔ قیمت عہ/ (نگار)

آفتاب زندگی

عورتوں کی اصلاح اور تہذیب کیلئے اپنی قسم کی پہلی کتاب ہے۔ اس کتاب کی اشاعت نے ملک میں ایک نئی لہر دوڑا دی ہے بہت ہی دلچسپ کتاب ہے، جسے قصہ کے پیرایہ میں لکھا گیا ہے۔ قیمت ۹

شبابِ زندگی

یہ آفتاب زندگی کا دوسرا حصہ ہے اس میں بدرشیو اور نسوانی عہد جوانی کے واقعات پر بے لاگ بحث کی گئی ہے یہ حصہ پہلے حصے سے بہت زیادہ دلچسپ نتیجہ خیز اور عبرتناک ہے قیمت ۸/

یدِ قدرت

ظالم اپنے کیفر کردار کو کس طرح پہنچتا ہے حق کی فتح اور باطل کو شکست خدا کا ہاتھ مرحوم کی طرف سے کسطرح انتقام لیتا ہے

قیمت ۵/

طوفانِ ظرافت

مزاحیہ قصائد کا چھوٹا سا مجموعہ۔ اس طرز کے قصائد آج تک اردو زبان میں نہیں لکھے گئے۔

قیمت صرف ۱۲/

تمام کتابوں کا محصول خریدار کے ذمہ ہوگا

ملنے کا پتہ:- منیجر کنول بک ڈپو مرکز اشاعت ہینگ کی منڈی۔ آگرہ

ہندوستان کے مشہور اساتذہ کے مجموعۂ کلام اور دیوان

آپ کی روح میں کیف و سرور پیدا کرنے والی بیش بہا اور نایاب تصانیف

نقوشِ مانی ۔ جس کا انتظار اہل ذوق کو مدت سے تھا حضرت مانی جائسی کو کون نہیں جانتا۔ ایک ایک شعر جذبات و واردات کا صحیح نمونہ ہے قیمت مع تصویر مصنف عہ رعایتی قیمت ۴ر

میکدہ ۔ حضرت میکش قادری نیازی اکبرآبادی کے جذبات حسن و عشق اور متصوفانہ کلام کا مجموعہ۔ اس مجموعہ نے بڑی شہرت حاصل کی ہے قیمت عہ ر

بانگِ درا ۔ علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کے اردو کلام کا مجموعہ جس کی ایک جلد ہر اسلامی گھر میں ہونی چاہئے قیمت ۳ر مجلد عہ ر

بالِ جبریل ۔ ڈاکٹر اقبال کے تازہ ترین اردو کلام کا مجموعہ جس کا انتظار نہایت بے چینی سے کیا جا رہا تھا۔ اس مجموعہ کی ہر غزل اور ہر نظم ایک نئے جذبے اور نئے ولولۂ حیات کا زندہ پیغام ہے قیمت مجلد سےؔ ر

صبوحی ۔ حضرت ساغر نظامی کی غزلوں کا روح پرور اور لاجواب مجموعہ قیمت عہ ر رعایتی ۸ ر

بادۂ مشرق ۔ حضرت ساغر نظامی کا جدید مجموعۂ نظمیات، انسان اور عالم انسانیت کے لئے عالمگیر محبت اور اخوت کا پیغام، حجم پانچ سو صفحات طباعت و کتابت بہترین مع تصویر مصنف۔ قیمت مجلد صہ ر غیر مجلد للعہ ر

ایاغِ بزم ۔ اردو کے مایۂ ناز شاعر اور مسلم الثبوت استاد حضرت بزم آفندی اکبرآبادی کا تازہ ترین دیوان جس میں محاکات اور تاثرات کا دریا موجزن ہے، قیمت صرف عہ ر

قصائدِ نجم ۔ ہندوستان کے مشہور شاعر حضرت نجم آفندی اکبرآبادی کی لاجواب تصنیف مدح رسولؐ و اہل بیت رسولؐ میں بلند پایہ نظمیں قصائد نجم اپنی رنگ کی عجیب تصنیف ہے قیمت عہ ر رعایتی صرف ۸ ر

دُنیائے راز ۔ ابو الفاضل حضرت راز چاند پوری موجودہ زمانے کے اُن سخنوروں میں سے ہیں جن کا کلام عام طور پر وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے دنیائے راز آپکی چونسٹھ دلکش نظموں کا مجموعہ ہے۔ قیمت مع تصویر مصنف عہ ر رعایتی صرف ۱۰ ر

طلوع ۔ جناب مہر لال ضیا ایم اے فتح آبادی کے قطعات کا مجموعہ ہر قطعہ ایک مستقل پیام کی حیثیت رکھتا ہے۔ قیمت صرف ۴ ر

روحِ نظیر ۔ ہندوستان کے سب سے بڑے اور مستند شاعر اعظم میاں نظیر اکبرآبادی کے منتخب کلام کا مجموعہ مع ایک بسیط مقدمہ و تبصرہ کے نہایت کاوش سے مرتب کیا گیا ہے۔ قیمت صرف عہ ر

دیوانِ ذوق ۔ خاقانیٔ ہند شیخ محمد ابراہیم صاحب ذوق کے کلام کا مجموعہ مع مختصر سوانح حیات و تبصرہ قیمت ۱۲ ر

دیوانِ ظفر ۔ بہادر شاہ ظفر کے کلام کا مجموعہ مع تصویر مصنف جس کا ایک ایک شعر سوز و گداز میں ڈوبا ہوا ہے قیمت صرف ۸ ر

مجموعۂ نظم حالی ۔ شمس العلماء خواجہ الطاف حسین حالی کی اصلاحی نظموں کا مجموعہ مع مناجات اور تصویر مصنف قیمت صرف ۸ ر

مسدسِ حالی ۔ حضرت حالی کا مشہور و معروف مسدس معہ مناجات جس کا ایک ایک لفظ تیر و نشتر اور مسلمانوں کی موجودہ پستیوں کا آئینہ دار ہے۔ ہر اسلامی گھر میں ایک جلد رہنی چاہئے مع تصویر مصنف قیمت صرف ۸ ر

دیوانِ داغ ۔ فصیح الملک مرزا داغ دہلوی کے منتخب کلام کا مجموعہ محاکات اور محاورات کا لاجواب مرقع مع تصویر مصنف قیمت صرف ۱۲ ر

دیوانِ غالب ۔ حضرت غالب علیہ الرحمۃ کے منتخب کلام کا مجموعہ مع مختصر سوانح حیات اور مقدمہ مصنف کی تصویر بھی شامل کتاب ہے قیمت صرف ۱۲ ر

(تمام کتابوں کا محصول خریدار کے ذمہ ہوگا اور ایک روپیہ سے کم کی کتابوں کا وی پی روانہ نہیں کیا جائے گا۔)

ملنے کا پتہ :- **منیجر وارث بک ڈپو مرکز اشاعت ہینگ کی منڈی آگرہ**

ہماری سائنٹیفک ادویہ پیٹنٹ ہیں

ٹیلیفون نمبر ۵۵۶۶

مُصفّیٰ

طِبّ یونانی کا تازہ کرشمہ

انسان کی زندگی کا مدار خون پر ہے۔ خون اگر خراب ہوگیا ہے تو آدمی کی تندرستی قائم نہیں رہ سکتی ہندوستانی دواخانہ دہلی "مصفیٰ" ایجاد کرکے تمام ملک کو مقابلہ کی دعوت دیتا ہے اور بلا خوفِ تردید دعویٰ کرتا ہے کہ صفائیِ خون کے لئے "مصفیٰ" سے بہتر دوا آج تک نہ ایشیا پیش کرسکا ہے نہ یورپ۔ "مصفیٰ" ہندوستان کی جڑی بوٹیوں کا خلاصہ ہے۔ اور مسیح الملک ثانی حکیم حاجی محمد احمد خانصاحب کے مشورہ سے جدید سائنٹفک طریق پر تیار کیا گیا ہے خون کی خرابی سے پیدا ہونیوالے ہر مرض کی تیر بہدف دوا ہے۔ کھجلی۔ داد۔ پھنسیاں وغیرہ حتی کہ آتشک سوزاک اور جذام کا زہریلا مادّہ بھی اس کے استعمال سے ہمیشہ کے لئے نابود ہوجاتا ہے اسکی خوراک چار کا ایک چمچہ ہے اور بلحاظ نفع درحقیقت مصفیٰ اکسیری چیز ہے۔ **قیمت**:۔ ۲۴ خوراک عہ محصولڈاک علاوہ

ترکیب استعمال:۔ ایک خوراک صبح ایک شام۔ تھوڑے پانی میں ملاکر اور اگر مرض کا جوش زیادہ ہو تو دن میں تین مرتبہ۔ (اُردو۔ انگریزی اور ناگری کی فہرست مُفت طلب کیجئے)

"اکسیر نسواں"

رحم کی تمام خرابیوں، ایام کے کل نقصوں کی بےمثل دوا ہے۔ رحم کی کمزوری کے سبب جو رطوبت خارج ہوتی ہے جس کو سیلان رحم کہتے ہیں "اکسیر نسواں" اس کا بےمثل علاج ہے۔
ہسٹریا (اختناق الرحم) کے دوروں میں اسکا استعمال نہایت ثابت ہوا ہے حاملہ کیلئے اسکا استعمال ممنوع ہے۔ قیمت فی شیشی ۱۲ر

ہندوستانی دواخانہ۔ پوسٹ بکس نمبر ۲۲ دہلی

ALEXANDRA SHOE
FOR
FAMILY FASHION
الیگزینڈرا
شوز
بچوں عورتوں اور مردوں کیلئے
جدید فیشن کا نمونہ ہوتے ہیں
The Alexandra
SHOE FACTORY
SADER BHATTI
AGRA.
الیگزینڈرا شو فیکٹری
صدر بھٹی آگرہ

کنول
مدیر۔ منظر صدیقی اکبرآبادی

LABUB-I-AZAM

लबूब आजम

LAB-IB-IAZAM

لبوب اعظم

یہ لبوب نہایت بیش قیمت ادویہ کا ایک نہایت بیش قیمت مرکب ہے۔ قوت باہ اور اعضاء رئیسہ و شریفہ کو قوت پہنچاتا ہے۔ مادہ منویہ کو غلیظ کرتا ہے اور اس کی پیدائش کو زیادہ کرتا ہے نہایت بےضرر چیز ہے آپ اس کو ہر موسم خصوصاً موسم سرما میں بطور ایک مقوی دوا کے بےخطر استعمال کر سکتے ہیں۔ قیمت دس تولہ چار روپیہ (للعہ) پرچہ ترکیب استعمال ہمراہ ہے۔

تار کا پتہ "ہمدرد دہلی" **ہمدرد دواخانہ یونانی دہلی** ٹیلیفون نمبر ۵۷۷

Kanwal
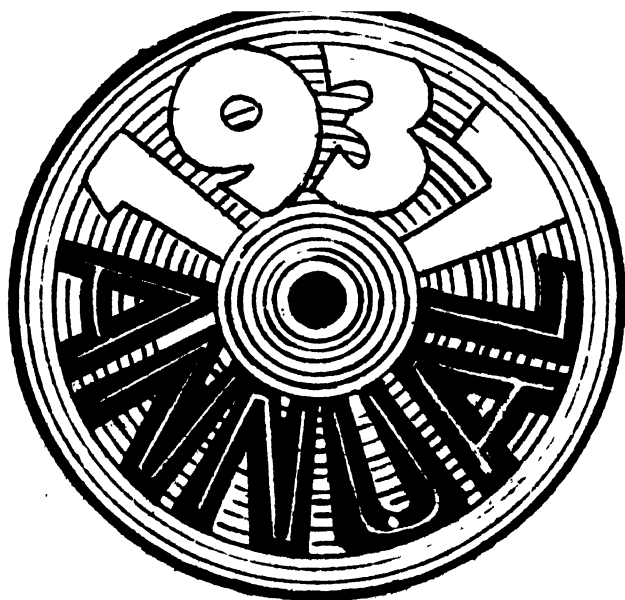
NUMBER

will give the advertisers more than full value in publicity for their money.

سالنامہ "کنول" کے چند ممتاز و مستند اہلِ قلم
حضرت جوش ملیح آبادی
حضرت سید محی الدین زور قادری ایم اے
حضرت صبا رشیدی ایم-اے
حضرت علامہ مولانا سیماب اکبر آبادی
حضرت مہر لال ضیا ایم-اے
حضرت ماہر القادری
حضرت راز چاند پوری
حضرت مولانا نیاز فتحپوری مدیر "نگار"
حضرت ل-احمد اکبر آبادی
حضرت منصور احمد مدیر "ادبی دنیا"
حضرت اثر لکھنوی
حضرت شاد احمد بی-اے
سالنامہ حاصل کرنے کے لئے آج ہی اپنا نام درجِ رجسٹر کرائیے۔

اشتہاری طلاؤں سے بچو
نسخہ طلائے مردمی شایع کردیا

ناظرین:- اس طلاء نے صدہا نہیں بلکہ ہزاروں مایوس مریضوں کی زندگی بدلدی۔ اور ہزاروں کو بامراد اور کامیاب بنا دیا ہے۔ یہ طلائے مردمی عرصہ ۲۰ سال سے پبلک میں اپنی مسیحائی مردہ کو زندہ کی صفت اور صداقت کا سکہ جما کر شہرت اور مقبولیت کا ڈنکا بجا رہا ہے اور نہایت مجرب اور تیر بہدف ثابت ہو رہا ہے ہم نے پبلک کی تکالیف کا خیال کرکے تمام مخلوق خدا کی ہمدردی اور اشتہاری دواؤں کی شکایات کا خیال کرتے ہوئے عام انسانوں کیلئے ایک مجرب اور شرطیہ طلا بلا ہچکچاہٹ کے شایع کر دیا ہے۔ جو عضو مخصوص (اندری) کی تمام خرابیوں کیلئے بیحد مفید ہے اور عضو مخصوص کی سستی۔ کمزوری۔ پتلاپن۔ ٹیڑھاپن۔ چھوٹاپن۔ جھکاؤ۔ نیلی رگوں کا ابھر آنا وغیرہ تمام امراض کیلئے حیرت انگیز طور پر مفید ثابت ہو چکا ہے۔ تمام شکایتوں کو رفع کرکے طوالت فربہی اور سختی یک دو قوت پیدا کرنے میں لاثانی ہے زود اثر اس درجہ کہ اول مرتبہ کے لگانے سے نصف گھنٹہ میں فائدہ محسوس ہوتا ہے۔ ہزارہا مایوسوں کی زندگی جو بے لطف تھی اس نے عیش راحت کامیابی اور شادمانی کیساتھ بسر کرادی۔ جو کہ دعائیں دیتے ہیں اور شکریہ کے خطوط لکھتے ہوئے نہیں تھکتے۔ اس لئے اس کے استعمال سے اسکا جوہر معلوم ہو سکتا ہے۔ شوق سے اس کو تیار کریں اور دعائے خیر سے ناچیز کو یاد کریں۔ اگر کسی صاحب کو ضرورت نہ ہو تو اپنے دوستوں اور عزیزوں کو نسخہ بتا کر طلائے مردمی بنانے کی سفارش کریں اسے ردی کی ٹوکری میں نہ پھینکا جائے بلکہ بہت حفاظت سے رکھا جائے کیونکہ یہ نسخہ بار بار شایع نہ ہوگا۔

نسخہ حسب ذیل ہے:- مغز پستہ ایک تولہ۔ مغز اخروٹ ایکتولہ۔ مغز بادام ایکتولہ۔ مغز چلغوزہ ایک تولہ۔ سفید کنیر کی جڑ ایک تولہ۔ ونگ ایک تولہ۔ جائپھل ایک تولہ۔ کائپھل ایک تولہ۔ بیر بہوٹی ۶ ماشہ۔ مال کنگنی ایک تولہ۔ کوڑیا لوبان ایک تولہ۔ سفید چرمی ایک تولہ۔ ڈھاک کے بیج ایکتولہ۔ سم الیب ایک تولہ عقر قرحا ایکتولہ۔ جاوتری ایکتولہ۔ دارچینی ایک تولہ۔ اونٹ کٹارے کی جڑ ایکتولہ۔ تخم پیاز ایک تولہ۔ کچلہ ۶ ماشہ۔ زعفران ۶ ماشہ۔ سونٹھ ۶ ماشہ کیچوے خشک ۶ ماشہ۔ کستوری ۳ ماشہ۔ اندری ریچھ ۶ ماشہ۔ چربی چیتا ۵ تولہ۔ چربی شیر ۵ تولہ۔ چربی سانڈہ ۵ تولہ۔ تیل چمیلی ۵ تولہ۔ سم الفار سفید ۶ ماشہ آئل سنامن (OIL CINNAMON) ۵ تولہ۔ آئل کلو (OIL CLOVES) ۵ تولہ مندرجہ بالا خشک دواؤں کو پیس کر چربی اور تیل کو ملائیں۔ پھر کسی کھرل میں ڈالکر ۲۴ گھنٹہ گھوٹکر کسی بڑی آتشی شیشی میں بھر لیں اور پاتال جنتر کی ترکیب سے تیل نکال لیں۔ اور شیشی میں بھر کر کاک لگا دیں۔

حسب دستور رات کو سوتے وقت مالش کریں۔ انشاءاللہ ایک ہفتہ کے استعمال سے وہ قوت پیدا ہوگی جو تمام زندگی قایم رہے گی۔ اور تمام نقائص عضو مخصوص کے دور ہو جائیں گے۔ لطف یہ ہے کہ اس طلاء سے آبلا نہیں پڑتا اور نہ کوئی تکلیف ہوتی ہے۔ نازک سے نازک حضرات اس کو استعمال کرتے ہیں۔ ہر موسم میں ایک سا مفید ہے اگر کوئی صاحب بوجہ وقت یا شرمندگی خود تیار نہ کر سکیں تو ہمارے دوا خانہ **روپ بلاس کمپنی** رجسٹرڈ میں مریضوں کے لئے ہر ہفتہ تیار ہوتا رہتا ہے۔ جس کی قیمت فی شیشی مبلغ ۳ تین روپیہ آٹھ آنہ مع محصول ڈاک ہے طلب کریں۔ ایک شیشی ایک مریض کے لئے کافی ہوتی ہے۔ اگر خود ہی تیار کرنا چاہیں اور کسی دوا کے نہ ملنے سے مجبور ہو جائیں تو وہ بھی طلب کریں۔ غرضکہ آپ کو دھوکے باز اشتہار بازوں سے بچانا مقصود ہے۔ جس طرح سے چاہیں اس نسخہ کا تجربہ کریں۔ اگر جریان قوت باہ کی شکایت ہو تو ہمارے یہاں سے وہ بھی نسخہ اکسیر جریان یا دوا **دیو سنجیون ست** رجسٹرڈ جو کہ بیس سال سے مجرب و مستند ہے۔ جس کے استعمال سے بلا مبالغہ بیس بیس سال کے لاعلاج مریض جو پچھوں تک حکیموں ڈاکٹروں کے زیر علاج رہ کر اپنی دولت کو برباد کرکے بھی مایوس ہو چکے تھے۔ آج وہ صاحب اولاد ہیں۔ جسکی قیمت ۲۱ اکیس روز کی خوراک کی مبلغ دو روپیہ دس آنہ ۲/۱۰ مع محصولڈاک ہے۔ طلب کریں

(جملہ خط و کتابت کا پتہ)

خادم۔ ویدرتن ستیہ دیوجی۔ مالک روپ بلاس کمپنی ۲۰۵ کپنجوسی ضلع اٹاوہ (یو۔پی)

خیالات کی پریشانی اور پراگندگی آپکی تنزلی کی وجہ ہوجائے گی

یہ پریشانی اور پراگندگی - دل ودماغ اور معدہ میں حرارت کی زیادتی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے - گرم خوراک - چائے - بیڑی سگریٹ

پان - تمباکو وغیرہ زیادہ استعمال کرنے سے خون اور منی میں تپش پیدا ہوکر جسم میں آتشیں مادہ پیدا ہوجاتا ہے - اور حرارت زیادہ ہوکر ریاح پیدا کردیتا ہے جس سے دل ودماغ پریشان ہوجاتے ہیں - ایسی حالت میں آپ اپنی حفاظت کیلئے صحت افزا روح پرور جرمنی بوٹیوں کے مرکب سے تیار شدہ امرتار نواولیہہ کا استعمال کریں -

امرتار نواولیہہ جسم سے گرمی کی زیادتی دور کرکے آتشیں مادہ کو دور کردیتا ہے امرتار نواولیہہ دل ودماغ اور معدہ کو تراوت بخشتا ہے

امرتار نواولیہہ خون اور منی بکثرت پیدا کرکے جسم کو فربہ اور مضبوط بناتا ہے - امرتار نواولیہہ خیالات کی پراگندگی - اعضاء جسم کا ڈھیلاپن - چہرے کی بے رونقی - قوت ہاضمہ کی کمی سستی کاہلی وغیرہ دور کرکے حیرت انگیز قوت فرحت اور رونق عطا کرتا ہے - ایک مرتبہ آزمایش کرکے اطمینان حاصل کریں - قیمت فی ڈبہ ۲ تولہ صرف دو روپیہ ۲ؔ علاوہ محصولڈاک

نہایت عمدہ مضامین سے مزین ۹۲ صفحات کی کتاب کام شاستر بالکل مفت منگوا کر ملاحظہ فرمادیں

المشتہر:- منیجر - آتنک نگرہ فارمیسی - جام نگر - (کاٹھیاواڑ)

تاج محل اور ساحل جمنا سے قریب

اکبرآباد کا مشہور، ممتاز، کامیاب، اور سب سے اچھا آرام دہ

مسلم ستارہ بمبئی ہوٹل آگرہ

اس ہوٹل میں قیام وطعام کا بہترین اور نفیس انتظام ہے اسٹیشن سے بالکل قریب ہے اور شہر کے وسط میں ایک پرفضا مقام پر ۱۹۱۱ء سے قائم ہے

جب بھی آپ آگرہ تشریف لائیں

مسلم ستارہ بمبئی ہوٹل

کو یاد رکھیئے :- مفصل حالات وقواعد ایک کارڈ لکھ کر معلوم کیجئے - اور ایک مرتبہ ضرور تشریف لایئے - ہمارا پتہ نوٹ کرلیجئے

منیجر - مسلم ستارہ بمبئی ہوٹل (رجسٹرڈ) بازار سیب آگرہ

مُرقّع حجاز

سرزمین حجاز کے جامع و مُکمّل حالات

جس میں دو درجن سے زیادہ رنگین تصاویر شامل ہیں

جنکو مولانا ابو القلم حضرت خاموشؔ نے اٹھارہ ماہ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، اور طائف وغیرہ میں قیام کرکے لکھا ہے۔

اہل عرب کی شہری و دیہاتی زندگی، اُمرا اور رؤسا عرب کی صحبتوں میں رہکر اُنکے معاشرتی و تمدنی حالات غریب بدؤوں کے حس پوش جھونپڑوں میں بسر کرکے ان کا طرز زندگی، اپنی نرالی تحریر میں قلمبند کیا ہے۔

یقیناً آپ کو یہ معلوم کرنے کا شوق ہوگا کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے اسلامی تہوار رمضان المبارک میں سحری و افطار کے طریقے، عیدین میں غریبوں اور امیروں کی عید، شبرات اور محرم کیسے ہوتے ہیں اور ان میں کیا کیا ہوتا ہے

یہ سب کچھ "مُرقع حجاز" میں تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ خانہ کعبہ اور حرم شریف مدینہ منورہ میں اہلبیتِ اطہار، اور صحابۂ کبار کے مزاراتِ مقدسہ پر حضرت مولانا خاموشؔ نے جو پُر خلوص دعائیں اپنی زبان میں مانگی ہیں وہ قلب کو تڑپا دینے والی اور روح کو وجد میں لانیوالی ہیں۔

پڑھنے والے کو معلوم ہوتا ہے کہ میں مکہ اور مدینہ کے بازاروں اور گلی کوچوں میں گھوم رہا ہوں اور حقیقت کی نظر سے وہ سب کچھ دیکھ رہا ہوں جنکو دیکھنے کے لئے ایک سچّے اور صاحبِ ذوق مسلمان کی آنکھیں ترستی ہیں۔ ہندوستان کے بڑے بڑے اہل قلم حضرات کی رائے ہے کہ اس سے بہتر اور دلچسپ مرقع حجاز آج تک کسی کے قلم سے نہیں نکلا ہے۔ شروع میں سید غلام بھیک صاحب نیرنگ کا مقدمہ ہے اور حضرت خواجہ حسن نظامی کی نرالی دُعا درج ہے حجم ۴۰۰ صفحات، لکھائی چھپائی اور کاغذ اعلیٰ۔ ٹائیٹل سہ رنگہ۔ قیمت دو روپیہ محصولڈاک ۷ر

(ملنے کا پتہ)

منیجر وارث بکڈپو مرکز اشاعت ہینگ کیمنڈی آگرہ

شکھ سنچارک کمپنی متھرا کی

ادویات

سُدھا سندھو

کف، کھانسی، ہیضہ، دمہ، شول، سنگرہنی۔ اتیسار وغیرہ کی خوش ذائقہ خوشبودار دوا ۔ قیمت آٹھ آنہ ۸/

دردِ گج کیسری

داد کی سب سے اچھی دوا۔ قیمت ۴ آنہ

بال سُدھا

دُبلے اور کمزور بچوں کو طاقتور بنانے والی دوا ۔ قیمت ۱۲/ سب دوا فروشوں کے پاس ملتی ہے

تالیفات خواجہ عشرت لکھنوی

بغیر اُستاد کے شاعری اور مضمون نگاری سکھانیوالی کتابیں

شاعری کا مکمل سٹ ۔ چار جلدوں میں شاعری اور مضمون نگاری گھر بیٹھے سیکھ لیجیے ۔ قیمت عہ/

آبِ بقا ۔ اردو کے غیر معروف شعرا کے مکمل حالات اور کلام کا مجموعہ ۔ قیمت عہ/

ہندو شعرا ۔ تقریباً ۵۰۰ ہندو ناموَر شعرا کے حالات معہ انتخاب کلام ۔ قیمت عہ/

لغاتِ اردو ۔ چار جلدوں میں فصیح اور صحیح مصدر محاورات و الفاظ کی تحقیق وغیرہ ۔ قیمت ۳ روپے ۸/

مضمون نویسی ۔ بہترین عبارت لکھنے کا آسان طریقہ علم بیان کی وضاحت ۔ قیمت ۸/

زبان دانی ۔ فصیح اور صحیح الفاظ کی جانچ مستند لفظوں کا بیان ۔ قیمت ۶/

اصلاحِ زبان اردو ۔ متروک الفاظ کا بیان معہ صحیح بدل شاعرانہ خیال کہو بدافق قیمت ۶/

قواعدِ میر ۔ صحیح جملے بنانے کا آسان طریقہ تذکیر و تانیث معلوم کرنے کی کنجی ۔ قیمت ۶/

جانِ اردو ۔ اردو ہندی کا فرق جملے کی غلطیوں کی پہچان اردو ہندی کا میل جول ۔ قیمت ۶/

المشتہر :۔ مینجر عشرت بکڈپو ۔ احاطہ خانساماں ۔ لکھنؤ

علمی ادبی اور تنقیدی مصور ماہنامہ
کنول
مدیر
منظر صدیقی اکبرآبادی
قیمت سالانہ
ذریعہ وی۔پی
ممالک غیر سے
۶ شلنگ
فی پرچہ ۵؍
مرکزِ اشاعت آگرہ

ماہنامہ "کنول" کا
عید نمبر
جشن عید کے لئے ایک تحفۂ جمیل، ادب اردو میں ایک نادر ترین اضافہ
گو سالنامے کی مصروفیت حد سے زیادہ بڑھی ہوئی ہے مگر ہم نے
قارئینِ "کنول" کی مسرتوں، دلچسپیوں اور دلفریبیوں میں اضافہ کرنے کے
لئے فیصلہ کیا ہے کہ
دسمبر میں کنول کا "عید نمبر" شایع کریں
لہذا اس نوید سے جھوم جائیے کہ دسمبر کا "کنول" "عید نمبر" ہوگا جو عید سے پہلے شایع ہو جائیگا۔ عید نمبر
میں کیا ہوگا؟ عید نمبر میں آپ کی مسرتوں اور دلچسپیوں کو بڑھانے کے لئے وہ سب کچھ ہوگا۔ جس کا آپ
تصور بھی نہیں کر سکتے۔
عید کی تازہ رباعیاں، عید کی نظمیں، عید کے متعلق مفید
مضامین اور فسانے، عید کی شاہکار تصاویر
غرضکہ بحیثیتِ مجموعی کنول کا عید نمبر صحیح معنوں میں "عید نمبر" ہوگا اور تمام مضامین صرف عید کے متعلق ہوں گے۔
آپ اپنے فرض کو محسوس کیجئے
اور کنول کی توسیعِ اشاعت میں حصہ لیکر ہماری حوصلہ افزائی کیجئے۔ عید نمبر اپنے لئے اپنے عزیزوں اور دوستوں کے لئے ضرور منگائیے۔ کنول کا عید نمبر عید کا بہترین تحفہ ہوگا
جن حضرات کا سالِ خریداری ختم ہو چکا ہے
وہ توجہ فرما کر پہلی فرصت میں چندۂ سالانہ روانہ فرمادیں اور جن حضرات کی طرف چندہ باقی ہے وہ بھی توجہ فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔
"عید نمبر" کے بعد ہی سالنامے کا انتظار کیجئے
عید نمبر کی قیمت صرف ۶ر رکھی گئی ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ فروخت ہو سکے، آپ کو جس قدر کاپیوں کی ضرورت ہو اطلاع دیجئے
منیجر ماہنامہ "کنول" مرکزِ اشاعت آگرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف

تصاویر (۱) گریۂ معصوم ——— (۲) غازی محمد بن عبدالکریم ———

جلد ۳ کنول نومبر ۱۹۳۶ء نمبر ۵

فلم نگار

"کنول کا فلمی ضمیمہ"

گریۂ معصوم

اشک باری کے بہ ہر صورت نئے انداز ہیں — ہیں کہیں تفسیرِ دردِ دل، کہیں اک راز ہیں
ہے کوئی مصروفِ شیون نذرِ حرماں ہے کوئی — کوئی شاداں کوئی خنداں ورگریاں ہے کوئی
صورتاً دنیا کی محفل اک مسلسل بین ہے — متقل اک نالہ و فریاد ہے بیچین ہے
آدمی ہے شورشِ ایام میں الجھا ہوا — لعنت و ہنگامۂ آلام میں اُلجھا ہوا
واقعہ یہ ہے مسرت قسمتِ انساں نہیں — یہ بظاہر شادماں ہے اصل میں شاداں نہیں

عہدِ طفلی عنفوانِ زندگی کی موج ہے — لہر ہے معصومیت کی بیخودی کی موج ہے
عہدِ طفلی ایک عنوانِ حیاتِ تازہ ہے — ہے نہاں معصومیت جسمیں وہ جامِ بادہ ہے
عہدِ طفلی زندگیٔ بے ریا کا ہے کنول — وہ کنول جسکو کہیں فردوس کا نعم البدل
عہدِ طفلی جگمگاتا ہے ستاروں کیطرح — دیکھتی ہے اس کو اک دنیا بہاروں کی طرح
کھیلنا، رونا، مچلنا طفلکِ معصوم کا — چارہ ساز و چارہ گر ہے ہر دلِ مغموم کا

مسکرانا طفلِ شوخ و شہریارِ دہر کا — پوچھئے مجھ سے تو ساماں ہے قرارِ دہر کا
اسکے رونے میں بھی ہے نزہت نہاں تسکین کی — کوثری قطروں میں جیسے شوخیاں تمکین کی
گریۂ معصوم میں ہے جنتِ معصومیت — پھول برساتی ہے گویا فطرتِ معصومیت

طفلِ نو کی اشکباری عیش کا مفہوم ہے
یعنی آغازِ مسرت "گریۂ معصوم" ہے

منظر

(متعلقِ تصویر)

گریۂ معصوم

غازی محمد بن عبدالکریم
(آجکل اخباری دنیا میں آپ کا چرچا ہو رہا ہے)

شذرات

اُردو اور مہاتما گاندھی

یہ اطلاع تمام دنیائے ادب اور اردو ہندی جاننے والے حضرات کے لئے یقیناً سببِ مسرت ہوگی کہ ایک طویل عرصہ سے اُردو ہندی کی جنگ اور ہندوستانی کے سوال نے جو ناگوار صورتِ حال پیدا کردی تھی اب اسکی بڑی حد تک تلافی ہوچکی ہے۔ ہم اس دوراندیشی اور مصلحت کے معترف ہیں کہ مہاتما گاندھی نے (جنھیں اس تحریک کا بانی سمجھا جاتا ہے) بعض خطرات اور ناگواریوں کو محسوس کرتے ہوئے اعلان کردیا ہے کہ "میں اُردو کا مخالف نہیں" وہ اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں "میری طرف سے یہ اندیشہ فضول ہے کہ میں اُردو کی مخالفت کرونگا" اسی طرح پنڈت سُندر لال کے خط کا جواب دیتے ہوئے وہ لکھتے ہیں "میں ہرگز اُردو کو ترک کرنا نہیں چاہتا میرے دل میں اس کے لئے کافی احترام ہے اور میں اسے کافی اہمیت دیتا ہوں میں ہر روز کوئی نہ کوئی اُردو کتاب پڑھتا ہوں"

گاندھی جی کے اِن خیالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اُردو کی ہمہ گیری اور اس کے عالمگیر قبولِ عام کا اعتراف کرچکے ہیں اور اُردو کو مٹانے کی کوششوں کو بیکار سمجھتے ہیں۔ اس نوید سے جہاں اُردو داں اور اُردو پرست حضرات کو مسرور ہونا چاہئے وہاں اُن کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ مہاتما جی کے اس حسنِ سلوک اور اُردو سے محبت رکھنے کی داد دیں اور آزادی کے ساتھ اُردو کو معراجِ کمال تک پہونچانے کے لئے سعی فرمائیں۔

علی گڈھ میں اُردو کانفرنس کی کامیابی

گذشتہ اشاعت میں قارئین اُردو کانفرنس کے انعقاد کا ذکر ملاحظہ فرماچکے ہیں۔ میں نے اس کانفرنس کی تفصیلی کارروائی کی اشاعت کا وعدہ کیا تھا۔ مگر اب تک بہت سے رسالوں اور اخباروں میں یہ کارروائی شایع ہوچکی ہے۔ اس لئے میں یہاں اختصار کے ساتھ اس کا ذکر کروں گا۔

اس کانفرنس میں اُردو یا ہندوستانی زبان کو فروغ دینے کے لئے بہت سی مفید تجاویز بالاتفاق منظور کی گئیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ ہندوستانی زبان کو تمام ملک میں پھیلایا جائے۔ اس کے علاوہ ایک ایسا لائحۂ عمل مرتب کیا گیا جس پر اگر پوری توجہ اور استقلال کے ساتھ عمل کیا جائے تو اُردو کی ترقی موجودہ حالت سے دوچند ہوسکتی ہے۔ یہ بھی طے ہوا کہ اس کام کی مرکزیت کے لئے دہلی کو منتخب کیا جائے اور تمام صوبوں میں شاخیں قائم کی جائیں۔ اسی کے ساتھ اس کانفرنس نے یہ بھی طے کیا ہے کہ ہر صوبے کے سرکاری دفتروں اور درسگاہوں میں ہندوستانی زبان کو وہ حیثیت دیجائے جس کی وہ مستحق ہے انجمن کے لئے تین کمیٹیاں بنائی گئی ہیں۔ جو مختلف عنوانوں سے اصلاحِ زبان اور ترقیٔ زبان کا کام کریں گی۔

خدا کرے ایسا ہی ہو اور جو تجویزیں اتفاق و اتحاد کے ساتھ منظور کی گئی ہیں اُن پر عمل بھی کیا جاسکے۔ اب صرف کام کرنے کی ضرورت ہے، کیونکہ اُردو کو بامِ کمال تک پہونچانے کا صرف یہی ایک ذریعہ ہے۔ پٹنہ میں بھی اُردو کانفرنس کا جلسہ ہوا تھا اور اس میں بھی بہت سی مفید تجاویز منظور کی گئی ہیں۔ مگر ہمیں جلسوں سے زیادہ عملی طور پر کچھ کرکے دکھانا چاہئے۔

کنول کا "عید نمبر"

سالنامے کی بے پناہ مصروفیت سر اُٹھانے کی اجازت نہیں دیتی لیکن میری بلند حوصلگی یا عاقبت اندیشی ملاحظہ فرمائیے کہ "عید نمبر" کی اشاعت کا اعلان کر رہا ہوں۔ میرے اس اقدامِ بیجا کی وجہ صرف یہ ہے کہ مجھے عید نمبروں کی عامیت اور اُن کا موضوعِ عید سے غیر متعلق ہونا محسوس ہونے کی طرح محسوس ہو رہا ہے میں چاہتا ہوں کہ ہمارے رسالوں اور اخباروں کے عید نمبر صحیح معنوں میں "عید نمبر" ہوں میں اسی جذبے کو صحیح صورت میں پیش کرنے کے لئے کنول کا عید نمبر نکال رہا ہوں دعاوی میری عادت نہیں البتہ صحیح الذوقی مجھے فطرتاً ودیعت ہوئی ہے میں نہیں کہہ سکتا کہ کنول کے عید نمبر کو کس حد تک کامیاب بنا سکوں گا لیکن اسے دیکھنے کے بعد آپ کو مایوسی نہ ہوگی۔ مسرت کے متعلق میں کچھ کہہ نہیں سکتا تاہم اتنا تو سُن ہی لیجئے کہ کنول کا عید نمبر آپ کے لئے بہرطور "عید نمبر" ہوگا۔

سالنامہ

سالنامے کا کام بڑی تیزی سے ہو رہا ہے اور رفتارِ کار بتا رہی ہے کہ جنوری کے پہلے ہفتہ تک ختم ہو جائیگا۔ اس میں جو بلند پایہ مضامین اور اُردو ادب کے جو شہ پارے سالنامے میں شائع ہو رہے ہیں وہ اس کا زندہ ثبوت ہیں کہ ابھی اُردو کے خزانے میں بڑے بڑے نادر اور انمول جواہرات موجود ہیں۔
آرٹ کی رنگین و سادہ تصاویر اور مشاہیر شعرا کی روح پرور نظمیں کیف و سرور کی دعوتِ سیمیں سے کم نہیں۔ مختصراً یوں سمجھئے کہ ۱۹۳۷ء کا سالنامہ دیکھکر آپ وہ مسرت وہ سرخوشی اور وہ عشرتِ خیال حاصل کر سکیں گے جس کا آپ ابھی تصور بھی نہیں کر سکتے۔

دو ہزار روپہلی سکے

"عید نمبر" اور "سالنامے" کے اخراجات کا اندازہ دو ہزار روپیہ کیا گیا ہے ظاہر ہے کہ اتنی بڑی رقم غریب مدیر "کنول" کے پاس ہے اور نہ اُس کے ہونے کا کوئی امکان ہو سکتا ہے کیونکہ وہ غریب تو پہلے ہی لٹا ہوا ہے اور ہنوز لُٹ رہا ہے۔
"کنول" کے اکثر سرپرست اور معاونین حضرات نے اس ذیل میں میری حوصلہ افزائی کا وعدہ فرما کر کسی حد تک مجھے اقتصادی فکروں سے آزاد تو کر دیا ہے مگر ابھی دوسرے سرپرست حضرات کے توجہ فرمانے کی بطورِ خاص ضرورت ہے یہی گذارش معاونین سے ہے۔ میں ادب اُردو کی خدمات کے سلسلے میں جس طرح اپنی روح اور دل و دماغ کو تحلیل کر رہا ہوں وہ میرے مخلصین اور سرپرستوں سے پوشیدہ نہیں۔ ایسی صورت میں اپنے محسنوں اور اُردو ادب کو معراجِ کمال پر دیکھنے والے حضرات سے مجھے جو توقعات ہیں وہ یقیناً میرے لئے ہمت افزا ثابت ہونگی۔

قارئینِ "کنول" کا فرض

اس ذیل میں محترم قارئینِ "کنول" کی توجہ کی بڑی ضرورت ہے۔ مجھے منیجر صاحب نے بتایا ہے کہ نومبر دسمبر میں کئی سو حضرات کا سالِ خریداری ختم ہو رہا ہے ایسے تمام حضرات کی خدمت میں آئندہ سال کے سلئے سالنامہ بذریعہ وی۔ پی روانہ کیا جائے گا جو حضرات وی پی نہ منگانا چاہیں وہ ختمِ سال کی اطلاع ملتے ہی زرِ سالانہ منی آرڈر سے مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں۔
مجھے اُمید ہے کہ قارئینِ گرامی اس اطلاع کی تکمیل کو "فرض" سمجھکر مجھے شکریے کا موقع دیں گے اور اپنی توجہ سے میرے کاموں میں آسانیاں پیدا کر کے ممنون فرمائیں گے۔

منظر

سفر وسیلۃ الظفر

ایک کھاتے پیتے گھر کا شریف لڑکا قسمت کا ہیٹا جس کا نام یوسف اور ڈپٹی کلکٹر لکھنؤ کے منصرم مولوی رحمت علی کا فرزند رشید بارہ برس کے سن میں یتیم ہوگیا۔ مولوی صاحب کی تو ابھی مرنے کی عمر نہ تھی۔ نواز گنج میں رہتے تھے اور محلہ میں ہر دل عزیز تھے راشی بھی نہ تھے لیکن تمام محلہ میں کا لستہ بھرے ہوئے تھے۔ شوہر کے مرنے سے ماں کے تو ہوش و حواس قایم نہ رہے۔ ایک آٹھ برس کی لڑکی صابرہ تھی یا۔ آنکھوں کا تارا یوسف تھا۔ فیض آباد کے رہنے والے تھے لکھنؤ میں کوئی اُن کا رشتہ نہ تھا۔ بارہ برس سے لکھنؤ میں قیام پذیر تھے۔ یہیں ایک مکان بنوالیا تھا جس کی دکانوں کا کرایہ دس روپیہ ماہوار ملتا۔ بی بی کو شوہر کے مرنے کے بعد یہ دوسرا غم ہوا کہ تین دموں سے کیونکر زندگی بسر کروں گی جو کچھ روپیہ نکلا وہ تعمیر مکان میں خرچ ہوگیا۔ محلہ کے لوگ شریف ہیں اور ان سب سے میل جول بھی ہے مگر پھر کُل غیر مذہب ہیں، دوسرے کانگریس والے ہیں ان کو ہم سے کیا ہمدردی ہوسکتی ہے۔ کانگریس کی نصیحتوں نے اُن کو ہم سے جدا کر دیا ہے اور تنگ نظر بنا دیا ہے وہ نہیں چاہتے کہ کوئی مسلمان ہو کہ ہندوستان میں رہ سکے وہ کسی مسلمان کو اپنے محلہ میں رکھنا نہیں چاہتے وہ دیہات اپنے محلوں کے کرایہ دار مسلمانوں کو نکال رہے ہیں۔ اُن کی تنگ نظری نے یہاں تک اثر کیا ہے کہ ہندوستان میں کسی مسلمان کو نہیں دیکھ سکتے وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان عربستان میں نکال دیئے جائیں اور بڑے لیڈروں کی بھی یہی رائے ہے کہ ہندوستان ہندوؤں کا ہے اور اپنی قوم کو سبق پڑھاتے ہیں۔ جہاں تک ممکن ہو مسلمانوں کی زمین خرید لو کہ انکو ہندوستان میں رہنے کی جگہ نہ ملے۔ ان کی تمام سبھائیں اس فکر میں ہیں کہ مسلمان ہندوستان چھوڑ دیں۔

آج مہا سبھا کو اور ہندو سبھا کو یہی فکر ہے کہ مسلمانوں کی قوم کو ہندوستان سے خارج کر دو۔ سرکاری ملازمتوں کے صیغے اکثریت کے سبب سے اُن کے ہاتھ میں ہیں اس سبب سے کچہری کا دروازہ مسلمانوں پر بند ہے۔ ایسی حالت میں کیا ہو سکتا ہے کچھ عقل کام نہیں کرتی۔ لڑکے کی تعلیم ضروری ہے وہ چھوٹی جماعت میں پڑھتا ہے لیکن تعلیم کے خرچ کی میں نادار بیوہ برداشت نہیں کر سکتی پھر مکان رہ گیا تو زندگی خراب ہے۔ دس روپیہ کرایہ کے آتے ہیں اس میں تین بندوں کا کیا ہو سکتا ہے۔ ایک تو پردیس دوسرے مصیبت ایک دن لالہ روشن لال جو قریب مکان کے رہتے تھے تشریف لائے پہلے رسم تعزیت ادا کی پھر کیا فرماتے ہیں آپ نے آیندہ بسر کی کیا صورت

سر پڑی ہے۔ منصرم صاحب کی بی بی نے کہا۔ سوچا کیا ہے ہم پر تو پہاڑ ٹوٹا ہے۔ جو قسمت میں لکھا ہے پورا ہوگا۔ کہنے لگے میں ایک نصیحت کرتا ہوں۔ لڑکے کی تعلیم سے غافل نہ رہیئے گا۔ اس بیوہ نے کہا اب تعلیم کیونکر ہو سکتی ہے گھر پر ایک ماسٹر آتا ہے۔ اسکول کا خرچ درکار ہے۔ پھر کھانا مقدم ہے اور پیسہ کا یہ حال ہے ایک پیسہ کی آمدنی نہیں گھر پر کوئی کمانے والا نہیں۔ روکھی سوکھی میسر آ جائے تو خدا کا لاکھ شکر ہے آپ کو معلوم ہے کہ مکان کس شکل سے بنا ہے اور ابھی اس میں کچھ اور بنوانے کی نیت تھی۔ مگر اجل نے موقع نہ دیا بے وقت موت آگئی گھر میں ایک پیسہ نہیں۔ دس ہزار روپیہ مکان میں لگا دیا۔ صرف دس روپیہ کی آمدنی دکانوں کی ہے۔ اس میں کھانا بھی نہیں چل سکتا تو پڑھانا کیسا۔ لالہ جی نے کہا میرا کہنا مانئے، لڑکے کی تعلیم میں غفلت نہ کیجیے، مکان کو رہن رکھ کر کام چلائیے چار پانچ برس کے بعد جب لڑکا تعلیم پاکر نوکری کرنے لگے گا سب کلیس مٹ جائے گی۔ یہ سب چند دنوں کی مصیبت ہے پھر راحت ہی راحت ہے عورت نے کہا میں سوچونگی اور دل میں کہنے لگی ابھی سے روشن لال کی نیت مکان پر لگی ہے۔ محلہ والوں کا تو یہ حال ہے پھر ہماری فلاح کیونکر ہو سکتی ہے۔

ایک دن مولوی محمد اسمٰعیل کچہری کے ناظر تعزیت کو آئے۔ مولوی صاحب کے اوصاف بیان کر کے کہا ہم کو ملازمت انھیں مرحوم کی اعانت سے ملی، بڑے نیک باطن آدمی تھے خدا مغفرت کرے۔ خدا مسبب الاسباب ہے آپ ہراساں نہ ہوں۔ ہمارے متعلق جو خدمت ہو حاضر ہیں۔ سب سے زیادہ ہم پر فرض یہ ہے کہ اُن کے صاحبزادے کی تعلیم ہو اُس کی صورت میں نے یہ تجویز کی ہے کہ کچہری سے واپس آکر ایک گھنٹہ صاحبزادے کو پڑھایا کروں گا اور اسکول کی فیس اور کتابوں کا جو صرفہ ہوگا میرے ذمے۔ جب تک بی۔ اے نہ پاس کر بلے اس طرح خدمت کرتا رہوں گا۔ اس کے علاوہ میری مقدرت نہیں ہے۔ بیوہ نے اُن کا شکریہ ادا کیا اور کہا آپ نے پورا پورا حق ادا کر دیا۔ یہ آپ کا زندگی بھر ممنون رہے گا۔ غرضکہ تینوں بندے اس دس روپیہ میں اوقات بسر کرنے لگے، نوکر، ماما کو جواب دیدیا۔ لڑکا بدستور اسکول جانے لگا اور سال بھر کے بعد چھٹے درجے سے ساتویں درجے میں پہونچ گیا۔ اس طرح پانچ برس میں محنت کر کے بی۔ اے پاس کر لیا۔ اور چاہا کہ کوئی سرکاری نوکری ملجائے تو راحت ملے کیونکہ وکالت کے لئے وقت اور روپے کی ضرورت تھی اور یہاں سب تکلیف سے جاں بلب تھے۔ یوسف نے کچہریوں کی سال بھر خاک چھانی۔ نفرہ باروں نے اپنی ذاتی خدمت لینے کے لئے بہت گھر سے نفرے دیئے کہ بیچارا یوسف یہی سمجھتا تھا کہ آج نہیں تو کل ضرور رہو جاؤں گا آخر دوڑتے دوڑتے جان سے عاجز آگیا اور قصد کیا کہ نوکری ملنا تو ہندوؤں کی عملداری میں دشوار ہے یہ تنگ خیال لوگ کچہری میں قدم نہیں رکھنے دیتے۔ اپنی ماں سے کچہری کا سب قصہ بیان کیا۔ اس غریب نے کہا تمہارے باپ کہتے تھے کہ جو تنگ دست ہو سفر کرے حدیث میں آیا ہے کہ "سفر وسیلۃ الظفر" میرے نزدیک تم قریب کا سفر کرو شاید خدا اس میں کچھ فائدہ دکھائے اور کسی مسلمان کے یہاں چھوٹی موٹی ملازمت مل جائے۔ مگر غضب تو یہ تھا کہ سفر خرچ کیلئے روپیہ چاہیئے وہ بھی اُس کے پاس نہ تھا۔ ایکدن نیک تاریخ دیکھکر ماں نے کچھ روٹیاں پکا کر آٹھ آنے پیسے دے کر اُن کو رخصت کر دیا

یہ شہر سے پیدل روانہ ہوئے شام کو آٹھ بجے کی سرائے میں پہونچے وہاں قیام کیا صبح کو بستی میں سے نکلے ہر غریب امیر شریف سے ملے کوئی نوکری نہ ملی۔ دوسرے دن وہاں سے چل کر اور آٹھ کوس پہونچے کہیں نوکری نہ ملی۔ تیسرے دن بندھولی میں بھی بہت کوشش کی تحصیل میں بھی کوئی نوکری نہ ملی ایک گاؤں امین پچھم کی طرف گئے اور ایسے تھک گئے تھے کہ کسی زمیندار کے مکان سے کمر ٹیک کر بھوکے پیاسے اپنی دھن میں کہنے لگے "خدانے ہم بدنصیبوں کو کیوں پیدا کیا نہ جن کا کوئی ذریعہ ہے نہ سفارش جہاں جاتا ہوں مایوس لوٹنا پڑتا ہے۔ شہر سے باہر آئے ہوئے آج تین دن ہوگئے۔ صبح سے شام تک گاؤں گاؤں میں خاک چھانتا رہا اب کہاں جاؤں اگر سرا کا رُخ کرتا ہوں تو کرایہ کہاں سے دوں صرف چار پیسے بچے ہیں وہ کھاؤں یا سرائے کا کرایہ دوں" غرض اس خیال میں شام ہوگئی آخر اسی میدان میں ایک درخت کے نیچے لیٹ رہا چہرہ ضعف سے نڈھال تھا اپنی حالت اور زمانے کی بے رُخی پر نظر کرنے لگا۔

آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے کہتا تھا کہ کسی کنوئیں میں پھاند کر زندگی کا خاتمہ کر دینا چاہیے کبھی کہتا ایک آنے کی سنکھیا کھا کر جان دیدینا بہتر ہے اور یہ نہ کروں تو کیا۔ بھیک مانگوں۔ بھیک کون دے گا۔ جب نوکری نہیں ملتی لوگ خفا ہوں گے گالیاں دیں گے جوان ہو کر بھیک مانگتے ہو شرم نہیں آتی۔ افسوس اب سوائے مرجانے کے کوئی چیز آسان نہیں ہے۔ کنوئیں میں کودوں یا دریا میں ڈوبوں۔

اسکی باتیں شیخ ابراہیم کی بی بی کان لگا کر سُن رہی تھیں۔ نیک بی بی تھیں۔ ایک مسلمان کی مصیبت پر دل بھر آیا اور کہا بیٹا تم کیا چاہتے ہو کیا تمھارا کوئی نہیں۔ کیا تم ہماری نوکری کر سکتے ہو۔ ہم تم کو دو روپیہ مہینہ اور کھانا دے سکتے ہیں۔ گھر میں بُلایا اور کھانا کھلایا۔ دلاسے سے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا کہ ہم لوگ بھی زمیندار ہیں دو ڈھائی سو روپیہ ماہوار کی آمدنی ہے۔ ضرورت کے موافق سب کام نکل جاتا ہے مگر تم کو بھی دو روپیہ ماہوار اور کھانا دے سکتے ہیں اگر تمھارا جی چاہے تو اسے قبول کرو نہیں تو صبح کو چلے جانا۔ یوسف نے کہا جانا کہاں اب تمھارے دروازے سے مر کے نکلیں گے۔ یہ کہہ کر ابراہیم کی بی بی نے اندر بُلا لیا۔ یہ دروازے کے اندر جا کر ٹھہر گیا۔ پھر بی بی نے آواز دی۔ بیٹا ڈرتے کیوں ہو اندر چلے آؤ۔ دیکھا تو ایک مرد بزرگ لحیم شحیم پلنگ پر آرام سے لیٹے ہوئے ہیں۔ اُس نے سلام کیا۔ بی بی نے کہا یہ شریف آدمی کا بچہ بھوک سے دروازے پر رو رہا تھا۔ میں نے اسے کھانا کھلایا اور نوکری کے لئے بھی کہا۔ میں نے کہدیا ہے کھانا اور دو روپیہ مہینہ تم کو ملے گا اور گھر کا کام کرنا پڑے گا اس نے منظور کیا۔ ابھی بچہ ہے اس لئے اندر بُلا لیا۔ دوسرے روز سے یوسف دن بھر کام کرتا رہا۔ چند روز میں یوسف نے اپنی خدمت سے دونوں میاں بی بی کو خوش کر لیا۔ بلکہ اکثر بی مریم کہا کرتی تھیں کہ تو رات دن کام کرتے کرتے مرا جاتا ہے شام سے سو رہا کر۔ کام دن کو کر لیا کر۔ لیکن یوسف مستقل مزاج تھا وہ رات کے کام انجام دے کر جب سب سو جاتے تھے سونے جاتا تھا۔ ایک دن رات کو جب کوٹھے پر لیٹنے گیا تو اُس کو ٹھنڈی ہوا معلوم ہوئی۔ کچھ کچھ گن گنا کر پڑھنے لگا۔ منشی ابراہیم کی لڑکی بھی اپنے اسکول کا سبق یاد کر رہی تھی۔ اُس کے کان میں جو آواز گئی تو کوٹھے پر جا کر کہنے لگی۔ یوسف بھیا تم گاتے خوب ہو۔ چپ کیوں ہوگئے گاؤ۔ ہم بھی سنیں گے۔ ہمارے اسکول میں بھی گانا سکھایا جاتا ہے یوسف جھینپ کر خاموش ہو رہا۔ دوسرے

دن صبح کو ماسٹر سبق پڑھانے آئے تو ایک اُردو کا میگزین ان کے ہاتھ میں تھا۔ اُس پر ایک نظم گریۂ شمع لکھی تھی اور لکھنے والے کا نام مسٹر یوسف علی بی۔اے صدیقی لکھنوی تھا۔ ماسٹر صاحب نے اُس نظم کی تعریف کی اور کہا کسی لکھنوی کا کلام ہے۔ حمیدہ نے جو نظم کے مصنف کا نام دیکھا تو کہنے لگی اللہ اللہ ایسا قابلِ فخر انسان اور ہمارے یہاں ہو اور اس بیکسی سے نوکری کرے یہ نہیں ہو سکتا۔ اگر یوسف گریجوئٹ ہے تو اسے ہماری کیا ضرورت تھی۔ اس کے لئے ملازمت کے بہت صیغے تھے یہ سوچ کر وہ تعجب میں پڑ گئی۔ دوسرے دن پوچھا بھیا یوسف کچھ تم پڑھے ہو یوسف نے کہا پڑھنے کی ہمیں کیا ضرورت ہے، خدمتگار کو پڑھنے سے کیا مطلب بغیر پڑھے ہم اپنا کام کر سکتے ہیں اُس نے کہا نہیں کل سے تم پہلی کتاب لو اور ہم سے سبق لے لیا کرو اُس نے کہا بہت خوب،

جاڑوں کے بعد ایک منی آرڈر اور ایک خط اُس کے نام آیا۔ پچاس روپیہ کا منی آرڈر تھا۔ یوسف منی آرڈر کی فکر میں بھاگ کر کے ڈاک خانے دوڑا ہوا گیا۔ مگر ڈاکیہ اس کے جانے سے پہلے منی آرڈر لے کر دوسرے دن کی ڈاک بانٹتا ہوا مولوی اسمٰعیل کے مکان پر آگیا۔ جب یوسف ناکام لوٹ کر آیا تو اُس نے بہت شرمندگی سے پچاس روپیہ اور خط دیا، پتہ یہ لکھا تھا سدھولی ڈاک خانہ سدھولی تحصیل مکان شیخ ابراہیم صاحب مسٹر یوسف صدیقی بی۔اے نامہ نگار برسد۔ خط میں لکھا تھا پچیس صفحات کے مضامین ہم کو ملے دو روپیہ صفحہ کے حساب سے آپ کو معاوضہ ہم دے سکتے ہیں۔ وصول کر کے رسید بھیجدیں اور آیندہ ماہ کے لئے کوئی دلکش مضمون لکھئے دفتر میں ابھی کوئی جگہ خالی نہیں ہے۔ آیندہ خیال رکھا جائے گا۔ مولوی ابراہیم یہ خط دیکھ کر بڑے متعجب ہوئے اور دل میں کہنے لگے اللہ اللہ اتنا سا لڑکا بی۔اے ہے۔ اور یہ بھید نہیں سمجھ میں آتا کہ ہمارے یہاں خدمتگاروں میں نوکری کی پھر سمجھا شاید اپنے گھر سے خفا ہو کر چلا آیا۔ کسی خوشحال اور شریف خاندان کا لڑکا ہے۔ اُس سے تفتیش حالات کرنے لگے۔ پہلے یوسف نے کچھ انکار کیا۔ لیکن جب شیخ ابراہیم کا اصرار بڑھ گیا تو عرض کیا سُنئے جناب ہم لوگ فیض آباد کے رہنے والے ہیں۔ پہلے ہمارے والد جون پور میں عرائض نویس تھے پھر ایک منصف صاحب کی مدد سے انہیں ڈپٹی کمشنر کی منصرمی کی نوکری مل گئی وہاں سے نواب گنج کی بدلی ہو گئی پھر نواب گنج سے لکھنؤ میں تبادلہ ہو گیا اب لکھنؤ محلہ نواز گنج میں مقام تھا وہیں زمین خرید کر مکان بنوایا۔ وکانیں بنوائیں بارہ برس تک ہم لوگ وہیں رہے۔ اس کے بعد والد نے ہیضہ میں انتقال کیا میری عمر اس وقت بارہ برس کی تھی چھٹی جماعت میں پڑھتا تھا۔ اُن کے انتقال کے بعد چار برس تعلیم حاصل کر کے بی۔اے پاس کیا۔ چھ سات مہینے تک نوکری کے لئے دفتروں میں مارا مارا پھرا تو والدہ کی رائے ہوئی کہ سفر کر کے کسی کے پاس نوکری حاصل کر لو۔ آٹھ آنے پیسے کچھ کھانا گھر سے لیکر نکلا تھا۔ اٹو بجہ کے راجہ کے یہاں نوکری نہ ملی بخشی کے تالاب گیا وہاں بھی کوئی سلسلہ نہ ہوا۔ سدھولی آیا۔ تیسرے فاقہ سے آپ کے دروازے پر پہونچا۔ یہاں آکر کھانے پینے کا آرام ملا۔ منتھلی میگزین میں چار مضمون لکھے جسکا معاوضہ اڈیٹر نے مجھے پچاس روپے بھیجے ہیں۔ والدہ کو بھیج دوں گا۔ شیخ محمد ابراہیم نے پوچھا تمہاری والدہ کا کیا نام ہے۔ اُس نے کہا قمر النسا ہے۔ قمر النسا کا نام سُنتے ہی محمد ابراہیم رونے لگے اور کہا قمر النسا تو ہماری بہن

ہے اور رحمت علی کو بیاہی تھی۔ ایک ہی بہن تھی۔ ہم سب لوگ رکاب گنج فیض آباد میں رہتے تھے۔ رحمت علی سے جب اُس کی شادی ہوگئی تو جون پور چلی گئی۔ ہماری شادی والدنے خالہ زاد بہن سے کردی۔ خالو صاحب کا دو مہینہ کے بعد انتقال ہوگیا۔ اُن کے گاؤں سدھولی کی تحصیل میں تھے۔ اِس لئے ہم کو یہاں رہنا پڑا، والد کا انتقال ہوگیا۔ بہن کی خبر نہ ملی۔ جب سے ہم نے فیض آباد کا رہنا ترک کردیا۔ خداوند کریم کا بڑا احسان ہے کہ تم ایسے وقت میں ہم سے مِل گئے۔ اب تم یہاں رہو میں تمھاری والدہ کے پاس ماتم پُرسی کے لئے اپنی بی بی اور لڑکی سمیت جاتا ہوں۔ اسی ہفتہ میں اُن کو لیکر یہاں آجاؤں گا۔ یوسف نے کہا میں خود جاکر اُن کو لے آؤں گا۔ آپ کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کہنے لگے تم اِن کے مزاج سے واقف نہیں ہو وہ کہیں گی اتنے دنوں تک خبر نہ لی اور اب بھی ماتم پُرسی کو نہ آئے تو ایسے بھائی کے پاس میں کیوں جانے لگی اِس لئے میرا جانا ہی بہتر ہے خوشامد سے اپنی بچھڑی ہوئی بہن کو مناؤں گا اور اپنے ساتھ لاؤں گا۔ یوسف نے اس خیال سے کہ خدا جانے اس دو مہینہ میں والدہ کی کیا حالت ہوئی ہو پچاس روپیہ کا منی آرڈر بھیج دیا اور ایک خط لکھدیا۔ سدھولی میں کوئی تمھارے بھائی ہیں۔ جہاں میں نوکر تھا وہ ماتم پُرسی کے لئے کل روانہ ہوں گے۔ خیال رکھنا۔ محمد ابراہیم پتہ کے موافق شیخ رحمت علی کے مکان پر پہونچے بہن نے بھائی کو پہچانا اور بھائی سے ملکر زار وقطار روتی روتی بیہوش ہوگئی دیر کے بعد ہوش آیا اس کے بعد بھائی نے کہا۔ بہن خدا کی مرضی میں کیا چارہ ہے۔ ایک دن سب کو مرنا ہے۔ صبر کرو۔ جب تک ہم زندہ ہیں تم کو ذرا بھی تکلیف نہ ہوگی۔ میرا کون ہے۔ ایک یہ تمھاری بھانجی دوسرا تمھارا بھانجہ سولہ برس کا جس کو میں نے علی گڈھ بھیجدیا ہے۔ تعلیم پارہا ہے۔ دو بچّے تمھارے ہیں اور دو میرے یہ سب تمھاری اولاد ہیں۔ خدا ان کو زندہ رکھے اور پروان چڑھائے اور ہم تم دونوں ان کو زندہ چھوڑ کر جائیں۔ ہمارے ساتھ چلو۔ یہاں تمھارا کون ہے۔ قمرالنساء نے کہا بھائی کیا باتیں کرتے ہو مکان کس کے حوالہ کردوں۔ ابراہیم نے کہا تحصیلدار علیم الدین ہمارے پُرانے دوست ہیں۔ یہاں پچیس روپیہ ماہوار کے مکان میں کرائے پر رہتے ہیں اُس سے تو اچھا اور نیا بنا ہوا ہے وہ شوق سے اس میں اُٹھ آئیں گے اور دوکانوں کا کل کرایہ بھی وصول کرکے تم کو بھیجدیا کریں گے۔ اب تم کو کیا عذر ہے۔ دوسرے دن علیم الدین تحصیلدار سے مل کر مکان اُن کے حوالے کیا اور دوکانداروں سے علیم الدین کا سامنا کرادیا۔ علیم الدین نے مکان کا سرخط لکھدیا اور دوکانوں کا سرخط علیم الدین کے حوالہ کرکے آپ بہن بھانجی کو ساتھ لیکر سدھولی پہونچے۔ سدھولی میں ایک مکان ان کا خالی تھا۔ اسی میں بہن کو رکھا اب علی گڈھ سے اپنے بیٹے یعقوب علی کو بُلوایا اور دونوں کے نکاح کردئیے۔ اور سب لڑکے اعلیٰ عہدہ پر فائز ہوئے۔ سب خاندان کا اعتقاد تھا کہ "سفر وسیلۃ الظفر" ہے اور حرکت میں برکت ہے۔ مصیبت کے بعد راحت ہے۔

عشرت لکھنوی

آجکل

"سروشِ غیب کا عطیہ" گوالیار سے آگرہ تک"

اک "ماہِ نو" اُمید کا عنواں ہے آجکل
تقدیر ایک صفحۂ تاباں ہے آجکل

جو چیز ہے جمال بداماں ہے آجکل
تا حدِ چشم شوق چراغاں ہے آجکل

کس کا خیال روح میں مہماں ہے آجکل
پروازِ کیف تا حدِ امکاں ہے آجکل

قسمت مری شریکِ بہاراں ہے آجکل
ہر پھول دیکھ کر مجھے خنداں ہے آجکل

فطرت جنوں کی سر بگریباں ہے آجکل
دستِ طلب میں حسن کا داماں ہے آجکل

کل تک غریبِ عشق کا دل تھا اسیرِ غم
خم آشنائے کاکلِ پیچاں ہے آجکل

خود چن رہی ہے خار دلِ نامراد سے
فطرت اداشناسِ رگِ جاں ہے آجکل

خود کر رہا ہے عشق مری رہنمائیاں
جو کام تھا محال وہ آساں ہے آجکل

ہے تیرگیٔ بخت سے اک جنگ ان دنوں
تدبیرِ عشق مشعلِ تاباں ہے آجکل

ہوں ان دنوں تمام حوادث سے بے نیاز
دل تنگِ وداعِ ہر غمِ دوراں ہے آجکل

پھر دل میں اک امنگ سی پیدا ہے ان دنوں
اللہ "کون" یہ مرا پرساں ہے آجکل

مستقبلِ حیاتِ محبت ہوا شروع
پیشِ نظر نشاطِ درخشاں ہے آجکل

میں آجکل ہوں صرفِ خیالِ جمالِ دوست
میرا خیال عرش بداماں ہے آجکل

آئے حیاتِ تازہ بڑھا کیفِ زندگی
پھر تجھ سے "ربط و ضبط" کا ارماں ہے آجکل

گلبانگِ عیش سے ہے شگفتہ نفس نفس
اک نغمہ زار سازِ رگِ جاں ہے آجکل

رگ رگ میں دوڑنے لگی روحِ گل و سمن
ہر سانس میری موجِ گلستاں ہے آجکل

اللہ رے یہ سلسلہ جنبانیٔ خیال
حد سے سوا تصورِ جاناں ہے آجکل

جگنو ہیں اور پھول ہیں، تارے ہیں اور "چاند"
ان سب کے ساتھ روحِ غزلخواں ہے آجکل

وا ہو چکا ہے تیرے لئے بابِ آرزو
مستقبلِ حیات درخشاں ہے آجکل

میں وجد میں ہوں کیفِ تصور سے ان دنوں
اور کائناتِ دل ہے کہ رقصاں ہے آجکل

اے شامِ عشق کسبِ ضیائے جمال کر
"ماہِ تمامِ حسن" درخشاں ہے آجکل

اندازِ نو سے چھیڑ رہا ہے ربابِ شوق
منظر حریفِ بزمِ سخنداں ہے آجکل

منظر

(رات کو ایک بجے ریل میں)

(۱۱ر نومبر ۱۹۳۶ء)

محبت و معاشرہ ═ "ایک روسی عورت کے تجربات و نظریات"

——— ،،،، آخری قسط ،،،، ———

اپنے شوہر کے دوست کی اس ملاقات سے مجھے یہ بات اچھی طرح معلوم ہوگی کہ عورت کی نطرت جس شے کی طلبگار ہوتی ہے وہ شادی ہونے کے بعد اُس کو حاصل نہیں ہوسکتی اور نہ کوئی شوہر اس کو وہ شے دے سکتا ہے۔

میں معترف ہوں کہ یقیناً دنیا میں ایسی عورتیں موجود ہیں جو اپنی ازدواجی زندگی سے پوری طور پر مطمئن ہیں اور ایک عالم بیہوشی یا عالمِ خواب میں اپنی زندگی بسر کر رہی ہیں۔ وہ خاموش ہیں، خوش و خرم ہیں اور اپنی پارسائی پر نازاں ہیں، لیکن یہاں ان عورتوں کا ذکر نہیں کرتی جو اپنی زندگی میں صرف ایک بار انقلاب پیدا کرنے کے بعد باقی زندگی کسی تجدید کے بغیر گزار دیتی ہیں۔ وہ اس حقیقت سے قطعی ناواقف ہیں کہ زندگی نام ہے ایک حرکت کا۔ وہ یہ سمجھتی ہیں کہ زندگی ساکن و منجمد ہے یا ایک ایسی حالت جمود ہے جس کو برضا و رغبت قبول کر لیا گیا ہو۔ پھر اُس میں کسی قسم کی حرکت یا انقلاب پیدا کرنے کی خواہش کس طرح ہوسکتی ہے؟ مگر جن عورتوں کی قوتِ احساس بیدار ہوچکی ہے۔ ان کی حالت بالکل مختلف ہے اور اسی احساس کا نتیجہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں اکثر شادیوں کا انجام ناکامی سے ہمکنار ہوتا ہے۔ بات یہ ہے کہ عورت دنیا کے ماحول میں زندگی کا ایک نیا موقع دیکھتی ہے اور سکون آمیز فضا سے بددل ہوکر ازدواجی تعلقات منقطع کر لیتی ہے، اس طرح وہ آزادی کے ساتھ اپنی خواہش کے مطابق زندگی بسر کرنے کے قابل ہوجاتی ہے

مرد اس بات کو اچھی طرح سمجھتا ہے، اس لئے جب وہ پہلی بار کسی عورت سے ملاقی ہوتا ہے تو اس کو فریب دینے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اس فریب کی وجہ سے وہ اُس کو حاصل کر لیتا ہے۔ محبت کے ابتدائی ایام میں وہ نہایت ذکی الحس، خوش طبع اور زندہ دل بن جاتا ہے اور ایسی اعلیٰ خصوصیات اس سے ظاہر ہوتی ہیں جو اس میں نہ صرف اس وقت ہونی چاہئیں۔ جبکہ وہ عورت کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے بلکہ ہمیشہ باقی رہنی چاہئیں، لیکن محبت کے ابتدائی لمحات یا شادی ہوجانے کے کچھ دن کے بعد اس کی خصوصیات مردہ ہونے لگتی ہیں اور رفتہ رفتہ اس کی اصلی سیرت نمایاں ہوجاتی ہے۔

درحقیقت کسی مرد کا صرف تنومند یا شکیل وجمیل ہونا عورت کو اپنی طرف متوجہ نہیں کرسکتا۔ تم خود جانتی ہو کہ اکثر عورتیں بدصورت مردوں سے محبّت کرتی ہیں۔ کیونکہ اُن میں ایک زبردست شخصیت جلوہ گر ہوتی ہے۔ عورتیں ہمیشہ مردوں کی اعلیٰ خصوصیات کو پسند کرتی ہیں۔ شاید خود فطرت کی یہ آواز ہے۔ جو اعلیٰ انسانی خصوصیات کی طالب ہے۔ تاکہ نسل انسانی ہر نوع ترقی کرے۔

یقیناً تم اس راز سے واقف ہوگی کہ عورت کا دل متواتر وسعت یعنی روحانی قوت اور اُس کی تکمیل کا طلبگار ہوتا ہے۔ مگر ازدواجی زندگی میں یہ وسعت شاذ و نادر ہی اس کو میسّر آتی ہے۔ لفظ وسعت کو میں اس کے مقررہ لغوی معنی میں استعمال نہیں کررہی، اس سے میرا مطلب ایسی تبدیلی و ترقی ہے جس سے زندگی میں تازگی وندرت پیدا ہو۔ بعض ایسی ادنیٰ وذلیل روحیں دنیا میں موجود ہیں جو عورت کے ہر اس لفظ میں جو اُس کے دل سے نکلتا ہے۔ گندے معنی پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہیں لیکن مجھے ان سے کوئی سروکار نہیں۔

قدیم زمانہ میں عورت کے ساتھ ایسا سلوک نہیں ہوتا تھا۔ غالباً اس لئے کہ اس وقت اس کو اپنے منفرد وجود کا احساس تھا۔ شادی ہوجانے کے بعد اُس کی ہستی شوہر کی ہستی میں مدغم ہوجاتی تھی اور اگر کبھی اُس کو اپنی جُداگانہ ہستی کا احساس ہوتا تھا یا بالفاظ صحیح جب اس کو حقیقی زندگی کی عدم موجودگی کا خیال ہوتا تھا تو اُس کا آقا اور مالک اس احساس خیال کو فوراً فنا کردیتا تھا۔ وہ خود بھی اس خیال کو اپنے دل سے دور کردیتی تھی تاکہ وہ ہمیشہ کی طرح باوفا اور فرمانبردار رہے اور کسی کو انگشت نمائی کا موقع نہ ملے۔

آجکل عورت کو اپنی جُداگانہ ہستی کا احساس ہی نہیں بلکہ یقین ہے اور وہ فطرتاً آزادی وخود مختاری کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرنا چاہتی ہے مگر اخلاقی فیروز مندی کے محافظ ومعلّم اُس کی راہ میں حائل ہوتے ہیں، لہذا ازدواجی زندگی کا نتیجہ ناکامی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

یوں کہنا چاہئے کہ عورت نے مرد کو ایسی حالت میں گرفتار کرلیا ہے جبکہ وہ خطرہ سے آگاہ نہ تھا۔ وہ عورت کی ترقی پذیر فطرت کو سمجھنے سے مجبور ہے اور موجودہ تبدیلیوں کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھتا ہے۔ مرد نہ صرف مہذب وترقی یافتہ عورتوں کی طرف سے مشکوک ہے بلکہ ان جاہل عورتوں پر بھی شک کرتا ہے۔ جو اب اپنے دل میں یہ محسوس کرنے لگی ہیں کہ عورت کی شخصیت اپنے اندر ایک خاص وسعت وحرکت چاہتی ہے اور صرف شوہر کی بیوی کہلانے پر قناعت نہیں کرسکتی۔ یہ عورتیں ہمارے مقابلہ میں اس بات کو زیادہ محسوس کرتی ہیں۔ کیونکہ وقت نے ان کے اس احساس کو ہمارے مقابلہ میں غیر متوقع طور پر بیدار کردیا ہے۔

بعض لوگ ہماری بیداری سے خوفزدہ ہوگئے ہیں اور بیکار یہ کوشش کررہے ہیں کہ ہماری زندگی کا رشتہ بدل دیں اور اُس کو قدیم زمانے کی نام نہاد اخلاقی راہ پر پھر لگادیں، لیکن عورت کو اپنی جُداگانہ ہستی وشخصیت کا احساس ہوچکا ہے جو اُس کی ذاتی کوشش کا نتیجہ ہے اور اس لئے ایک بڑا واقعہ ہے۔ اس کی اس بیداری سے مرد کو بدگمانی ہوتی ہے اور کبھی کبھی وہ خود تذبذب میں پڑجاتی

ہے، مگر بایں ہمہ وہ ایک نئی شاہراہ پر یکہ و تنہا اور بے سروسامان سفر کرنا پسند کرتی ہے اور اس سفر میں جو تجربات ہوتے ہیں۔ اُن کی برائے نام تلخی کو دور کرنے کے لئے مرد کی شیریں مگر سرد آغوش میں جانا نہیں چاہتی وہ اپنے سفر میں ایسے کاہل لوگوں کو شریک کرنا گوارا نہیں کر سکتی۔ جو قطب بنے ہوئے ہیں اور یہ بھی نہیں جانتے کہ حرکت میں برکت ہوتی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ کاہل مرد عورت کو آسانی سے آزاد کر دیں گے؟

وہ خوف و ہراس کے عالم میں قدیم اخلاقی اصول کی تجدید و تبلیغ کریں گے اور ازدواجی تعلقات کو متقل و ناقابل انفساخ بنا دینے کی کوشش کریں گے۔ اگرچہ یہ اب بھی ممکن ہے کہ وہ زندگی و زندہ دلی کا فریب کارانہ لباس پھر زیب تن کر لیں، مگر یہ بات ان کی فطرت کے خلاف ہے کہ وہ عورت کو ایک علیحدہ ہستی سمجھیں

عورت کے لئے محبت اکثر ایک نئے انکشاف حیات کا موجب ہوتی ہے اور اس طرح وہ اپنے مرتبہ کو پہچان سکتی ہے اور اپنی زندگی میں ترقی و وسعت پیدا کر سکتی ہے، مگر مرد کے دل میں صرف ایک خواہش ہوتی ہے کہ پہلی ملاقات کے بعد جس قدر جلد ممکن ہو وہ عورت پر مکمل طور پر قابض ہو جائے۔ جب ایک بار اُس کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے تو بس یہی محبت کا انجام ہوتا ہے کیونکہ شادی ہو جانے کے بعد وہ اپنی سیرت کو پوشیدہ رکھنے کی پرواہ نہیں کرتا۔ اُس کی خوش مزاجی کافور ہو جاتی ہے اور ابتدائی زندہ دلی ایک خواب و خیال بنجاتی ہے۔ وہ کاہل اور ہر چیز سے بے پروا ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر کبھی وہ اپنی رفیق زندگی پر پوری توجہ سے بھی نظر کرتا ہے تو اس میں بھی بے پروائی کا عنصر نمایاں ہوتا ہے ابتدائی ملاقاتوں میں مرد کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ عورت اس کے ساتھ دور تک سیر کو جائے، تماشا گاہ میں دیر تک اس کے ساتھ رہے، مگر شادی کے بعد وہ اپنی جگہ سے ہلنا بھی پسند نہیں کرتا۔ بلکہ سیر و تفریح کے مشاغل کے ذکر سے بھی وہ ناخوش ہوتا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جب اسکو وہ شے مل گئی جو اس کے لئے ضروری تھی۔ یعنی عورت پر اُس کا مکمل قبضہ ہو گیا تو اب تفریحی مشاغل میں روپیہ اور وقت خراب کرنے سے کیا حاصل؟

میں سمجھتی ہوں کہ جو مرد عورت پر قابض ہو گیا یعنی شوہر بنگیا تو اس میں اور ایک عاشق صادق میں اسقدر فرق ہو جاتا ہے جس قدر عدم و وجود میں ہے۔

اگر ایک مرد ایک عورت کے پاس بیٹھا ہوا اپنے ہاتھ کی چھڑی سے کھیل رہا ہے۔ وہ عورت کی طرف سے بے پروا ہو اور سامنے سڑک پر گزرنے والوں کو غور سے دیکھ رہا ہو تو سمجھ لو کہ وہ ایک شوہر ہے۔

اگر کسی مرد کی نگاہ میں خلوص و محبت کا کوئی جذبہ نہ ہو اور اس کے چہرے سے خاموشی و بے پروائی ظاہر ہو تو وہ یقیناً ایک شوہر ہے۔

اگر ایک مرد اور ایک عورت کسی قہوہ خانہ میں خاموش بیٹھے ہوں اور مرد قہوہ کے انتظار میں اخبار کے مطالعہ میں مصروف ہو اور عورت کی موجودگی کے احساس سے بے خبر ہو تو وہ ایک شوہر ہے

اوہو! ہمارے شوہر یہ نہیں جانتے اور شاید وہ کبھی اس بات کو نہ سمجھ سکیں گے کہ ان کی ان باتوں کو عورتیں کس قدر نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتی ہیں۔ خصوصاً اس وقت جبکہ کوئی دوسرا شخص ہمارے قریب میں ہو تو شوہر کی معمولی بے توجہی بھی ہمکو بہت ناگوار معلوم ہوتی ہے، گویا وہ ہم کو اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ ہم اُس شخص کے جذبات کا جواب دیں جو محبت آمیز نظر سے ہمکو دیکھ رہا ہو اور اس رسمی بے توجہی سے واقف نہ ہو جو ہمارے شوہر ہمارے ساتھ روا رکھتے ہیں تم جانتی ہو کہ عورت اپنے احساسات میں کس قدر سخت و مستحکم ہوتی ہے۔ ایک مرد جو واقعی بے پروا ہو وہ نفرت انگیز ہوتا ہے۔ اُس کا لمس

عورت کو لرزہ براندام کر دیتا ہے اور اس کے دل میں غیر ارادی طور پر اس سے الگ ہو جانے کی خواہش پیدا ہوتی ہے مگر دنیا کی رسم کے مطابق ایسے واقعات کے بعد بھی وہ ظاہری طور پر شوہر سے متعلق رہتی ہے حالانکہ اس کے دل میں شوہر کے لئے کوئی گنجایش نہیں ہوتی۔

ازدواجی زندگی میں اخلاقی طور پر عورت کو اس بات کا احساس پوری طور پر نہیں ہوتا یا اس کو نظر انداز کر دینا پڑتا ہے، اگر ایسی حالت میں اس کو غیر خوشگوار روحانی تکلیف ہوتی ہے اور اس کا دل افسردہ و مضمحل ہو جاتا ہے۔ شوہر کی توہین آمیز باتیں وہ برداشت کرتی ہے مگر جہالت یا بزدلی کی وجہ سے وہ ہنوز اپنے آپ کو شوہر کی ملکیت تصوّر کرتی ہے۔

ہم مہذب عورتیں اگرچہ ایک حد تک آزاد ہیں مگر شاید ہم نے ہنوز اپنی ہستی کی اہمیت کو پورے طور پر محسوس نہیں کیا ہے، اسی وجہ سے ہمیں اپنے شوہروں کے ساتھ زندگی گذارنی پڑتی ہے حالانکہ ہمارے دل ان کی محبت سے خالی ہیں۔

قانونی رشتہ جو نفرت انگیز طور پر عورت کی خواہش کے خلاف قائم رہتا ہے تو وہ مجبوری کی بنا پر ہوتا ہے۔ شاید ہماری عادتیں اور خیالات اس کے ذمہ دار ہیں۔ ازدواجی زندگی کے سفر میں یہ معلوم کر لینا ذرا مشکل ہوتا ہے کہ آپ کو فریب سے بچانے اور دنیا کی آبادی کو بڑھانے سے محفوظ رکھنے کے لئے ہم کو کہاں اور کس وقت قیام کرنا چاہیئے۔ ہاں اس وقت جبکہ اپنے شوہروں کی سرد مہری کی ذلت کا احساس ہوتا ہے تو ہمارے خیالات میں ایک ہیجان پیدا ہو جاتا ہے اور یہ تعلقات ناگوار و نفرت انگیز معلوم ہونے لگتے ہیں۔ لیکن ہم کیا کر سکتے ہیں؟ کیا عورت کو ایک مرد سے علیحدہ ہو کر دوسرے کی سرپرستی میں چلا جانا چاہیئے؟

میں اس باب میں کچھ نہیں جانتی۔ جو کچھ میں جانتی ہوں وہ یہ ہے کہ اگر عورت کو اپنی جُداگانہ ہستی و شخصیت کا یقین ہے تو اُس کو پست ہمت نہ ہونا چاہیئے اور معلمین اخلاق کے نفرت آمیز خیالات کی پروا نہ کرنی چاہیے۔

یہ بات میں اپنی نسبت کہہ رہی ہوں۔ جہاں تک دوسری عورتوں کا تعلق ہے، میں جانتی ہوں کہ اکثر اپنے محسوسات کے اظہار میں آزاد نہیں ہیں اور محبت کے حقیقی لطف سے محروم ہیں، خصوصًا وہ عورتیں جو اپنی شخصیت کے اظہار سے ناواقف ہیں وہ آزادیٔ ضمیر و آزادیٔ افکار کا مطلب نہیں سمجھتیں اور مرد کی مطیع و منقاد رہنا ہی اپنی زندگی کا مقصد جانتی ہیں، حالانکہ شوہروں کی نظروں میں ان کا رتبہ جانوروں سے بھی کم ہے، با ایں ہمہ زمانہ بہترین معلم سمجھا جاتا ہے۔ ایک نہ ایک دن ان کو اپنی پستی کا احساس ہونا لازمی ہے، خواہ وہ اب ہو یا ایک صدی کے بعد۔

ہم مہذب عورتیں شوہروں کے موجودہ طرزِ عمل کو نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتی ہیں اور ناگوار ازدواجی تعلقات کو ایک عصمت فروش پیشہ ور کی طرح نباہتی ہیں، مگر ان تعلقات کی قانونی نوعیت زیادہ دن تک قائم نہیں رہ سکتی۔

اگر عورت کی ہستی کو بلحاظ تخلیق پست سمجھ لیا جائے تو پھر کوئی جھگڑا باقی نہیں رہ سکتا، مگر واقعہ اس کے خلاف ہے، لہذا میرے خیال میں مرد اور عورت کی سیرت جس قدر زیادہ اعلیٰ ہوگی۔ اسی قدر اُن کے تعلقات خوشگوار ہوں گے اور فرق مراتب کا لحاظ رکھا جائیگا۔

تم دیکھتی ہو کہ میں نے کتنے عمدہ طریقہ سے اظہار خیال کیا ہے اور کیسی عمدہ عمدہ دلیلیں پیش کی ہیں، لیکن میں جانتی ہوں کہ میرے خیالات سے اکثر مرد چراغ پا ہو جائیں گے۔ مجھے اس کی پروا نہیں۔ سچی بات ہمیشہ کڑوی لگتی ہے اور عشق و مشک کی طرح صداقت بھی چھپائے سے نہیں چھپ سکتی۔

اچھا الوداع!

راز چاندپوری

قبر سے بڑھکر اداس

"ایک پُرکیف غزل"

شہرتِ بیچارگی، ناکام تھی ناکام ہے
مرنے والے سچ بتا اس موت کا کیا نام ہے

صبح کا کچھ ہوش ہے مجھکو نہ فکرِ شام ہے
بیکسی کی زندگی میں یہ بڑا آرام ہے

سوچ میں کیوں پڑگئے تم میری حالت دیکھکر
مسکرا دو، مسکرانا ہی تمھارا کام ہے

عشق کی روشن خیالی کو کوئی کہتا نہیں
حسن کی جادو نگاہی مفت میں بدنام ہے

دیکھنا چاروں طرف حیرت سے خاموشی کے ساتھ
عشق کی پرہول وادی میں پہلا کام ہے

موت سے بڑھکر بھیانک، قبر سے بڑھکر اداس
ہجر کی یہ شام بھی اللہ کیسی شام ہے

دل مرا اُس کو چُرا لایا ہے بزمِ حسن سے
موت جس کی اک ادائے برمحل کا نام ہے

رنجِ ناکامی سلامت، لذتِ غم برقرار
ذوقِ خودداری مرا آسودۂ آلام ہے

لمحہ لمحہ اک نئی اُفتاد کا منت پذیر
زندگی شاید نہیں بے کیفیوں کا نام ہے

اک ذرا سی ہم نے کیا پی لی قیامت آگئی
آج ساقی کی زباں وقفِ صلائے عام ہے

مضمحل کردے جو نظمِ زندگی کی بندشیں
موت اُسی ٹوٹی ہوئی امید ہی کا نام ہے

سوچتا ہوں کیا کہوں گا اُن سے بزمِ ناز میں
پوچھ بیٹھے وہ اگر کیا نام ہے کیا کام ہے

نفس کی مذموم حسرت کوششوں کا کیا اثر
حسن پھر اک معجزہ ہے، عشق پھر الہام ہے

یہ تغافل کا نتیجہ، یہ تلوّن کا مآل
ذرّہ ذرّہ آج تصویرِ دلِ ناکام ہے

ہجرِ ساقی کیوں ہوا ہے سرشار دل کو ناگوار
خون کی ہر بوند مے، ہر آبلہ اک جام ہے

سرشار کسمنڈوی

کیا عالمگیر متعصب تھا؟

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ ہمارے ہندو بھائی عالمگیر کو ظالم سمجھتے ہیں اگر غور سے کام لیا جائے تو تاریخ بتاتی ہے کہ یہ داراشکوہ کی ڈالی ہوئی داغ بیل ہے وہ سب سے پہلا شخص تھا جس نے عالمگیر کو ظالم اور ہندو کش مشہور کیا[۵] اور یہ اُس نے اس لئے کیا تھا کہ ہندوؤں کی تمام قوت اس کی طرفدار اور عالمگیر کی مخالف ہو جائے ؎

ہر کس از دستِ غیر نالہ کنند　　سعدی از دست خویشتن فریاد

داراشکوہ چونکہ ہمارے ہندوؤں کا ہمنوا تھا اس لئے ہمارے ہندو حضرات موقع اور وقت کے لحاظ سے اُسی شاہراہ پر چلے جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ عالمگیر ہندو کش مشہور ہو گیا۔

اس مضمون سے ہمارا یہ ہرگز مقصد نہیں کہ ہم باہمی منافرت کا بیج بوئیں بلکہ ہمیں اپنے ہندو بھائیوں کے سامنے عالمگیر کی وہ سیرت پیش کرنا ہے۔ جس سے یہ امر خود بخود واضح ہو جائے گا کہ عالمگیر کا (باوجود بادشاہ ہونے کے) زیردست ہندوؤں کے ساتھ کیسا سلوک تھا۔

ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے ہندو بھائی اپنے دل سے ایسے خیالات نکال ڈالیں اور ہمیشہ کے لئے صاف دل ہو جائیں۔ کیونکہ جب تک ہندو مسلمان بے اعتباری، نفرت اور عداوت کے جذبے کو اپنے دلوں سے دور نہ کریں گے۔ جب تک ہماری اکثریت اور اقلیت اپنی محبت و خلوص اور بے غرض جذبوں کا آئینہ نہ بن جائیگی ہم دونوں میں اتحاد ناممکن ہے۔

عالمگیر پر جہاں اور بہت سے الزام ہیں ایک یہ بھی ہے کہ وہ غاصب تھا۔ یہ عجیب[۵] بات ہے کہ جو چیز اور بادشاہوں کیلئے باعثِ فخر سمجھی جاتی ہے، وہی بیچارے عالمگیر کے لئے باعثِ بدنامی قرار دی جاتی ہے۔

---

[۵] صفحہ ۲۴ مقدمہ رقعات عالمگیر۔

[۵] دائرۃ المعارف اعظم گڈھ ایک کامیاب ادارہ ہے۔ یہاں سے اچھی اچھی کتابیں نکلتی رہتی ہیں الم زد فرد اسوقت اسی دائرہ کی کتاب مقدمہ رقعات عالمگیر ہمارے پیشِ نظر ہے۔ یہ مضمون اسی کے مطالعہ کی ایک سرسری یادداشت ہے، یہ کتاب جن حضرات کی نظر سے نہیں گذری اُن کے لئے یہ یادداشت یقیناً باعثِ دلچسپی ہے۔

آیئے دیکھیں اور تاریخ پر سرسری ایک طائرانہ نظر ڈالیں کہ ملک قوم اور بادشاہوں کا کیا عمل رہا ہے۔

رومیوں نے براعظم کے تین بڑے حصوں کو پامال کیا۔

سکندر اعظم نے مقدونیہ سے لیکر پنجاب تک قبضہ کر لیا۔

اکبر اعظم نے بنگال مالوہ گجرات راجپوتانہ کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔

جہانگیر۔ اپنی حکومت کو وسعت دینے کی فکر میں عرصہ تک ملک عنبر وغیرہ سے برسر پیکار رہا۔

شاہجہاں بھی نظام شاہی عادل شاہی قطب شاہی حکومتوں کی تاک میں رہا۔

پھر اگر عالمگیر دنیا کے ان بڑے بادشاہوں کی طرح توسیع سلطنت میں کافی طور پر مشغول اور کوشاں رہا تو اس نے کیا گناہ کیا؟

اس کے ساتھ ہی ذرا مرہٹہ سرداروں کا طرز عمل بھی ملاحظہ ہو۔

نمبر ۱۔ ساہوجی بھوسلہ کے سہرالی خاندان نے پہلے شاہجہاں کی اطاعت قبول کر لی تھی مگر افسوس ہے کہ اس نے پھر غداری کی اور برہان شاہ سے جا ملا پھر جب برہان شاہ کی سفارش سے اس کا پوتا اور اس کے دونوں بیٹے قتل ہو گئے (جس میں برہان شاہ کی سازش تھی) شاہ جہاں نے اس کی پچھلی غداری کی کوئی پرواہ نہ کی بلکہ اس کے پس ماندوں کو پناہ دی اور کافی ہمدردی کی۔

نمبر ۲۔ جب شاہجہاں نے تخت نشین ہو کر دکن میں فوجیں بھیجیں اور نظام شاہیوں کا خاتمہ کیا تو شیواجی نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور وہ نظام شاہی خاندان کے ایک فرد کو بادشاہ بنا کر شاہ جہاں سے لڑنے کو تیار ہو گیا۔

نمبر ۳۔ شیواجی کے باپ ساہوجی بھوسلہ اور دوسرے نظام شاہی باغیوں کے متعلق عادل شاہ نے یہ وعدہ کیا تھا کہ میں ان سب کو ختم کر دوں گا۔ مگر اس کا کیا نتیجہ ہوا تاریخ اس کی شاہد ہے۔

عالمگیر پہلے بلخ اور بدخشاں کا صوبہ دار تھا۔ اس کو دکن کی صوبہ داری ملنے تک جو اور لوگ دکن کے صوبہ دار تھے۔ ان کی فہرست یہ ہے (۱) خان دوراں (۲) راجہ جے سنگھ (۳) اسلام خاں (جو اورنگ آبادی اسمٰعیل خاں کے نام سے مشہور ہیں) (۴) شاہ نواز خاں (۵) مراد (۶) شائستہ خاں۔

دس سال میں یہ چھ صوبہ دار رہے ان کے عہد میں ملک کی حالت اچھی نہ رہی۔

۳ ذوالحجہ ۱۰۴۵ھ مطابق ۲۹ اپریل ۱۶۳۶ء کو شاہجہاں نے عالمگیر کو تمام دکھنی علاقہ کا صوبہ دار بنا دیا۔ اسوقت شاہجہاں نے دکھنی مقبوضات کو بھر موجودہ فتوحات کے لحاظ سے اس طرح چار صوبوں میں تقسیم کیا۔

نمبر ۱ صوبہ دکن۔ دولت آباد۔ احمد نگر۔ "دیگر محال"

نمبر۲ صوبہ بالاگھاٹ۔ تلنگانہ

نمبر۳ صوبہ خاندیس (قلعہ آمیر و برہان پور) یہ بالکل آباد تھا۔

نمبر۴ صوبہ برار (ایلچپور۔ قلعہ کاویل) اس کا ایک حصہ آباد تھا۔

ان چاروں علاقوں میں ۶۴ قلعے تھے جس میں ۵۲ قلعے پہاڑوں پر تھے۔

ان چاروں صوبوں کی مجموعی آمدنی ۱۴ ارب درم یعنی تقریباً پانچ کروڑ روپیہ تھی۔

وہ قلعے جن پر حبشی یا مرہٹے یا راجپوت قابض تھے عالمگیر شاہ جہاں کی ہدایت کے موافق ان کی فتح میں مشغول ہوگیا۔ دو بڑے جنرل اس کے ساتھ جنگ ہوئی بالآخر سید فتاح حبشی سردار (عرف حبش خاں) سے خان دوران نے اودگیر کو اور راجپوت افسر بھوج راج سے اوسہ کو فتح کرلیا۔ پھر گونڈوانہ میں داخل ہوئے۔

دیوگڑھ (دولت آباد) کے راجہ نے بھی اطاعت قبول کرلی۔ خان زماں افسر نے اندولہ کے بیجاپوری سردار کے ساتھ ساہوجی بھوسلہ کا پیچھا کیا۔ اس کے مختلف قلعے فتح کرلئے۔ اس کا بنایا ہوا نظام شاہی بادشاہ بھی گرفتار کیا گیا۔ ساہوجی بیجاپوری دربار میں ملازم ہوگیا۔ اس طرح نظام شاہی علاقہ پر بھی مغلوں کا قبضہ ہوگیا۔

اس عرصہ میں عالمگیر اپنی شادی کے لئے آگرے بلایا گیا۔ جب شادی کے بعد وہ واپس ہونے لگا تو شاہجہاں نے طاہر خاں اور مالوجی کو سات ہزار فوج دے کر اس کے ساتھ کردیا اور حکم دیا کہ بگلانہ یعنی وہ علاقہ جو گجرات اور خاندیش کے درمیان ہے اسے فتح کیا جائے۔ یہ ایسا علاقہ تھا جس کا فتح کرنا بہت مشکل خیال کیا جاتا تھا۔ بہرحال اس فوج نے مالوجی اور طاہر خاں کی سرکردگی میں یہ علاقہ فتح کرلیا۔ شاہ بھرجی اس علاقہ کا راجہ تھا۔ اس نے شاہی ملازمت اختیار کرلی اس راجہ کا داماد سوم دیو نامی رام نگر کا راجہ تھا۔ جس کی آمدنی خرچ سے زیادہ تھی۔ اُسے اس کے حال پر چھوڑ دیا گیا۔ صرف اس سے دس ہزار کی رقم وصول کرلی گئی۔ اب مرہٹہ سردار کھیلوجی کا نمبر آیا اُس نے پہلے نظام شاہیوں میں ملازمت کی پھر شاہجہاں کی اطاعت قبول کرلی۔ شاہجہاں نے پنج ہزاری ذات اور پنج ہزار سوار منصب سے سرفراز کیا مگر افسوس کہ اس نے دولت آباد کی فتح کے وقت بے وفائی اور غداری کی اور نظام شاہیوں سے جا ملا پھر عادل شاہ کے یہاں ملازم ہوگیا مگر جب عادل شاہ نے صلح کے بعد اسے علیحدہ کردیا تو اُس نے مستقل طور پر لوٹ مار شروع کردی۔

عالمگیر نے پہلے ملک حسین کے ذریعہ اُس کو سمجھایا۔ جب وہ راہِ راست پر نہ آیا تو گرفتار ہوا اور لوٹ مار کی وجہ سے اپنی سزا کو پہنچا۔

ان واقعات سے ظاہر ہے کہ مرہٹہ سرداروں کے ساتھ عالمگیر نے جو کچھ کیا وہ اپنے باپ کے حکم سے کیا۔ اور مخلوق خدا کو قتل و

غارت کی مصیبت سے بچانے کے لئے کیا پھر ایسی صورت میں عالمگیر کو کس طرح قصور وار سمجھا جا سکتا ہے۔ کیا رعایا کی حفاظت بادشاہ کے فرائض میں داخل نہیں؟ عالمگیر حفظ و مراتب کا بہت لحاظ رکھتا تھا وہ امرار کو نہایت معزز الفاظ میں مخاطب کیا کرتا تھا۔ نمونہ کے طور دو القاب ملاحظہ ہوں

مرزا جے سنگھ کا القاب

"زبدۂ دلاوراں و........ خلاصہ جاں نثاراں و ہواہاں نقاوۂ مخلصاں ارادت کیش قدوۂ خیر اندیشاں عقیدت اندیش شائستہ مراحم بیکران بادشاہی سزاوار عنایات بے پایاں شاہنشاہی عمدۂ راجہائے اخلاص شعار مطیع الاسلام مرزا جے سنگھ توجہات بادشاہی و مباہی بودہ بدانند۔"

شیواجی کا القاب

جس وقت وہ ایک آزاد جاگیردار کی حیثیت رکھتا تھا

"خلاصۃ الاشتباہ و الاعیان زبدۃ الامثال والاقران
قابل الرحمۃ والاحسان شیواجی بنایت پیش گاہ
سلطنت مفتخر و مباہی گشتہ بدانند۔"

شیواجی کا یہ اصول تھا کہ جب موقع کبھی عادل شاہی علاقہ پر حملہ کرتا اور کبھی عالمگیر کے علاقہ پر لوٹ مار شروع کر دیتا۔ ایکمرتبہ جب اُس نے اورنگ زیب سے صلح کرنا چاہی اور اپنا آدمی عالمگیر کے پاس بھیجا تو عالمگیر نے چند شرطوں پر صلح کی درخواست منظور کرنیکا وعدہ کیا۔ درپردہ شیواجی بیجاپوریوں سے ملا ہوا تھا۔ اور اس سے وعدہ کیا گیا تھا کہ اگر وہ عالمگیر کی فوج سے لڑا تو علاقہ کوکن اسکو دیا جائے گا۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ اُس نے عالمگیر کو شرائط وغیرہ کے متعلق کسی قسم کا جواب دئیے بغیر علاقہ جنیر پر حملہ کر دیا بلکہ ایکدفعہ تو لوٹ مار کرتا ہوا احمد نگر تک چلا آیا اس وقت مرہٹوں کے سردار مانا جی اور کشتیا جی بھی اس کے ساتھ تھے۔ جب عالمگیر کو اُس کی اطلاع ملی کہ وہ شخص جو کل صلح کا طالب تھا۔ آج بلا اطلاع برسر پیکار ہے۔ تو اُس کو چارناچار مدافعت کرنا پڑی۔ اُس نے ملتفت خاں کو لکھا کہ شاہی علاقے کو شیواجی سے نہ صرف محفوظ رکھا جائے بلکہ اُس کے علاقہ میں گھس کر اس کو کافی طور اس درپردہ کارروائی کا مزہ چکھایا جائے۔ نصیری خاں۔ ہوشدار خاں عبد المنعم یہ سب بطور مدد ملتفت خاں کے ساتھ تھے۔ عرصہ تک مغلوں کی فوج مدافعت کرتی رہی

جب شیواجی نے دیکھا کہ مقابلہ مشکل ہے اور کہیں خاندانی ریاست کا خاتمہ نہ ہو جائے تو اُس نے پھر عالمگیر سے صلح کی درخواست کی اگر عالمگیر چاہتا تو اپنی جنگ کو جاری رکھہ سکتا تھا مگر اس کو خوامخواہ جنگ منظور نہ تھی۔ اس بیوفائی کے باوجود اس کے ساتھہ عالمگیر کا طرزِ عمل ملاحظہ ہو وہ لکھتا ہے:۔

"انچہ در ہر باب بایستے فرمود قبل ازیں بسوناجی وکیل آں زبدۃ الاعیان فرمودہ بودیم یقین کہ مذکور نمودہ خاطر اور ا مطمئن ساختہ باشد بالفعل ہرچہ از قلاع و محال متعلقہ بیجاپور در تعریف آں خلاصۃ الاشتباہ است بدستور قدیم باو مفوض داشتہ معاملہ بندر سواہل و مضافات آں نیز حسب الالتماس آں زبدۃ الاقران بعہدہ او واگذاشتہ ایم۔ بعد ازاں کہ آثار دولت خواہی وحسن خدمت کہ ہنگام اظہار ہمیں ست نوعے کہ شاید بظہور رسد و آں خانہ زاد باخلاص بدلالت بخت و دولت توفیق یافتہ از حصول ع۔ ملازمت عالی بہرہ مند گردد..... باقی مطالب و مآرب نزدیک بکار او صورت پذیرفتہ پیش از انچہ بتصور او در آید مشمول مراحم و عنایات علیہ خواہد شد"

مگر شیواجی نے اس طرزِ عمل پر بھی اپنی روش نہ چھوڑی اور غارت گری جاری رکھی۔ عالمگیر کو ناچار جنیرے دہرور تک حد قایم کرنا پڑی اور شاہی علاقہ کی حفاظت کے لئے سرکاری فوج کا قیام بھی ضروری قرار دینا پڑا۔ جس میں شایستہ خاں بھی تھا۔ جب مغلوں اور بیجاپوریوں سے صلح ہو گئی تو اب شیواجی کو خوف ہوا کہ کہیں عالمگیر کی زد میں نہ آ جائے۔ تب اُس نے تیسری بار پھر رحم و کرم کی درخواست کی۔ اِدہر تو یہ درخواست پیش کی اُدہر حاکم بیجاپور کو اس امر پر مجبور کیا کہ اپنی ملازمت میں لے کر عالمگیر سے سفارش کرے۔ عالمگیر کو اگر خوامخواہ ستانا منظور ہوتا تو صاف کہدیتا کہ اُس کے قول وفعل کا اعتبار نہیں لہذا درخواست نامنظور۔ مگر اُس نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ اس کی درخواست کو منظور کر لیا اور شیواجی کو لکھا۔

اگرچہ ہفوات وزلات او از کثرت وافزونی قابل عفو نہ بود لیکن ازاں جا کہ آں سزاوار کرمت ارادہ دولت خواہی وخدمت گزاری نمودہ از تقصیرات خود نادم وپشیماں گشتہ و

ایں درگہ ما درگہ نا امیدی نیست

بنا براں بشرط استقامت بر جادۂ مستقیم بندگی و فرمانبرداری از روئے فضل و ذرہ پروری قلم عفو بر جرائد جرائم او کشیدہ شد۔ باید کہ بدیں عاطفت نمایاں استظہار فراواں اندوختہ در اظہار مراسم صدق عقیدت..... مساعی موفورہ بجا آورد۔

یہ اُس عالمگیر کی تحریر ہے جس کو شیواجی کا جانی دشمن کہا جاتا ہے۔ شیواجی عادل شاہ سے ملازمت کا خواہاں ہوا تھا اس کے متعلق یہ عبارت ملاحظہ فرمایئے۔

"سیوا............ را در بعض تعلقہ کوکن جریدہ غبار فساد برانگیختہ ....

اگر خواہد کہ .... نوکر خود کنند جاگیر اورا در کرناٹک تعین نمایند تا از حدود ممالک محروسہ

دور بودہ شورش افزا نہ گردد"

عالمگیر کی تحریر سے جو رحم و کرم ظاہر ہے۔ شیواجی نے اس کی کیا قدر کی اور آیا وہ صدق و عقیدت سے فرماں بردار رہا یا نہیں تاریخ اُس کی خود شاہد ہے۔ سیواجی کے طریقِ عمل کے متعلق رواف کی مستند مرہٹہ تاریخ قابل ملاحظہ ہے۔

بغیر تحقیق یہ کہدینا کہ عالمگیر کو ہندوؤں سے عداوت تھی۔ اصول کے خلاف ہے۔ اگر عالمگیر کو ہندوؤں سے خواہ مخواہ عداوت ہوتی تو وہ شاہ جہاں سے ہمارے ہندو بھائیوں کی سفارش کیوں کرتا۔

دکن کے انتظامات کے سلسلے میں ایلچ پور کی دیوانی کے لئے ایک لائق افسر کی ضرورت تھی۔ عالمگیر نے راؤ کرن نامی ایک افسر راجپوت کی شاہجہانی دربار میں سفارش کی مگر شاہجہاں نے اس کو منظور نہ کیا۔ عالمگیر نے دوبارہ لکھا۔

"انچہ بخاطر ملکوت ناظر برسید بعض صواب ست واین مرید با این ہمہ قصور فہم آں را کجا تو

تواند رفت لیکن خدمت ایلچ پور دریں ایام غیر از جاگیرداری و آبادان ساختن آں کاری نیست

واین فدوی در پیش گاہ خلافت متہم ست بہ بدسلوکی با راجپوتانہ براں حقیقت کئی منصب و

آباداں کاری راؤ کرن نوعیکہ می دیدہ و شنیدہ معروض داشتہ بود (ص ۹۴)"

داراشکوہ نے شاہجہاں کو بدظن کر رکھا تھا کہ عالمگیر ہندوؤں کا دشمن ہے۔ اسی طرف عالمگیر نے "این فدوی" سے خفیف اشارہ کیا ہے۔

شاہجہاں نے سفارش نامنظور کی مگر عالمگیر کی بے تعصبی دیکھئے کہ اُس نے سفارشوں کا تار باندھ دیا۔ آخر شاہجہاں نے عالمگیر کی سفارشوں پر راؤ کرن کو نہ صرف جوآر کے علاقہ کی فتح پر مامور کیا۔ بلکہ اس کے منصب میں کافی اضافہ کرکے اُس کو ایک بلند مرتبہ پر پہونچا دیا۔

نرسنگھ داس ایک دوسرا ہندو افسر تھا۔ اس کے متعلق عالمگیر نے شاہجہاں کو لکھا۔

"چوں نرسنگھ داس قلعہ دار اسیر خانہ زاد کار آمدنی درگاہ جہاں پناہ ست و ہموارہ با جمعیت

موافق ضابطہ غدبات بادشاہی پردازد، و جاگیرہائے کہ در وطن داشت تغیر شدہ و محالے

کہ در دکن بہ تیول او مقرر است در وجہ تنخواہ گردد از پریشانی بر آمدہ بجمعیت خدمت
می کردہ باشد کہ آں دستور الوزرا نیز پیش رفت مطالب او اگر ممکن باشد سعی و امداد
دریغ نخواہند داشت "

ایک مرتبہ عالمگیر کی فوج کا ایک ہندو افسر مغلئی جنگ میں کام آگیا اس کی جائداد کی وراثت کے متعلق عالمگیر نے دوسرے ہندوؤں سے مشورہ کیا پھر اس کی اس طرح سفارش کی۔

"راجہ سنگرام زمیندار جمو کہ خدمت فوجداری جاموں و مانجرو داشت، تصدق فرق مبارک شدہ، سارنگدہر نبیرۂ او کہ خانہ زاد کار آمدنیست چوں پسر فرزند کلاں ست کہ پیش از سنگرام گذشتہ پسران راجہ متوفی کہ اعمام او بند و راؤ کرن و دیگر راجپوتانِ اینجا اتفاق نمودہ اند کہ جانشین پدر کلاں او باشد اگر از پیش گاہ خلافت تکیۂ راجہ مسطور بسارنگدہر عنایت شود و منصب او و اعمامش بموجبے کہ از واقعہ بعرض ارفع اعلیٰ خواہد رسید بمقرر گردد از عہدۂ خدمتے کہ بسنگرام مفوض بود می تواند بر آمد و جمعیت آنہا نیز متفرق نمی شود (ص ۱۱۴)"

ایک اور ہندو افسر مہیش داس تھا۔ اس کے متعلق عالمگیر کے الفاظ دیکھئے۔ کیا اسی کا نام تعصب اور دشمنی ہے؟

"آنچہ دریں ولا بموجب حکم اقدس اعلیٰ درباب مہیش داس راتھور معروض داشتہ بودند پیرایۂ وضوح گرفت حسب الحکم جہاں مطاع موی الیہ را دستورے دادہ شد کہ با جمعیت خویش بدرگاہ جہاں پناہ شتافتہ از استلام سدۂ سنیہ خلافت سربلندی حاصل کند بندۂ خوب کار آمدنی ست در تقدیم خدمت بادشاہی کوتاہی نہ نمودہ یقین کہ تیول خوب خواہد یافت ایں بسامع جاہ و جلال رسانیدہ ہمیں و تیرہ ہرگاہ تقریبے دست دہد بنگارش عریضہ پرداختہ باشند (آداب ص ۳۳۲)"

ایک مرتبہ رائچور کی زمینداری کے متعلق جھگڑا ہوا حیات سنگھ زمینداری کے اصل حقدار تھے دوسرے وارث ان کو محروم کرنا چاہتے تھے۔ حیات سنگھ اورنگ زیب کے پاس آتا ہے اور سفارش چاہتا ہے۔ عالمگیر اس کی اس طرح سفارش کرتا ہے۔

"از عرضداشت وکیل دربار جہاں مدار معلوم شد کہ اجمیری سینہ عموی بہی
زبدۃ الاقران موی الیہ (حیات سینہ) بدرگاہ معلیٰ آمدہ خود را زمیندار قدیم آنجا

وا نمودہ پتہ کامل وغیرہ از مضافات راجھور کہ عملی نیست وہمیشہ زمیندار آں حیات سینھہ بودہ دروجہ اضافۂ او مرحمت گشتہ بنابراں نگاشتہ می شود کہ چوں زمینداری آنجا موروثی حیات سینھہ مزبور است و تقصیرے از و سر نہ زدہ اگر او را با ضافہ سرفراز فرمودہ اند آں پتہ جات غیر عمل را بہ تنخواہ او مقرر سازند موجب انتظام احوال مشار الیہ و توابع او خواہد شد (آداب نمبر ۲۲۹) (کیا اسی کا نام تعصب ہے؟)

مگر عجب اتفاق ہوا کہ سرکاری ملازموں نے حیات سنگھ کو اس جاگیر سے ہٹا دیا۔ وہ عالمگیر کی خدمت میں حاضر ہوا اور سب واقعہ بیان کیا۔ عالمگیر نے اس ناانصافی کے متعلق وزیر اعظم کو پھر توجہ دلائی ملاحظہ ہو۔

"نسبت بندگی حیات سینھہ زمیندار راجور کہ بخدمت والا مرتبت سلطانی دارد براں دستور دانی خبرت پوشیدہ نخواہد بود تا وقتیکہ پرگنہ مسطور بفرزندان سعادت مند کامگار مدار تعین داشت مومی الیہ از وے استقلال بلوازم امر زمینداری آنجا قیام می نمود واکنوں کہ آں پرگنہ تنخواہ صوبہ دار مقرر شدہ مشار الیہ از رہگزر بدسلوکی گماشتہائے یتول دار ترک وطن کردہ بحضور عالی (اورنگ زیب) آمدہ خویشاں و متعلقانش درہمانجا بسر می برند چوں اعلیحضرت او را ازیں خدمت غربی نہ فرمودہ اند اگر آں رفیع مکان ایں مقدمہ بعرض اقدس عالی رسانیدہ ارباب بحال بودن خدمت زمینداری بدستور سابق با و و برادرانِ او حسب الحکم الاقدس بصاحب صوبہ آنجا بنویسند و دریں وادی سعی مبذول دارند بسیار بموقع خواہد بود (آداب نمبر ۲۴۲)"

عالمگیر اس سفارش میں کامیاب ہوگیا۔ حیات سنگھ تھوڑے دنوں تک عالمگیر کے پاس رہتا ہے اس کے بعد اُس کو وطن جانیکا خیال ہوتا ہے تو عالمگیر اس کے لئے علی مردان خاں کو یہ سفارشی خط لکھتا ہے۔

"نسبت بندگی وفا نہ داری کہ زبدۃ الاشباہ والاعیان حیات سینھہ زمیندار راجور کہ درخدمت عالی دارد برآں رکن السلطنت الکبریٰ پوشیدہ نیست دراں ایام کہ پرگنہ مذکور یتول وکلائے سرکار نامدار مقرر بود مومی الیہ مرفہ الحال درانجا بسر می برد پیش ازیں بچندگاہ از آسیب عناد حساد و بدسلوکی عمال ترک وطن اختیار نمودہ بحضور موفور السرور ما آمدہ الحال باز عنان معاودت بداں صواب منعطف ساختہ

بمقتضائے جمعیت (جمیعت ؟) ارادہ دارد کہ شغل زمینداری موروثی را از دست ندادہ بگرد آوری توابع لواحق خویش کہ در انجا اند بپردازد

چوں آں عمدۃ الخواتین دوراں را از مخلصان صافی طویت تصور مینمائیم و یقین می دانیم کہ دررعیت جانب منتسبان ایں درگاہ خود را معاف نخواہند داشت دربارہ مولی الیہ و نظم اسباب جمعیت و رفاہیت او نگاشتن تحصیل ست، پیداست کہ در ہر باب انچہ نوشتہ آید سعی مبذول خواہد شد و لعلہ آں پرگنہ تاکید بلیغ خواہد رفت کہ سررشتہ حسن سلوک را با مشار الیہ از دست ندادہ در جمیع امور حسابی مدد و معاون او باشند (آداب نمبر ۳۲۷)

اشاعت اسلام

عالمگیر نے کسی کو زبردستی مسلمان نہیں کیا اس کا ہرگز یہ اصول نہ تھا کہ کسی آدمی کو مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کرے اُس کو یہ بھی پسند نہ تھا کہ سزا سے بچنے کے لئے کوئی مجرم اسلام قبول کرلے ہاں اگر کوئی برضا و رغبت مسلمان ہونا چاہے تو وہ اس کی مدد کرنے میں دریغ نہ کرتا تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ دھندیرے کا راجہ جس کو شاہجہاں نے عدول حکمی کی سزا میں قید کردیا تھا جب عالمگیر دکن کا صوبہ دار ہوا تو اُس نے آزادی کے لئے سفارش کرنے کی درخواست پیش کی وہ عالمگیر جس کو ہندوکش کہا جاتا ہے۔ اس نے اس طرح اس کی سفارش کی۔

اندرمن زمیندار دھندھیرہ کہ حسب الحکم الاقدس از دیر باز در قلعہ اسیر محبوس است دریں ولا کس خود را نزد ایں مرید فرستادہ اظہار نمودہ کہ اگر بتصدق فرق مبارک مقدس اعلی از زنداں مکافات رہائی یابد پنجاہ ہزار روپیہ برسم پیشکش درگاہ آسماں جاہ بخزانہ عامرہ رسانیدہ تا یک سال بے منصب و جاگیر با پنجاہ سوار و یک صد پیادہ درصوبہ دکن خدمت کردہ بعدازاں موافق منصبے کہ از پیش گاہ والا بداں سربلند گردد جمعیت نگاہ داشتہ وہمہ وقت حاضر بودہ اصلا ارادہ باز گشت بوطن قدیم خویش نخواہد نمود و نرسنگھہ داس قلعدار اسیر ضامن افعال و متعہد ادائے وجہ پیش کش می شود چوں از مدتے گرفتار جزائے کردار خود ست۔ و حال خرابی دارد اگر بمقتضائے جرم بخشی و عذر پذیری کہ در ذات اقدس ودیعت

نہادۂ دستِ قدرت است رقم (قلم) عفو بر جریدۂ تقصیرات او کشیدہ آید از ذرہ پروری اعلیحضرت دور نمی نماید دیگر ہر چہ رائے خورشید ضیا اقتضا فرماید عین صواب ست (۲۱؎)"

شاہ جہاں نے اس کا یہ جواب دیا کہ اندرمن کے شرائط اس وقت منظور ہو سکتے ہیں جب وہ اپنے باپ دادا کے مذہب کو چھوڑ دے اور اسلام قبول کر لے۔ آپ کو یہ سُن کر مسرت ہو گی کہ عالمگیر نے اس کا یہ جواب دیا کہ یہ شرط ناقابلِ عمل اور دور اندیشی کے خلاف ہے۔ اگر اندرمن کو آزادی دینا ہے تو اُس کی پیش کردہ شرائط پر آزادی دی جائے۔ اس کے متعلق عالمگیر نے سعداللہ خاں وزیر اعظم کو جو خط لکھا ہے اسکی عبارت ملاحظہ ہو۔

"عرضداشتے کہ حسب الحکم الاعلیٰ در باب اندرمن زمیندار دھندھیرا ارسال داشتہ بودند بجز مطالعہ رسیدہ مضمون آں بوضوح انجامید"

"براں دستور دانی خبرت پوشیدہ نماند کہ آنچہ درباره زمیندار مذکور بخاطر ملکوت ناظر پیر مرشد حقیقی پرتو انداختہ ہر چند صلاح و صواب ست لیکن چوں او از مدت بست سال محبوس زنداں مکافات بودہ بقوت لایموت محتاج ست و مبلغ پنجاہ ہزار روپیہ پیشکش باعتماد برہمنان و مہاجنان قبول نمودہ درصورتے کہ سعادت اسلام دریافتہ از کیش خود بہر گردد وجہ پیشکش را چگونہ سرانجام تواند کرد و معہذا ہر گاہ یکے از بندہ ہائے معتمد بادشاہی را ضامن دادہ تعہدمی نمودہ باشد کہ وطن مالوف خود کہ از مدتے دراز از دست او برآوردہ بجاگیر بندہ ہائے عمدہ درگاہ جہاں پناہ درآمدہ بطریق وطن عنایت شدہ رجوع نکند او داخل تعیناتیاں صوبہ دکن گردیدہ ہمیشہ حاضر باشد، بازگشت او بوطن خویش چہ احتمال دارد و چہ قسم صورت تواند جست اگر رہائی او مشروط بقبول اسلام نہ باشد خاطر از ضامن و سرانجام از پیش کشے جمع میتواں کرد و الا بقیہ عمر را در حبس بسر خواہد برد آں دستور الوزراء ایں مراتب را بطریق شائستہ بعرض مقدس معلی رسانیدہ نوعیکہ حکم ارفع و اشرف صدور یابد بر نگارند تا مطابق آں بعمل آید و السلام (آداب نمبر ۲۲۱)"

مگر شاہجہاں نے اس پُر زور سفارش پر کچھ توجہ نہ کی اور بیچارہ اندرمن قلعۂ اسیر میں اسی طرح اسیر رہا۔ بالآخر جب عالمگیر برادرانہ جنگ کے لئے جانے لگا تو اُس نے اندرمن کو باختیار خود رہا کر دیا اور نہ صرف رہا کیا بلکہ اُس کو اعلیٰ منصب پر بھی فائز کیا۔

اُسی زمانہ میں دارا شکوہ کی طرفداری میں جسونت سنگھ نے اوجین سے سات کوس کے فاصلہ پر دھرمات میں مقابلہ کی طیاری کی تھی۔

عالگیر چونکہ بذات خود جنگجو نہ تھا۔ اس لئے اس کے دہرت پور پہنچنے سے ۶ روز پہلے جونت سنگھ کے پاس کب رائے عالمگیر کا یہ پیام لے کر گیا۔

"چوں مارا ارادہ جنگ نیست و عزم ملازمت حضرت اعلیٰ پیش نہاد خاطر والا است اگر او را بخت و دولت رہبری نماید بعز ملازمت ہمایوں مستعد گشتہ تقبیل رکاب اقبال را مایہ افتخار و شرف روزگار خود سازد یا از سر راہ برخاستہ بجودھپور کہ وطن اوست برود۔"

جسونت سنگھ نے جواباً لکھوایا۔

"مرادا عنیہ رزم و پیکار نیست و یارائے جرأت و جسارت با موکب نصرت شعار نہ بلکہ ارادہ ملازمت دارم و جز بندگی و اخلاص طریقے نمی سپارم اگر فدیو جہاں بمقتضائے فضل و کرم بریں بندہ بخشودہ فسخ عزیمت بزد نمایند آئندہ تقبیل بساط عبودیت را سرمایۂ دولت می شمارم۔"

قارئین دیکھیں کہ جسونت سنگھ اپنی تحریر پر کہاں تک قائم رہا۔ عالگیر خوب سمجھتا تھا کہ اس میں کہاں تک صداقت اور خلوص ہے پھر بھی اُس نے اثر لیا اور اتمام حجت کے لئے پیغام بھیجا۔

چوں بفرخی و فیروزمندی سوار شدہ ایم توقف و درنگ معنی ندارد اگر گفتار او بصدق و راستی مقرون و خالی از شائبہ حیلہ و افسون ست از لشکر جدا شدہ تنہا پیش نجابت خاں بیاید کہ خان مذکور او را بخدمت بادشاہزادہ عالی تبار محمد سلطان ایشاں او را بملازمت اشرف آورند و استعفائے جرائمش نمایند۔"

مگر جسونت سنگھ نے مقابلہ کیا۔ جنگ ہوئی۔ آخر مقابلہ کی تاب نہ لاکر بھاگ گیا۔ اسی چیز نے ہمیشہ کے لئے دونوں میں عداوت پیدا کردی۔ اگر جسونت سنگھ اپنے قول میں سچا تھا تو لشکر سے نکل کر حسب ہدایت عالگیر کی طرف چلا آتا لیکن اُس نے ایسا نہیں کیا جس سے اس کے خلوص صداقت کا قارئین خود اندازہ کرسکتے ہیں

کیسری سنگھ دیوگڈھ کا راجہ تھا مگر اُس کی آمدنی بہت گھٹ گئی تھی۔ وہ خراج ہی کی سالانہ رقم نہ دے سکتا تھا تو کئی سال کی خراج واکی رقم کیسے دیتا۔ اس لئے اُس نے یہ ارادہ کیا کہ بادشاہ سے درخواست کرے کہ جس طرح راجہ چاندہ کا خراج معاف کردیا گیا ہے۔ اسی طرح جو رقم میرے ذمہ ہے وہ بھی معاف کردی جائے اسی خیال سے وہ عالگیر کے پاس آیا۔ اگر وہ عالگیر کو اپنا

مخالف سمجھتا تو کیوں آتا) اُس نے اپنا پورا حال عالمگیر سے بیان کر دیا۔ عالمگیر نے اُس کے بیان کی تصدیق کے لئے ایک آدمی بھیجا اور جب تحقیقات کے بعد یہ معلوم ہو گیا کہ اس کا بیان صحیح ہے تو اُس نے کیسری سنگھ کی سفارش میں کوئی تامل نہیں کیا۔

ہمیں اس سے بحث نہیں کہ شاہجہان نے اُس کی سفارش کو مانا یا نہیں مانا۔ ہمیں یہ دکھانا ہے کہ عالمگیر نے ہمارے ہندو بھائیوں کے ساتھ ہمیشہ ہمدردی کی۔ عالمگیر کی تحریر کا وہ حصہ جو کیسری سنگھ کی سفارش کے متعلق ہے ملاحظہ ہو۔

"کیفیت بقایائے پیش کش سنوات گذشتہ کہ بر ذمۂ زمیندارِ دیوگڈھ ماندہ صورتِ وصول آں از افراد جداگانہ بعرض مقدس خواہد رسید چوں زمیندار مذکور بندۂ دولت خواہ بر جادۂ عبودیت مستقیم است و ہر سال مبلغ یک لک روپیہ از وجہ پیش کش او را بسر کار گردوں وقار واصل باید ساخت و بوقوع حاصل محال زمینداری او نسبت سابق او کمی آوردہ از عہدۂ ادائے بقایا بر نمی تواند آمد و از عنایات بادشاہانہ پیشکش زمیندار چاندہ در کل معاف گشتہ او نیز امیدوار است کہ بقایائے سابق باو معاف شود تا فی الجملہ سبکسار گردیدہ وجہ پیشکش مقرری ہر سال بخزانۂ عامرہ می رسانیدہ باشد (ب ۴)

ان تمام مختصر اقتباسات سے روزِ روشن کی طرح واضح ہوتا ہے کہ عالمگیر متعصب نہ تھا۔

خدائے میکدہ

درد کاکوروی

کیا بتائیں ہم بنائے میکدہ — کچھ نہ پوچھو رازہائے میکدہ
ہو گیا وہ خاکِ پائے میکدہ — لگ گئی جس کو ہوائے میکدہ
کر بھی دے تکمیلِ کیف و بیخودی — یہ دُعا ہے اے خدائے میکدہ
جس کسی نے پی لی الفت کی شراب — کیوں نہ ہو وہ پھر فدائے میکدہ
کیا وہ جانے لذتِ کیف و سرود — جو نہیں ہے آشنائے میکدہ
اُف نگاہِ مست کی عشوہ طرازیاں — ہو گئے میکش فدائے میکدہ
کاش پوری ہو تمنائے دلی — ہم بھی ہو جائیں گدائے میکدہ
اب کہاں ہے آہ، لطفِ میکشی — اُٹھ گئے سب آشنائے میکدہ
زندگی بخشی جمالِ یار نے — پھر منور ہے فضائے میکدہ

پھر گھٹائیں رحمتوں کی اے نثار
مستیاں لائیں برائے میکدہ

نثار آف عدن

تارے

چرخ کی جنّت عریاں ہے، سحر اثر نظّارے ہیں
موتی ہیں یا تارے ہیں، فطرت کے شہ پارے ہیں

نور کی موجیں رقصاں ہیں جگ مگ جگ مگ تارے ہیں
مہر سے نظریں خیرہ تھیں نور کے اب نظّارے ہیں

رات کے رُخ کا زیور ہیں جگنو ہیں یا تارے ہیں
ماہ کے دل کے ٹکڑے ہیں مہوش ہیں مہ پارے ہیں

کاہکشاں کے جلوے ہیں، یا نور کے یہ فوّارے ہیں
چرخ پہ یہ سیّارے ہیں، یا ہوش ربا طیّارے ہیں

بھُولی بھٹکی آہوں کے راہ نما یہ تارے ہیں
چرخ پہ شمعِ نور لئے قدرت کے ہرکارے ہیں

نور کی اس گہرائی میں مستی کے نظّارے ہیں
گنگا جمنی لہروں میں تاروں کے گہوارے ہیں

پچھلا پہر رخصت ہے دھندلے دھندلے تارے ہیں
صبح کی سیمیں چادر میں حوروں کے رخسارے ہیں

نور کی اس طغیانی میں ڈوبے ہوئے سیّارے ہیں
نیچی نظر ہے تاروں کی کھوئے ہوئے نظّارے ہیں

رات کٹی ہے آنکھوں میں خواب و سکوں کے مارے ہیں
صبح سے باتوں باتوں میں عیش کی بازی ہارے ہیں

فطرت واسطی

زاویۂ نگاہ — توضیح و گزارش

"غریبِ شہر سخنہائے گفتنی دارد"

"کنول" کی قریبی اشاعت میں میرا افسانہ جو "دوشیزہ کی آپ بیتی — دھڑکن" کے عنوان سے شایع ہوا ہے۔ اُس کو پڑھ کر بعض بیحد غیور اور نازک طبع حضرات نے برہمی اور خفگی کا اظہار فرمایا ہے۔ میں اُن لوگوں میں سے نہیں ہوں جو اپنی رائے کے خلاف ایک لفظ سُننا گوارا نہیں کرتے، مجھے عتابِ برہمی کی اطلاع مل کر بیحد مسرت ہوئی کہ ہندوستان میں ایسے غیور و باحمیت انسان بفضلہٖ موجود ہیں، جو اپنے گھر کی فضا کو کلیوں کی لطافت سے زیادہ اچھوتا اور معصوم دیکھنا چاہتے ہیں، میں اس جذبہ کا بیحد احترام کرتا ہوں، اور مجھے غیر معمولی مسرت ہے کہ جس جذبہ کی تخلیق و تاسیس کے لئے میں نے بلامبالغہ سینکڑوں صفحات سیاہ کئے ہیں۔ وہ شریف ہندوستانیوں میں موجود ہے۔ یہ تصویر کا ایک رُخ ہے، دوسرا رُخ سامنے لانے کے لئے مجھے اپنی پوزیشن واضح کرنی ہے، مجھے یقین ہے کہ عتابِ برہمی کے پیدا شدہ جذبہ سے دور رہکر میری گذارش کو توجہ کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ جس کے لئے میں پیشگی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ شکوک و اوہام کی دُنیا بہت وسیع ہے، میری صرف اتنی گذارش ہے کہ میرے مضمون کا آپ شکوک و اوہام کی عینک کے واسطے سے مطالعہ نہ فرمائیں، میں اصرار نہیں کرتا کہ آپ اپنی رائے بدل دیں، لیکن جب آپ مجھ پر فردِ جرم لگا چکے ہیں تو صفائی پیش کرنیکا مجھے حق حاصل ہے، اور صفائی سُننے کی ذمہ داری آپ پر عاید ہوتی ہے۔

جن اربابِ نظر اور اہلِ فکر نے نفسیاتِ انسانی کی تحلیل کی ہے، وہ اس حقیقت سے یقیناً باخبر ہوں گے کہ بعض وقت کسی شریف اور مستحسن جذبہ کی غیر معمولی شدت مزاج کی برہمی کا باعث ہوجایا کرتی ہے، لہٰذا اس خصوص میں جو کچھ عرض کروں گا اس سے میرا مقصد آپ کے غیور جذبہ کو متاثر کرنا نہیں ہے، بلکہ میں صرف برہمئ مزاج کو سکون پذیر کرنے کی سعی کروں گا، کاش میں اپنی کوشش میں کامیاب ہوسکوں۔

زاویۂ نگاہ جس زاویۂ نگاہ کے تحت میں نے یہ افسانہ لکھا ہے، پہلے اُس کا سمجھ لینا ضروری ہے، میرے زاویۂ نگاہ کو چونکہ قارئین نے نہیں سمجھا، اس لئے غلط فہمیاں پیدا ہوگئیں، میں نے اپنے مضامین نظم و نثر میں دوشیزگی کو بہت کچھ

سراہا ہے، اور میرا یقین ہے کہ "اُلوہیت اور تجرد" کی سرحد دوشیزگی کی منزل سے بہت ہی قریب ہے۔ دوشیزگی ایک ایسا نازک آئینہ ہے جو لطیف سے لطیف کلی کے تصادم کو بھی نہیں سہار سکتا، لہٰذا اس عہد میں دوشیزگی کو جنسی تصوّر سے دور رکھنے کی انتہائی کوشش کرنی چاہئے جن گھروں میں اس اصول کی جانب سے بے احتیاطی برتی جاتی ہے، وہاں دوشیزگی کو خودکشی کی وادیوں سے گذرنا پڑتا ہے۔ اسی زاویۂ نگاہ کے تحت میں نے چند افسانے لکھے ہیں، جن میں اُن تمام خلاؤں کی نشاندہی کی ہے، جن کے ذریعہ جنسی تصوّر دوشیزگی کے ایوان میں داخل ہوتا ہے، ان ہی افسانوں میں ایک ایسا افسانہ بھی شامل ہے، جس میں ایک ایسی لڑکی کا کریکٹر پیش کیا ہے۔ جس کی پرورش اصولِ مندرجہ بالا کے تحت کی گئی ہے، اور جس کی زندگی چاندنی سے زیادہ اُجلی اور بنفشہ کی کلی سے زیادہ معصوم رہی ہے۔ کتاب کے مقدمہ میں اپنے زاویۂ نگاہ کو میں نے واضح کر دیا ہے، جس کے پڑھ لینے کے بعد کوئی غلط فہمی پیدا نہیں ہو سکتی۔

قابلِ اعتراض باتیں

میرے افسانہ میں مندرجہ ذیل باتیں قابلِ اعتراض قرار پا سکتی ہیں؟

(۱) ہمجولیوں کا لڑکی کے ساتھ بیباکانہ مذاق

(۲) طوایف کے یہاں اُس کا بھیجنا

(۳) طوایف کے یہاں دوشیزہ کی زندگی کے رنگین لمحے

(۴) طوایف کے ملازم کے ساتھ فرار

لیکن میں عرض کرتا ہوں کہ یہی چیزیں جو قابلِ اعتراض سمجھی گئی ہیں، اصلاح وبصیرت کی نامحدود دُنیا اپنے اندر رکھتی ہیں۔ میں ایک ایک اعتراض کو نمبروار رفع کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

نمبر ۱:— مغربی تہذیب نے شرم وحیا کے دائرے کو بہت کچھ تنگ کر دیا ہے، اور بہت سے حجابات کو اُٹھا دیا ہے، یہی سبب ہے کہ لڑکے اور لڑکیوں کی پرائیویٹ صحبتوں میں جو مذاق ہوتا ہے اُس کے حدود "بے شرمی" سے کبھی کبھی جا کر مل جاتے ہیں، یہی مذاق ایک دن عملی صورت میں نمایاں ہوتا ہے، اور وہی چیز جو بچپن میں صرف مذاق سمجھی جاتی تھی، دورِ شباب میں کیریکٹر کا جزو بنجاتی ہے۔ لہٰذا اس چیز کے پیش کرنے سے میرا یہ مقصد ہے کہ لڑکیوں کی پرائیویٹ صحبتوں پر خاص طور پر نظر رکھنی چاہئے اور انکی ہمجولیوں کے عنوانِ مذاق اور طرزِ مزاح کا جائزہ لینا چاہئے۔

اس کے بعد ایک محفل کا سماں دکھایا ہے، جو لڑکی کے مکان پر منعقد ہوتی ہے اور جس میں ناچ گانا ہوتا ہے۔ افسانہ کا یہ ٹکڑا بھی اصلاحی ہے۔ عام طور پر شریف گھرانوں میں رقص وسرود کی محفلیں منعقد ہوتی ہیں، اور چلمنوں کی آڑ سے عورتیں بھی اس رنگین منظر کا

مشاہدہ کرتی ہیں، یہ صورتِ حال جس قدر معیوب اور تباہ کُن ہے، اُس کا اندازہ ہر حساس دل کر سکتا ہے، کنواری لڑکیوں کے لئے تو یہ نظارے، زہر قاتل ہیں، اُن پر اس منظر کا بہت بُرا اثر پڑتا ہے اور ان کے جذبات پر بعض اوقات رنگین عالمِ حیرت طاری ہو جاتا ہے میں نے دکھایا ہے کہ اس منظرِ رنگین نے لڑکی کو کس قدر متاثر کیا۔

نمبر ۲ :- چچا کی زیادتیوں سے تنگ آ کر لڑکی گھر کو خیرباد کہہ کر اُسی طوایف کے یہاں پہنچتی ہے۔ ممکن ہے کوئی صاحب اس واقع کو اپنے بھولے پن کے سبب مستبعد سمجھیں، لیکن میں آپ سے پوچھتا ہوں، کہ کیا ایسے واقعات آپ نے نہیں سُنے کہ قرابت داروں کے جور و ستم سے تنگ آ کر بہت سی عورتوں نے اپنی زندگیوں کو تباہ کر دیا، اور وہ چیز جس کی قیمت ارض و سما بھی نہیں ہو سکتے، کوڑیوں کے مول بکی، اور سرِ بازار بکی! اگر ایسا ہوتا ہے اور یہ واقعہ قرین قیاس ہے تو پھر کیا اس کا اظہار گناہ ہے، اور وہ بھی اصلاح و بصیرت کے لئے۔!

نمبر ۳ :- طوایف کے یہاں پہنچکر جب لڑکی کو رنگین صحبت ملتی ہے، تو اس کے دل و دماغ پر ایک خاص اثر مترتب ہوتا ہے، اس لئے اُس کی زبان ذرا شوخ ہو گئی ہے۔ لیکن میں نے قصداً اس منظر کی رنگینی کو ہلکا کر کے پیش کیا ہے اور اس رنگین داستان کو صرف "الفاظ" تک محدود رکھا ہے، اس خصوص میں اس سے زیادہ کہا جا سکتا تھا، لیکن میں نے اُس سے احتراز کیا، اور وہ اس لئے کہ اس شراب کو زیادہ تیز کرنا مصلحت کے خلاف ہے

نمبر ۴ :- جو لڑکی طوایف کے یہاں کئی مہینے تک رہتی ہے اُس کے جذبات میں یقیناً نمایاں تغیر ہونا چاہیئے اور پھر "نسیمہ" آخر اپنے پہلو میں دل کے بجائے شیشہ کا ٹکڑا نہیں رکھتی تھی، وہ طوایف کے یہاں کے مناظر سے متأثر ہوئی، اور اسی تاثر کا اظہار اُس نے دبی زبان سے اس وقت کیا ہے، جب وہ طوایف کے ملازم کے ساتھ سرائے میں پہنچی ہے۔

گزارش

جو کچھ میں نے عرض کیا ہے اگر یہ خلاف واقع نہیں ہے، ایسا ہو سکتا ہے، اور یہ ہوا ہے، تو پھر کسی واقعہ کا اظہار غالباً گناہ نہیں ہے، کنواری لڑکی کی زبان سے یہ جملے واقعی کروہ معلوم ہوتے ہیں مگر میں نے یہی تو بتایا ہے کہ ستم رسیدہ لڑکی کو زندگی کی اس منزل میں جانا پڑا جہاں اُسے نہ جانا چاہیئے تھا، اس لئے یہ جملے اُس زبان کے نکلے ہوئے ہیں، جو دوشیزگی کی خصوصیت کے زیر اثر نہیں رہی۔

جس چیز کا مجھ کو الزام دیا جا رہا ہے، وہی چیز تو میں آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں کہ یہ جذبات فی الحقیقت ایک شریف دوشیزہ کے نہیں ہونے چاہیئے تھے۔ لیکن اُس کی ستم رسیدہ زندگی نے اُس کے جذبات کو دوشیزہ اور معصوم ہی باقی نہیں رکھا۔ کیا یہ افسوسناک انقلاب اصلاح و بصیرت کی دعوت نہیں دیتا؟

کنواری لڑکیوں کو یہ افسانے نہیں پڑھنے چاہئیں، یہ افسانے اُن مرد اور عورتوں کے مطالعہ کے لئے لکھے گئے ہیں، جن پر کنواری

لڑکیوں کے غور و پرداخت کی ذمہ داری عاید ہوتی ہے۔ وہ ان افسانوں سے بہت کچھ سبق حاصل کرسکتے ہیں، اور ان تمام خرابیوں، کمزوریوں اور بُرائیوں کا سدِباب کرسکتے ہیں، جن کے پیدا ہونے کا امکان ہے۔

اس کے بعد شاید اعتراض کیا جائے گا کہ افسانہ بھر میں کوئی جملہ "نصیحت و اصلاح" کا نہیں آیا۔ اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ افسانہ نگار جب کسی چیز کی بُرائی دکھاتا ہے تو وہ مذموم واقعات کی تصویر کھینچتا ہے اور اُن کے نتائج کو پیش کرتا ہے، پڑھنے والے خود اس سے نتیجہ اخذ کرلیتے ہیں۔ فرض کیجئے کوئی افسانہ نگار شراب کی بُرائی دکھانا چاہتا ہے تو وہ ایسے مناظر پیش کریگا جس سے شراب کی مذموم پہلو نگاہوں کے سامنے آجائیں۔ ان مناظر سے خود بخود یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ شراب بُری چیز ہے، خواہ یہ نہ کہا جائے کہ "شراب بُری ہے" بالکل اسی طرح میں نے اس افسانہ میں یہ دکھایا ہے کہ ایک کنواری لڑکی کس طرح طوائف کے یہاں پہونچی! اس سے میرا یہ مقصد تو ہرگز نہیں ہے کہ میں اس زندگی کو پسند کرتا ہوں، بلکہ میرا مقصد صاف ظاہر ہے کہ میری نظر میں اس قسم کی زندگی انتہائی مکروہ اور ذلیل ہے، اگر اس افسانے کے پڑھنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے، تو شاید میرا اقدام غیر مستحسن نہ سمجھا جائے گا۔

آخری التماس اس کتاب کی تصنیف سے جو میرا مقصد ہے۔ اُسے میں اوپر ظاہر کرچکا، اگر اب بھی بدگمانیاں باقی رہیں، اور شکوک و شبہات دور نہ ہوں، تو مجھے اُن سے مطلع کیا جائے، اگر رائے عامہ اس تصنیف کی اشاعت کو مضر خیال کرے۔ تو میں اپنی اس دماغی کاوش کو بیدریغ برباد کرسکتا ہوں، اور اس بربادی پر مجھے مطلق تاسف نہ ہوگا، کیونکہ قوم و ملک کی آزردگی کے مقابلہ میں ہر ایثار گوارا کیا جاسکتا ہے!

اس مسئلہ میں اہلِ ذوق حضرات کی آرا معلوم کرنا چاہتا ہوں، کیا عجب ہے کہ میرے دل و دماغ پر بصیرت کا جدید باب کھل جائے، اور میں یہ کہہ سکوں:-

بتادیا مجھے بیچ بیچ کے راستہ چلنا
خدا بھلا کرے اے شاذ نکتہ چینوں کا

جواب سنجیدگی کے ساتھ دیا جائے، عتاب و برہمی سے جواب کی اہمیت میں کوئی اضافہ نہیں ہوسکتا، میں جوابات پڑھنے کے بعد کوئی رائے قائم کرسکوں گا۔

ملک و ادب کا خادم

ماہر القادری

بیاباں لئے ہوئے

وحشت ہے اپنے ذوق کا ساماں لئے ہوئے
ہر آبلہ ہے خارِ بیاباں لئے ہوئے

آ، انقلاب! بتکدہ آزرو کو دیکھ
ہر شکل ہے مرقعِ دوراں لئے ہوئے

کس رو میں جا رہی ہے، کہاں جا رہی ہے صبح
دیوانہ وار چاکِ گریباں لئے ہوئے

تکلیفِ سیر ہم کو نہ دے اے ہوائے شوق
کیا جائیں باغ میں دلِ ویراں لئے ہوئے

اُٹھیں گے روزِ حشر ترے ماندگانِ ذوق
آنکھوں میں ایک خوابِ پریشاں لئے ہوئے

آئی، اور آکے توبہ پہ بدلی برس پڑی
لوٹا گیا میں دولتِ ایماں لئے ہوئے

اب ہم ہیں اور اجل کا سکونِ مدام ہے
بیٹھے رہیں وہ زلفِ پریشاں لئے ہوئے

کیا پوچھتے ہو تم چمنِ دل کی وسعتیں
دامن میں ہے یہ لاکھ بیاباں لئے ہوئے

اب اہلِ حشر ختم کریں قصۂ حیات
ہم بھی ہیں داستانِ پریشاں لئے ہوئے

محرومیوں کے ساتھ میں آئی مری بہار
خالی پھرا چمن سے میں داماں لئے ہوئے

پھر دل میں ایک ابر اُٹھا، جھومتا ہوا
مژگاں یہ چند قطرۂ باراں لئے ہوئے

بیتابیوں کیسا تھا اِدھر عرضِ حالِ زار
نظریں اُدھر تبسمِ پنہاں لئے ہوئے

آئی ہیں روح بن کے جوانی کی مستیاں
جائیں گی جب تو جائیں گی ایماں لئے ہوئے

صورت گرِ خیال کی اللہ رے صنعتیں
بیٹھا ہوں میں قفس میں گلستاں لئے ہوئے

دیکھیں گے ہم بھی رحمتِ خالق کی وسعتیں
جاتے ہیں ہوشؔ دفترِ عصیاں لئے ہوئے

ہوشؔ ملیح آبادی

غالب اور سیماب

جناب عطاء اللہ پالوی نے اس موازنے میں مولانا سیماب اکبرآبادی اور میرزا غالب اکبرآبادی کے اکثر ہم قافیہ و ردیف اشعار ایک جگہ جمع کرنے کی جو سعی کی ہے وہ بڑی حد تک قابلِ تحسین ہے لیکن بیشتر اشعار کے متضاد و مختلف الفاظ و مفاہیم میں یکسانی پیدا کرنے کی جو کوشش کی گئی ہے وہ کامیاب نہیں۔ ایک ہی ردیف و قافیہ کے اکثر اشعار میں مولانا سیماب کا مفہوم کچھ اور ہے اور میرزا غالب نے کچھ اور کہا ہے۔ دکھانا صرف یہ چاہیے تھا کہ ایک ہی ردیف اور ایک ہی قافئے میں دونوں اُستادانِ فن نے کس قسم کے خیالات کی ترجمانی کی ہے۔ اگر ہم ردیف و ہم قافیہ اشعار کو یکجا کر دینے کے بعد جناب پالوی ان کی تصریح و تشریح خود بھی فرماتے تو قارئین کو موازنۂ اشعار میں زیادہ آسانی ہوتی۔

دو مختلف زمانوں کے دو مختلف شعرا کا موازنہ بہ اعتبارِ خیال کسی طرح نہیں کیا جا سکتا، البتہ رنگِ تغزل اور اسلوبِ بیان کے لحاظ سے موازنہ ممکن ہے۔ اور اس مضمون میں یہی چیز قابلِ غور ہے ——— ایڈیٹر

تین شاعر سرزمینِ "تاج" سے پیدا ہوئے
میر و غالب مر چکے اس دور میں سیماب ہے

یہ شعر جناب حامد علی نقوی بی۔ اے کا ہے اور اس حقیقت سے کوئی ذی شعور انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن اسی سلسلے کا ایک شعر یہ بھی ہے

ہو تناسخ کا جو قائل کیوں نہ کہدے بیدھڑک   میرؔ غالب بن گیا تھا۔ غالب اب سیماب ہے

یہ شعر مہمل ہے، کیونکہ جو تناسخ کا قائل نہیں اُس کے اطمینان کی کیا صورت ہے؟ میرے خیال میں اگر تناسخ کا مسئلہ قطعی لغو قرار دیدیا جائے تو صرف "جانشینی" کا مسئلہ پیش نظر رہ جائیگا، کیونکہ ایک شاعر یا ادیب مرنے کے بعد پھر دوسری شکل میں نہیں پیدا ہو سکتا ہے۔ ہاں اُس کا "جانشین" کوئی دوسرا البتہ پیدا ہو سکتا ہے۔ ایسی صورت میں ہم کو دیکھنا صرف یہ ہے کہ غالب کا جانشین کون ہے؟ عام طور پر لوگ کہتے ہیں کہ "غالب کا صحیح جانشین اقبال ہے" مگر میں اس مقولے کا کلیتاً قائل نہیں، میرے نزدیک سب سے پہلے یہ دیکھنے کی چیز ہے کہ غالب کو کس زبان کا شاعر تسلیم کرکے ایسا کہا جاتا ہے؟ اس لئے آیئے پہلے ہم اسی کو حل کریں۔ شمس العلما

مولوی محمد حسین آزاد اپنی تصنیف "آبِ حیات" میں فرماتے ہیں کہ

"مرزا صاحب کو اصل شوق فارسی کی نظم و نثر کا تھا اور اُسی کو اپنا فخر سمجھتے تھے"

خود غالب اپنے فارسی دیوان کے ایک قطعہ میں فرماتے ہیں کہ ؎

فارسی بیں تا بہ بینی نقشہائے رنگ رنگ بگذر از مجموعۂ اردو کہ بے رنگ من است

اِن سب کے علاوہ جب ہم اُنکی تصنیفات پر نظر ڈالتے ہیں تو اِس بات کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ انھیں فارسی ہی سے فطری لگاؤ تھا اور اس لئے وہ فارسی کے ہی بے نظیر شاعر تھے مگر جب اُن کے "اُردو دیوان" یا "اردوئے معلیٰ" وغیرہ پر نظر جاتی ہے تو پھر انھیں اُردو زبان کا بھی شاعر تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ دراصل غالب اردو اور فارسی دونوں زبانوں کا ماہر شاعر تھا۔ اس صورت میں اُس کی جانشینی کا سوال بھی دو جگہ تقسیم ہو جائے گا، اور ہمیں دونوں زبانوں کے شعرا پر نظر ڈالنی ہوگی اور دیکھنا ہوگا کہ غالب کا صحیح جانشین ہونے کی صلاحیت کون رکھتا ہے؟

دورِ حاضر کے مشاہیر شعرا پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں صرف دو شاعر ایسے ملتے ہیں جن کا کلام غالب کے کلام سے متاثر و متوازن نظر آتا ہے۔ یعنی اقبال اور سیماب۔ ایسی صورت میں ہم بڑی آسانی سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ غالب کا جانشین کون ہے؟

اس دور کے مشہور شعرا میں اقبال کا نام سب سے زیادہ روشن ہے اور اس کی یہ شہرت صرف ہندوستان ہی تک محدود نہیں بلکہ دنیا کے ہر گوشہ میں پہونچ چکی ہے اور جب ہم اس شہرت کی اصل وجہ پر غور کرتے ہیں تو ہمیں صرف ان کا فلسفہ یا اُن کی "فارسی شاعری" باعثِ شہرت معلوم ہوتی ہے۔ یورپ اور ایران اگر دلدادہ ہیں تو صرف اُن کی فارسی تصنیفات اور فارسی کلام پر۔ اقبال خود فارسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور اُردو کلام میں بیشمار فارسی ترکیبیں اور فارسی مصرع استعمال کرتے ہیں۔ اور پھر اُس پر غالبیت جو چھائی رہتی ہے اس کا تو پوچھنا ہی کیا۔ اب آئیے سیماب کی طرف۔ اِن کی تصانیف پر (جنکی تعداد بقول ان کے (۲۸۴) ہے۔) جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں کل کی کل اُردو زبان میں نظر آتی ہیں اور جو نظمیں یا غزلیں ہمیں متفرق رسالوں میں بھی نظر آتی ہیں تقریباً وہ سب اُردو زبان ہی میں ہوتی ہیں۔ اگر سو پچاس اشعار فارسی کے بھی ہوں تو اُن کا شمار نہیں میں ہے۔ اسی لئے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ "فارسی شاعری میں" غالب کا صحیح جانشین اقبال ہے۔ رہی "اُردو شاعری" تو اس کے متعلق بہتر ہوگا کہ ہم خود سیماب اور اُس کے تبصرہ نگاروں سے اِس کے متعلق دریافت کریں۔

جب ہم سیماب سے اس کے متعلق دریافت کرتے ہیں کہ اردو شاعری میں غالب کا جانشین کون ہے؟ تو وہ ہمیں جواب دیتے ہیں کہ میں بجز اس کے اور کچھ نہیں جانتا کہ ؎

ستاسی سال بعدِ میر ہے تخلیق غالب کی یہی وقفہ ہے میری اور غالب کی ولادت میں

تو گویا سیماب کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ "میرا مولد وہی ہے۔ جو غالب کا تھا اور تم جانتے ہی ہو کہ اس سرزمین میں ہر ننانوے سال کے بعد ایک ایسا شاعر پیدا ہوتا ہے جو سرزمینِ تاج میں چار چاند لگا دیتا ہے۔ تو پھر مجھ سے کیا پوچھتے ہو سمجھ لو کہ میر کا جانشین غالب تھا اور غالب کا جانشین میں ہوں۔" یہ تو اُن کا جواب ہوا۔

جب اُن کے ایک تبصرہ نگار ڈاکٹر اقبال سے ہم پوچھتے ہیں کہ "اُردو شاعری" میں غالب کا جانشین کون ہے؟ تو وہ ہمیں جواب دیتا ہے کہ سیماب! کیونکہ

"حضرت سیماب کی شاعری میں فلسفیانہ تخیل کا عنصر غالب ہے اور فارسی کی اعلیٰ استعداد نے اِن کو اس قابل بنا دیا ہے کہ وہ اپنے اسلوبِ ادا میں کامیابی کے ساتھ غالب کے نقشِ قدم پر چل سکیں۔ ان کی ہر نظم میں فارسی کی نئی نئی ترکیبیں اور بندشیں جن کے ذریعے سے انھوں نے بسا اوقات نہایت عمیق اور پیچیدہ خیالات کا اظہار کیا ہے اردو کو غالب کی یاد دلاتی ہیں۔"

لیجیے اب تو یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو گئی کہ اردو شاعری میں درحقیقت غالب کا جانشین سیماب ہے۔ جب جانشینی ثابت ہو جاتی ہے تو پھر ہم یہ کیوں نہ کہیں کہ "غالب سیماب بن گیا ہے" ہاں جناب فضل الدین آثر کا یہ کہنا کہ ؎

داغ و میر و میرزا کی کچھ بڑھا دی عمر اور تو نے اس انداز سے اعجاز افسانہ کیا

بالکل صحیح ہے۔ اور اس سے کسی انصاف پسند کو انکار نہیں ہو سکتا۔

جب ہم کو یہ معلوم ہو گیا کہ "اُردو شاعری" میں غالب کا جانشین دراصل سیماب ہے تو اب ہمیں اس کو بھی جانچنا چاہیے کہ سیماب میں کس حد تک جانشینی کی اہلیت اور صلاحیت ہے اور یہ کہ آیا صرف حسنِ عقیدت کی بنا پر ایسا کہا جا رہا ہے یا واقعی ان دونوں میں کسی قسم کی مماثلت بھی ہے۔ اس کی بہترین صورت یہ ہے کہ ہم ایک ہی قسم کے مضامین یا ایک ہی ردیف و قوافی کے اشعار غالب اور سیماب دونوں کے دیوان سے منتخب کر کے موازنہ کریں اور دیکھیں کہ دونوں کے رنگ میں کہاں تک توازن و یکسانیت پائی جاتی ہے۔

جب ہم کو موازنہ کا خیال ہوتا ہے تو سیماب کے دو مجموعۂ کلام ہمیں ملتے ہیں۔ ایک "کارِ امروز" اور دوسرا "کلیم عجم"۔ کارِ امروز کا شمار دیوان میں نہیں کیونکہ وہ صرف کتابِ نظم ہے۔ لیکن "کلیم عجم" اُن کا دیوان ہے۔ جس وقت "کلیم عجم" کا نام آ جاتا ہے تو ہمیں یہ دو شعر بھی ساتھ ہی ساتھ یاد آ جاتے ہیں ؎

خودی و بیخودی سیماب کچھ مجھ میں نہیں لیکن میرے پندار میں کوئی جھلکتا ہے خدا ہو کر

ؔ تبصرۂ کارِ امروز از ڈاکٹر محمد اقبال ایم۔اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی

سیماب لفظ لفظ اترتا ہے عرش سے میری بیاضِ شعر، خدا کی کتاب ہے

سچ پوچھئے تو میرے نزدیک ان دونوں اشعار کی وقعت اک تعلّی سے ہرگز زیادہ نہیں۔ اس لئے کہ ہم جناب سیماب کو "خدا" یا کلیم عجم" کو "قرآن" سمجھنے سے قطعی قاصر ہیں۔ یہ صرف اس لئے نہیں کہ سیماب نے آگے چل کر کہدیا ہے کہ ؎

ازل سے سہو و خطا ہے سرشت میں میری ہے اعتراف کہ سیماب آدمی ہوں میں

یا اس وجہ سے نہیں کہ میرے ایمان میں خلل آ جائے گا بلکہ صرف اس وجہ سے کہ ہمیں "کلیم عجم" میں کہیں کہیں غلطیاں بھی نظر آتی ہیں اور وہ بھی ہر قسم کی مگر اس کے ہرگز یہ معنی نہیں کہ ہمیں "کلیم عجم" کے محاسن سے انکار ہے، میرا تو یہ خیال ہے کہ ع

گلستانِ جہاں میں پھول بھی ہیں اور کانٹے بھی

"کلیم عجم" میں محاسن اور معائب دونوں ہیں۔ رہیں ناقدانِ ادب کی تنقیدیں۔ تو اس کے متعلق میرا یہ خیال ہے کہ آجکل کے ناقدان ادب کو تنقید کرنی ہی نہیں آتی۔ باوجودیکہ وہ یہ جانتے ہیں کہ ؎

قیمت و قدر شناسا ہی سے پہونچے ہے بہم ورنہ دنیا میں خذف ہی نہیں گوہر سے کم

مگر وہ اس کے مغز کو نہیں دیکھتے۔ صرف گوشت و پوست کو دیکھتے ہیں وہ دل کو نہیں دیکھتے بلکہ ظاہری شکل و صورت کو دیکھتے ہیں۔ اس لئے اگر محاسن گنانے کی طرف رجوع ہوتے ہیں تو آسمان و زمین کے قلابے ملا ڈالتے ہیں اور اگر معائب کیطرف متوجہ ہوتے ہیں تو پھر اس کی تنقیص میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔ حالانکہ تنقید کا صحیح مفہوم "الفاظ سے قطع نظر صرف مغزِ سخن کو دیکھنا ہے" بہرکیف یہ ایک دوسری بحث ہے اور اسے موضوعِ سخن سے کوئی نسبت نہیں۔

اب موازنہ کے متعلق دو باتیں پہلے سُن لیجئے وہ یہ کہ اوّلاً تو ہم نے تفصیل کر کے کہیں کہیں دونوں کا فرق دکھا دیا ہے یا اس فرق کی طرف توجہ دلادی ہے اور کہیں کہیں میں نے خاموشی اختیار کی ہے تو جہاں میں نے خاموشی اختیار کی ہے وہاں قارئین کو زیادہ زحمت کشی نہ کرنی ہوگی کیونکہ میں نے بالکل عام فہم سمجھ کر اس کی تفصیل کو نظر انداز کر دیا ہے۔ ثانیاً یہ کہ یہ مضمون محض سرسری طور پر میں نے لکھا ہے اگر کوئی صاحب چاہیں تو اس سے زیادہ دلچسپ اور شگفتہ مضمون اس موضوع پر پیش کر سکتے ہیں۔

آیئے پہلے اس رنگ میں دو چار اشعار ملاحظہ کیجئے

غالبؔ ؎ کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب آؤ نا ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی

سیمابؔ ؎ کیا فرض ہے کہ ہم نہ ہوں تقدیر آزما دُنیا پڑی ہوئی ہے دریا پڑے تو ہو

غالب ۵ — گو ہاتھ کو جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے　　رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے
سیماب ۵ — بے پر و بال سہی، سیرِ چمن کیوں چھوڑوں　　میری نظروں میں تو ہے کیا قوتِ پرواز نہیں

غالب ۵ — حد چاہیے سزا میں عقوبت کے واسطے　　آخر گناہگار ہوں کافر نہیں ہوں میں
سیماب — حقیر ہوں مگر اتنا حقیر بھی نہ سمجھ　　میں ذرہ بھی تو نہیں ہوں جو آفتاب نہیں

غالب ۵ — دریائے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک　　میرا سرِ دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا
سیماب — سرائے دہر میں سیماب نیکیاں کیسی　　گناہ بھی تو بقدرِ گناہ کر نہ سکا

غالب ۵ — عرض کیجے جوہرِ اندیشہ کی گرمی کہاں　　کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرا جل گیا
سیماب ۵ — جو قدسیوں کے درس میں تھا درسِ آخری　　اک جزوِ مختصر وہ مری آگہی کا تھا

اب اس رنگ میں ملاحظہ کیجئے۔

غالب ۵ — کہتے ہو نہ دیں گے ہم دل اگر پڑا پایا　　دل کہاں کہ گم کیجے دل کا مدعا پایا
سیماب ۵ — جادۂ محبت میں دل کا نام لینا کیا؟　　ہم نے کچھ یہاں پھینکا تم نے کچھ پڑا پایا

غالب ۵ — حالِ دل نہیں معلوم لیکن اس قدر یعنی　　ہم نے بارہا ڈھونڈا تم نے بارہا پایا
سیماب ۵ — ہوش و رازِ فطرت میں دشمنی ازل سے تھی　　جس نے پا لیا کھویا، جس نے کھو دیا پایا

سیماب کہتے ہیں کہ آپ "دل" "دل" کیا کرتے ہیں معیار کو ذرا اور بلند کیجئے اور یوں کہئے۔

غالب ۵ — سُن اے غارتگرِ جنسِ وفا سُن　　شکستِ قیمتِ دل کی صدا کیا
سیماب ۵ — دلِ آفت زدہ کا مدعا کیا　　شکستِ ساز کیا، اس کی صدا کیا

سلاست زبان محتاجِ بیان نہیں

غالب ۔ نفس موج محیطِ بیخودی ہے — تغافل ہائے ساقی کا گلہ کیا
سیماب ۔ میں اپنے حال سے خود بے خبر ہوں — تمھاری کم نگاہی کا گلہ کیا
سادگی اور صفائی زبان ملاحظہ ہو۔

غالب ۔ دلِ ہر قطرہ ہے سازِ انا البحر — ہم اُس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا
سیماب ۔ مری ہستی مری ہستی نہیں ہے — تمھیں تم ہو تو ذکرِ ماسوا کیا
دونوں ہم معنی شعر ہیں لیکن سیماب کا اندازِ بیان اور سادگیٔ الفاظ کس قدر نادر ہے وہ کہتا ہے کہ "ہم" کی ضرورت ہی نہیں، جب ہم اُس کے ہوگئے تو پھر "ہم" کیا؟

غالب ۔ تنگیٔ دل کا گلہ کیا یہ وہ کافر دل ہے — کہ اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشاں ہوتا
سیماب ۔ چند اجزائے پریشاں سے تھی میری ترکیب — اب نہ ہوتا تو پسِ مرگ پریشاں ہوتا
سیماب کہتے ہیں کہ "دل" کیا میری ترکیب ہی جب اجزائے پریشاں سے ہے تو، صرف "دل" کے پریشان ہونے کا کیا گلہ ہے۔ اگر آج نہ پریشان ہوتا تو بعد مرگ ہوتا۔

غالب ۔ جاتا ہوں داغ حسرتِ ہستی لئے ہوئے — ہوں شمع کشتہ درخورِ محفل نہیں رہا
سیماب ۔ ویراں ہے دل کہ تیرے تصور سے بُعد ہے — یہ آئینہ بھی درخورِ محفل نہیں رہا
سیماب کی بلند پروازی الفاظ سے ظاہر ہے۔

غالب ۔ بیدادِ عشق سے نہیں ڈرتا مگر اسدؔ — جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا
سیماب ۔ ممنون ہوں تری نگہِ دل نواز کا — اے دوست شکریہ، اگر اب دل نہیں رہا
طرزِ ادا لاجواب ہے، زبان کا تو کچھ کہنا ہی نہیں۔

غالب ؎ گو میں رہا رہینِ ستمہائے روزگار لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا
سیماب ؎ بیدار اُس کا حسن رہا چشم خواب میں مجھ سے تو نیند میں بھی وہ غافل نہیں رہا

شعر میں بیّن فرق ظاہر ہے۔ ایک عاشق اگر تکلیف و مصیبت میں ہی معشوق کو یاد نہیں رکھ سکتا تو وہ عاشق کہے جانے کا مستحق نہیں اس لئے یہ کوئی خوبی نہیں۔

سیماب کہتا ہے کہ معشوق کے دل میں عاشق کا کسی طرح سہی مگر خیال ضرور ہے اور اس وجہ سے اس کا حسن بیدار ہے تا کہ وہ حفاظت کرے اور خود وہ محو خواب ہے۔

غالب ؎ رخصتِ نالہ مجھے دے کہ مبادا ظالم تیرے چہرے سے ہو ظاہر غم پنہاں میرا
سیماب ؎ مجھے پروائے تغافل نہیں شکوہ یہ ہے کہ ترے علم میں کیوں ہے غم پنہاں میرا

غالب فقط غم پنہاں کے ظاہر ہونے کا ڈر ظاہر کر رہے ہیں۔ سیماب کہتا ہے کہ غم اور خوشی کا ظاہر ہونا کیا؟ سرے سے میرا غم تم جانتے ہی کیوں ہو؟ یعنی اُس کا شکوہ ہے

غالب ؎ بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا
سیماب ؎ خاک سے پاکے نمو خاک میں پنہاں ہونا سچ تو یہ ہے کہ عجب کھیل ہے انساں ہونا

ایک "انسان" کے لفظ سے غالب جس دشواری کو ظاہر کرنا چاہتے تھے۔ اس کو سیماب نے "کھیل" بنا کر دکھا دیا۔

غالب ؎ عشرتِ قتل گہہ اہلِ تمنا مت پوچھ عید نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا
سیماب ؎ گردِ صحرائے مصیبت کا خدا حافظ ہے چاہتی ہے یہ لباسِ تنِ عریاں ہونا

"عریاں" کا قافیہ اس طرح موزوں ہوگیا تھا کہ اُس کے بعد ایک شگفتہ شعر پیدا ہونا مشکل معلوم ہوتا تھا۔ مگر سیماب نے اس مشکل کو کتنی آسانی سے حل کر دیا۔

غالب ؎ ہے مجھے ابرِ بہاری کا برس کر کھلنا روتے روتے شب فرقت میں فنا ہو جانا
سیماب ؎ جان دینے پہ جسے فخر ہے اس سے کہہ دو کچھ نہ ہونا ہے محبت میں فنا ہو جانا

غالبؔ — اب جفا سے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ — اس قدر دشمن ارباب وفا ہو جانا
سیمابؔ — اسکی قسمت پہ نہ کیوں روئے محبت سیمابؔ — جس کی قسمت میں ہو محروم وفا ہو جانا

سیمابؔ "جفا" کے لئے نہیں روتے بلکہ صرف "وفا" کے لئے روتے ہیں۔ کیونکہ جب "وفا" کا فقدان ہے تو "جفا" کی موجودگی ایک یقینی اور فطری بات ہے۔

غالبؔ — ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا — نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا
سیمابؔ — کبھی خاک ہی میں ملکر مری آرزو نکلتی — جسے آپ نے مٹایا وہ مرا مزار ہوتا

غالبؔ مرکر مزار میں دفن ہونے کو، باعثِ ذلت و رسوائی قرار دیتے ہیں۔ لیکن سیمابؔ دفن ہونے پر اظہار افسوس نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ اگر کاش مجھے خاک میں ملا دیا جاتا تو کم از کم دوست کی ٹھوکریں کھانے کی ہوس تو پوری ہو جاتی۔

غالبؔ — اے عافیت کنارہ کر اے انتظار چل — سیلاب گریہ درپئے دیوار و در ہے آج
سیمابؔ — حسرت مقابلہ کی ہے ابر بہار سے — کتنا بلند حوصلۂ چشمِ تر ہے آج

غالبؔ سیلاب گریہ سے اظہار خوف کرتے ہیں لیکن سیمابؔ اظہارِ نشاط۔

غالبؔ — مجھے اب دیکھکر ابر شفق آلودہ یاد آیا — کہ فرقت میں تری آتش برستی تھی گلستاں پر
سیمابؔ — لہو میں نے لکھا تھا جو کچھ دیوارِ زنداں پر — وہ بجلی بن کے چمکا دامنِ صحنِ گلستاں پر

غالبؔ — غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بیش از یک نفس — برق سے کرتے ہیں روشن شمع ماتم خانہ ہم
سیمابؔ — غم کی تاریکی میں خود جلکر لگالیں کیوں نہ آگ — خود بھڑک کر کیوں نہ بنجائیں چراغ خانہ ہم

سیمابؔ کہتا ہے کہ سبحان اللہ۔ اپنے ماتم خانہ کی شمع کو ہم برق سے کیوں روشن کریں۔ ہم خود ہی کیوں نہ جل کر آگ لگالیں؟ مگر نہیں پھر وہ کہتا ہے کہ یہ بھی غلط۔

کیوں در و دیوار بھی ہوں واقفِ حالِ تباہ — توڑ دیتے ہیں چراغِ شامِ ماتم خانہ ہم

خلوتِ غم میں چراغ کی ضرورت ہی نہیں۔ اس لئے کہ روشنی سے افشائے حال کا اندیشہ ہے۔

آگے چلکر سیمابؔ اور غالبؔ کے خیال میں وسعت و بلندی کا فرق دیکھئے:۔

غالبؔ ؎　رنج کا خوگر ہوا انساں تو مٹجاتا ہے رنج　مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہوگئیں
سیمابؔ ؎　عشق کی دشواریاں ہیں حاصلِ ناممکنات　مشکلیں ہی وہ نہ تھیں شاید جو آساں ہوگئیں

غالبؔ ؎　سب کہاں کچھ لالہ و گُل میں نمایاں ہوگئیں　خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہوگئیں
سیمابؔ ؎　چھپنے والی صورتوں کو دے نہ الزام حجاب　خاک میں کردی گئیں پنہاں کہ پنہاں ہوگئیں؟

غالبؔ ؎　یں چمن میں کیا گیا گویا دبستاں کھل گیا　بلبلیں سنکر مرے نالے غزلخواں ہوگئیں
سیمابؔ ؎　تیرے دیوانے نے چھیڑا سازِ غم کچھ اسطرح　جھوم کر زنداں کی دیواریں غزلخواں ہوگئیں

اگر بلبلیں غزلخواں ہوگئیں تو کونسی نئی بات ہوئی؟ بلبلیں تو غزلخواں ہوتی ہی ہیں مگر جب زنداں میں سازِ غم چھیڑا تو وہاں کی دیواریں تک جھومکر غزلخواں ہوگئیں۔

غالبؔ ؎　یونہی گر روتا رہا غالبؔ تو اے اہلِ جہاں　دیکھنا اِن بستیوں کو تم کہ ویراں ہوگئیں
سیمابؔ ؎　کثرتِ تعمیرِ عالم وجہہ بربادی ہوئی　بڑھ گئیں آبادیاں اتنی کہ ویراں ہوگئیں

سیمابؔ کہتے ہیں کہ بستیوں کی ویرانی کا سبب سیل گریہ نہیں ہے بلکہ آبادی کا بڑھ جانا ہے۔ اس فلسفے پر غور فرمایئے۔

غالبؔ ؎　جانا پڑا رقیب کے در پر ہزار بار　اے کاش جانتا نہ تری رہگذر کو میں
سیمابؔ ؎　خلوت کو اپنی مشرقِ سجدہ بناؤں گا　لیجاؤں گا اُٹھا کے تری رہگذر کو میں

سیمابؔ کہتا ہے کہ تیری رہگذر تک جانے کے لئے مجھے ذلت و رسوائی برداشت کرنے کی کیا ضرورت ہے کہ میں اس طرح رقیب کے در پر ہزاروں بار جاؤں میں تری رہگذر ہی کو نہ اُٹھا کے اپنی خلوت میں رکھلونگا کہ نہ تو جانیکی زحمت گوارا کرنی پڑے اور نہ ذلت نصیب ہو!

غالبؔ ؎　چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کیساتھ　پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں
سیمابؔ ؎　ہے مدعئ گم شدگی راہ کوئے دوست　کھو جاؤں یا تلاش کروں راہبر کو میں

سیماب اس قدر مردم شناس نہیں کہ وہ راہبر کو نہ پہچانے مگر وہ اس شش و پنج میں ہے کہ راہِ کوئے دوست خود گم شدگی کی مدعی ہے۔ اس لئے راہبر کو تلاش کرے یا نہ کرے۔

غالب ؎ پھر بیخودی میں بھول گیا راہ کوئے دوست　　جاتا وگرنہ ایک دن اپنی خبر کو میں

سیماب ؎ کھو کر تری گلی میں دلِ بے خبر کو میں　　فکرِ خودی سے چھوٹ گیا عمر بھر کو میں

غالب کی بیچارگی اور سیماب کی مطمئن قلبی اظہر من الشمس ہے

غالب ؎ وائے محرومیٔ تسلیم و بد احوالِ وفا　　جانتا ہے کہ ہمیں طاقتِ فریاد نہیں

سیماب ؎ عزمِ فریاد نہیں اے دلِ ناشاد نہیں　　مسلکِ اہلِ وفا ضبط ہے فریاد نہیں

غالب ؎ کم نہیں جلوہ گری میں ترے کوچے سے بہشت　　یہی نقشہ ہے ولے اسقدر آباد نہیں

سیماب ؎ آہ غم خانۂ غربت کی جنوں سامانی　　ہے جہاں تک مری دُنیا کوئی آباد نہیں

اوّل تو جب بہشت کی حقیقت معلوم ہے تو پھر کوچہ یار کو بہشت سے تشبیہ دینا غلط۔ ثانیاً بہشت غیر آباد نہیں ہوتی ہر قسم کی آبادی ہی کا تو نام بہشت ہے۔ اس لئے سیماب کہتا ہے ہم اپنے غم خانۂ غربت ہی کی جنوں سامانی اور آبادی کا کیوں نہ تذکرہ کریں اور نادیدہ بہشت کو خواہ مخواہ کیوں درمیان میں لائیں۔

غالب ؎ کرتے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت غالب　　تم کو بے مہریٔ یارانِ وطن یاد نہیں

سیماب ؎ انھیں بکھرے ہوئے پھولوں میں ہمارا دل تھا　　تجھے اے خانہ برانداز چمن یاد نہیں

غالب چونکہ غربت میں تھے اس لئے یارانِ وطن کے شاکی تھے اور وہ اسی کا رونا روتے رہے مگر سیماب کو اسطرف سے اطمینان ہے اس لئے وہ صرف اپنے "دل" کے لئے روتے ہیں اس کے علاوہ غالب کے شعر میں جو خشکی ہے وہ سیماب کے شعر میں مفقود ہے اور سلاست و روانگی کا تو خیر کہنا ہی کیا ہے۔

غالب ؎ حسن اور اس پہ حسنِ ظن رہ گئی بوالہوس کی شرم　　اپنے پہ اعتماد ہے غیر کو آزمائے کیوں

سیماب ؎ کیوں نہ ازل میں ہو گئے ضبط و وفا کے فیصلے　　حسن اگر ہو مطمئن عشق کو آزمائے کیوں

غالب حُسن کو مطمئن قرار دیکر کہتے کہ اسے حُسنِ ظن ہے وہ کیوں نہ مانے لگا مگر سیماب کہتے ہیں کہ ہرگز نہیں اگر ایسا ہوتا تو پھر ازل ہی میں یہ فیصلہ ہو جاتا کہ "حسن مطمئن ہے اس لئے عشق کو نہ آزمائے" مگر ایسا نہ ہوا اسی کے معنی ہی یہ ہیں کہ حسن مطمئن نہیں ہے اور اس غیر اطمینانی کی وجہ سے عشق کو آزماتا ہے۔

غالب ؎ قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں　　موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

سیماب ؎ غم تھا اگر نہ سازگار، موت نہ تھی جو خوشگوار　　آدمی بنکے وارثِ بزمِ جہاں میں آئے کیوں

سیماب کہتا ہے کہ غم اور موت دونوں ایک انسان کے لئے لازمۂ حیات ہیں۔ اس لئے اگر ان دونوں سے پرہیز ہی تھا تو پھر انسان کیوں بنے؟

غالب ؎ کب سے ہوں کیا بتاؤں جہانِ خراب میں شبہائے ہجر کو بھی رکھوں گر حساب میں

سیماب ؎ جتنے ستم کئے تھے کسی نے عتاب میں وہ بھی ملالئے کرم نے حساب میں

یہ کتنی اچھی نہیں کیونکہ شبِ ہجر کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ پھر اس کا تعین کس طرح ہو سکتا ہے؟ بہتر ہوگا کہ اس شمار کے لئے کرم اور ستم کی یکجائیت عمل میں لائی جائے تاکہ اس کے شمار میں کوئی دقت نہ ہو۔ جب ایک کام آسانی سے بھی نکل سکتا ہے تو خواہ مخواہ مشکل میں پڑنے کی کیا ضرورت؟

غالب ؎ تا پھر نہ انتظار میں نیند آئے عمر بھر آنے کا عہد کر گئے آئے جو خواب میں

سیماب ؎ تقدیر ہی کسی کی بنا تا خدا مجھے آتا میں جاگنے کو تری بزمِ خواب میں

دونوں اشعار اپنی اپنی رفعت و بلندی میں بے مثل ہیں۔ ان کی وضاحت شعر کی خوبی کو غارت کر دیگی۔ اس لئے میں دانستہ نظر انداز کرتا ہوں۔

غالب ؎ وہ سحرِ مدعا طلبی میں نہ کام آئے جس سحر سے سفینہ رواں ہو سراب میں

سیماب ؎ اُٹھا ہے ابرِ میکدہ دستِ دعا کیساتھ اتنی برس پڑے کہ نہالوں شراب میں

سیماب کا شعر سلاست و روانگی میں بے مثل ہے اور غالب کا شعر اپنی فارسیت کی وجہ سے ایک گورکھ دھندا ہو کر رہ گیا ہے۔

غالب ؎ وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں سبک سر بن کے کیا پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو

سیماب ؎ یہ بیچینی یہ بے کیفی یہاں کیوں ہو وہاں کیوں ہو جو سرشارِ محبت ہو تو دنیا سرگراں کیوں ہو

غالب کی خودداری مسلم لیکن سیماب کا بیساختہ پن اور خیال کی وسعت بھی تو ملاحظہ ہو۔

غالب ؎ قفس میں مجھ سے رودادِ چمن کہتے نہ ڈر ہمدم گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

سیماب ؎ قفس اور آشیاں پستی و بالا کے نمونے ہیں قفس میں کوئی رہکر بے نیازِ آشیاں کیوں ہو

معنوی خوبیوں کے لحاظ سے سیماب کا شعر کہیں بلند ہے۔

غالب ؎ وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا تو پھر اے سنگ دل تیرا ہی سنگِ آستاں کیوں ہو

سیماب ؎ جبیں ہم جس جگہ رکھدیں گے اک کعبہ بنالیں گے سلامت ذوقِ سجدہ آپ ہی کا آستاں کیوں ہو

دونوں شعر ہم معنی ہیں لیکن ملاحظہ کیجئے۔ غالب کے یہاں بجز اس رعایت کے کہ "سنگ دل" کا "سنگِ آستاں" کہا ہے اور کوئی ندرت نہیں بلکہ سراسر مجنونانہ شعر معلوم ہو رہا ہے۔ برخلاف اس کے سیماب کا شعر دیکھئے "اُس نے" "سر پھوڑنے" جیسے ثقیل لفظ کو "سجدہ" جیسے لطیف لفظ میں اور "تیرا" جیسے رکیک لفظ کو "آپ" جیسے مہذب لفظ میں تبدیل کر دیا اور اس صورت سے شعر کو فرش سے عرش پر پہونچا دیا ہے۔

غالب ؎ وائے واں بھی شورِ محشر نے نہ دم لینے دیا ۔ لے گیا تھا گور میں ذوقِ تن آسانی مجھے

سیماب ؎ دیکھئے انجام دورِ غم جنوں ہو یا سکوں ۔ عشق ہے صبر آزما، فکرِ تن آسانی مجھے

غالب کا شعر نہایت عمدہ سہی لیکن "گور" میں "شورِ محشر" کیسا؟ اور "دم لینے" کو تن آسانی سے کیا مناسبت؟ ان غرائب سے بچنے کے لئے سیماب نے دورِ غم کو لیا ہے اور اک بات پیدا کرلی ہے۔

غالب ؎ رفوئے زخم سے مطلب ہے لذتِ زخمِ سوزن کی ۔ سمجھیو مت کہ پاسِ درد سے دیوانہ غافل ہے

سیماب ؎ الٰہی غفلتِ عالم کو رنگِ ہوشیاری دے ۔ کہ تو غافل نہیں دنیا سے دنیا تجھ سے غافل ہے

دورِ جدید اور دورِ قدیم کا رنگ صاف ظاہر ہے

غالب ؎ ہجومِ غم سے یاں تک سرنگونی مجھ کو حاصل ہے ۔ کہ تارِ دامن و تارِ نظر میں فرق مشکل ہے

سیماب ؎ کمالِ علم و تحقیق مکمل کا یہ حاصل ہے ۔ ترا ادراک مشکل تھا ترا ادراک مشکل ہے

غالب تارِ دامن نہیں چھوڑتے لیکن سیماب کی بلند پروازی دامن چھڑا کر اسے بہت بلند لیجاتی ہے۔

غالب ؎ ہے وصل ہجر عالمِ تمکین و ضبط میں ۔ معشوق شوخ و عاشق دیوانہ چاہئے

سیماب ؎ اے جاننے والے نجد کے لازم ہے ترکِ ہوش ۔ کچھ احترامِ تربتِ دیوانہ چاہئے

غالب کے شعر میں کوئی ایسی خوبی نہیں وہ وصل و ہجر کا انحصار صرف معشوق کی چستی و شوخی اور عاشق کی دیوانگی پر سمجھتے ہیں مگر سیماب کا معیار بلند ہے وہ جدید رنگِ تغزل کا شیدائی ہے۔ اِس لئے اس نے "دیوانہ" کے قافئے کو جدید رنگ میں بڑی خوبصورتی سے رنگ دیا ہے۔

غالب ؎ گرچہ ہے کس کس برائی سے ولے بایں ہمہ ۔ ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

سیماب ؎ سب تجھی کو پوچھنے آتے ہیں بزمِ ناز میں ۔ کوئی میرا پوچھنے والا بھی اس محفل میں ہے

غالب کہتا ہے کہ برائی ہی سے سہی مگر میرا نام تو اس محفل میں لیا جارہا ہے۔ اس لئے میرا ذکر مجھ سے اچھا ہے لیکن سیماب کہتا ہے کہ بُرے ہی طریقے سے سہی مگر جب آپ کا نام لیا جارہا ہے تو پھر اُس کے معنی یہ ہوئے کہ آپ کا خیال معشوق کے دل میں کچھ نہ کچھ ضرور ہے تو یہ شانِ معشوقیت کے خلاف ہے۔ مجھکو دیکھئے کہ میں محفل میں موجود ہوں مگر وہ تو وہ، جو لوگ باہر سے آتے ہیں وہ بھی مجھے نہیں پوچھتے بلکہ اسی کو پوچھتے ہیں اور یہی بے نیازی و بیگانگی محفل کی شان ہے

غالب ؎ ہے دلِ شوریدۂ غالب طلسمِ پیچ و تاب ۔ رحم کر اپنی تمنا پر کہ کس مشکل میں ہے

سیماب ؎ تنگنائے دل میں گھٹتی ہے نکل سکتی نہیں ۔ آرزو کے ساتھ تیری یاد بھی مشکل میں ہے

غالب کے شعر میں بڑے بڑے الفاظ تو بہت ہیں، لیکن معنی کم ہیں برخلاف اس کے سیماب کے شعر میں الفاظ سیدھے سادھے اور معنی زیادہ ہیں اس کے علاوہ غالب اپنے آخری مصرع میں صرف "تمنا" کی شکل کا اظہار کرتا ہے اور سیماب نے "آرزو" کے ساتھ "یاد" کو بھی شامل کرکے شعر کو بلند کر دیا ہے

غالب ؎ دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی مرے دل میں ہے
سیماب ؎ جوشِ غم، ہنگامۂ حسرت! ہجوم آرزو آپ کیا دل میں ہیں اک دُنیا کی دُنیا دل میں ہے

غالب کا یہ شعر بہت مشہور ہے۔ وہ معشوق کے متعلق کہتا ہے کہ اُس نے جو بات کہی اس کو میں نے یہ جانا کہ وہ میرے دل میں ہے لیکن سیماب کا شعر اس سے کہیں بلند ہے وہ کہتا ہے کہ کیا وقت نظری ہے ارے صاحب! جب وہ خود میرے دل میں ہے موجود تو پھر اُس کی تقریر کیا، ساری دنیا کی دنیا میرے دل میں ہے

غالب ؎ نظارہ کیا حریف ہو اُس برقِ حُسن کا جوشِ بہار جلوہ کو جس کی نقاب ہے
سیماب ؎ پرتو سے ہر نگاہ کو اک اضطراب ہے بدلی کی دھوپ جلوۂ زیرِ نقاب ہے

غالب کے شعر میں سراسر درد ہے اس کے علاوہ انھوں نے نقاب کو مؤنث استعمال کیا ہے۔ سیماب نقاب کو مذکر استعمال کرتا ہے مگر وہ غالب کی تکذیب بھی کرنا نہیں چاہتا اس لئے۔ نہایت خوبصورتی سے مذکر مونث کے جھگڑے ہی کو ختم کر دیتا ہے[۵]۔ مضمون کی شگفتگی کا تو کچھ کہنا ہی نہیں۔ شعر بالکل سانچے میں ڈھلا ہوا ہے۔

غالب ؎ ناکامیٔ نگاہ ہے برقِ نظارہ سوز تو وہ نہیں کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی
سیماب ؎ ایمن کا ذرّہ ذرّہ حریفِ کلیم ہے مقصد یہ ہے کہ قصدِ تماشا کرے کوئی

دورِ جدید اور دورِ قدیم کا فرق صاف ظاہر ہے۔

غالب ؎ سر بر ہوئی نہ وعدۂ صبر آزما سے عمر فرصت کہاں کہ تیری تمنا کرے کوئی
سیماب ؎ ہر شخص ہے خرابِ تمنا بقدرِ ذوق سیماب کس لئے عرضِ تمنا کرے کوئی

غالب ؎ بیضہ آسا ننگ بال و پر ہے یہ کنجِ قفس از سرِ نو زندگی ہو گر رہا ہو جایئے
سیماب ؎ شرطِ آزادی اسیری جب مسلّم ہو چکی توڑیئے پھر کیوں قفس کو کیوں رہا ہو جایئے

غالب کہتے ہیں کہ ہم رہا ہو جائیں گے تو نئی زندگی ہو گی۔ لیکن سیماب کہتا ہے کہ کیا خوب! جب اسیری شرطِ آزادی ہے تو پھر رہا ہونے کی ضرورت ہی کیا ہے۔

---

[۵] مولانا کے یہاں انفرادی طور پر بھی "نقاب" مذکر ہے۔ ایڈیٹر

غالبؔ ؎ اے عندلیب یک کفِ خس بہرِ آشیاں / طوفانِ آمد آمدِ فصلِ بہار ہے

سیمابؔ ؎ لائی ادھر نسیم نویدِ بہار کیوں / کس کو یہاں دماغِ نشاطِ بہار ہے

جس بہار کو غالبؔ باعثِ صد نشاط سمجھتے ہیں سیمابؔ کے نزدیک اُس کی کوئی حقیقت نہیں وہ اس سے بالکل بے نیاز ہے۔

غالبؔ ؎ بے پردہ سوئے وادیٔ مجنوں گذر نہ کر / ہر ذرّہ کے نقاب میں دل بیقرار ہے

سیمابؔ ؎ دل ہے کہ اور کچھ مرے پہلو میں کیا خبر / اتنا سمجھ رہا ہوں کوئی بیقرار ہے

غالبؔ کے شعر میں سراسر مبالغہ اور سیمابؔ کے شعر میں بالکل حقیقت کارفرما ہے اور یہی ہے رنگِ قدیم اور رنگِ جدید کا فرق۔

یہ رنگ تو آپ ملاحظہ کر چکے اب ذرا دوسرے رنگ میں دو شعر ملاحظہ ہوں۔

غالبؔ ؎ ترے وعدہ پر جئے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا / کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

سیمابؔ ؎ مجھ کو ہے تیرا انتظار اس لئے ہوں میں بیقرار / گر نہ ہو تجھ پہ اعتبار صبر پھر آنہ جائے کیوں

غالبؔ معشوق کے اس وعدے کو کہ "ہم آئیں گے" جھوٹ سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر ہمیں اس وعدے کی سچائی کا یقین ہوتا تو ہم شادی مرگ ہو جاتے۔ میری زندگی کی وجہ صرف یہ ہے کہ میں نے اُس کو جھوٹ سمجھا۔ لیکن سیمابؔ کہتا ہے کہ قطعی غلط میں نے تیرے وعدے کو صحیح سمجھا اور میں اب تک تیرے انتظار میں ہوں ورنہ اگر تجھ پر اعتبار نہ ہوتا تو مجھے کبھی کا صبر آگیا ہوتا۔

غالبؔ ؎ اپنے پہ کر رہا ہوں قیاس اہلِ دہر کا / سمجھا ہوں دلپذیر متاعِ ہنر کو میں

سیمابؔ ؎ سیمابؔ ہم میں عیبِ ہنر خود ہیں بے حساب / ہم کیا کسی کے عیبِ ہنر پر نظر کریں

غالبؔ کہتا ہے کہ میں ہنر کو اچھا سمجھتا ہوں اور اس لئے ساری دنیا کے متعلق میرا یہی خیال ہے لیکن سیمابؔ کہتا ہے کہ ہم دوسروں کا عیبِ ہنر دیکھنے والے کون؟ ہم میں خود ہی عیبِ ہنر کافی ہیں ہم دوسروں کا عیبِ ہنر کیا دیکھیں گے؟

ایک اور رنگ بھی ملاحظہ ہو۔

غالبؔ ؎ ہے غیب غیب جس کو سمجھتے ہیں ہم شہود / ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں

سیمابؔ ؎ دنیا ہے خواب حاصلِ دنیا خیال ہے / انسان خواب دیکھ رہا ہے خیال میں

غالبؔ ؎ آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں / غالبؔ صریرِ خامہ نوائے سروش ہے

سیمابؔ ؎ سیمابؔ میں جنت میں جب شعر بہ لب پہونچا / اک شور ہوا برپا مہمانِ سروش آیا

اس موازنہ سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ سیمابؔ درحقیقت غالبؔ کا صحیح جانشین ہے اور اگر غالبؔ کی طرف سے اُس حسنِ ظن کو جو ہمیں کچھ حقیقت سے بڑھ کر پیدا ہو گیا ہے۔ ہٹا کر رنگِ جدید اور رنگِ قدیم پر بھی غور کریں تو اس جگہ سیمابؔ کا

پلہ بھاری نظر آتا ہے۔ رہیں کمزوریاں تو اس کے متعلق بھی سن لیجئے۔

غالب خیالات کی بلندی میں اپنا جواب نہیں رکھتا مگر پھر بھی اُس کے کلام میں بعض وہ فرسودہ خیالات ملتے ہیں جو اس وقت کے طرۂ امتیاز تھے مثلاً یہ شعر ؎

لاغر اتنا ہوں کہ گر تو بزم میں جا دے مجھے　　میرا ذمہ دیکھ کر گر کوئی بتلا دے مجھے

اس قبیل کا ہے اور اس کی وجہ محض یہ تھی کہ اسوقت کی روش یہی تھی۔ میر کو دیکھئے کہ اُس نے اپنے وقت میں لوگوں کی مروجہ راہ کو چھوڑ کر گو اپنی راہ الگ قائم کی تھی مگر پھر بھی اس میں اس دور کی جھلک پائی جاتی ہے۔ اسی طرح غالب نے بھی اپنا اسکول الگ قائم کیا۔ مگر وہ موجودہ دور کے اثر سے نہ بچ سکے جس کی مثال اوپر گذری اور اسی طرح سیماب نے بھی عام روش سے ہٹ کر اپنا رنگ اور رستہ گو الگ نکالا مگر وہ بھی اس رنگ سے نہ بچ سکے جو اس وقت موجود ہے ان کا یہ شعر ؎

سبزۂ مینائی پر سینے سے ہیں ابھرے ہوئے　　ہے شبابِ صبحِ گلشن چند کلیوں کی اُمنگ

گو چنداں تبذل نہیں مگر اسی قبیل کا کہا جائیگا۔ جس کی وجہ محض فضا کا مطالبہ ہے۔ لیکن کسی نوع بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ غالب کا صحیح جانشین ہے اور اس لئے اس کا یہ دعویٰ کہ ؎

اکبر آبادی ہوں اے سیماب میرے شعر میں　　رنگ غالب کا ہے شوخی ہے زبانِ میر کی

بالکل حق بجانب ہے۔

آخیر میں میں یہ بھی لکھ دینا چاہتا ہوں کہ یہ سب میرے ذاتی خیالات ہیں جو دوسروں کے لئے حجت نہیں بن سکتے اور نہ یہ ہے کہ میں سیماب کا شاگرد ہوں اور محض حسنِ عقیدت کی بنا پر ایسا لکھ رہا ہوں۔ بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ میرے نزدیک کسی اہل کی اہلیت کا اعتراف نہ کرنا سراسر بے ایمانی ہے اور محض کسی ایک نقص کی وجہ سے اُس کے سارے محاسن کو نظر انداز کر کے انصاف کا خون کرنا ہے۔ اور بعید از دانشمندی ہے۔ سیماب اگر اقبال پر تنقید کرتے ہیں تو یہ اُن کا ذاتی خیال ہے اور اس میں کسی کا اجارہ نہیں۔ اسی طرح اگر جناب آثر اور جناب نیاز سیماب پر تنقید کرتے ہیں تو یہ بھی ان لوگوں کا ذاتی خیال ہے اور کسی کی زبان نہیں پکڑی جا سکتی ہر شخص کا دماغ اور خیال جداگانہ اور آزاد ہے وہ جس کے متعلق جو چاہے اپنا خیال قائم کرے۔ میرا مسلک تو صرف یہ ہے کہ اہلِ کمال کے کمالات کا اعتراف ضرور کرنا چاہئے۔ وہ اقبال ہوں یا سیماب، جوش ہوں یا نیاز۔ اقبال نے بالکل صحیح کہا ہے۔

اقبال لکھنؤ سے نہ دلی سے ہے غرض
ہم تو اسیر ہیں خمِ زلفِ کمال کے

عطا اللہ پالوی

نوائے فراق

تو نے کب ایسی بیوفائی کی　　بات الگ ہے غم جدائی کی

تجھ تک آنا بھی اک گماں ٹھہرا　　رہ گئی شرم نارسائی کی

تیری بیگانگی کا کیا کہنا　　یہ ادا عالم آشنائی کی!

کوئی افسانہ چھیڑ تنہائی　　رات کٹتی نہیں جدائی کی

سبق آموزِ صبر اک کروٹ　　تھی مریضِ غمِ جدائی کی

جلوۂ ہستیِ جہاں کیا تھا　　اک ادا تیری خودنمائی کی

ایک تصویر ہے کوئی مہجور　　آپ کے جورِ انتہائی کی

موت کا ہو رہا ہے کچھ کچھ علم　　رات ہے یار سے جدائی کی

ایک تصویر تھی وصال کی رات　　آپ کے لطف انتہائی کی

ہم سے کیا ہو سکا محبت میں　　تو نے تو خیر بے وفائی کی

نزع میں یاد اُس کی آئی فراق
عمر بھر جس نے بے وفائی کی

فراق گورکھپوری

طرزِ نگارش ـــــ زبان و طرزِ بیاں کی خامیاں اور اُنکی اصلاح

اُردو زبان کے تمام مصنفین اور ادبا کو دعوتِ غور و فکر (تیرہویں قسط)

"طرزِ نگارش" کے ذیل میں تفصیلاً لکھنے لکھانے سے باز رہنے کا وعدہ کرنے کے بعد بھی میں کچھ نہ کچھ لکھنے کے لئے مجبور ہوں۔ اُمید کہ قارئینِ گرامی اور "چراغ پا" ہو جانے والے حضرات میری اس گستاخی کو معاف فرمائیں گے۔

آج میں دو چار باتیں بہت دلچسپ کہنا چاہتا ہوں خصوصاً ان لوگوں سے جو خود پرستی و خودروی کے زعم میں اپنی آنکھ کا شہتیر تو دیکھتے نہیں البتہ دوسروں کی آنکھ کا تنکا انھیں کھٹکتا ہے اور پھر ایک وجہ یہ بھی ہے کہ (مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات) طرزِ نگارش کی گرفت پر ایسے ایسے "جید" لکھنے والے برکے جا چکے ہیں۔ جن کے "شہ پاروں" سے اغلاط کا پیش کرنا گویا خدا کے کلام میں غلطی نکالنا ہے مگر جو خدمت میں اپنے ذمہ فرض کر چکا ہوں اُس کی تکمیل برابر ہو رہی ہے اور انشاء اللہ برابر ہوتی رہے گی۔

ہندوستان کے بعض ممتاز رسالے ہر اعتبار سے کامیابی کے ساتھ نکل رہے ہیں اور تجارتی حیثیت سے بھی ان کا یہ "بزنس" بہت غنیمت ہے۔ لیکن ماتم یہ ہے کہ غلط مضامین ان میں بھی شایع ہوتے ہیں اور اُن سے منتخب کی ہوئی بہت سی غلطیاں اب تک پیش بھی کی جا چکی ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اصلاحِ زبان کی ذمہ داری زیادہ تر ایسے ہی حضرات پر عائد ہوتی ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ سب سے زیادہ لاپرواہی حضرات ہیں۔ اس لاپروائی کی جو وجہ اب تک میں سمجھ سکا ہوں وہ یہ ہے کہ "اردو مٹے یا بنے ہمارا بزنس تو کامیابی سے چل رہا ہے" یا دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ "اُردو زبان کی خامیوں کی اصلاح کے چکر میں پڑ کر اس ذمہ داری کو اپنے سر کیوں لیا جائے" غرضکہ ایسی ہی اور بھی چند توجیہات ہو سکتی ہیں۔ لیکن میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے کامیاب معاصرین کا یہ فیصلہ کس حد تک قابلِ تسلیم ہو سکتا ہے؟

میں بارہا التدعا کر چکا ہوں کہ اگر تمام مدیران رسائل مضامین کی کتابت سے پہلے اُن پر ایک نگاہ ڈال لیا کریں تو اردو نگارش فنی اور طرزِ بیاں کی خامیوں سے محفوظ ہو سکتی ہے۔ مگر ادبی تغافل گاہوں میں اس کڑوی صدا کی طرف سے سب نے اپنے کان پھیر لئے اور اس کی وجہ ہے جو میں اوپر بیان کر چکا ہوں۔

اب دلچسپ بات یہ ہے کہ ایسے حضرات نہ تو خود کچھ کرنا چاہتے ہیں اور نہ دوسروں کی خدمات کو ٹھنڈے دل سے دیکھتے ہیں۔ اور اپنے زعمِ باطل کے تحت میں نکتہ چینی کرتے رہتے ہیں۔ ان حالات کے دیکھتے ہوئے کوئی امید نہیں کی جا سکتی کہ "اردو" ان لوگوں کی بے نیازی سے محفوظ رہ سکے گی یا اغلاط سے پاک ہو کر اپنے لئے ایک صحیح شاہراہ قائم کر سکے گی۔

اس مرتبہ بعض ممتاز رسائل سے جو غلطیاں پیش کر رہا ہوں اُنھیں ملاحظہ فرمائیے اور مجھے بتائیے کہ کیا ایسی غلطیوں کو مروج کرنے سے اُردو ترقی کر سکتی ہے اور کیا ایسی مبتذل غلطیوں سے بچنے کی طرف ہمارا توجہ دلانا خدمتِ اُردو نہیں ہے؟

زبان و بیان کی خامیاں	تصحیح	تصریح
یہ طرف اوپر[۵۱] رہے	یہ رُخ اوپر رہے	۵۱ سبحان اللہ کیا اُردو ہے
میں نے ایک دو[۵۲] نداق بھی کئے	میں نے ایک دو مرتبہ نداق بھی کیا۔	۵۲ طرزِ نگارش کی ایسی ہی غلطیاں اُردو کو تباہ کر رہی ہیں۔
مرحوم خاتون کی جا[۵۳] بجا ہوئی تھی	مرحوم خاتون کی قائم مقام ہوئی تھی	۵۳ ایسی اُردو لکھنے والوں پر اللہ رحم کرے۔
بلند خیالی کی بنا پر کڑی مصائب اُٹھاتے ہیں۔	بلند خیالی کی بدولت شدید مصائب برداشت کرتے ہیں	
قوم کو ترقی کے افق پر لے جاتے ہیں۔	قوم کو بامِ ترقی تک پہونچا دیتے ہیں۔	
اس کو ایذا دینے کا کیا فائدہ	اسے تکلیف پہونچانے سے کیا فائدہ	
میں نے اپنا زور لگا دیا۔	میں نے اپنی تمام کوشش ختم کر دی	
عمر بھر کے لئے آپ کی ممنون ہو جاؤنگی	عمر بھر آپ کی ممنون رہوں گی	
اپنی ماں کی تکلیفات[۵۴] یاد آرہی ہیں	اپنی ماں کی تکالیف یاد آرہی ہیں	۵۴ ہمارے مشہور ادبا کی "تکلیفات" ملاحظہ فرمائیے
جب وہ باتیں کر رہی ہوتی ہے۔	جب وہ باتیں کرتی ہوتی ہے۔	
چلّا چلّا کر بات کرنا شروع کیا	چلّا چلّا کر بولنا شروع کیا۔	
نالے کے کیچڑ[۵۵] میں گر کر	نالے کی کیچڑ میں گر کر	۵۵ کیچڑ مؤنث ہے
مجھے کام کی بھرمار ہے	میرے پاس کام کی بھرمار ہے	
میں کئی آوازیں دے تھکی ہوں	میں کئی آوازیں دے چکی ہوں	
موت کو اس کے ساتھ چمٹا[۵۶] کر	موت کو لازمۂ حیات بنا کر	۵۶ کیا ایسی اُردو لکھنے والے قابل معافی ہیں؟
نیند تج کر شب زندہ[۵۷] داری کی	نیند تج کر شب بیداری کی	۵۷ "شب زندہ داری" اور "شب بیداری" کا فرق سمجھئے
نہ صرف ایک کامیاب تاجر تھا بلکہ آدمی[۵۸] بھی تھا	نہ صرف ایک کامیاب تاجر تھا بلکہ انسان بھی تھا	۵۸ سبحان اللہ! کاش یوں لکھدیا ہوتا کہ "جانور" بھی تھا۔
کھیل کود اور شغل[۵۹] میں لگائے رکھتی	کھیل کود اور دوسرے مشاغل لگائے رکھتی	۵۹ آخر یہاں "شغل" کے کیا معنی ہیں میری اس خدمت پر چراغ پا
خاتون حیرت میں پڑ جاتی ہے۔	خاتون متحیر ہو جاتی ہے۔	ہونے والے جواب دیں۔
کسی[۶۰] سواری گذر ہوتی۔	کسی سوار کا گذر ہوتا	۶۰ سوار مذکر ہے
اُنگلی میں ڈلی[۶۱] ہوئی	انگلی میں پہنی ہوئی	۶۱ کیا اُردو ہے۔ خدا انھیں راہِ راست پر لائے۔

نہایت بے رحمی سے سپردِ قلم کر دیا
کھانا کھا چکنے کے بعد
اپنے آپ کو بچانے کی انتہائی قوت سے
اپنے مرکب کو زور سے ایڑھی[۱۲] لگائی
کسی کی بدتعریفی[۱۳] کرتے ہوئے
گانے کے الفاظ کی تو مجھے کچھ سمجھ نہ آئی
حسبِ منشا سامان لگوا سکوں
میرے لئے یہ اچنبھا تھا
میں ناچار واپس ہو آیا۔
یتیم دوشیزہ کو اپنا گھر اور اپنے آپ کو پیش کیا
اپنی ماں کے آگے
آنسو چھپاتے ہوئے بولی
بڑا بھائی اپنی کشتی میں گیا ہوا تھا
ہماری جنت کو دوزخ نہ کر دینا
معاملات یکسو کرونگی
کنارِ سمندر پر[۱۴]
اُس نے ہولے[۱۵] سے
سمندر کے گرجنے[۱۶] نے
جو لوگ اس میں سے برآمد ہوئے
تعلیم کے دوران ہی میں
انہماک و محویت کی حد میں پہونچ جاتا تھا
انھیں کاوٹوں کو نظر کے سامنے رکھہ کے
شور و غل کی طرف توجہ پھیری
فریقین کے درمیان میں ضد کا قدم آچکا تھا
سر بر فلک نور سبز ہوا۔

نہایت بے رحمی سے کاٹ دیا۔
کھانا کھانے کے بعد
اپنے آپ کو بچانے کے لئے انتہائی قوت سے
اپنے مرکب کو زور سے ایڑ لگائی۔
کسی کی بُرائی کرتے ہوئے
گانے کے الفاظ تو میری سمجھ میں نہ آئے
حسبِ منشا سامان رکھوا سکوں
میرے لئے یہ حیران کن تھا
میں مجبوراً واپس چلا آیا
یتیم دوشیزہ کیلئے اپنا گھر اور اپنے آپکو پیش کیا
اپنی ماں کے سامنے
آنسو ضبط کرتے ہوئے بولی
بڑا بھائی اپنی کشتی لے کر گیا ہوا تھا
ہماری جنت کو دوزخ نہ بنا دینا
معاملات کو ہموار کرونگی
سمندر کے کنارے
اُس نے آہستہ سے
سمندر کے شور نے
جو لوگ اسمیں سے باہر آئے
دورانِ تعلیم ہی میں
انہماک و محویت کی حد تک پہونچ جاتا تھا
انھیں کاوٹوں کے پیشِ نظر
شور و غل کی طرف متوجہ ہوا
فریقین میں ضد قائم ہو چکی تھی
بر سرِ فلک نمودار ہوا

۱۲ "ایڑ" "لگائی" تو سنتے آئے ہیں ایڑھی لگائی آج ہی سُنا ہے۔

۱۳ اگر کوئی صاحب یہ سمجھ جائیں کہ یہ غلطی کس رسالے سے لی گئی ہے تو اسے اپنے اُس خط کا جواب سمجھیں جو وہ اپنی ناتجربہ کاری کی بنا پر مجھے لکھہ چکے ہیں اور اپنے رسالے کو اغلاط سے بچانے کی کوشش کریں۔

۱۴ اتنی اہم غلطی کرنے والے ابھی کچھ دن مشق کریں اور اسکے بعد میدان میں آئیں

۱۵ "ہولے سے" فصیح نہیں

۱۶ اہلِ نظر اس غلطی کو سمجھ سکتے ہیں۔

منظر

"ہندوستانی صنعتِ فلم سازی پر ماہانہ ایک نظر"

مرتبہ: منظر اکبر آبادی

امر جیوتی

"کنول کے فلمی ناقد کے قلم سے"

امر جیوتی یا دوسرے لفظوں میں "تجلیٔ حیات" ہندوستان کی مشہور و مقبول فلم کمپنی "پربھات" کا تیار کردہ فلم ہے جس کی ماضیٔ قریب ہی میں نمائش کی گئی ہے۔ اور ہمیں مسرت ہے کہ اس فلم نے پربھات فلم کمپنی کی شہرت اور عظمت کو بدستور قائم رکھا ہے۔ نہ صرف یہ کہ امر جیوتی سے پربھات فلم کمپنی کی وقعت اور عزت میں اضافہ ہوا۔ بلکہ اس فلم میں ہندوستانی فلم انڈسٹری کے جدید رجحانات کا مطالعہ کرنے کے لئے بھی کافی مواد موجود ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہماری فلم انڈسٹری کا موجودہ دور فلم ڈائریکٹروں کے عروج کا دور ہے۔ ہر فلم میں زیادہ سے زیادہ یہ کوشش کی جاتی ہے کہ ڈائریکٹر اپنے کمالات کا مظاہرہ کرے اور یہ مظاہرہ بسا اوقات اس حد تک پہونچ جاتا ہے کہ فلم کی ترکیب و ترتیب کے دوسرے کردار اس مظاہرے کی نذر ہو جاتے ہیں۔ لیکن امر جیوتی نے اس روش کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی ہے۔ اور یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ جس طرح کرکٹ ٹیم میں ہر کھلاڑی کی خدمات اتنی ہی اہم ہیں جتنی کہ کپتان کی اسی طرح ایک فلم ڈائریکٹر افسانہ نویس، کیمرامین۔ مکالمہ نویس ایکٹر اور ایکٹرسوں کی مجموعی خدمات کا نام ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک کا کام، فلم کی کامیابی کے لئے بنیادی پتھر ہوتا ہے۔

دکھایا گیا ہے کہ ایک عورت سوسائٹی کے مروّجہ قوانین کے خلاف بغاوت اختیار کرتی ہے اور سمندری ڈاکوؤں کی سردار بن کر دنیا پر یہ ثابت کرنا چاہتی ہے کہ عورت اسی وقت تک عورت رہتی ہے جب تک اس میں "عورت پن" موجود ہو۔ لیکن جب وہ عورت پن کا جُوا اُتار پھینکے تو ہر میدانِ عمل میں اُس کی حیثیت ایک بپھری ہوئی شیرنی کی سی ہوتی ہے۔ اس نظریے کو سامنے رکھ کر وہ اپنی امیدوں کی شمع روشن کرتی ہے۔ اور اپنے دعوے میں یہاں تک بلند بانگ نظر آتی ہے کہ "مرد" بھی اس کے ارادوں کی راہ کی گرد معلوم ہوتا ہے۔ لیکن کیا وہ اس نظریے میں کامیاب ہو سکی؟

امر جیوتی میں اسی سوال کا جواب دیا گیا ہے۔ اور فلم نگار نے بتایا ہے کہ عورت اپنے کردار سے کتنی ہی دور کیوں نہ چلی جائے "عورت پن" سے کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتی۔

اس بنیادی تخیل کے ساتھ فلم شروع ہوتا ہے۔ اور یک نظر تماشائی کا دل لرزنے لگتا ہے کہ آیندہ کیا ہونے والا ہے۔ ماحول کی ہیبت ناکی فلم شروع ہوتے ہی دل پر اثر کر لیتی ہے۔ موجوں کا شور، سمندری ڈاکوؤں کی، ایک عورت کی رہنمائی میں یلغار، جہاز میں آگ کے ہیبت ناک اور ڈراؤنے شعلے امر جیوتی کے ماحول کی اہمیت واضح کرنے کے لئے بہت کافی ہیں۔

اس کے علاوہ فلم میں اور بہت سی خوبیاں موجود ہیں جن کا بیان تفصیل طلب ہے۔ سمندری ڈاکوؤں کی سردار عورت کے کردار کو مرتب کرنے میں بہت دیدہ ریزی سے کام لیا گیا ہے۔ وہ کسی شرط پر اپنی شکست تسلیم کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتی اور فطرت ایسے مواقع بہم پہونچاتی ہے کہ اُس کے قدم ڈگمگانے لگتے ہیں۔ یہ مرحلہ افسانے میں بہت نازک تھا۔ افسانے کی کامیابی میں اس سوال کا جواب بھی شامل تھا کہ اُس عورت نے کہاں تک اپنے اصولوں کی پیروی کی اور کس طرح ان پر کاربند رہی۔ افسانہ نگار نے بڑی خوبی سے اس عورت کا عزم واضح کیا ہے اور اس طرح اس کو ہدفِ ملامت ہونے سے بچایا ہے کہ آخر میں وہی اس فلم کی ہیروین نظر آتی ہے۔

بارہ برس قبل اس کا بچہ اس سے چھین لیا جاتا ہے۔ بچہ جوان ہو کر بھیڑیں چراتا ہے اور اپنی ماں کے تصور سے اپنے احساس کو بیدار کئے رکھتا ہے۔ اس کے ذہن میں اپنی ماں کی روشن تصویر ہر وقت جلوہ افگن رہتی ہے۔ اور وہ اس کی خوبیوں کی یاد تازہ کر کے خود کو اس سے متعلق سمجھ کر نازش کرتا ہے۔ اس کو یہ نہیں معلوم کہ اس کی ماں سمندری ڈاکوؤں کی رہنما عورت اس کی ماں کی سہیلی ہے وہ اپنی ماں کی خوبیوں کے تحفظ میں اس کا اپنی ماں کی سہیلی ہونا بھی اپنی ماں کی توہین سمجھتا ہے۔ اور سمندری ڈاکوؤں کی سردار عورت کے سامنے اپنی ماں کی تعریف کرتا ہے۔ سمندری ڈاکوؤں کی سردار خود اُس کی ماں ہے۔ وہ اپنے لڑکے کے منہ سے اپنی موجودہ زندگی کے خلاف لیکچر سنتی ہے اور اُس کی گذشتہ زندگی کی تصویر بھی اس کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔ اگر وہ نازک دل اور نازک مزاج کی عورت ہوتی تو اپنے لڑکے کے قدموں پر جھک جاتی۔ لیکن وہ اپنے اصول پر پابند ہے۔ اور اصول کو جذبات کی بھینٹ نہیں چڑھانا چاہتی۔ چنانچہ وہ آخر وقت تک ظاہر ہونے نہیں دیتی کہ سمندری ڈاکوؤں کی سردار عورت وہی عورت ہے۔ جس کے ماضی کی تعریف میں وہ نوجوان رطب اللسان ہے اور یہ کہ وہ اس نوجوان کی ماں بھی ہے۔ جو اس وقت ڈاکو نظر آ رہی ہے۔ یہ پارٹ درگا کھوٹے نے ادا کیا ہے اور مختلف حالتوں میں اُس کے جذبات کا تغیر دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

شانتا آپٹے نے بھی اس فلم میں کام کیا ہے اور اگر ڈرامے کے مقاصد پر نظر ڈالی جائے تو عرفِ عام میں وہی اس فلم کی ہیروین ہیں۔ شانتا آپٹے راجکماری کے لباس میں نظر آتی ہیں اور درگا کھوٹے کے بعد آپ کے کردار کا نمبر ہے۔ راجکماری کہیں قید سے چھٹکارا پا کر جنگل کی رانی بنتی ہے اور کہیں اس کو چرواہے کی محبوبہ بننا پڑتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر پارٹ اپنی نوعیت

کے لحاظ سے جُداگانہ ہے اور ان مختلف حالتوں سے گذرنے کے لئے شانتا آپٹے کو کافی محنت کرنی پڑی ہوگی۔

فوٹوگرافی کے اعتبار سے بھی امرجیوتی بہت کامیاب فلم ہے اور اکثر ناقدین کے خیال میں فوٹوگرافی کے کمالات ہی اس فلم کو دوسرے فلموں سے ممیز کرتے ہیں اور امرجیوتی میں صرف یہی ایک خصوصیت مابہ الامتیاز ہے لیکن اگر باریک بینی سے فلم کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ نہ صرف فوٹوگرافی اور سٹینگ کے لحاظ سے امرجیوتی کا شمار بہتر فلموں میں ہے بلکہ فیل کے امتیاز سے بھی اس فلم کو دوسرے فلموں پر فوقیت حاصل ہے۔ اسی فوقیت کی ہلکی سی جھلک مندرجہ بالا سطور میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اگر "پربھات" والے بُرا نہ مانیں تو آخر میں ہم یہ لکھنا نہایت ضروری سمجھتے ہیں کہ اس فلم کا "مکالمہ" دوسری چیزوں کے مقابلے میں بہت زیادہ ناکام رہا اور اس میں بہت سی ایسی غلطیاں رہ گئیں جنھیں کسی طرح نظرانداز نہیں کیا جاسکتا! اے کاش ایسا نہ ہوتا۔

(بقیہ صفحہ ۶۲)

یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ فلموں کا مقصد محض تعلیم ہے۔ فلم ایک ایسا لاجواب آرٹ ہے جو تفریح کے ساتھ ساتھ تعلیم کے آثار پیدا کرتا ہے۔ مگر تفریح کے سامان پیدا کرنا اُس کا فرضِ اوّلین ہے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ ناچ سے زیادہ کوئی ایسی تفریح نہیں ہوسکتی جو انسانی دل و دماغ کو وجد میں لاسکے۔ ہندوستان میں تو مہادیو، پاروتی اور نارد کے ناچ ابتک مثالی حیثیت رکھتے ہیں پھر ہندوستانیوں کا ناچ سے نفرت کرنا کہاں تک درست ہے۔ لیکن چونکہ فلم ناچ سے ایک جُداگانہ حیثیت بھی رکھتے ہیں۔ اس لئے جبتک ان میں ناچ کا اضافہ فنی طور پر نہ کیا جائے وہ کسی صورت میں بھی وجدانِ روح کا باعث نہیں ہوسکتے۔ اسی لئے ضرورت ہے کہ اگر ناچوں کی نمائش کو پردۂ سیمیں پر برقرار رکھنا ہے تو پلاٹ اور کہانی میں ان کے لئے کوئی خاص جگہ اور مقصد تلاش کیا جائے۔ بمبئی ٹاکیز کے ایک کامیاب فلم "جیون نیا" میں ایک نہایت بہتر اور کامیاب ناچ تھا۔ اس ناچ کو عریاں کہا جاسکتا ہے نہ نیم عریاں اگر کچھ کہا جاسکتا ہے تو صرف فنکارانہ ناچ تھا۔ باوجودیکہ اس ایک ناچ پر کمپنی نے ایک ریل فلم کے قریب قریب صرف کردیا تھا تاہم اس کے خلاف کسی ناظر کو شکایت کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ اس کی وجہ محض یہ ہے کہ وہ ناچ ڈرامے کے پلاٹ سے وابستہ تھا اور اُسے فلم سے جُدا کرنا ایسا ہی تھا جیسا کسی پرندے کے پر کاٹ دینا۔

اگر دیوداس جیسے کامیاب فلم میں ناچ کی نمائش کیجاسکتی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ دوسرے فلموں میں پیش کیا جائے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہندوستانی فلم ساز ایسے ڈرامے تلاش کریں جن میں رقص کی گنجائش ہو اور پھر ان اینگلو انڈین گرلز کو نظرانداز کرکے جن کو وہ سستے داموں میں بڑی آسانی سے حاصل کرلیتے ہیں۔ ایسے ناچنے والے اور ناچنے والیوں کو فراہم کریں جو صحیح معنوں میں پردۂ فلم پر آنے کے مستحق ہیں

ناقد واسطی

ہمارے فلمی اداکار

قارئینِ "کنول" کے لئے غالباً اس امر کی واقفیت موجبِ دلچسپی ہوگی کہ ہندوستان کی سب سے پہلی فلم کمپنی "دی ہندوستان فلم کمپنی" نامی تھی جو سنہ ۱۹۱۲ء میں ناسک میں قائم ہوئی۔ اس کمپنی کا سب سے پہلا فلم "رامائن" سے متعلق اور ہندو مذہب اور ہندو علم الاصنام پر مبنی تھا ——— ناطق فلموں میں سب سے پہلا اردو فلم "عالم آرا" تھا۔ جس کی ہیروئین مشہور دلفریب، خوبصورت "زبیدہ" تھی!

اب تک اردو اور ہندی کے بہترین ناطق فلم حسبِ ذیل تیار کئے گئے ہیں:۔

"پربھات فلم کمپنی" پونا کا "امرت منتھن"، "دھرماتما" اور "امر جیوتی" ——— "رنجیت فلم کمپنی" بمبئی کا "بیرسٹر کی بیوی" ——— "امپیریل فلم کمپنی" بمبئی کا "انڈیا ایم۔ اے" اور "ٹیل پلز" ——— "نیو تھیٹرز" کلکتہ کا "یہودی کی لڑکی" "پورن بھگت" "چنڈی داس" "دیوداس" "دھوپ چھاؤں" "اب منزل" پر رائے زنی باقی ہے ——— "بمبئی ٹاکیز" کا "جیون نیا" اور "اچھوت کنیا" ———

اب ہم اپنے اصل مقصد پر آتے ہیں۔ یوں تو فنِ اداکاری کے لحاظ سے آرٹ کے معیار پر اور یورپی و امریکن اداکاروں کے متوازی اب تک ہندوستان کا ایک بھی ایکٹر یا ایکٹریس نہیں ہے۔ مگر جو ہیں اُن کی تقسیم ہم اس طرح کرتے ہیں۔ پہلے محض ایکٹروں کو لیجئے اور اصنافِ کار کے لحاظ سے اُن کی جماعتیں بنا لیجئے۔ ہم یہاں صرف اردو فلموں پر بحث کر رہے ہیں۔

۱۔ ہیرو۔ گار۔ جینت سنگل۔ پہاڑی سانیال۔ ای بلموریا۔ ونایک۔ ڈی بلموریا۔ چندر راؤ۔ خلیل احمد۔ نثار۔ منصور۔ گل حمید۔

۲۔ جنگ جدل:۔ نیپ چندر۔ جال مرچنٹ۔ مجیل۔ نثار۔ منصور۔ موڈک۔ یوسف آفندی۔ ای بلموریا۔ خلیل احمد۔ بھائی دیسا۔

۳۔ ظرافت و مضحکہ۔ فیضی۔ چاملی۔ کالمی۔ نواب۔ ہادی۔ سید احمد۔ جمنی پرشاد۔ فتحی پرشاد۔ کشیپ

۴۔ کیریکٹر ایکٹ۔ مرچنٹ۔ ای بلموریا۔ مجیل۔ گل حمید۔ بھانت۔ ڈی بلموریا۔ یعقوب۔ پہلوان

۵۔ معاونت:۔ جیشی۔ ملنشی۔ للتوان۔ نواب کاشمیری۔ سیٹھی۔ بھاڈے۔ سنگل۔ خلیل۔ پہلوان

ہندوستانی فلموں میں ناچ

کنول کے کسی گذشتہ پرچے میں حضرتِ محمود بریلوی کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ ہندوستانی فلموں میں عریاں ناچوں کی نمایش صرف شرمناک ہی نہیں بلکہ انتہائی طور پر مخربِ اخلاق ہے اور اُسی مضمون میں یہ بھی ظاہر کیا گیا تھا کہ اس وبا کا انسداد ہی ہندوستانی فلموں کے لئے ترقی کا باعث ہو سکتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ محترم صاحب اس تحریک سے بہت زیادہ متاثر ہوئے ہیں جو کچھ عرصہ ہوا امریکہ میں ہالی ووڈ کے ان فلموں کے خلاف شروع کی گئی تھی جو آغاز سے انجام تک ننگے ناچوں کی نمایش کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ تحریک کہاں تک کامیاب ہوئی کیونکہ اب تک ہالی ووڈ سے اسی قسم کے فلم تیار ہو کر پبلک سے خراجِ تحسین حاصل کر رہے ہیں

زیادہ مدت نہیں ہوئی جب سینما کے مالکوں نے پبلک کو متوجہ کرنے کے لئے اپنے اپنے اسٹیج پر زندہ ناچ اور گانوں کا انتظام شروع کیا تھا۔ ان کے اس اقدام کی سخت سے سخت مخالفت کی گئی۔ لیکن سینما کے مالک جب تک روپیہ کما سکتے تھے انھوں نے کسی کی ایک بھی نہ سُنی اور آخر وہ سُنتے بھی کیوں۔ اس کے علاوہ جب امریکہ کے ناچ والے فلم ہندوستانی پبلک نے بے حد پسند کئے۔ تو قدرتی طور پر ہندوستانی فلم سازوں کو بھی یہ خیال پیدا ہوا کہ کیوں نہ پردے پر بھی ناچ کا مظاہرہ کیا جائے۔ فلم سازوں سے یہ اُمید رکھنا کہ وہ اخلاق اور آرٹ کا لحاظ رکھیں اور ان "دو بے معنی" الفاظ کی خاطر مالی فائدے کو بالکل نظر انداز کر دیں کسی حالت میں درست نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ فلمسازی کی طرف کوئی بھی توجہ نہ کرتا اور اس فن کو وہ مرتبہ حاصل نہ ہوتا جو اس وقت حاصل ہے۔

حالانکہ ناچ وقتاً فوقتاً آغازِ فلمسازی ہی سے فلموں میں نمایاں جگہ حاصل کر چکا تھا مگر مُوپی Moon Rise جیسے قطعی ناچ والے امریکن فلموں کی کامیابی سے متاثر ہو کر سب سے پہلے رنجیت فلم کمپنی نے اپنے فلموں میں نصف عریاں ناچوں کا سلسلہ شروع کیا۔ اور یہ سلسلہ جس قدر کامیاب ہوا۔ اُس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اب شاذ ہی کوئی ایسا فلم نظر آتا ہے جس میں سستے داموں پر حاصل کی ہوئی اینگلو انڈین گرلز کے حسنِ نیم عریاں کی نمایش نہ کی جاتی ہو۔ یہانتک کہ نیو تھیٹرز نے بھی "دھوپ چھاؤں" میں اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ایک ایسے ہی ناچ کا اس میں اضافہ کر ہی دیا۔

ناچ عریاں ہو یا نیم عریاں، شرمناک ہو یا مخربِ اخلاق، مذہبی اور روایتی جذبات کو نظر انداز کرتے ہوئے اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ امریکی فلموں میں جس قدر ناچ ہوتے ہیں۔ انھیں موقع و محل سے جُدا نہیں کہا جا سکتا مگر ہندوستانی فلموں میں ناچوں کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ اور اگر ان کو فلم میں سے نکال بھی دیا جائے تو فلم اپنی جگہ پر مکمل رہ سکتا ہے۔ یہی وہ آرٹ کی انتہائی کمزوری ہے جس کے لئے یہ مضمون لکھنا پڑا اور جس کے انسداد کی فوری ضرورت ہے۔

(بقیہ مضمون صفحہ ۹۵ پر ملاحظہ فرمائیے)

''کنول'' کا حوالہ دیجئے

وہ کونسا تیل ہے؟ جو

جو قوّتِ بصارت کو بڑھاتا ہو؟ سندری سہاگ ہے
جو دماغ کی خشکی اور کمزوری کو دور کرتا ہو؟ سندری سہاگ ہے
جو دل و دماغ کو معطّر کرتا ہو؟ سندری سہاگ ہے
جو بالوں کو گھونگھر والا اور چمکدار بناتا ہو؟ سندری سہاگ ہے
جو درد سر، نزلہ، زکام، کو دور کرتا ہو؟ سندری سہاگ ہے
جو مٹی کے تیل یا نقصان رساں جزو سے پاک ہو؟ سندری سہاگ ہے
جسکے استعمال سے بال چکٹتے نہیں ہیں؟ سندری سہاگ ہے
جسکے استعمال سے بال سفید ہونیسے محفوظ رہیں؟ سندری سہاگ ہے
جسکے استعمال سے عورت مرد خوش رہتے ہوں؟ سندری سہاگ ہے

لہذا جب سندری سہاگ میں تمام خوبیاں موجود ہیں تو پھر اس کے منگانے میں کیا تعمل ہے۔ کیا ایک شیشی ارسال خدمت کیجائے؟
قیمت فی شیشی ایک روپیہ۔ ۳ شیشی کی قیمت ۲ دو روپیہ آٹھ آنہ محصولڈاک علاوہ

سُندری اسنو رجسٹرڈ

عورتوں اور مردوں کے چہرہ پر لگانے کا بہترین غازہ ہے

اسکو چند روز استعمال کرنے سے چہرے کی جھریاں دُرد داغ۔ مہاسے۔ پھنسی۔ اور جھائیں وغیرہ صاف ہوجاتے ہیں۔ چہرہ کی سیاہی اور میل صاف کرکے چہرے کے رنگ کو نکھار کر گورا اور صاف بنا دیتا ہے۔ عورت۔ مرد۔ سب کیلئے یکساں مفید ہے۔ قیمت فی پوٹ بارہ آنے محصولڈاک علاوہ

ایک سرٹیفکیٹ بھی مُلاحظہ فرمایئے!

مس جمیلہ خاتون صاحبہ علی گڈھ سے تحریر فرماتی ہیں۔ کہ مجھے سندری سہاگ تیل بیحد پسند ہے۔ اسکی خوشبو اچھی ہے اور مقوّی دماغ ہے۔ بالوں کو بڑھاتا۔ اور ملائم کرتا ہے۔ غرض اسکا استعمال دماغ کے لئے مفرح اور تازگی بخش ہے۔ لہذا مہربانی فرماکر آٹھ شیشی سندری سہاگ تیل اور روانہ فرمایئے مشکور ہونگی

ملنے کا پتہ:۔ ایس۔ اے۔ بی۔ بخشی کمپنی۔ گھڑی والی کوٹھی ۳۲ کولوٹولہ اسٹریٹ کلکتہ

رہنمائے صحت مفت
پچیس ۲۵ سالہ طبی جدوجہد کا
نتیجہ
پانچ ہزار روپیہ کا انعام
اور
اشتہاری معالجوں کا حشر
نوجوانوں کو صحیح مشورہ
مع فوٹو مفت طلب فرمائیں
مینیجر چشمۂ حیات فارمیسی اجمیر
فسانۂ سلطنتِ مغلیہ
اطالوی سیاح مینوکی کی زبانی جو خود شاہزادہ
دارا شکوہ کی فوج میں شریک رہکر اورنگ زیب کے
لشکر سے نبرد آزما ہوا تھا۔ وینس سے دہلی تک کے
سفر کے حالات اور اورنگ زیب عالمگیر کی تخت نشینی تک
عہد مغلیہ کی تاریخ اپنی قسم کی پہلی کتاب، قیمت صرف ۱۲
محصول ۸/
(ملنے کا پتہ)
مینیجر کنول بکڈپو مرکز اشاعت ہینگ منڈی آگرہ
جرمنی کا ایک
اسلامی تحفہ
کلام مجید کے پورے ۳۰ پارے ۲۰×۳۰
سائز کے ایک خوشنما تختے پر
آپ اس کو فریم کرا کے اپنے مکانوں۔ دوکانوں۔ خانقاہوں
اور مسجدوں میں تبرکاً لگائیے۔ وہ میگنی فائنگ گلاس
کے ذریعہ آپ اس کی تلاوت بھی کر سکتے ہیں۔ اتنا
بےنظیر اور خوشنما تحفہ شاید آپ کی نظر سے نہ گذرا ہوگا
آج ہی ایک کاپی پتہ ذیل سے منگا کر
اس کی زیارت کیجیے
انشاء اللہ دریا کوزہ میں پائیں گے
ہدیہ فی کاپی ۳ لیکن صرف ایک ماہ کیلئے رعایتی ہدیہ ۲ ایک روپیہ چار آنہ
نوٹ:۔ ایک درجن کے خریدار کیلئے علاوہ محصول
صرف ۱۲ روپیہ
نوٹ:۔ بچوں کے گلے میں ڈالنے والی عکسی حمائل بھی موجود ہے
ہدیہ فی قرآن ۵ ر درجن ۲ ضرورت منگا طلب فرما دیں۔
ملنے کا پتہ
عتیق الرحمان ذکر الرحمن تاجر کتب مالک جدید کتبخانہ
لوہا بازار بھوپال

ناظرین "کنول" کیلئے ایک نادر تحفہ

اپنے جیون کی "پریم بٹی"

طاقت کا ایک عجیب و غریب لاثانی نسخہ

ناظرین :- میں ایک زمیندار کا لاڈلہ لڑکا تھا بُری صحبت کے باعث جریان و احتلام کے خطرناک امراض میں مبتلا ہوگیا پہلے تو میں نے ایک دو سال شرم و حیا ننگ و ناموس کیوجہ سے اپنا حال چھپائے رکھا مگر کچھ عرصہ بعد بیماری نے خطرناک صورت اختیار کرلی تب میری آنکھیں کھلیں اور میں نے علاج معالجہ شروع کیا روپیہ کی افراط تھی اسلئے بڑے بڑے ڈاکٹروں ویدوں حکیموں اور نامی دوا خانوں سے دوائیں منگوائیں۔ مگر بقول شخصے "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ میں اپنی زندگی سے بیزار ہوگیا اور خودکشی کے منصوبے باندھنے لگا۔ ہمارے گاؤں کے پاس ایک میل کے فاصلہ پر ایک پرانا اونچا کھیڑا ہے۔ اس کھیڑے پر کبھی کبھی کوئی سادھو مہاتما آ گزرتے ہیں اتفاق سے اسی کھیڑے پر کاٹھیاواڑ کے ایک بزرگ فقیر آ گزرے اور ایک جھاڑی میں آسن لگا کر بیٹھ گئے۔ گاؤں کے لڑکوں نے جب انکو دیکھا تو انہوں نے گاؤں میں شہرت پھیلادی کہ کھیڑے پر ایک کامل بزرگ فقیر آئے ہوئے ہیں۔ چنانچہ شہرت سنکر لوگ جوق جوق انکے دیدار و قدمبوسی کو آنے لگے رفتہ رفتہ انکی شہرت سارے علاقہ میں پھیل گئی ان کی اس قدر شہرت سنکر میرے جیسا مایوس و نا امید آدمی بھی متاثر ہوئے بغیر رہ نہ سکا۔ آخر و ناچار بادل ناخواستہ انکی خدمت میں حاضر ہوا ان کی نورانی صورت دیکھ کر میں حیران سا رہ گیا اور دل ہی دل میں اپنی حماقت پر پچھتانے لگا۔ مگر جوں ہی میں نے ان کے چہرے کے جمال کو دیکھا دل باغ باغ ہوگیا۔ لیکن یہ حالت بہت دیر تک قایم نہ رہ سکی۔ جب انھوں نے نظر اٹھا کر میری جانب دیکھا تو میں مارے شرم کے زمین میں گڑنے لگا۔ مگر مہاتما میرے دلی جذبات بھانپ گئے اور اس طرح گویا ہوئے "بیٹا تم بڑے کمزور اور دُکھی معلوم ہوتے ہو۔ طبیعت کیسی ہے" یہ الفاظ مجھ پر جادو کی طرح اثر کرگئے۔ یہ سنتے ہی میں بیساختہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اُنھوں نے نہایت شفقت سے مجھے دلاسا دیا اور کہا بیٹا فقیر تمہارے لئے جو کچھ کرسکتا ہے اس سے دریغ نہ کریگا۔ اس پر میں نے بیماری کا سارا حال بلا تامل کہہ سُنایا چنانچہ اُنھوں نے مجھے تسلی دیتے ہوئے نہایت شفقت سے ایک نسخہ تجویز کر کے دیا۔ جو میں نے بنا کر استعمال کیا اور اب بالکل تندرست و توانا ہوں۔

نسخہ - اصلی ترپھلا کا چورن ۵ تولہ - اصلی سورج تاپی سلاجیت ڈھائی تولہ - اصلی نمک بھسم چھ ماشے - اصلی سورج چھاپ کیسر چھ ماشہ - اصلی عقرقرحا چھ ماشہ - اصلی نیپالی کستوری ۹ رتی - ان سب ادویات کو کوٹ چھان کر کھرل میں ڈال کر اوپر سے شیتل چینی کا تیل بیس بوند - بیروزہ کا تیل بیس بوند - صندل آئل بیس بوند ڈال کر تازہ برہمی بوٹی کے عرق میں بارہ گھنٹہ گھوٹ کر جھربیری کے بیر کے برابر گولیاں بنا کر سایہ میں سکھا لیں بس دوائی تیار ہے -

ترکیب استعمال - ایک گولی صبح ایک گولی شام پاؤ بھر دودھ میں شکر یا چینی ڈال کر کھائیں - اس دوا کے استعمال سے میں بیس روز میں بالکل تندرست ہوگیا - یہاں تک کہ اب ایک مدت گزر گئی ہے پھر کوئی شکایت نہیں ہوئی - اور اس قادر مطلق خداوند کی مہربانی سے اب میرے تین بچے ہیں جو بالکل تندرست و توانا ہیں - اس وقت سے میں یہی نسخہ بنا کر دور و نزدیک کے لوگوں کو دام کے دام پر دے رہا ہوں - جس سے سینکڑوں نا امیدوں کی امیدیں بر آئیں - اور کئی نا امید فیضیاب ہوئے یہ دیکھکر ان لوگوں نے جنکو اس دوا سے امید سے زیادہ فائدہ ہوا - میری توجہ اس فرمان کی جانب مبذول کرائی جو اس کامل بزرگ سنیاسی نے نسخہ دیتے ہوئے میرے ذمہ کیا تھا - کہ اگر میں تندرست ہوگیا تو رفاہ عام کے لئے اسکو اخبارات میں مشتہر کرونگا تاکہ ہر ایک آدمی اس سے فیضیاب ہوسکے اس لئے میں اعلان کرتا ہوں تاکہ تمام لوگ اس سے فائدہ اٹھاسکیں - نسخہ اوپر درج کردیا گیا ہے - ناظرین بنا کر فائدہ اٹھائیں - یہ دوا منی کے پتلاپن بیسیوں قسم کے جریان احتلام - پیشاب کے ساتھ چونے کی طرح دھات کا خارج ہونا - پاخانہ کیوقت دھات کا گرنا خواب میں دھات کا چل جانا - سوزاک - کمزوری - ذیابطیس - جوانی میں بڑھاپے کی سی حالت - اصلی طاقت کی کمی معلوم ہونا - سوچنے کی طاقت کا کم ہوجانا - وغیرہ نامردی کو دور کر کے انتہائی طاقت پیدا کرتی ہے - اور رگ رگ میں جوانی کا مزہ بجلی کی طرح پیدا کردیتی ہے - اس لئے جو بھائی بنانا چاہیں نسخہ اوپر درج ہے - بنا کر فائدہ اٹھائیں - مگر جن کو کچھ دقت معلوم ہو یا بوجہ عدیم الفرصتی یا اصلی ادویات نہ ملنے کی باعث دقت محسوس کرتے ہوں اور اس کے حیرت انگیز معجزے دیکھنا چاہیں وہ ہم سے بنی بنائی منگا کر اس کے جادو اثر معجزے دیکھیں اور ہماری محنت کی داد دیں -

چالیس گولی کی قیمت دو روپیہ ۲ علاوہ محصولڈاک اور اسی گولی کی قیمت چار روپیہ للعہ محصولڈاک معاف -

ملنے کا پتہ :- **بابو شیام لال رئیس پریم بٹی آفس نمبر ۴۰۵ - بازار کنچوسی ضلع اٹاوہ - (یو-پی)**

انشائے لطیف
ادیب العصر حضرت لطیف الدین احمد اکبر آبادی کے افسانے
اردو ادب میں صاحب "لالہ سرخ" کا نام محتاج تعارف نہیں۔ افسانہ
نویسی کا جو معیار ل احمد نے پیش کیا ہے وہ اپنی جگہ تنہا ایک مثال ہے
انکا افسانہ علم و حکمت، جذبات، واردات، اور نفسیاتِ حسن و عشق کے
نازک ترین اشارات کا حامل ہوتا ہے۔ انکا طرزِ انشا اپنی شعریت
اور تفلسف اردو ادب میں مستقل اضافات ہیں۔
ل احمد صاحب کے افسانے بلا شائبہ تغلیط ترقی یافتہ زبانوں کے مقابلے
میں رکھے جا سکتے ہیں۔ انشائے لطیف ل احمد صاحب کے پسندیدہ پارونکا
مجموعہ ہے جو اکثر نگار اور دیگر مجلات علمیہ و ادبیہ میں طبع ہو کر مقبولیت
دوام حاصل کر چکے ہیں۔ اس لئے :۔
اگر آپ کو سلاست و نفاست زبان کے ساتھ نفسیاتِ شباب و جذبات
حسن و عشق کی صحیح نقاشی سے کوئی خاص لگاؤ ہے اگر آپ ادب و شعریت
کا ذوقِ سلیم رکھتے ہیں تو اس مجموعہ میں آپ کو اپنی طلب و تشنگی کے لئے
مکمل سامانِ سیرابی نظر آئیگا۔ طباعت و کتابت روشن اور بہترین ہونیکے ساتھ
کراؤن سائز پر تقریباً ڈھائی سو صفحات کی ضخامت نفیس جلد اور قیمت
صرف دو روپیہ عہ/ علاوہ محصول
نغمات
"نثر کی شاعری"
ادب اردو میں جناب ل احمد کی تنہا وہ ہستی ہے جس نے حسن و عشق کی واردات
اور نفسیات کو انتہائی مطالعۂ فکر کیا ہے اپنے ذاتی تاثرات و کیفیات کے تحت
شعریت موسیقی یا موسیقیت شعر کی صورت میں صفحاتِ سادہ کو فردوسِ خیال
بنا دیا ہے اس مجموعہ میں جناب لطیف کے ساتھ مختصر ترین فسانے اور ادب
پارے شامل ہیں جسے نثر کی شاعری کے شہ پاروں کا ایک وجہ آفرین کا نام
کہا جا سکتا ہے
اگر آپ اپنی زبان کی نزاکت و لطافت کا اندازہ کرنا چاہتے ہیں تو اس
کتاب کو ضرور طلب فرمائیے۔
قیمت صرف عہ علاوہ محصول
ملنے کا پتہ :۔
منیجر کنول بکڈپو مرکز اشاعت ہینگ کی منڈی آگرہ
کنول کے پھول کی طرح
حسین و جمیل، جدید نمونے پر ایک خاص قلم
ALL AT SAME PRICE
زنگی ڈی لکس
ZANGI DELUXE
جو ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں مقبول ہو چکا ہے
زنگی ڈی لکس۔ اہل قلم طلبا، روسا، معززین اور
کاروباری حضرات کیلئے ایک خاص قلم ہے جو ترقی
یافتہ صنعت کا بہترین نمونہ اور ناقابل شمار
خوبیوں کا حامل ہے۔ اس قلم کا
نب
خوبصورت، مضبوط، اور سونے کا ہے جس پر
بہترین ریڈیم لگا ہوا ہے۔ اور جو
دس سال تک
استعمال کرنے کے بعد بھی گھستا ہے اور نہ موٹا
پڑتا ہے۔ نہ خراب ہوتا ہے۔
سیاہی بھرنے کا پرزہ بھی سونے کا ہے اور
ٹوپی پر نہایت خوشنما چھلا لگا ہوا ہے ڈی لکس کا
کلپ بھی رولڈ گولڈ کا ہے جسکا رنگ اور چمک کبھی
خراب نہیں ہوتی۔ بیحد خوبصورت اور خوشنما ہے
آج بازار میں جس قدر فاؤنٹین پن ملتے ہیں
ڈی لکس ان سب کا سرتاج اور قیمت میں بالکل ارزاں ہے یعنی
صرف ہیے اس کے علاوہ ہر قسم کے بہترین قلم اور نب ہم سے طلب
فرمائیے۔ مرمت کا بھی معقول انتظام ہے
منیجر زنگی قلم کمپنی (نمبر ۴۸) نئی سڑک دہلی

جو صدارتی تقریر کی اُس نے ثابت کردیا کہ وہ نہ صرف پُرزور مضمون نگار ہیں بلکہ ایک زبردست مقرر بھی ہیں۔ سرسید کی وفات کے بعد کچھ روز تو سید محمود مرحوم علی گڈھ کالج کے سکریٹری شپ کا کام کرتے رہے مگر پھر ٹرسٹیوں نے نواب صاحب ہی کو سکریٹری منتخب کیا اور انھوں نے اپنے آپ کو سرسید کی جانشینی کا اہل ثابت کیا کہ باوجود کئی بار مستعفی ہونے کے ٹرسٹیوں نے انہیں کو سکریٹری رہنے کے لئے مجبور کیا۔ اور علی گڈھ کالج نے ان کے عہد میں ہر حیثیت سے جو ترقی کی وہ محتاج بیان نہیں۔ ان کا آبائی مذہب شیعہ تھا اور ابتدا میں وہ خود بھی شیعہ تھے۔ مگر بعد میں سُنّی ہوگئے اور اپنی مشہور کتاب "**آیات بینات**" لکھی۔

سنہ ۱۹۰۶ء میں گورنمنٹ ہند نے اُنہیں قیصرِ ہند کا طلائی تمغہ بھی مرحمت فرمایا تھا جو ملک و قوم نے اونکے شایان شان نہیں خیال کیا تھا بلکہ وہ نواب محسن الملک بہادر کے لئے اس سے اعلیٰ تر خطاب اور تمغہ کے متمنی تھے۔ اگرچہ نواب محسن الملک کی صحت آخر عمر میں بہت خراب رہنے لگی تھی۔ بغرض علاج بمبئی چلے گئے۔ بیچ میں جب طبیعت درست ہوگئی تو بمبئی سے چلے آئے اور اٹاوہ گئے۔ کیوں کہ اون کے بڑے بھائی مولوی غلام عباس سخت علیل تھے۔ چنانچہ نواب صاحب کی حیات ہی میں اونھوں نے انتقال کیا۔ اٹاوہ سے شملہ بغرض تبدیل آب و ہوا گئے۔ وہاں حضور وائسرائے سے بھی ملاقات کی اور توسیع کونسل کی تجویز پر ہزاکسلینسی کا شکریہ ادا کیا۔ افسوس ہے کہ قضا نے مہلت نہ دی اور شملہ ہی پر ۱۶ر اکتوبر سنہ ۱۹۰۷ء کو ۶ بجے شام کے وقت انتقال فرمایا۔

حافظ حضور احمد خاں متخلص آتش بریلوی۔ امیر مینائی کے شاگرد تھے۔ تذکرہ منظور حق یادگار ہے سنہ ۱۸۹۱ء تک بقید حیات تھے۔

منشی محمد علی گورکھپوری سنہ ۱۸۴۷ء میں عدالت میں ڈگری نویس تھے۔ کئی سال بعد بنارس میں منصف ہوگئے سنہ ۱۹۰۰ء کے بعد انتقال ہوا۔ معدن الحکمت تصنیف سے ہے

ابوالاعجاز منشی احسان علی خاں ابن قاسم علی شاہجہاں پوری حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کے خلیفہ۔ سید جلال الدین بخاری کی اولاد سے تھے۔ سنہ ۱۲۷۴ھ میں پیدا ہوئے بعد تحصیل علم محکمہ بندوبست (گورکھپور) میں ملازم ہوگئے۔ اس کے بعد گرد اوری منصرمی۔ پیشکاری کی خدمات انجام دیں۔ بالآخر سنہ ۱۸۹۱ء میں سند مختاری حاصل کرکے وطن آکر عدالت فوجداری وکلکٹری میں مختاری شروع کردی تاریخ شاہجہانپور یادگار ہے۔

حکیم مظہر حسن خاں خلف حکیم محمد مجتبیٰ خاں رام پوری خط نستعلیق میں ہفت قلم تھے۔ احسن تخلص تھا جناب امیر سے تلمذ تھا۔ عروض سیفی کا اردو ترجمہ کیا۔ ترابا دین مختصر یادگار ہے۔ سنہ ۱۸۸۶ء میں رسالہ

خورشید آفاق بھی جاری کیا تھا۔
مولوی محمد احسن خلف محمد احمد بلگرامی ۱۲۴۴ھ میں پیدا ہوئے بعد تکمیل علوم لکھنؤ گئے۔ ۱۲۹۴ھ میں نواب سالار جنگ کی سرکار میں منسلک ہو گئے۔ پھر بھوپال آ گئے نواب صدیق حسن خاں مرحوم کے صاحبزادوں کے اتالیق ہو گئے۔ صاحب تصانیف کثیرہ ہیں نعتِ شاہجہانی وغیرہ تصنیف سے ہے۔
منشی سید مرتضیٰ وطن بنارس تھا۔ منشی سید محمد حسن تحصیلدار اٹاوہ کی فرمایش پر ۱۸۸۹ء میں کیرکٹر کا اردو ترجمہ کیا باقی اِن کا حال معلوم نہ ہو سکا۔
پنڈت کنھیالال دہلوی تاریخ اپنی ۱۸۸۲ء میں مرتب کی علمی ذوق تھا۔ ۱۹۰۰ء کے بعد انتقال ہوا۔
منشی سید ابوالحسن تاریخ مصر ۱۸۸۶ء میں مُرتب کی۔ تاریخ سے خاص ذوق رہا زیادہ حال کا پتہ نہ چلا۔
منشی محمد حسین بن عبدالرب بن سعدالدین دیوان مناقب رزّاقیہ منظوم۔ کرامات غوثیہ یادگار ہے۔
جوہر منشی جواہر سنگھ بعد تحصیل علوم رسمی سرکاری ملازمت کی آخر میں تحصیلدار ہو گئے مرزا غالب کے شاگرد تھے۔ اردوئے معلیٰ کے مرتب کرنے والے ہیں ۱۸۸۵ء تک بقیدِ حیات تھے۔
منشی حبیب الدین احمد اہل علم سے تھے۔ تاریخ حکما ۱۲۶۶ھ میں شایع کی باقی حال معلوم نہ ہو سکا۔
مولوی حامد علی خوشنویس بن مولوی محمد علی محدث لکھنوی۔ لکھنے پڑھنے کا شوق تھا۔ محامد النبیؐ تالیف سے ہے۔
منشی زین العابدین مرادآبادی علمی ذوق رکھتے تھے۔ ترجمہ کرنے کا اچھا ملکہ تھا۔ ترجمہ مطلع العلوم و مجمع الفنون آپ کی یادگار سے ہے۔
مولوی محمد عبدالحامد ڈپٹی کلکٹر بندوبست اناؤ۔ ذی علم بزرگ تھے تصنیف تالیف سے ذوق تھا۔ تحفۃ العروس۔ رسالہ معلم العمل یادگار سے ہے۔
مولوی جمیل الدین صدیقی المتخلص بہ ہجر خلف نبی بخش اکبرآبادی۔ بزرگوں کا وطن سرہند تھا۔ منشی نبی بخش اولاً پٹیالہ میں ملازم رہے۔ بعد کو منجانب گورنمنٹ ہمیرپور کے تحصیلدار ہو گئے۔ منشی صاحب کے خلف مولوی جمیل الدین نے فارسی ایک ایرانی فاضل سے پڑھی۔ عربی کی رسمی تعلیم سے واقف تھے وکالت کا امتحان دیا کامیابی ہوئی۔ پھر فتح پور میں بعد کو کانپور میں وکالت کرتے رہے۔ علمی ذوق و شوق تھا شاعرانہ مذاق رکھتے تھے۔ مشورۂ سخن منشی منیر شکوہ آبادی سے کیا روزنامچہ فارسی میں لکھا کرتے تھے۔

آرسی مصحف یادگار سے ہے ۔ پانچسو روپیہ گورنمنٹ سے انعام پایا ۔ ۸ مارچ [illegible]ء میں انتقال ہوا

مفتی محمد اکرام اللہ ابن مفتی انعام اللہ خان بہادر وکیل صدر نظامت ۔ بعدہٗ مہتمم بندوبست ریاست ٹونک متوفی ۱۲۷۴ھ مفتی محمد اکرام اللہ صدیقی نے علمائے معاصرین سے اکتساب علم کیا ۔ فارغ التحصیل نہ ہو سکے ۔ علم مساحت حاصل کیا ۔ بعد ازاں فن ڈاکٹری ۔ ڈاکٹر مکند لال سے تحصیل کرنا شروع کیا ایک سال بعد جی نہ لگا ۔ ترک تعلیم کر کے وکالت کا دو مرتبہ امتحان دیا ۔ ناکامیاب ہوئے آخر ش مختاری کی سند لے کر الہ آباد میں مختاری کی ۔ آخر عمر میں اگرہ لوٹے کچھ عرصہ کے لئے سر رشتہ اوقاف جامع مسجد میں بھی منسلک ہو گئے تھے ۔ اپنے ماموں افضل العلماء قاضی ارتضیٰ علی خان بہادر قاضی القضات مدراس کے مشورہ سے اُردو میں کتابیں لکھنے لگے ۔ "قواعد اردو" و فارسی جدید "رسالہ مساحت" "اوراد انعامیہ" "اخبار واصلین" تذکرہ مصنفین قلمی یادگار سے ہیں ۔ ۱۳۲۴ھ ۱۹۰۴ء میں انتقال ہوا ۔

منشی خواجہ غلام غوث خان بہادر ذوالقدر بیخبر الہ آبادی آپ کے بہنوئی تھے ۔

منشی احمد علی المتخلص شوق جگواوی (ضلع بارہ بنکی) اُردو کے مشہور اہل قلم سے تھے ۔ مثنوی ترانۂ شوق ۔ مثنوی عالم خیال ۔ اردو ڈرامہ قاسم زہرہ ۔ مثنوی نیرنگ جمال ۔ میکفرن اور یوسی ۔ مدرس لیل و نہار ۔ فیضانِ شوق ۔ یادگار سے ہیں ۔ ریاست رام پور میں حامد اللغات کی تالیف آپ کے سپرد تھی ۔ ۱۳۰۵ھ میں انتقال کیا ۔

مولوی فخر الدین احمد الہ آبادی ۱۲۳۱ھ میں پیدا ہوئے ۔ رسمی تعلیم سے واقف تھے ۔ رسالہ بشیر و نظیر ۔ رسالہ مولود شریف تصنیف سے ہے ۔

مولوی وحید الزماں خلف مولوی فصیح الزماں فاروقی شاہجہاں پوری ۱۲۶۷ھ میں کانپور میں پیدا ہوئے عربی و فارسی کی مروجہ تعلیم حاصل کر کے کان پور کالج میں انگریزی کی تعلیم حاصل کی ۔ سرکار نظام میں مختلف عہدوں پر رہ کر ۱۳۱۸ھ میں ہائی کورٹ کے جج مقرر ہوئے ۔ وقار نواز جنگ خطاب پایا ۔ صحاح ستہ اور دیگر کتب دینیات کے تراجم اور شرحیں لکھیں ۔ تفسیر وحیدی اور تبویب القرآن مرتب کی ۔ ایک عرصہ انتقال کو ہوا ۔

مولوی عبد الحمید رام پوری بعد تحصیل علم تصنیف کا شوق ہوا ۔ مفتاح القرآن آپ کی تصنیف ہے ۔

شمس العلماء خان بہادر مولوی ذکاء اللہ دہلوی یکم اپریل ۱۸۳۲ء میں پیدا ہوئے ۔ دہلی کالج میں تعلیم پائی ۔ ۱۸۵۰ء سے سلسلۂ ملازمت اختیار کیا ۔ ایک مدت تک صیغۂ تعلیم میں مختلف عہدوں پر

سرفراز رہے ۔ آپ میور سنٹرل کالج الہ آباد کے پروفیسر رہے ۔ دہلی سے ۳۷ سال ملازمت کے بعد ۱۸۸۷ء میں آپ نے پینشن لی ۲۴ سال پینشن لے کر ۷۸ سال کی عمر میں ۷ رنومبر ۱۹۱۰ء کو دہلی میں انتقال کیا ۔ ہندوستان میں آپ کے برابر صاحب تصانیف کثیر کم پیدا ہوئے ۱۲۴ ہر علم و فن کی کتب یادگار چھوڑیں ۔ حساب جبر مقابلہ ۔ اقلیدس ۔ مساحت ۴۲ تصانیف ۔ علم طبعیات میں ۱۴ جغرافیہ میں تاریخ میں مکمل تاریخ ہند ۔ علم اخلاق اور علم آداب میں ۲۲ کتب ہیں ۔ چند کتب کے نام یہ ہیں ۔ تاریخ ہند کامل ۔ کرزن نامہ ۔ تاریخ عہد انگلشیہ ۔ آئین قیصری ۔ محاربات عظیم ۔ رسالہ تقویم اللسان ۔ مکارم الاخلاق ۔ تہذیب الاخلاق ۔ محاسن الاخلاق ۔ اکسیر دولت ۔ (جغرافیہ) رسالہ طریقہ استعمال جلد اول (ریاضیہ) علم حساب ۔ لوکارتیم ۔ رسالہ علم مثلث ۔ علم مثلث کروی ۔ رسالہ مسائل معادلات ۔ علم حساب الکلیات ۔ علم حساب الجزئیات ۔ سوالات مساحت مع حل ۔ رسالہ مساحت ۔ شرح برنارڈ ہمتہ ۔ منتہی الحساب ۔ معراج الحساب (ہندسہ) الجبرہ ۔ ہندسہ تحلیلہ ۔ اصول علم ہندسہ شرح جبر مقابلہ ۔ رسالہ علم جبر مقابلہ ۔ ترجمہ اقلیدس عربی شرقی طبعیات کے ابجد علوم طبعیہ کی تاریخ ۔ عربی طبعیات کی ابجد ۔ صحیفۂ نظرت ۔ مذہب اور سائنس کی رزم بزم ۔ مبادی انشا وغیرہ ۔

مرزا نظیر بیگ اکبرآبادی ۔ نل دمن ۔ بہار عشق ۔ فسانہ عجائب ۔ ماہی گیر ۔ ڈرامہ لکھے جو اپنے زمانہ میں بہت کامیاب ہوئے ۔ مرزا صاحب نے عمر طبعی پاکر ۱۹۱۶ء میں انتقال کیا ۔

منشی درگا سہائے سرور جہان آبادی ۱۸۷۳ء میں پیدا ہوئے ۔ علمی استعداد معقول تھی رسائل میں اکثر مضمون نظر سے گذرے ۔ ۱۹۱۰ء میں انتقال ہوا ۔

مولوی بنارسی خاں خلف محمد اسلم خاں بن محمد عجم خاں باجوڑی اگرہ کے ارباب اہل علم سے تھے سرکاری ملازمت کی آخر عمر میں تحصیلدار ہوگئے اور اسی سے پینشن لی ۔ ڈاکٹر محمد الہام اللہ مرحوم متوفی ۱۹۱۳ء سے بعید راہ و رسم تھی ۔ ۱۸۹۸ء میں انتقال ہوا ۔ رسالہ منطق قواعد اردو تصانیف سے ہے

مولوی محمد حسین آزاد خلف مرزا محمد باقر جو شیعوں کے مجتہد اور شرفائے دہلی سے تھے ۱۸۵۶ء میں دلی میں اردو اخبار نکالا ۔

جناب آزاد ۱۸۳۰ء میں پیدا ہوئے ۔ بعد شعور یہ عربی فارسی کی تعلیم دلی کالج کے اورنٹیل ڈپارٹمنٹ میں پائی ۔ اردو نظم و نثر لکھنے کی استعداد ان کو کالج ہی میں حاصل ہوگئی تھی ۔ نظم میں شیخ محمد ابراہیم ذوق کے شاگرد رشید تھے ۔ فارسی ۔ عربی کے تو عالم تھے ہی مگر بھاشا اور ہندی کے نکات سے بھی آگاہ تھے اس کے ساتھ ہی انگریزی علم ادب کے خصوصیات سے بھی واقف تھے ۔ باقی
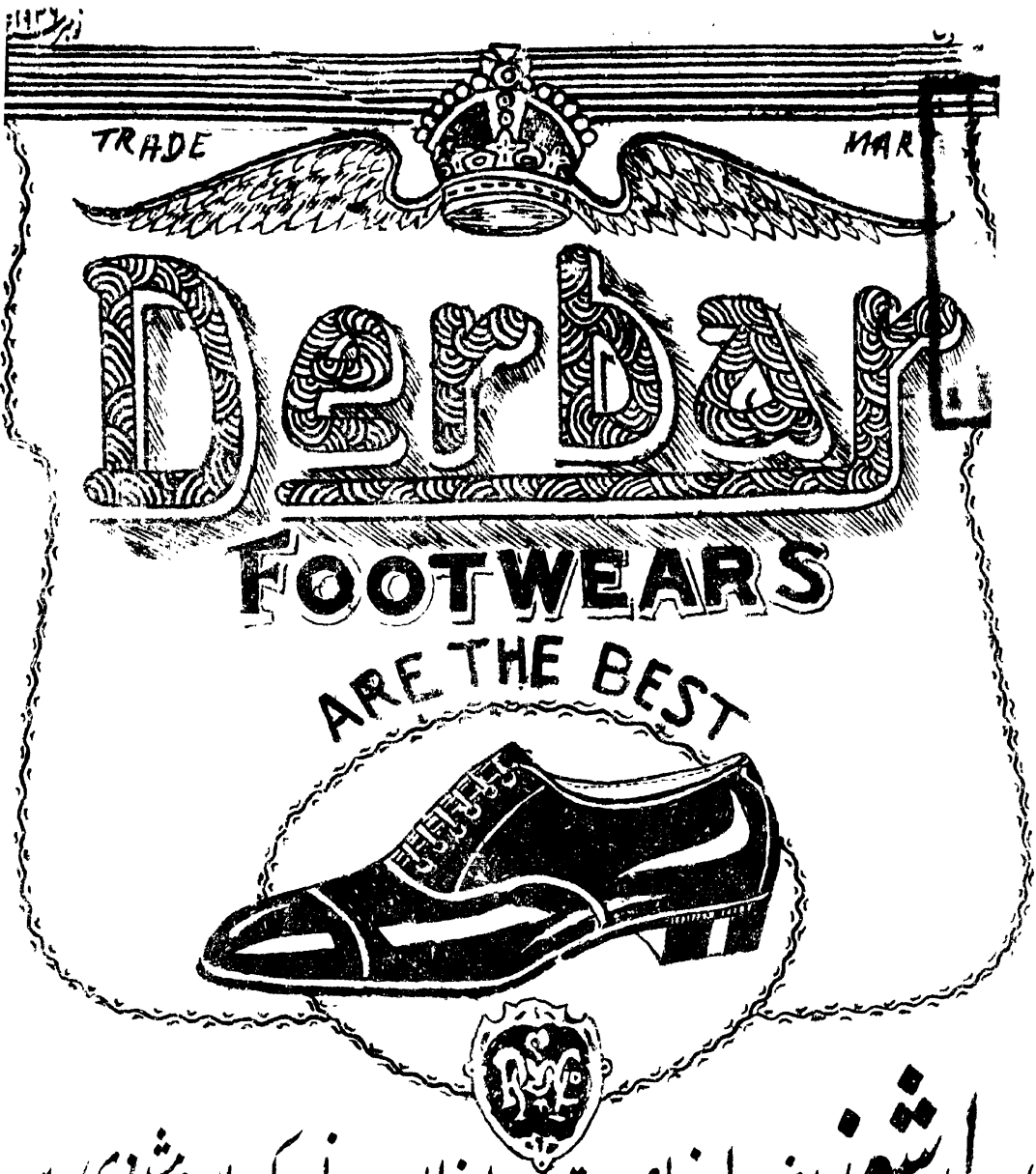
Derbar Shoe Mfg. Co.
E 45- CIVIL LINE AGRA.

سالنامۂ کنول کے مضامین کی ایک جھلک

"کنول" کے سالنامے کے شاہکار مضامین کی تفصیل آئندہ نمبر میں ملاحظہ فرمائیے اور اسے ہرگز نہ بھولئے کہ

"کنول" کا سالنامہ اردو صحافت کیلئے ایک یادگار اور ناقابل مقابلہ تحفہ ہوگا

آج ہی

اپنا نام درج رجسٹر کرائیے

مشتہرین

جلد، جلد اچھی جگہ حاصل کر رہے ہیں کیا آپ نے اپنا اشتہار دے دیا؟ اگر نہیں تو فوراً توجہ فرمائیے

سالنامہ پانچ ہزار شائع ہو رہا ہے

اس لئے اس موقع کو ضائع نہ کیجئے

مینیجر ماہنامہ "کنول" مرکز اشاعت آگرہ

سکھ سنچارک کمپنی متھرا کا
انگوری منقاؤں سے تیار کردہ

سکھ سنچارک دراکشاسو

جسم کو طاقتور بنانے، گوشت وخون بڑھانے، چہرہ پر رونق لانے، دست صاف ہو کر بھوک بڑھانیوالی خوش ذائقہ دوا۔ قیمت چھوٹی بوتل عہ بڑی عہ/

ہمارا ہی ایک دراکشاسو ایسا ہے۔ جس کی ۵۸ اخباروں نے تعریف لکھی ہے۔

طلب فرمانے پر نمونہ اور فہرست مفت روانہ کیجاتی ہے۔

شاعر کی راتیں

از شاعر انقلاب حضرت جوش ملیح آبادی

شاعر انقلاب حضرت جوش ملیح آبادی نے مختلف راتوں کی کیفیتوں کو وجد آفریں، کیف آور الفاظ اور اپنے خاص انداز میں کچھ اس اسلوب سے نظم کیا ہے کہ یہ نفیس تنوع حسنِ بندش اور لاجواب محاوروں سے مالا مال ہوگئی ہیں۔ ہر شعر مکمل جوش اور انتہائی تاثیر سے لبریز ہے جو اہانہ کیفیتیں طاری کئے بغیر نہیں رہتا۔ شاعر آپ کو شب ماہ میں بادۂ سرجوش کی لہروں پر ساتھ لیتا حسین پیشانیوں کو چومتا، جواہرات کے عرش پر سیر کرتا، باغ رضواں میں کوثر و تسنیم کی لہروں پر تیرتا، زہرہ کی نگاہ سے نگاہ لڑاتا، مشکیں زلفوں میں الجھتا، راز و نیاز کے مزے لوٹتا اور شعر و شراب کے سمندر میں غوطے کھاتا سینکڑوں پر سحر ظلمتوں کی سیر کراتا ہوا پھر اسی عالم میں واپس لے آئے گا۔ واپسی پر آپ اپنے تئیں کھویا ہوا سا پائیں گے اور لازوال آسمانی لطف سے مسرور ہوں گے۔ راتوں کی تفصیل یہ ہے۔

سنہری رات۔ مست رات۔ التفات کی رات۔ صلح کی رات۔ راز و نیاز کی رات۔ انتظار کی رات۔ اشکوں کی رات۔ برسات کی رات۔ بدمست رات جوانی کی رات۔ خواب کی بیچین رات۔ اندھیری رات۔ چاندنی رات۔ تصور کی رات۔ بھیگی ہوئی رات۔ شعر گوئی کی رات۔ جدائی کی رات۔ عبرت کی رات۔ سرشار رات۔ شادی و غم کی رات۔ غربت کی رات۔ ربودگی کی رات۔ بیخودی کی رات۔ پیا بن ناگن کالی رات۔ قیمت دس آنے علاوہ محصولڈاک۔ بارہ آنہ کے ٹکٹ روانہ فرمائیے۔ وی۔ پی منگانے سے خواہ مخواہ چھ آنہ کا اور زیر بار ہونا پڑے گا۔

پتہ:- کلیم بک ڈپو۔ گلی کندلہ کشاں۔ فتحپوری۔ دہلی

ہوشیار ہوجایئے

کیونکہ "کنول" کے سالنامے کی اشاعت کا وقت قریب آ گیا ہے

کیا آپنے سالنامے کے لئے اپنا اشتہار روانہ کر دیا؟

اگر نہیں تو کیوں ——؟؟——

سالنامے کا لٹریچر ہم آپ کو روانہ کر چکے ہیں

یقیناً آپنے اسے ملاحظہ فرمایا ہوگا، تو پھر اپنا اشتہار فوراً روانہ فرما دیجئے ورنہ مناسب جگہ نہ مل سکے گی۔

سالنامہ پانچہزار شایع ہو رہا ہے

اور آپکا اشتہار کم سے کم بیس ہزار انسانوں کی نگاہوں سے گذریگا ایسی صورت میں آپ خود اندازہ لگایئے کہ آپ کو کس قدر فائدہ ہوگا۔

اشتہارات بڑی کثرت سے وصول ہو رہے ہیں

آپ بھی جلد سے جلد توجہ فرمایئے، سالنامے کا نرخنامہ روانہ کیا جا چکا ہے قیمت اشتہار کے ساتھ ہی آنی چاہیے۔

مینیجر ماہنامہ "کنول" مرکز اشاعت اگرہ

Invitation.

Typo-printing and Lithographing of every kind and description is executed in the

"Refah-i-am Press"

Hing-ki-mandi Agra, with the special attention of the skillful staff. A trial will tell as to the efficiency of the work.

محمد خلیل صدیقی پرنٹر پبلشر نے اپنے رفاہ عام پریس میں چھپوا کر دفتر "کنول" رفاہِ عام پریس آگرہ سے شایع کیا

Telegrams:- "HINA"

ESTABLISHED 1839

TELEPHONE 139.

ASGHURALI MOHAMMEDALI

Manufacturing Perfumers

"HINA BUILDINGS"

LUCKNOW.

Branches at

DELHI,
Hyderabad (Dn)
MUSSOOREE

Branches at

CALCUTTA,
KANAUJ,
AMINABAD.

تار کا پتہ اصغر علی محمد علی تاجر عطر حنا بلڈنگ لکھنؤ ٹیلیفون نمبر

"حنا" شاخ دہلی - حیدرآباد دکن - منصوری - کلکتہ - قنوج - امین آباد ۱۳۹

REFAH-I-AM PRESS, AGRA.

کنول
مدیر۔ منظر صدیقی اکبرآبادی

MAJUN-I-MOQUWW-I-MAIDA (REG)

MAJUN-I-MOQUWWI-MAIDA (REG)

معجون مقوی معدہ (رجسٹرڈ)

یہ دوا ان اشخاص کے لئے تجویز کی گئی ہے جن کا نظام ہضم جوانی کی غلط کاریوں کی وجہ سے خراب ہو چکا ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ اعضائے تناسل کے بیشتر مریض نظام ہضم کی خرابی میں مبتلا ہوتے ہیں۔ یہ معجون معدہ اور آنتوں کو نہایت قوت پہنچاتی ہے۔ قبض کی شکایت کو رفع کرتی ہے۔ غذا جلد ہضم کرتی ہے۔ قیمت فی ڈبیہ (بیس یوم کی دوا) دو روپے (عہ)

تار کا پتہ ہمدرد دہلی — ہمدرد دواخانہ یونانی دہلی — ٹیلیفون نمبر ۵۶۸

کنول کا سالنامہ
شاہکار افسانے
حسین ترین رنگین
اور سادہ
آرٹ کی متعدد
تصاویر
مشاہیر شعرا کی روح پرور
نظمیں
اور بہترین علمی ادبی
تحقیقی مضامین
سالنامے کی ترتیب و تدوین شروع ہوگئی ہے اور اب تک جو مضامین وصول ہوچکے ہیں وہ لاجواب اور اردو ادب کے لئے اضافی چیز ہیں۔
مضامین کے عنوانات آئندہ نمبر میں دیئے جائیں گے اور تصاویر کی فہرست بھی شایع کی جائے گی۔
کنول کا سالنامہ اردو صحافت میں ایک یادگار اور ناقابلِ مقابلہ تحفہ ہوگا۔
اگر آپ
کنول کے خریدار نہیں ہیں تو آج ہی ۳ کا منی آرڈر روانہ کرکے خریدار ہوجائیے
اور سالنامہ مفت حاصل کیجئے
مشتہرین حضرات فوراً توجہ فرمائیں
سالنامہ بہت بڑی تعداد میں شایع ہو رہا ہے اس لئے مشتہرین حضرات کی کامیابی کا بہترین موقع ہے آج ہی خط لکھئے۔
کنول
منیجر ماہنامہ کنول مرکزِ اشاعت آگرہ
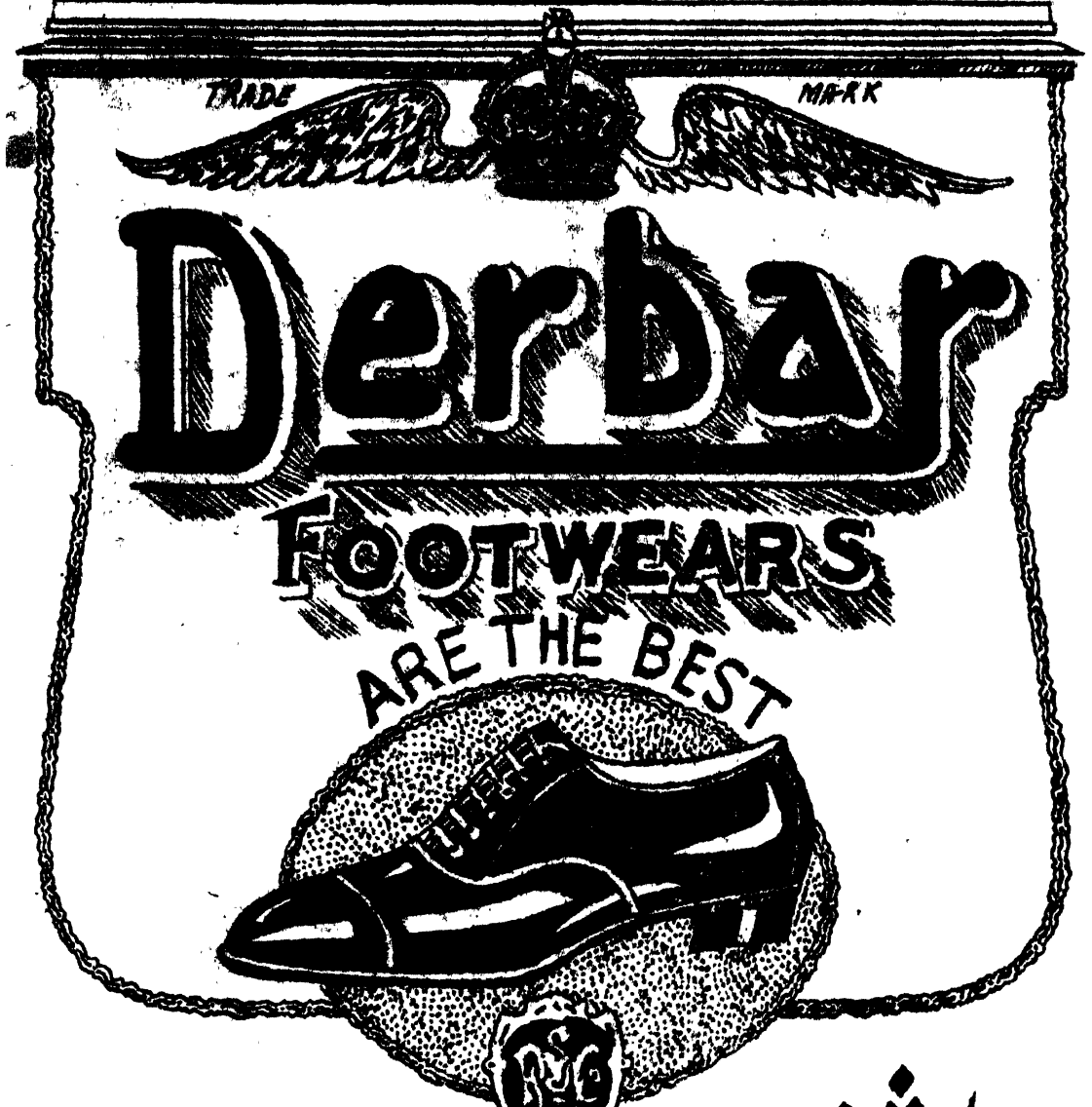
دربار شوز مشینری سے تیار ہوتے ہیں۔ مضبوط۔ خوشنما اور ارزاں ہیں۔ فٹنگ ایسا کہ موزہ کی طرح پاؤں میں فٹ ہوجاتے ہیں

Derbar Shoe Mfg. Co.
E 45 - CIVIL LINE AGRA.

رہنمائے صحت مفت

پچیس ۲۵ سالہ طبی جدوجہد کا

نتیجہ

پانچ ہزار روپیہ کا انعام

اور

اشتہاری معاجون کا حشر

نوجوانوں کو صحیح مشورہ

مع فوٹو مفت طلب فرمائیں

مینجر چشمہ حیات فارمیسی اجمیر

فسانہ سلطنت مغلیہ

اطالوی سیاح مینوکی، کی زبانی جو خود شاہزادہ دارا شکوہ کی فوج میں شریک رہکر اورنگ زیب کے لشکر سے برسرِ آزما ہوا تھا۔ وینس سے دہلی تک کے سفر کے حالات اور اورنگ زیب عالمگیر کی تخت نشینی تک عہد مغلیہ کی تاریخ اپنی قسم کی پہلی کتاب، قیمت صرف ۲ عہ

محصول ۸؍

ملنے کا پتہ

مینجر کنول بکڈپو مرکزِ اشاعت ہنیگ کمیڈی اگرہ

سکھ سنچارک کمپنی متھرا کی

ادویات

سدھا سندھو

کف، کھانسی، ہیضہ، دمہ، شول، سنگرہنی۔ اتیسار وغیرہ کی خوش ذائقہ وخوشبودار دوا۔ قیمت ۸ آنہ

دورونج کیسری

داد کی سب سے اچھی دوا۔ قیمت ۴ چار آنہ

بال سدھا

دبلے اور کمزور بچوں کو طاقتور بنانے والی دوا۔ قیمت ۱۲ سب دوافروشوں کے پاس ملتی ہے

اشتہاری طلاؤں سے بچو

نسخہ طلائے مردمی شایع کردیا

ناظرین:- اس طلا نے صدہا نہیں بلکہ ہزاروں مایوس مریضوں کی زندگی بدلدی - اور ہزاروں کو بامراد اور کامیاب بنا دیا ہے - یہ طلائے مردمی عرصہ ۲۰ سال سے پبلک میں اپنی مسیحائی مردہ کو زندہ کی صفت اور صداقت کا سکہ جما کر شہرت اور قبولیت کا ڈنکا بجا رہا ہے اور نہایت مجرب اور پُر اثر ثابت ہو رہا ہے ہم نے پبلک کی تکالیف کا خیال کر کے عام مخلوق خدا کی ہمدردی اور اشتہاری دواؤں کی شکایت کا خیال کرتے ہوئے عام شائقین کیلئے ایک مجرب اور شرطیہ طلا جو کچھ کے شایع کردیا ہے - جو عضو مخصوص (اندری) کی تمام خرابیوں کیلئے بیحد مفید ہے اور عضو مخصوص کی سستی - کمزوری - پتلا پن - ٹیڑھا پن - چھوٹا پن - جھکاؤ - نیلی رگوں کا ابھر آنا وغیرہ تمام امراض کے لئے حیرت انگیز طور پر مفید ثابت ہو چکا ہے - تمام شکایتوں کو رفع کر کے طوالت فربہی اور تحریک و قوت پیدا کرنے میں لاثانی ہے زود اثر اس درجہ کہ اول مرتبہ کے لگانے سے نصف گھنٹہ میں فائدہ محسوس ہوتا ہے - ہزارہا مایوسوں کی زندگی جو بے لطف تھی اس نے عیش و راحت کامیابی اور شادمانی کیساتھ بسر کرادی - جو کہ دعائیں دیتے ہیں اور شکریہ کے خطوط لکھتے ہوئے نہیں تھکتے - اس لئے اس کے استعمال سے اسکا جوہر معلوم ہو سکتا ہے - شوق سے اس کو تیار کریں اور دعائے خیر سے ناچیز کو یاد کریں - اگر کسی صاحب کو ضرورت نہ ہو تو اپنے دوستوں اور عزیزوں کو نسخہ بتا کر طلائے مردمی بنانیکی سفارش کریں اسے ردی کی ٹوکری میں نہ پھینکا جائے بلکہ بہت حفاظت سے رکھا جائے کیونکہ یہ نسخہ بار بار شایع نہ ہوگا -

نسخہ حسب ذیل ہے:- مغز پستہ ایک تولہ - مغز اخروٹ ایکتولہ - مغز بادام ایکتولہ - مغز چلغوزہ ایکتولہ - سفید کنیر کی جڑ ایک تولہ - لونگ ایک تولہ - جائفل ایک تولہ - کائیفل ایک تولہ - بیربہوٹی ۲ ماشہ - مال کنگنی ایکتولہ - کوڑیا لوبان ایکتولہ - سفید چرمٹی ایکتولہ - ڈھاک کے بیج ایکتولہ - سم الفار ایک تولہ - عقرقرحا ایکتولہ - جاوتری ایکتولہ - دارچینی ایکتولہ - اونٹ کٹارے کی جڑ ایکتولہ - تخم پیاز ایک تولہ - کچلہ ۶ ماشہ - زعفران ۶ ماشہ - سونٹھ ۶ ماشہ کیوڑے خشک ۶ ماشہ - کستوری ۳ ماشہ - اندری بکرے ۲ ماشہ - چربی چیتا ۵ تولہ - چربی شیرہ ۵ تولہ - چربی مانڈہ ۵ تولہ - تیل چمیلی ۵ تولہ - سم الفار سفید ۲ ماشہ آئل سنامن (OIL CINNAMON) ۵ تولہ - آئل کلو - (OIL CLOVES) ۵ تولہ مندرجہ بالا خشک دواؤں کو پیس کر چربی اور تیل کو ملائیں - پھر کسی کھرل میں ڈالکر ۲۴ گھنٹہ گھوٹکر کسی بڑی آتشی شیشی میں بھر لیں اور پاتال جنتر کی ترکیب سے تیل نکال لیں - اور شیشی میں بھر کر کاگ لگادیں -

حسب دستور رات کو سوتے وقت مالش کریں - انشاء اللہ ایک ہفتہ کے استعمال سے وہ قوت پیدا ہوگی جو تمام زندگی قایم رہے گی - اور تمام نقائص عضو مخصوص کے دور ہو جائیں گے لطف یہ ہے کہ اس طلا سے آبلا نہیں پڑتا - اور نہ کوئی تکلیف ہوتی ہے - نازک سے نازک حضرات اس کو استعمال کرتے ہیں - ہر موسم میں ایک سا مفید ہے - اگر کوئی صاحب بوجہ وقت یا شرمندگی خود تیار نہ کر سکیں تو ہمارے دواخانہ روپ بلاس کمپنی رجسٹرڈ میں مریضوں کے لئے ہر ہفتہ تیار ہوتا رہتا ہے - جس کی قیمت فی شیشی مبلغ تین روپیہ آٹھ آنہ معہ محصول ڈاک ہے - طلب کریں - ایک شیشی ایک مریض کے لئے کافی ہوتی ہے - اور اگر خود ہی تیار کرنا چاہیں اور کسی دوا کے نہ ملنے سے مجبور ہو جائیں تو وہ بھی طلب کریں - غرضکہ آپ کو دھوکے باز اشتہار بازوں سے بچانا مقصود ہے - جس طرح سے چاہیں اس نسخہ کا تجربہ کریں - اور اگر جریان قوت باہ کی شکایت ہو تو ہمارے یہاں سے وہ بھی نسخہ اکسیر جریان یا دوا و سنجیون ست رجسٹرڈ جو کہ بیس سال سے مجرب و مستند ہے - جس کے استعمال سے بلا مبالغہ بیس بیس سال کے لاعلاج مریض جو برسوں تک حکیموں ڈاکٹروں کے زیر علاج رہ کر اپنی دولت کو برباد کر کے بھی مایوس ہو چکے تھے - آج وہ صاحب اولاد ہیں - جس کی قیمت اکیس روز کی خوراک کی مبلغ دو روپیہ دس آنہ ۲/۱۰ معہ محصول ڈاک ہے - طلب کریں -

جملہ خط و کتابت کا پتہ

خادم - وید رتن ستہ دیو جی - مالک روپ بلاس کمپنی ۵ء۴۰ کنجوسی ضلع اٹاوہ (یوپی)

جرمنی کا ایک اسلامی تحفہ

کلام مجید کے پورے ۳۰ پارے ۱/۲×۱/۲ سائز کے ایک خوشنما تختے پر
آپ اس کو فریم کراکے اپنے مکانوں۔ دوکانوں۔ خانقاہوں۔ اور مسجدوں
میں تبرکاً لگائیے۔ دوسرے آئی گلاس کے ذریعہ آپ اِس کی تلاوت بھی
کر سکتے ہیں۔ اِتنا بے نظیر اور خوشنما تحفہ شاید آپ کی نظر سے نہ گذرا
ہوگا۔

آج ہی ایک کاپی پتہ ذیل سے منگاکر اسکی زیارت کیجیے

انشاء اللہ دریا کوزہ میں پائیں گے

ہدیہ فی کاپی عـ۸ـر۔ لیکن صرف ایک ماہ کے لئے رعایتی ہدیہ عہ؍ ایکروپیہ چارآنہ

نوٹ :- ایک درجن کے خریدار کے لئے علاوہ محصول صرف ۱۲عہ؍

نوٹ :- بچوں کے گلے میں ڈالنے والی عکسی حمائل بھی موجود ہے۔ ہدیہ فی قرآن ۵؍ درجن سے ضرورتمند طلب فرمادیں

ملنے کا پتہ

عتیق الرحمٰن ذکر الرحمٰن تاجران کتب مالک جدید کتبخانہ

لوہا بازار۔ بھوپال

سکھ سنچارک کمپنی متھرا کا

انگوری منقاؤں سے تیار کردہ

سکھ سنچارک دراکشاسو

جسم کو طاقتور بنانے، گوشت و خون بڑھانے، چہرہ پر رونق لانے، دست صاف ہو کر بھوک بڑھانیوالی خوش ذائقہ دوا - قیمت چھوٹی بوتل عہ بڑی ۱۲؍

ہمارا ہی ایک دراکشاسو ایسا ہے - جس کی ۸۰۵ اخباروں نے تعریف لکھی ہے -

طلب فرمانے پر نمونہ اور فہرست مفت روانہ کیجاتی ہے -

تاج محل اور ساحل جمنا سے قریب

اکبر آباد کا مشہور، ممتاز، کامیاب، اور سب سے اچھا آرام دہ

مسلم ستارہ بمبئی ہوٹل اگرہ

اس ہوٹل میں قیام و طعام کا بہترین اور نفیس انتظام ہے اسٹیشن سے بالکل قریب ہے اور شہر کے وسط میں ایک پر فضا مقام پر سنہ ۱۹۱۷ء سے قایم ہے

جب بھی آپ اگرہ تشریف لائیں

مسلم ستارہ بمبئی ہوٹل

کو یاد رکھئے :- مفصل حالات و قواعد ایک کارڈ لکھ کر معلوم کیجئے - اور ایک مرتبہ ضرور تشریف لایئے - ہمارا پتہ نوٹ کر لیجئے

منیجر مسلم ستارہ بمبئی ہوٹل (رجسٹرڈ) بازار سیب اگرہ

علمی ادبی اور تنقیدی مصوّر ماہنامہ
قیمت سالانہ
۳ سے ؍
ذریعۂ وی۔پی
۴ سے ؍
ممالک غیر سے
۶ شلنگ
فی پرچہ
۵ ؍
مدیر
منظر صدیقی اکبرآبادی
مرکزِ اشاعت آگرہ

نادہند ایجنٹ اور مشتہرین

ہندوستان کے تمام جرائد اور رسائل والے ہوشیار رہیں

بے ایمان نادہند اور بدعہد ایجنٹوں اور مشتہرین کے متعلق کنول میں کئی مرتبہ لکھا جا چکا ہے، ان میں سے بعض نے اپنی بدنامی اور اعتماد کے ضایع ہونے کے خوف سے توجہ فرما کر اپنا حساب صاف کر دیا۔ لیکن ابھی کچھ ایجنٹ اور مشتہرین ایسے بھی باقی ہیں جو ہنوز کوئی توجہ نہ کر سکے۔ آج ہم مجبور ہو کر اُن کے نام شایع کر رہے ہیں، معزز معاصر "شاہکار" نے بھی ایسے نادہندوں کے نام شایع کرنے کا اعلان کیا ہے مگر ابھی تک وہ عملی طور پر کچھ نہ کر سکے، ہم ہندوستان کے تمام جرائد و رسائل کے مالکوں کو اس طرف بطور خاص توجہ دلاتے ہوئے آگاہ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ ان نادہندوں سے ہوشیار رہیں اور اپنے دوسرے بھائیوں کو ان کے پنجۂ ظلم سے بچانے کے لئے مندرجہ ذیل نادہندوں کے نام اپنے اپنے جرائد و رسائل میں شایع کر کے اُردو صحافت پر احسان فرمائیں۔

(۱) غلام محمد ایجنٹ اخبارات چوک انارکلی لاہور

(۲) اے۔ ایس ملک اینڈ سن (کمیشن ڈپارٹمنٹ) لاہور

(۳) خاتون اسٹور فتحپوری بازار دہلی

(۴) سویپو فارمیسی لاہور

(۵) پاپولر بک اسٹال امرتسر

(۶) منتظم حسین ایجنٹ اخبارات لکھنؤ

ان تمام ایجنٹوں اور مشتہرین سے روپیہ وصول کرنے کے لئے عدالتی کارروائی کا انتظام کر دیا گیا ہے، انشاءاللہ کنول کی آئندہ اشاعت میں خوش معاملہ ایجنٹوں اور مشتہرین کے نام بھی شایع کئے جائیں گے۔

ہمیں امید ہے کہ ہمارے معاصرین اس ذیل میں اپنی کلی توجہات کو بروئے کار لاتے ہوئے ہندوستانی صحافت کے دامن سے اس بدنما داغ کو دور کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ کوشش فرمائیں گے۔

منیجر "کنول" آگرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف

تصاویر (۱) محویّت ——— (۲) "شیاما" فلم کی دو تصویریں ———

جلد ۳ — کنول اکتوبر سنہ ۱۹۳۶ء — نمبر ۴

فلم نگار

"کنول کا فلمی ضمیمہ"

محویت

ہو گئی ہے آشنا کیا عشق کی آواز سے　　کونسا نغمہ سُنا ہے تُو نے دل کے ساز سے
چلتے چلتے رُک گئی ہے ایک خاص انداز سے　　اُٹھ گیا پردہ کوئی شاید حریمِ راز سے
محو ہو کر دیکھتی کیا ہے نگاہِ ناز سے

یاد شاید بھُولنے والے کی پھر آئی تجھے　　ہو رہا ہے غالباً احساسِ تنہائی تجھے
کونسی ایسی کشش تھی جو یہاں لائی تجھے　　دے رہی ہے طعن کیا کیا جلوہ آرائی تجھے
آہ لیکن کچھ نہیں ہے خوفِ رسوائی تجھے

غالباً عہدِ محبت یاد تجھ کو آ گیا　　دلنشیں منظر کوئی شاید تجھے تڑپا گیا
عشق کے ہاتھوں کنول دل کا ترے مرجھا گیا　　سہتے سہتے غم مسلسل جی ترا گھبرا گیا
آج خوش بختی سے محویت کا عالم چھا گیا

ہو کے خود سے بے خبر کیوں ہو گئی محوِ خیال　　سوچتی ہے غالباً دورِ محبت کا مآل
دستِ نازک ہے کمر پر، روئے رنگیں پُر جمال　　ضبط کی خوگر ہے چہرے پر نہیں گردِ ملال
بن گئی ہے پھر بھی خاموشی تری خود اک سوال

مضطرب ہے روح دادِ ضبط پانے کے لئے　　دلیں جذبے گھُٹ رہے ہیں لب تک آنے کے لئے
ڈھونڈتی ہے کوئی پہلو مسکرانے کے لئے　　چاہتی ہے جاگنا جادو جگانے کے لئے
عشق کیوں آتا نہیں تجھکو منانے کے لئے

ترجماں ہے تیری مایوسی کی محویت تری　　واقعہ یہ ہے سراپا درد ہے صورت تری
یہ ہوا اندازہ مجھ کو دیکھ کر حالت تری　　غم نے لوٹا ہے تجھے، ناکام ہے الفت تری
کاش ایسا ہو کہ اب مٹ جائے ہر کلفت تری

(متعلقِ تصویر)

نذیر شیر کوٹی

معصومیت

شذرات

آل انڈیا اُردو کانفرنس، اس وقت اردو اور ہندی کی بحث نے جو ناگوار صورت اختیار کر لی ہے۔ بظاہر اس کے ختم ہونے کے کوئی آثار نظر نہیں آتے اور اس کی وجہ بعض ہندو لیڈرانِ ملک کے پیدا کردہ وہ اسباب ہیں جو ہندی ساہتیہ پرشد کے اجلاس میں رونما ہوئے۔ اور اب ان کی تلافی کی کوشش کے باوجود ختم ہوتے نظر نہیں آتے۔ میری رائے میں جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں۔ اردو داں حضرات کو اس قسم کی آویزشوں سے اجتناب کرتے ہوئے جیسے بھی ممکن ہو اُردو کو فروغ دینے کے لئے انتہائی کوشش کرنی چاہئیے کیونکہ اس سے بہتر جوابی صورت کوئی اور نہیں ہو سکتی۔

محترمی مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اُردو اس ذیل میں بڑی کوشش فرما رہے ہیں، معلوم ہوا ہے کہ اب اُنھوں نے آل انڈیا اردو کانفرنس کی بنیاد قائم کرنے کے لئے ۲۴، ۲۵ اکتوبر کو علی گڈھ میں اُردو کے ذمہ دار حضرات کو بُلایا ہے تاکہ کانفرنس کے انعقاد کے متعلق معقول طور پر غور کیا جائے اور اُردو کی ترویج و ترقی کے لئے باقاعدہ کام شروع ہو سکے۔ حقیقتاً مولوی صاحب موصوف کی یہ تجویز بیحد معقول اور مفید ہے۔ خدا کرے علی گڈھ میں کوئی مناسب فیصلہ ہو جائے اور پھر اُردو کے لئے منظم طور پر اور متفقہ حیثیت سے وہ سب کچھ کیا جائے۔ جس کی اس وقت اُردو کی توسیع اور نشر و اشاعت کے لئے اشد ضرورت ہے۔ علیگڈھ کی کارروائی کنول کے آئندہ نمبر میں پیش کیجائیگی قارئین "کنول" انتظار فرمائیں۔

ریاست ٹونک شاہراہِ ترقی پر، ٹونک تمام راجپوتانے میں واحد اسلامی ریاست ہے اور اپنے ہر دورِ حکمرانی میں کچھ نہ کچھ ترقیاں کرتی رہی ہے لیکن جب سے ہز ہائنس نواب حافظ مولوی سر محمد سعادت علیخاں صاحب بہادر صولت جنگ (جی۔ سی۔ آئی۔ ای) کا دورِ مسعود شروع ہوا ہے، ترقی اور اصلاحات کی رفتار تیز سے تیز تر ہو گئی ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے اعلیحضرت نواب صاحب دام اقبالہٗ کی توجہ فرمائی سے بعض ایسی نمایاں ترقیاں ہوئی ہیں جنھیں تاریخِ ٹونک میں سنہری حرفوں سے لکھا جائیگا۔ مثلاً ہائی کورٹ کا قیام، بانا س کا خوبصورت پل۔ جس کی تعمیر سے ہزاروں بندگانِ خدا کی مشکلات دور ہو گئیں ہیں۔ اب سُنا گیا ہے کہ بڑے پیمانے پر ایک گھنٹہ گھر اور ہندو پبلک کے لئے ایک دھرم شالہ تعمیر ہو رہا ہے۔ تمام شہر میں بجلی کی روشنی کا بھی انتظام کیا جا رہا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی ایسی اصلاحات زیرِ غور ہیں جنکا تعلق پبلک کے مفاد اور آرام و آسائش سے ہے۔

اعلیحضرت نواب صاحب دام اقبالہٗ اپنی رعایا سے جس قدر ہمدردی اور محبت فرماتے ہیں اس کا زندہ اور روشن ثبوت ملاحظہ فرمائیے جو لائق صد ہزار آفریں اور تمام ہندوستانی فرماں رواؤں کے لئے ایک درسِ قابلِ عمل ہے۔ ابھی کچھ دن ہوئے ٹونک میں وبائی امراض کا بہت زور تھا اور طاعون کی گرم بازاری اسقدر چھڑی ہوئی تھی کہ زندگی کی آسودگیاں موت کے خوفناک ہاتھوں سے بے روح ہوتی جا رہی تھیں۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ سب کو اپنی اپنی پڑی ہوئی تھی مگر ایسے مہلک زمانے میں اعلیحضرت نواب صاحب دام اقبالہٗ کا ایثار، ہمدردی، محبت اور رعایا نوازی دیکھنے کے قابل

ہے کہ آپ نے دن رات شہر کے بازاروں محلوں اور کوچوں میں خود گشت کرکے مریضوں کی دیکھ بھال کی اور خطرناک حالت والے مریضوں کی بھی خود ہی خبرگیری فرمائی، علاج کا معقول انتظام کیا، سرکاری ہسپتال کے تمام عملے کو خدمتِ خلق کے لئے وقف کردیا، مخصوص دوائیں اور انجکشن وغیرہ سرکاری توشے خانے سے مفت تقسیم کئے گئے۔ غرضکہ سرکارِ عالی نے وبائی امراض کے تمام ایام میں اپنی رعایا کی وہ وہ خدمتیں کیں جو آجتک کوئی والیٔ ملک نہیں کرسکا، تجہیز و تکفین کی آسانیاں بہم پہونچانے کے علاوہ آپ نے مریضوں کی رہائش کا انتظام اپنی ایک کوٹھی میں بھی کیا اور علاج وغیرہ کے تمام اخراجات خود برداشت کئے۔ بیماری کے زمانے میں آپ کی خدمات کی تفصیل بہت طویل ہے۔ مختصراً یوں سمجھئے کہ آپ نے اپنی رعایا کے ساتھ وہ سلوک کئے جو ایک باپ اپنی اولاد کے ساتھ کرتا ہے۔ یا ایک فرمانروا کو اپنی رعیت کے ساتھ کرنے چاہئیں۔

بیماری کے زمانے میں سرکارِ عالی کی خدمات حقیقتاً ایک ایسا کارنامہ ہیں جو دورِ سعادت میں سب سے نمایاں ہیں گی اور ٹونک کی تاریخ قیامت تک انھیں فراموش نہ کرسکے گی۔ بیماری کے دور ہونے کے بعد ٹونک اور مضافاتِ ٹونک کی تمام رعایا نے سرکارِ عالی کی خدمت میں بطورِ اظہارِ عقیدت و محبت سپاسنامے پیش کئے اور ٹونک کے علاوہ تمام ہندوستان میں جہاں جہاں ٹونک کے افراد تھے وہ سب سپاسنامے لے کر حاضر ہوئے یہ سلسلہ کئی مہینے سے جاری ہے اور ابھی تک ختم نہیں ہوا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اعلیٰ حضرت دام اقبالہٗ اپنی رعایا کی نگاہوں میں کس قدر ہردلعزیز اور قابلِ عزت و احترام ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ سرکارِ عالی نے اپنی سچی انسانیت، مساوات اور رواداری کا جو ثبوت دیا ہے وہ بہت اہم ہے۔

منشی پریم چند کا انتقال، ہندوستان کی بدنصیبی کی اس سے بدتر مثال اور کیا ہوسکتی ہے کہ وہ اپنی مشہور اور باکمال ہستیوں سے برابر محروم ہوتا جاتا ہے اس سال کے گذشتہ حادثات ہی ہمارے ماتم کرنے کے لئے کیا کم تھے کہ اب کئی تازہ حادثات نے ماتمی فضاؤں کو اور گہرا کردیا۔ سب سے اہم حادثہ ملک کے مشہور ترین ادیب اور اپنی طرز کے واحد فسانہ نگار منشی پریم چند کی وفات کا ہے، جس نے تمام ہندوستان میں اندوہ و غم کی ایک ایسی لہر دوڑا دی ہے جو عالمگیر ہے اور آپ کی وفات سے دنیائے ادب کے علاوہ ہر شخص متالم و متردد نظر آرہا ہے۔

منشی پریم چند جس بلند شخصیت اور ممتاز فطرت و سیرت کے مالک تھے، ان کے دلیل بنے وطن اور اہلِ وطن کا جو درد تھا اُس پر ہندوستان قیامت تک فخر کریگا وہ ایک سچے ہندوستانی اور اپنی قوم کے ہونہار خدمتگذار تھے اور اپنے جادو نگار قلم سے افسانوں کے ذریعہ وہ ملک و قوم کی جو اصلاح کرگئے ان کا حصہ تھا اور جبتک دنیا میں ان کا نام و کام باقی رہیگا اس اعزاز کو انھیں کی ذاتِ گرامی سے منسوب کیا جائیگا، تمام ہندوستان میں اُن کے افسانوں اور افسانوں کے تعمیری اور اصلاحی اثرات نے ایک نئی زندگی پیدا کردی دیہاتی تہذیب و تمدن کی اصلاح ان کا مقصدِ خصوصی تھا اور اس باب میں وہ بیحد کامیاب تھے انھیں صرف ایک ماہرِ فن فسانہ نویس کہنا صحیح نہیں کیونکہ ان کا درجہ اس سے کہیں بلند ہے، وہ فطرت نگار تھے انھوں نے مردہ ہندوستان میں زندگی کی روح پھونک دی وہ آج ہم میں نہیں لیکن ان کے کارنامے رہتی دنیا تک زندہ رہیں گے! منشی صاحب نے کئی طویل ناول اور تین سو کے قریب مختصر افسانے لکھے جو قریب قریب سب شائع ہوچکے ہیں۔ اقتصادی مشکلات ہمیشہ انکی راہ میں حائل رہیں اب کچھ عرصہ سے بنارس سے ہندی کا ایک سالہ ہنس شائع کر رہے تھے ایک مختصر بیماری کے بعد بہت کم عمری میں دنیا سے سدھار گئے۔ افسوس کہ آپکی وفات سے اردو کو بڑا نقصان پہونچا اور ہندوستان کوشش کے بعد بھی آپ کا جواب پیدا نہ کرسکے گا۔

منشی شیو نرائن صاحب شمیم اور مولوی نورالحسن صاحب نیر کاکوروی مصنف "نور اللغات" کی وفات بھی اردو ادب کے لئے بڑا نقصان ہے۔ نور اللغات آپکی زندگی کا نمایاں کارنامہ ہے جسے دنیا کبھی فراموش نہ کرسکے گی۔

منظر

فصیح الملک شوریدہ شیرازی

ایران جدید کا باکمال شاعر تھا۔ سنہ ۱۲۷۴ھ / ۱۸۵۷ء میں شیراز میں پیدا ہوا۔ فارس نامہ ناصری میں اس نے خود ہی سال پیدائش بتایا ہے۔ دین شاہ ایرانی اپنی کتاب سخنوران دوران پہلوی میں اس کا سال پیدائش سنہ ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳ء لکھتے ہیں۔ جو غلط فہمی کی بنا پر ہے، شوریدہ نے اپنی ولادت کی تاریخ حسب ذیل قطعہ میں نکالی ہے۔

از ہزار و سیصد (۱۳۰۰) افزوں بود سال بست و ہفت (۲۷)　　　گز رہی سال ولادت خواست ماہے دلفروز
گفت کے زائید مامت ؟ گفتمش مام چو زاد　　　رفتہ بود از سال ہجرت ہفت سال و ہفت روز
اینک اعداد جمل را چوں نداند ماہ من　　　سال تاریخ مرا گفتن نمی داند ہنوز

"ہفت سال و ہفت روز" کے عدد ۱۲۸۰ ہوتے ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہاں شوریدہ نے واو شمار نہیں کی ہے۔ بلکہ ہفت سال اور ہفت روز سے تاریخ نکالنے کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس سے صحیح سن سنہ ۱۲۷۴ھ نکل آتا ہے۔

اس کا نسب نامہ اہلی شیرازی صاحب مثنوی سحر حلال تک پہونچتا ہے۔ باپ کا نام عباس تھا۔ ارباب ہنر کے زمرے میں شمار تھا۔ شوریدہ کا پورا نام محمد تقی ہے۔ یہ سات سال کا تھا کہ چیچک نکلی اور دونوں آنکھیں جاتی رہیں۔ اور پھر ساری عمر بے بصری میں ہی گزری۔ مگر کچھ فطرت کی خواہش ہے کہ وہ بعض ارباب کمال کو بے بصر بنا کر ہی افق عالم پر چمکاتی ہے۔ ہومر۔ ملٹن۔ رودکی اور ابو العلا معری نابینا ہی تھے! نو سال کا تھا کہ باپ کا انتقال ہو گیا۔ ماموں نے اس کو پرورش کیا اور ضروری تعلیم و تربیت میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا۔ لیکن یہ در یتیم، دنیا سے آنکھیں بند کئے ہوئے اور باپ کی آغوش سے محروم ہو کر بھی آسمان ادب پر آفتاب بن کر چمکا۔ اور ایک عالم کو اپنے نور سے خیرہ کر دیا۔

سنہ ۱۲۸۸ھ / ۱۸۷۱ء میں شوریدہ نے اپنے ماموں کی معیت میں مکہ معظمہ کا سفر کیا۔ عراق و ایران کے مختلف شہروں کی بھی سیاحت کی سنہ ۱۳۰۰ھ تک اس کی علمی و ادبی قابلیت کی شہرت اطراف ملک میں پھیل چکی تھی۔ سنہ ۱۳۱۱ھ / ۱۸۹۴ء میں حسین قلی خاں نظام السلطنت کی ہمرکابی میں طہران آیا۔ اور ان کی سفارش پر شاہزادہ امین السلطان کی بارگاہ میں باریاب ہوا۔ انہیں کی کوششوں سے

سلطان ناصر الدین شاہ اور سلطان مظفر الدین شاہ کے درباروں میں رسائی اور رسوخ حاصل کیا۔ یہ بادشاہ اس کے کمالات کے قدردان نکلے۔ اُس نے بھی ان کی مدح میں عمدہ قصائد لکھے اور ان کے ناموں کو روشن کیا۔

ایک بار شوریدہ نے ناصر الدین شاہ قاچار کے دربار میں حسب ذیل قطعہ فی البدیہہ موزوں کر کے سُنایا۔ بادشاہ بیحد مسرور ہوا اور فصیح الملک کا خطاب مرحمت کیا:۔

رفتم بدرگہِ شہ و خواندم ثنائے شہ   احسنت شہ شنیدم و چشم ورا ندید
چوں مصطفیٰ کہ شد شبِ معراج سوئے عرش   روئے خدا ندید و ندائے خدا شنید

تمثیل و تشبیہ کے مذہبی پہلو کو قطع نظر کر کے اگر صرف شاعرانہ زاویۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو واقعی قابل تعریف اور لایقِ داد ہے۔

۱۳۱۴ھ / ۱۸۹۶ء میں شوریدہ طہران سے شیراز واپس آگیا اور وہیں شادی کی، پانچ اولادیں ہوئیں۔ جن میں میرزا حسین خاں شیفتہ اور میرزا حسن خاں احسان اس عہد کے ذی علم حضرات میں شامل ہیں۔ آخر عمر میں شوریدہ نے تکیہ سعدیہ کی تولیت اپنے ذمہ کر لی تھی۔ اپنی حیات ہی میں حضرت شیخ سعدیؒ کے مزار کے برابر اپنے لئے مزار تیار کرایا۔ ۶ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ / ۱۹۲۶ء کو وفات ہوئی۔ اور خود ساختہ قبر میں شیخ سعدیؒ کے پہلو میں دفن ہوا۔ لوحِ مزار پر لکھنے کے لئے قطعہ بھی خود کہا تھا اور اپنی وفات کی تاریخ بھی نکالی تھی یہ اٹھارہ شعر ہیں اور مزار پر کندہ ہیں۔ چند شعر نقل ہیں:۔

چوں بر ایں در سرِ کار است بر حمٰن و رحیم   نہ امیدم بہ بہشت است و نہ بیمم ز جحیم
بندۂ ایزدم و معتقدِ احمدؐ و آلؑ   مذہب و ملتم از جعفر و از ابراہیم
من تہیدست سوئے دوست شدم ایں عجب است   ویں عجب تر کہ ز من ماندہ چہ درہائے یتیم
گر یکے ژرف بمعنی نگری میسنگری   کہ کنوں سعدی و من در چہ مقامیم مقیم
شورِ شوریدگی و نطقِ فصیح الملکی   ہیچ اینجا نکند سود بجز عفوِ کریم

سالِ فوتم بربیع دوم ایں مصرع گشت
"شدہ شوریدہ بجاں جانبِ منّانِ رحیم"

۱۳۴۵ھ

فصیح الملک خود نابینا تھا لیکن مختلف لوگ اس خدمت پر نوکر رکھے جاتے تھے کہ اسے تاریخ و ادب وغیرہ کی کتابیں پڑھکر سُنائیں اور اس کے ملفوظات و تاثرات قلم بند کرتے رہیں۔ دیوان جس میں چودہ ہزار کے قریب شعر بتائے جاتے ہیں۔ کشف المراد

جس میں اس کے تاریخی مادّے جمع ہیں، انڈو نامۂ روشن دلاں اس کی تصنیفات سے ہیں۔ ان کے علاوہ متعدد کتابوں اور دیوانوں پر اس کے حواشی بھی ہیں۔

شوریدہ فطرتاً شاعر تھا۔ ذوق سلیم اور قوت نقد اس میں خداداد تھی اور ذہانت و فراست غیر معمولی موجود تھی۔ یہی اسباب تھے کہ حصول علم میں رکاوٹوں کے موجود ہوتے ہوئے اور آنکھوں سے محروم ہوتے ہوئے بھی اس نے کمالات علمی کی تحصیل کی اور افق شاعری کو اپنی شیوا بیانی اور شیریں کلامی سے ایسا چمکایا کہ غیر فانی شہرت کا مالک بن گیا۔ اس کے اشعار میں ایسی نادر تشبیہات و استعارات موجود ہیں کہ آنکھوں والے ان کو نظر انداز کر جاتے ہیں۔ عربی فارسی شعرا کے کلام پر اسے عبور حاصل تھا۔ قصص و روایات واقعات و تلمیحات سب اس کے علم میں تھے، جیسا کہ اس کے اشعار سے ظاہر ہے۔ قصیدہ و غزل اس کے اشہب فکر کے خاص جولانگاہ ہیں۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ وہ ان اقسام میں کامل نظر آتا ہے۔ ادبا نے اس کو کلاسیکی شعرا کے زمرہ میں جگہ دی ہے۔ جس کا وہ واقعی مستحق بھی تھا۔ پختہ کلامی اور قدرت سخن اس کے اشعار سے ہویدا ہے۔ عالم شباب کے افکار میں جدت طرازی، مضمون آرائی اور معنی آفرینی آخر عمر سے زیادہ پائی جاتی ہے، جو تقاضائے سن اور خاصۂ طبائع ہے۔ طبیعت میں شوخی اور تمسخر بھی تھا۔ جو عہد قاچار کا طرہ امتیاز ہے۔ اسی ماحول کے تحت اس نے ہجویں بھی لکھی ہیں اور نکاہیات بھی۔ ۱۳۴۰ھ ۱۹۲۱ء میں بچہ کے پیدا ہونے پر ایک قطعہ لکھا تھا جو ظرافت، متانت اور طلاقت کا ایک دلچسپ مجموعہ ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

همخوابهٔ من دوش برایم پسرے زاد — نور بصرے بہر چو من بے بصرے زاد

ایں کلبۂ ویرانۂ من باغچہ گشت — زاں باغچہ سروے شد و زاں سرو برے زاد

از گریۂ او شب ہمہ شب دوش نخفتم — پیداست ز شوریدہ کہ شوریدہ ترے زاد

با سرخ سرشک مژہ آں مست چہ خوش گفت — کایں طفل جگر گوشہ بخون جگرے زاد

آنانکہ بمن بر سر الطاف و وفا تند — گویند ملک وش بچہ از بشرے زاد

وانانکہ بمن بر سر شوخی و مزاحند — گویند کہ از بزہ خرے کرہ خرے زاد

اے معشر احباب گر تربیت آمد — کز بہر شما ہمسر من در و سرے زاد

من زیں ہمگاں بیشتر اید و بشگفتم — کانیاں پسرے از چہ ز چوں من پدرے زاد

ایں از در شوخی است کہ تا طعن بنر د زن — کو گر پسرے زاد در خشاں گہرے زاد

زاد و لاد خرو چوے تو اے خواجہ وگرنہ — ہر دو بجہاں مادہ آور د و نرے زاد

نے ہر کہ بزاید پسرے در خور فخر است — یعنی پسر او زاد کہ از وے ہنرے زاد

ملک الشعرا بہار خراسانی نے اس قطعہ کے جواب میں بطور مبارکباد چند شعر کہہ کر شوریدہ کو بھیجے۔ لکھتے ہیں:-

همخوابهٔ شوریدهٔ گرامی پسرے زاد　　　خورشید سرایش ز برایش قمرے زاد

شگفت نیست که از شاخ گلے رست　　　پیداست که از نامورے نامورے زاد

این برق فضیلت ز همایون افقے جست　　　وین شعلهٔ روشن ز مبارک شجرے زاد

اس قطعہ سے یہ بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ معاصرین میں اور بالخصوص بہار جیسے باکمال کی نظر میں ان کی کس قدر وقعت تھی۔

تاریخ گوئی میں شوریدہ کو کمال حاصل تھا۔ اپنا سال پیدائش کس خوبی سے نکالا ہے آپ نے اوپر ملاحظہ کیا۔ شاہزادہ ایرج میرزا جلال الممالک ایک باکمال ادیب، نقاد، شاعر اور سیاست داں تھا۔ اس کی وفات پر شوریدہ نے بھی مرثیہ کہا۔ پورا قطعہ ایران قدیم کی تلمیحات سے بھرا ہوا ہے تاریخ بھی خوب کہی ہے۔ اور ایرج و تور کی رعایت لفظی نے اس میں اور بھی لطف پیدا کر دیا ہے: صرف آخری دو شعر نقل کرتا ہوں۔

چوں چل و چار از پس الف و سہ صد شد باز چرخ　　　بانگ زد بر ایرج ثانی کہ وقت تست تنگ

گفت شوریدہ فصیح اندر غم و تاریخ وے　　　"ایرج نامرد آہ از کید این تور فلک"

۱۳۴۴ھ

اعلیحضرت رضا شاہ پہلوی کی تخت نشینی کی تاریخ میں کس قدر پُرلطف تعمیہ و تخرجہ کیا ہے۔ احمد شاہ آخری بادشاہ تھا۔ انقلابی جماعت کی کامیابیوں کی تکمیل اس کی معزولی کی صورت میں ظاہر ہوئی، کچھ عرصہ بعد سردار رضا خاں اورنگ حکومت پر متمکن ہوئے۔ اور رضا شاہ پہلوی کہلائے۔

اے امیر لشکر اے محمود راد　　　اے شکوہت راز شاہ نوذری

تعمیہ تاریخ بس صعب است لیک　　　گفت شوریدہ فصیح منزوی

از رضا خاں نام احمد پادشا　　　در عدد کم شد، فزوں شد پہلوی

۱۶۵۲ - ۳۶۱ = ۱۲۹۱ + ۵۳ = ۱۳۴۴ھ

معلوم ہوتا ہے کہ فصیح الملک کو مشکل زمینوں میں لکھنے کا بہت شوق تھا۔ متعدد قصیدوں اور غزلوں کے لئے سنگلاخ میدان تلاش کئے ہیں کہ جہاں اکثر کار اہوار فکر ٹھوکر کھا جائے۔ مثلاً یہ غزل ترصیع اور لزوم مالایلزم کی عجیب مثال ہے۔ اس سے شوریدہ کی پختگی اور قدرت کا حال معلوم ہوتا ہے:-

هرچه کنی بکن۔ مکن ترک من۔ اے نگار من! هرچه بری ببر۔ مبر سنگدلی بکار من

هرچه هلی بهل۔ مهل برده بروئے چوں قمر هرچه دری بدر۔ مدر پردهٔ اعتبار من

هرچه کشی بکش۔ مکش باده ببزم مدعی هرچه خوری بخور۔ مخور خون من ای نگار من

هرچه دهی بده۔ مده زلف بباد اے صنم! هرچه نهی بنه۔ منه دام بر هگزار من

هرچه کشی بکش۔ مکش صید حرم کہ نیست خوش هرچه شوی بشو۔ مشو تشنه بخون زار من

هرچه بری ببر۔ مبر رشتهٔ الفت مرا هرچه کنی بکن۔ مکن خانهٔ اختیار من

هرچه روی برو۔ مرو در راه خلاف دوستی هرچه زنی بزن۔ مزن طعنه بروزگار من

ذیل کی غزل دیکھئے۔ آید۔ نیاید۔ کا کیسا لزوم کیا ہے۔ چند شعر مثالاً نقل کرتا ہوں۔

آں پری پو از درم روزے فراز آید؟ نیاید من همی خواهم که عمر رفته باز آید۔ نیاید

تا نه بیند آه من بر من دلش سوزد؟ نسوزد آهن آتش تا نه بیند در گداز آید؟ نیاید

عقل آں نیرو ندارد کو بگرد عشق گردد صعوه هرگز در مصاف شاهباز آید؟ نیاید

ان اشعار میں اپنے تخلص اور نابینا ہونے سے کیا خوب کام لیا ہے۔

روئے بنمائی و دل از من شوریده ربائی تو چه شوخی که دل از مردم بے دیده ربائی

حسن گویند که چوں دیده شود دل برباید تو بدیں حسن دل از دیده و بے دیده ربائی

تو که خود فاش توانی دل یک شهر ربودن دل شوریده روا نیست که دزدیده ربائی

اس غزل میں بھی لزوم مالایلزم کی پرلطف مثال پائی جاتی ہے۔ صرف دو شعر پر اکتفا کرتا ہوں۔

تو مرا جان بجاں داری و پیداست که داری در دل و دیده مکاں داری و پیداست که داری

لاله در غالیه پوشی و پدید است که پوشی ماه بر سرو رواں داری و پیداست که داری

قصائد میں بھی قدرت کلام کا یہی حال ہے۔ خاقانی کے قصیدہ کے جواب میں قصیدہ لکھا ہے اور خوب لکھا ہے۔ خود بھی ہمسری کا دعویدار ہے۔ تشبیب کی ندرت ملاحظہ ہو:۔

گر از من او فتد تف آہے در آینه سر تا بپائے آینه سوزد هر آینه

آں به که دیده نیست مرا ورنه هر نفس ز آہم شدے مکدر روز انکم تمه آینه

حالی چو دیده نیست مرا فارغم از آنک گیتی بود بے آینه یا یکسر آینه

بگزرز الفت من و آئینه زانکه من کورم ز دیدن و ز شنیدن کر آینه

بہت اشعار ہیں۔ پند و نصائح ہیں۔ آخر میں کہتا ہے

چندیں مگوے ز آئینہ کاینجا بکار نیست — آئینہ گر ز نقل بسازد گر آئینہ
با آں فرو بہا کہ ردیف قصیدہ ساخت — خاقانی فرید سخن پرورد آئینہ
خود را بدید زشت بپاسخ برش چہ ہشت — شوریدہ فصیح ثنا گستر آئینہ
آرے بموقفے کہ رسد نوبت سماع — مات است پیش بربط رامشگر آئینہ
ارچہ گزیں مسابقہ مانی شود مرا — از صیقل قبول جہاں داور آئینہ

ایک اور قصیدہ میں اپنے کمالات پر فخر کر کے مفلسی کا رونا روتا ہے۔ تخیلات و تشبیہات بہت خوب ہیں سیہ پوشی کا ذکر کیسے کیسے دلچسپ عنوانوں سے کیا ہے۔

گوہر اشک نیم گوہر بحر ہنرم — الا اے آصف دوراں مفگن از نظرم
گر سلیمان کندم بخت ہماں مور توام — ور بگردوں بردم باد ہماں خاک درم
من شوریدۂ اعمایم کاندریں عصر — بو العلائے دگر و ابن عباد دگرم
لیک چندیست کہ بے سیم و زرم گرچہ مدام — بچکد اشک چو سیماب برخے چو زرم
نیستم پستہ کہ گر خندم خوشدل باشم — غنچہ ام غنچہ کہ می خندم و خونیں جگرم
ماہ محرم شد و من سوگ زدہ خواہم شد — ز حلی کسوت تا آخر ماہ صفرم
گر غلام سیہے داشتمے کشتیمش — پوستش کندمے و کردمے آنگہ ببرم
جامہ چوں موئے سیاوش تین در پوشم — بسفیدی نزنم دست مگر زال زرم
در سیہ جامہ شوم تاکہ بدانند کہ من — چشمۂ آب حیاتم کہ بظلمات درم
من نخواہم شدن اندر سلب عباسی — گرچہ بیشک حسنی کیشم و حسینی سیرم

فلسفہ۔ اخلاق۔ پند و موعظت بھی اس کے قطعات۔ رباعیات اور قصائد میں بہت ہے۔ دو مثالیں کافی سمجھتا ہوں جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔

خردمند بسیار داں بایدے — کہ کم جوید از چار بسیار کار
ز بسیار گوے و ز بسیار خند — ز بسیار خسپ و ز بسیار خوار

اندریں دیر سپنجی پیشہ کن ایں چار چیز — تا بماند رخت قدرت در جہان کہنہ نو
تا نخواہندت مخواہ۔ و تا نہ بخشندت مگیر — تا نہ پرسندت مگوے و تا نخوانندت مرو

محمد طاہر فاروقی ایم۔ اے

موجودہ سیاسیاتِ عالم میں دو ایسے نظریے نمایاں حیثیت حاصل کر چکے ہیں جو امنِ عالم کے لئے خطرۂ جان ثابت ہو رہے ہیں۔ ان میں ایک تو جرمنی کی نازیت (Nazism) اور دوسرا اطالوی فاسیت (Italian Fascism) ہٹلر اور مسولینی کے آہنی دماغوں کی ان عجیب اختراعوں نے مجلسِ اقوام کے تمام نیک ارادوں کو خاک میں ملا دیا ہے اور مجلسِ اقوام جو جنگِ عالم کے بعد تمام سیاسیاتِ عالم پر حاوی تھی اور انسدادِ جنگ کی کوششوں میں کامیاب ثابت ہو رہی تھی اب ایک لاش سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ چنانچہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں نظریوں کے بلند و پست کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔ بہت ممکن ہے کہ یہ نظریے ہی مستقبلِ قریب میں تمام دنیا پر چھا جائیں۔ لیکن طوالت کا لحاظ رکھتے ہوئے یہاں صرف فاسیت پر ہی غور کیا جا سکتا ہے

اطالوی فاسیت بعض صورتوں میں روسی کمیونزم (Russian Communism) سے بہت مشابہ ہے۔ خصوصاً ان باتوں میں کہ وہ شہریوں کو عمل کی تعلیم دیتی ہے، ریاست سے تمام ایسے عناصر کو نیست و نابود کرنے کی سعی کرتی ہے جو مخالف اور دشمن ہوں۔ انفرادی اور مجلسی حیثیت سے سب کو ریاستی عَلَم کے زیرِ سایہ جمع کرتی ہے اور اُس کی کوشش ہے کہ ملک میں طریقِ سیاست و حکومت کچھ ہی کیوں نہ ہو، فاسٹی پارٹی ہر حالت میں نمایاں اور طاقتور رہے، لیکن فاسیت اور کمیونزم کی منازلِ مقصود مختلف ہیں۔ کیونکہ اُن کی بنیادیں بالکل مختلف ہیں۔ ایک کمیونسٹ کے لئے جو کارل مارکس کے فلسفہ سے متاثر ہے بنیادی حقیقت جماعت ہے اور جماعت پر ہی نئی سوسائٹی کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔ اس کے برعکس فاسیت کے نظریہ کے مطابق بنیادی حقیقت قوم (Nation) ہے تمام سیاسیات کا مقصد قوم کو تقویت پہنچانا اور کوئی ایسا ذریعۂ حکومت تلاش کرنا ہے جو قوم کی نمائندگی کر سکے۔ قومیت سے مراد کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو کسی جابر اجنبی قوم پر فتح پا کر حاصل کی جائے بلکہ یہ ایک ایسی چیز ہے جو پہلے ہی ترکیب دی جا چکی ہے مگر اب ضرورت اس بات کی ہے کہ اُس کو پرورش دیکر بین الاقوامیت اور سوشلزم کے حملوں سے محفوظ رکھا جائے۔

بینٹو مولینی جو کسی زمانہ میں خود بھی سوشلسٹ تھا۔ اس کا بانی ہے۔ اطالوی فاسیت نتیجہ ہے ان باہمی جھگڑوں کی بدنظمیوں کا جو جنگ کے بعد اٹلی میں پیدا ہوئیں۔ پارلیمنٹری حکومت اٹلی میں ہمیشہ کمزور رہی ہے اور دورانِ جنگ و بعد جنگ تو سوشلزم کی وجہ سے وہ بالکل ہی بیکار ہوگئی تھی۔ اس وقت اٹلی کا نظامِ حکومت کسی صحیح طریقہ کا مرہونِ منت نہیں تھا۔ سوشلسٹ حکومت کو بنا تو کر سکتے تھے مگر حکومت کو اپنے ہاتھ میں لینے کی اہلیت نہیں رکھتے تھے کیونکہ ایسا کرنے سے [illegible] Communism [illegible] بگڑ جانے کا شدید اندیشہ تھا۔ لہذا اگرچہ وہ قدیم طریقہ سے متنفر تھے ان میں یہ جرأت نہیں تھی کہ [illegible] سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے اٹلی میں نیا طریقہ قایم کریں۔ جرمنی اور فرانس کی طرح اٹلی میں کوئی زبردست سوشلسٹ لیڈر بھی تو پیدا نہیں ہوا جو صحیح رہنمائی کرتا۔ اس کا یقینی نتیجہ یہی نکلا کہ حکومت کے ساتھ لوگ سوشلزم سے بھی بدظن ہوگئے۔ اب فاسیت کے لئے راستہ بالکل صاف تھا۔ تمام نامراد و مایوس جماعتیں اُس کی پناہ میں آنا شروع ہوئیں اور جلد ہی بادشاہ بھی فاسیت کی طرف جُھکا اور دیکھتے ہی دیکھتے تمام حکومت مولینی کے ہاتھوں میں منتقل ہوگئی۔

فاسیت ایک نظریہ یا پروگرام کی حیثیت نہیں رکھتی تھی بلکہ یہ ایک پیغامِ عمل تھا جس کی بنیاد نیشنلزم پر رکھی گئی تھی۔ نوجوان اس سے بہت متاثر ہوئے کیونکہ یہ خیال سے زیادہ عمل پر زور دیتی تھی۔ کیونزم بین الاقوامیت اور جماعتی نزاع سے اسے نفرت تھی۔ پارلیمنٹری طرز کو یہ اٹلی کی ناکاری اور بدنظمی کا ذمہ دار ٹھہراتی تھی۔ اس نے Pacifism کو جھٹلایا کیونکہ اس سے اٹلی کی امیدیں محدود ہوئی جاتی تھیں۔

رفتہ رفتہ فاسیت اب ایک نظریہ بن گئی ہے۔ یہ نظریہ سب سے پہلے اس یقین پر مبنی ہے کہ قوم ایک Supreme [illegible] Being ہے۔ یعنی تمام نیکیوں کا انحصار قوم پر ہے۔ انسان قوم کے غلام ہیں اور اُن کو قوم ہی میں خودی کی تلاش کرنی چاہئے۔ آدمی سے قوم ادائگیِ فرض کا مطالبہ کرتی ہے لیکن قوم سے کوئی ایسا مطالبہ نہیں کرتا۔ وہ دوسری قوموں سے دوستانہ یا دشمنی کے تعلقات قائم کر سکتی ہے لیکن اُن میں سے کسی کو خود سے بدتر و بہتر نہیں سمجھتی۔ ان لوگوں کے نزدیک جو اس نظریہ کو تسلیم کرتے ہیں قوم کائناتی ہے اور تمام سیاسیات کا مقصدِ قومی خودنمی ہے۔

اس کا مطلب ملک سے باہر امپیریلزم (Imperialism) ہے کیونکہ ضرورت ہے کہ قوم کے سانس لینے اور پھیلنے کے لئے جگہ مہیا کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ فاسیت فوجی خوبیوں کو پسند کرتی ہے اور اٹلی کی سیاسیات میں فوجی لہجہ کا اضافہ کرتی ہے، لیکن اٹلی اس وقت تک جنگ پر آمادہ ہونے کے لئے تیار نہیں جبتک اس کے لئے فتح یقینی نہ ہو جائے۔ علاوہ ازیں (National Idea) نیشنل آئیڈیا سے مراد اندرونی مرکزیت (Internal Concentration) ہے کیونکہ مجلسی زندگی کی تمام تر تنظیم نیشن اسٹیٹ پر منحصر ہے۔ خصوصاً جماعت میں ایسا کوئی عنصر برداشت نہیں کیا جا سکتا جو اس نظریہ کا احترام نہ کرے اس سے مراد لیبر تحریک کی موت ہے کیونکہ مزدور پیشہ جماعت بین الاقوامیت پر مائل ہے۔ لیکن فاسیت اس وقت تک اِس جماعت کو نیست و نابود نہیں کر سکتی جب تک اس کی جگہ دوسری جماعت کو وجود میں نہ لے آئے۔ لہذا

اٹلی میں سوشلسٹ ٹریڈ یونین کی جگہ فاسی یونین قائم کی گئی۔ جس کے کارکن فاسیت کے پیرو تھے اور کسی مخالف عنصر کو اپنی جماعت میں داخل ہونے کا موقع نہیں دیتے تھے۔ اور مضبوط بنانے کے لئے ایسی جماعتوں کو یہ طاقتیں بھی دی گئیں کہ وہ رکن اور غیر رکن دونوں سے۔ چندے کا ٹیکس وصول کریں۔ مزدوروں کو ان کے علاوہ کسی دوسری جماعت سے تعلق رکھنے کی اجازت نہیں [illegible] انڈسٹری اور ملازمت کے سوالات پر غور کرنے کا کام بھی انہیں جماعتوں کے سپرد کیا گیا۔ [illegible] ازیں فاسی [illegible] کے [illegible] کا ذریعہ بھی انہیں جماعتوں کو بنایا گیا۔

فاسیت اپنے تمام ارادوں کو عملی جامہ پہنانے میں رفتہ رفتہ کامیاب ہوتی ہے۔ لیکن نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کامیابی کس حد تک کامیابی ہے کیونکہ کمیونزم کی طرح فاسیت بھی اجازت نہیں دیتی کہ اس کے خلاف کوئی بات کہی جائے۔ تاہم اتنا ضرور ہوا ہے کہ ابتک اٹلی کے مزدوروں اور ممالکِ غیر کے مزدوروں میں کوئی سلسلۂ تعلقات پیدا نہیں ہو سکا

ضیا فتح آبادی ایم۔ اے

من کی بھول ـــــ (گیت)

پریم ہے من کی بھول
سکھی ری پریم ہے من کی بھول

دنیا والے لوبھی بندے
مایا کے سارے ہیں پھندے
دنیا داری کے سب دھندے

پریم ہے من کی بھول
سکھی ری پریم ہے من کی بھول

جھوٹا دن اور رات بھی جھوٹی
مدماتی برسات بھی جھوٹی
ساون کی سوغات بھی جھوٹی

جھوٹے ہیں یہ پھول
سکھی ری پریم ہے من کی بھول

پریت کے جس نے بھید بتائے
پریت کے جس کو گیت سنائے
وہ پریمی پردیس کو جائے

اڑتی جائے دھول
سکھی ری پریم ہے من کی بھول

ضیا فتح آبادی ایم۔ اے

شیطانی زہد

کیا قیامت ہے ایزدِ باری
زہد کے بھیس میں گنہگاری

ہاں غلط ہے کہ ہر جگہ شیطاں
جمع کرتا ہے کفر کے ساماں

بلکہ دیکھا گیا ہے یہ اکثر
کہ یہ ظالم عدوئے نوعِ بشر

راہِ بد ہی نہیں دکھاتا ہے
بلکہ دیندار ہی بناتا ہے

کشتیِ اتقا کھیتا ہے
حفظِ قرآں کا ذوق دیتا ہے

پیش کرتا ہے خلد کے لذّات
دل کو کرتا ہے مائلِ خیرات

جب شرارت کی حد پہ آتا ہے
بھیک منگوا کے حج کراتا ہے

یہی کہہ کے راہ کرتا ہے گم
کہ خدا کے ہو خاندان سے تم

برتر از جملہ ماسوا ہو تم
یعنی بندے نہیں، خدا ہو تم

جوشؔ ملیح آبادی

"خودی" اور "بیخودی" پر ایک نظر

رسالہ "کنول" بابت ماہ اگست ۱۹۳۶ء میں حضرت آلم مظفر نگری نے "کلیم عجم اور درس بیخودی" کے عنوان سے حضرت مولانا سیماب مدظلہٗ کے کلام پر تبصرہ فرمایا ہے ——————

جہاں تک حضرت مولانا کی شاعری کی خوبیوں کا تعلق ہے مجھے محترم مضمون نگار سے اتفاق ہے بلکہ میرا تو خیال ہے کہ حضرت مولانا کی شاعری میری اور حضرتِ آلم کی تنقید سے کہیں ارفع ہے۔ لیکن اپنے فرسودہ خیالات کے اظہار کی ضرورت مجھے محض اس وجہ سے ہوئی کہ محترم مقالہ نگار نے اپنے مضمون میں چند فلسفی مسائل پر روشنی ڈالی ہے جنھیں میرے خیال ناقص میں وہ پوری طرح نہ سمجھ سکے۔

میرے محترم دوست نے فلسفۂ "خودی[1] اور بیخودی[2]" اور فلسفۂ تشکیک Scepticism پر فاضلانہ تبصرہ فرمایا ہے اور لگے ہاتھوں مسئلۂ "ہمہ اوست" Pantheism کو گمراہ کن ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔

میرا مقصدِ واحد محض اُن غلط فہمیوں کا ازالہ کرنا ہے۔ جو حضرتِ آلم کی تحریر سے دنیائے ادب و فلسفہ میں رونما ہو سکتی ہیں۔

حضرتِ آلم نے خودی کو نفسانیت "مادہ پرستی" کا مترادف اور الحاد کا سنگِ بنیاد سمجھا۔ اُن کے خیال میں اہلِ بیخودی "اہلِ حقیقت" "اہلِ معرفت" اور "حق پرست" ہیں اور ایک سرگشتۂ صہبائے خودی "بندۂ تعینات" وہ "صور علیہ کی کشش اور عالمِ رنگ و بو کے نظر فریب طلسم سے مسحور ہو کر مقصد سے دور جا پڑتا ہے۔ اور خودی کے نشہ سے مست ہو کر موجود فی الخارج میں گم۔ لیکن حقانیت کا پرستار (اہلِ بیخودی؟؟!) تعینات کے تصور سے قطعی آزاد ہوتا ہے۔ وہ قوائے دماغی سے نہیں بلکہ قوائے روحانی کے بازو کی مدد سے عالمِ ہویت میں پرواز کرتا ہے"۔ اسی سلسلہ میں اُنھوں نے فلسفۂ "ہمہ اوست" پر ایک ضرب کاری لگائی —— اُن کے خیال میں یہ ایک وہمی طلسم ہے جس سے "انانیت" اور "الحاد" کے آبشار پھوٹتے ہیں —— "تعین ایک نقطۂ وہمی ہے" —— یہ ہیں اُنکی

---

[1] Perfectionism [2] Asceticism

غلطی مونگانیاں!!

مجھے نہایت افسوس ہے کہ حضرتِ آلم خودی و بیخودی کے نکات نہ سمجھ سکے۔ اُن کی باریک بیں نگاہیں سطحیت کے خارزاروں میں اُلجھ کر رہ گئیں، اُن کا دستِ شوق حریمِ حقیقت تک نہ پہونچ سکا ــــــ اُن کے خیال میں خودی و بیخودی میں تضادِ مطلق اور تبائنِ حقیقی ہے۔ درانحالیکہ دونوں سلوک عرفان کی مختلف منزلیں ہیں۔

"بیخودی" عرفان کی منزلِ اوّل ہے۔ یہی وہ منزل ہے جہاں انسان پہلی پہلی بار حصار و شہود کی رنگینیوں سے بے نیاز ہو کر ایک عالمِ مثال کی وسعتوں میں کھو جاتا ہے۔ اُسے ایک لا معلوم روحانی کیفیت اور لذت محسوس ہوتی ہے وہ نہیں سمجھ سکتا کہ یہ کس طرح کی لذت ہے۔ لیکن روحانی لذتیں قلبی کیفیتیں۔ ایک سکر، ایک خمار، ایک نشہ، ایک مستی پیدا کرتی ہیں اور یہی مستی بیخودی کی شرابِ رنگیں برساتی ہے ــــــ بیخودی نام ہے اُس کیفیت کا جس میں انسان ایک متنفر طاقت سے متاثر ہو کر توازنِ ذہنی اور توائے دماغی کھو دیتا ہے۔ اُس پر ایک وارفتگی، ایک خود فراموشی، ایک گم شدگی کی کیفی حالتیں مستولی ہو جاتی ہیں، اس کی نگاہیں صورِ محسوسات پر پڑتی ہیں لیکن وہ ان کی بوقلمونیوں کی طلسم کاریوں سے بیخبر ہو جاتا ہے ــــــ عالمِ شہود اور جہانِ رنگ و بُو سے پرے، کائنات تصور اور دنیائے تخیل میں فردوسی ترانے سنتا ہے۔ لیکن سمجھ نہیں سکتا، وہ ایک حُسن زیرِ نقاب دیکھتا ہے ایک نغمۂ بے ساز سُنتا ہے ــــــ اور اُسی جنت نگاہ نگار خانے، اُسی فردوس گوش زمزمہ زار میں کھویا رہتا ہے ــــــ

فلمّا تجلّی الی الجبل جعلہ دکّا وّخرّ موسیٰ صعقا ــــــ (سورہ قصص)

حضرت موسیٰ حُسن زیرِ نقاب کے نظارہ کی تاب نہ لا سکے اور بیہوش ہو گئے ــــــ

چونکہ بیخودی عرفان کی منزلِ اوّل ہے اس لئے اہلِ بیخودی کی "حسِ مشترک" اس قدر قوی نہیں ہوتی کہ حسن زیرِ نقاب کے جلوے اور نغمۂ بے نیاز کی بازگشت حسین جذب کرلے یا خود صاحب بیخودی حسن کی رنگینیوں میں بھولکر بکھرے اور لرزش نغمہ بن کر فضائے قدس میں گونجے ــــــ

"واعلم انّ الانسان لہٗ قوۃ یجتمع فیہ صور المحسوسات وھٰذہ القوۃ بالحسّ المشترک وینطبع فیھا صور المحسوسات بطریقین، احدھما ان الحواس الظاھرۃ الّتی ھی السمع والبصر والشمّ والذوق واللمس تاخذ صورۃ المحسوسات وتودیھا الی الحسّ المشترک۔ والثانی ان فی الدماغ قوۃ متخیلۃ من شانھا ترکیب الصور" "واما الوحی والالھام فالنفس الناطقۃ اذا کانت قویۃ بحیث لم یکن اشتغالھا مانعاً من الاتصال بالمبادی القدسیۃ وکانت المتخیلۃ قویۃ بحیث القوی علی استخلاص الحسّ المشترک عن الحواس الظاھرۃ اتصلت حالۃ الیقظۃ بالعقول المجردۃ والنفوس السماویۃ وحصل لھا ادراک المغیبات"، وقد ھٰکذا فی المقاصد المراصد

"یعنی ــــــ جاننا چاہئے کہ انسان میں ایک قوۃ ہے جس میں محسوسات کی صورتیں جمع ہوتی ہیں اور اسی قوت کا نام حسِ مشترک

ہے ـــــــ اس میں صور محسوسات دو طریقوں پر منقش ہوتے ہیں ایک یہ کہ حواس ظاہری یعنی سامعہ، باصرہ، شامہ، ذائقہ لامسہ، مشاہدات کی صورتیں حسِ مشترک تک پہونچا دیتی ہیں ـــــــ دوسری صورت یہ ہے کہ دماغ میں ایک قوۃ متخیلہ ہے جو صورتوں کو ترکیب دیتی ہے۔ باقی وحی والہام ـــــــ قرآن کی حقیقت یہ ہے کہ نفس ناطقہ جب اس قدر قوی ہو جاتا ہے کہ باوجود مشغولیت بدنی مبادی قدسیہ سے متصل ہو سکتا ہے اور ساتھ ساتھ قوت متخیلہ اس قدر قوی ہو جاتی ہے کہ حسِ مشترک کو حواس ظاہری سے نجات دے سکتی ہے تو نفس ناطقہ بیداری کی حالت میں بھی عقول مجردہ اور نفوس سماویہ سے متصل ہو جاتا ہے اور غیب کی باتوں کا ادراک کلّی طور پر ہوتا ہے ـــــــ

آپ غالباً سمجھ گئے ہوں گے کہ نفس ناطقہ جس قدر قوی ہوتا ہے اتنا ہی غیب کی باتوں کا ادراک ہوتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ نفسِ ناطقہ کب اور کس طرح قوی ہوتا ہے۔ کیا بغیر تشخیص مرض آپ معالجہ کر سکتے ہیں کیا بغیر ادراک و عرفان نفس ناطقہ یا حصول خودی آپ نفس ناطقہ کو قوی کر سکتے ہیں ـــــــ جس طرح بدنی صحت اور جسمانی تندرستی کے لئے اپنے اعضاء و جوارح کی واقفیت تامہ ضروری ہے۔ اسی طرح روحانی صحت کے لئے نفس ناطقہ یا نفس صادق یا شخصیت یا خودی کا ادراک تام ضروری ہے۔ ثانیاً علم و ادراک کا تعلق ہشیاری یا خودی کے ساتھ ہے نہ کہ بیخودی و بے ہوشی کے ساتھ بیخودی و بیہوشی علم و ادراک کے منافی ہیں لہٰذا ایسے دعاوی ایک دم غیر منطقی اور غیر فلسفی ہیں ـــــــ یہی نفس ناطقہ، شخصیت کے حصول و ارتقا کا نام خودی و عرفان ہے اور اسی نفس ناطقہ کو True self کہتے ہیں۔

اگر میرے محترم دوست نے بیخودی کا یہ مفہوم سمجھا ہے کہ انسان عالم رنگ و بُو کی رنگینیوں اور مشاہدات و محسوسات کی طلسم آفرینیوں سے بے نیاز ہو کر حسنِ حقیقت کے جلووں میں جذب ہو جاتا ہے تو یہ کیفی و کمّی حالتیں عین خودی کی ہیں جسے وہ بیخودی کے غلط نام سے تعبیر کرتے ہیں۔

خودی کیا ہے ؟ ـــــــ اپنی حقیقتِ نفس کا عرفان کامل ـــــــ اور یہی چیز ہے جو مخلوق کو خالق، بندے کو خدا، عشق کو حُسن سے ملا دیتی ہے۔ محسوسات کی رنگینیاں اور شہود و حصار کی حد بندیاں چشم حق تلاش کے لئے، حجابِ اکبر، ہیں ـــــــ ان رنگینیوں اور طلسم آفرینیوں سے قطعی طور پر آزاد ہو جانا عین خودی ہے۔

گذارش کر چکا ہوں کہ بیخودی منزلِ اوّل ہے۔ جہاں حُسنِ ازل کی ضیائے اوّلیں آنکھیں خیرہ کر دیتی ہے۔ جہاں قدسی ترانوں کی مبہم سی گونج ہوش و حواس کو مبہوت و مختل کر دیتی ہے ـــــــ یہی مقام "حیرت" ہے۔ یہ منزل نہایت سخت و صعب ہے، یہ طلسم قدرت ہے اکثر انسان "حیرت" کی پُرخطر وادیوں میں گم ہو جاتا ہے اور منزلِ مقصود تک نہیں پہونچ سکتا۔ اسی وادی کے ایک حصّہ کا نام صحرائے تشکیک ہے، یہ خطہ بہت ہی خطرناک ہے اور اکثر انسان تشکیک میں اُلجھ کر تخلیق سے انکار کر دیتا ہے

یا کبھی خدا ہی کو بھول جاتا ہے۔ لیکن جب اس منزل سے آگے بڑھ جاتا ہے تو "یقین" کی سرحد شروع ہوتی ہے اور اسی سے عرفان کے ڈانڈے ملے ہوئے ہیں جس کی پہلی منزل فنا فی اللہ اور منزل آخر عرفان اتم، یا خودی یا بقا باللہ ہے۔ اسی کی طرف پیغمبر اعظم صلعم نے ارشاد فرمایا ہے ــــ
من عرف نفسه فقد عرف ربه ومن عرف ربه فقد کل لسانه ــــ جسے اپنے نفس کا عرفان ہوا اُس نے خدا کو پہچانا اور جس نے خدا کو پہچانا اُس کی زبان گنگ ہوگئی (گنگ ہونے سے کیا مراد ہے یہ موجودہ بحث سے خارج ہے) قطب الاقطاب فرد الاحباب غوثِ وقت عالم المعی، فاضل لوذعی حضرت مولانا عبد الحلیم آسی رشیدی سکندر پوری قدس سرہٗ نے اس حدیث کی ترجمانی کتنے پیارے لفظوں میں کی ہے ؎

مُنہ سے کہوں تو منہ جلے اور دلیں رکھا نہ جائے
گونگا کو سپنا بھئے، سمجھ سمجھ پچھتائے

یہ حدیث نبوی میرے دعوے پر دال ہے اور اس کے بعد "خودی" کو اصطلاح عام کا لباس پہنانا عقلی استبعاد اور منطقی استحالہ کا موجب ہے۔

پیغمبر اعظم صلعم نے جو باریکیاں خودی کی سمجھیں اور خودی کی جس نعمتِ اعلیٰ پر پہونچے کسی مخلوق کو نصیب نہ ہوا۔ آج بھی عرش کی نوریں فضا "لی مع اللہ وقت لا موجودٌ فیه ملک مقرب ولا نبی مرسل" (میرے لئے اللہ کے ساتھ ایک ایسا وقت بھی ہے جبکہ نہ تو کوئی فرشتہ مقرب موجود ہوتا ہے نہ کوئی نبی مرسل) کے قدسی ترانے سے گونج اُٹھتی ہے۔ اس "حدیث قدسی" کی حقیقت آگینوں کو سمجھنے کی کوشش کیجئے غور کیجئے اس کا ہر ٹکڑا خودی کی لے الاپ رہا ہے لی مع اللہ کے بعد خودی کو نفسانیت کا مترادف سمجھنا انکارِ حقیقت ہے۔ اللہ نے خودی کا فرمان بھیجا، اس کے پیارے رسول نے خودی کے راز بتائے اور یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم صلعم نے کلیسائی شور کے خلاف لا رهبانیة فی الاسلام کا فردوسی ترانہ اور الدنیا مزرعة الآخرة کا روحانی نغمہ بلند کرتے ہوئے عامۃ الناس کو عمل کی ہدایت کی۔ زندگی نام ہے عمل کا اور عمل اور خودی لازم و ملزوم ہیں عمل کے فقدان کا نام بیخودی ہے۔

اسی خیال کے ماتحت مغرب کے مشہور فلسفی شاعر ورڈسورتھ Wordsworth نے غیر فانی شعر کہا ہے۔

"Types of wise men, who soar but never roam
True to the kindred points of the over Home"

"عاقل وہ ہیں جو رفعت و ارتقا کی طرف پرواز کرتے ہیں اور بھٹکتے نہیں پھرتے۔

اُن کی نظروں میں دنیا و عقبیٰ کے ڈانڈے ملے ہوئے ہیں ــــ ترجمہ ــــ "الدنیا مزرعة الآخرة" - "افحسبتم انما خلقناکم عبثاً و انکم الینا لا ترجعون" (سورۂ مومنون) کیا تم سمجھتے ہو کہ اللہ نے تمھیں عبث پیدا کیا ہے اور کیا تم اُس کی طرف

نہیں لوٹوگے ـــــ ترجمہ ـــــ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ مقنن ازل کا یہ خطاب بیخودوں اور دیوانوں کی طرف ہے ـــــ
ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ تخلیق کی غرض و غایت سمجھے، وہ دنیا میں عبث نہیں پیدا کیا گیا۔ اپنی تخلیق کا راز معلوم کرنے کے لئے اُسے اپنا عرفان کامل حاصل کرنا ہوگا۔ جس نے اپنی ہستی نہ پہچانی یعنی جس نے خودی کی شراب روحانی نہ چکھی وہ تخلیق کی غرض غایت کیا سمجھ سکتا ہے۔ اس کے لئے عمل ایک لفظ بے معنی، ایک ساز بے نغمہ ہے۔ اسلام نے کبھی ترک دنیا، رہبانیت، رواقیت کی تعلیم نہ دی اور ہمیشہ عمل کی ہدایت کی اور خود پیغمبر اعظم کا اسوۂ حسنہ دلیل راہ ہے

یہاں تک تو جو کچھ میں نے عرض کیا وہ اسلامی فلاسفہ کے زرین خیالات اور اسلامی عقائد سے ملخص تھے، اب آیئے ذرا مغربی فلاسفہ کی موشگافیاں اور ارتقائے ذہنی ملاحظہ فرمائیے ـــــ دیکھئے کس طرح اُنھوں نے انفرادیت Individuality یا انفانیت Egoism کو شخصیت یا خودی Eudomism or Perfeconsim سے مختلف ثابت کیا ہے۔ Individuality - یا Egoism وہی ہے جسے میرے کرم فرما حضرت آلم مظفر نگری نے "خودی" کے نام سے تعبیر کیا ہے اور شخصیت "خودی" یا عرفان "Self Realisation" "Self perfection" or Perfectionism کو ایکدم بھول گئے۔

مغربی فلاسفہ کے اُفق پر ہیگل Hegel آفتاب کی طرح چمک رہا ہے۔ ہیگل Hegel نے فلاطون اور ارسطو کے Eudoemonia کو نئی روشنی میں Perfectionism کے لباس میں پیش کیا۔

According to this theory (perfectionsim) the higest good consists in self. Realisation do the perfection of ones own nature, attained by his own voluntary effort. In other words it consists in the full realisation of the self — a harmonious development of our whole nature" Prof. P. B. Chatterji.

تجزیۂ نفس اور عرفان نفس زندگی کے منتہائے کمال ہیں ـــــ اپنی ذات کا عرفان کامل ـــــ فطرتِ انسانی کی ارتقا ـــــ اصل معراج حیات ہیں ـــــ

"Resolve to thyself & know that he who finds himself, loses his misery" ـــــ

خودی حاصل کرو اور جانو کہ جس نے اپنے کو پالیا اُس کے کل مصائب ختم ہیں۔

ہیگل Hegel کی مشہور کہاوت ہے ـــــ "Be a person" "ایک شخص ہو جاؤ"

——— اپنے نفس صادق یا شخصیت کو پہچانو Constitute out of
Your individuality the true or ideal self of personality — Prof. Seth
"اپنی انفرادیت سے اعلیٰ شخصیت بناؤ"

"Virtue consists in sub-ordinating the false self" or individuality to the true self or personality ——— Prof. Seth

نفس کاذب (نفسانیت) یا انفرادیت کو نفس صادق یا نفس ناطقہ یا شخصیت (خودی) کا محکوم بنانا کمالِ حسن ہے۔ اب آپ نے سمجھا؟ میرے کرم فرما حضرتِ آلم نے اسی انفرادیت، نفسانیت Egoism individuality false self کو خودی سمجھتے ہوئے اسے الحاد و زندقہ یا مادہ پرستی کا مقدمۃ الجیش سمجھا۔

اس انفرادیت یا نفسانیت Egoism individuality or false self کو مٹا کر شخصیت، خودی، یا عرفان Personality, true self or self realisation کی منزلِ مقصود تک پہونچ جانا مقصدِ حیات اور کمالِ معراجِ روحانی ہے۔

اب کہاں تک آپ کی سمع خراشی کروں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں طوالتِ مضمون سے آپ گھبرا نہ جائیں۔ غالباً خودی اور بیخودی کی غلط فہمیاں ایک حد تک دور ہو گئی ہونگی۔ اب رہے تشکیک Scepticism اور "ہمہ اوست" Pantheism کے مسئلے ——— طوالت کے خوف سے صرف اسقدر لکھدینا کافی سمجھتا ہوں کہ Hume تشکیک Scepticism کا زبردست حامی تھا۔ لیکن اس کے معاصرین اور متاخرین اُس کی دھجیاں اُڑا چکے۔ فلاسفۂ اسلام بھی تشکیک کی بیخ کنی کر چکے ہیں۔ حدیثِ نبوی اس کی شاہد ہے ——— الارتیاب من الکفر ——— شک کفر کا شعبہ ہے۔

"ہمہ اوست" Pantheism کے نام سے جھجکنا اور اپنی نافہمی کا اعتراف کرتے ہوئے اُسے گمراہ کن ثابت کرنا حقیقت کا خون کرنا ہے۔ ہمہ اوست اصل میں آیتہ کل من علیہا فان و یبقی وجہ ربک ذو الجلال والاکرام ——— (کل اشیاء فانی ہیں اور خداوند کریم کی ذات باقی ہے) کی تفسیر ہے۔ اس فلسفی مسئلے کی باریکی یہی ہے کہ عالم امکان فانی ہے انسان مشاہدات و محسوسات کی رنگینیوں میں کھو کر خدا کو نہ بھول جائے۔ کیونکہ کل چیزیں فانی ہیں۔ باقی صرف ذات خدا کی ہے ——— یعنی وہی سب کچھ ہے کیونکہ وہی باقی رہنے والا ہے۔

میری ہرزہ سرائی ختم ہو چکی ——— حضرتِ آلم سے اپنی جسارت پر معذرت خواہ ہوں۔ میرا مقصد حاشا وکلا ہرگز تنقیص نہ تھا بلکہ مخلصانہ طور پر غلط فہمیوں کا ازالہ۔ اب صرف اس قدر عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ حضرت مولانا سیماب مدظلہ کا کلام بھی

"درسِ خودی" کا ایک آتش آہنگ ساز ہے۔ سیمابی خمخانے کی شرابِ دو آتشہ وہ ہے جس کے ہر جرعہ میں خودی کا نشہ ہے۔ اگر ضرورت ہوئی تو انشاء اللہ کسی آیندہ صحبت میں درسِ خودی کی سیمابی سے آپ کو سناؤں گا ———

"شبستاں میں ہو شمع پروانہ چیں تم : گلستاں میں ہو بوئے غنچہ نشیں تم" ——— شروع سے آخر تک پڑھ جائیے اور حضرتِ آلم کے ساتھ نغمۂ بیخودی کے ارتعاش سے جھوم لیجئے لیکن

"مگر جب بعد غور ڈھونڈھا تو پایا : کہ ہو ہر جگہ اور کہیں بھی نہیں تم" ——— پڑھنے کے بعد خودی کے نغمہ زاروں میں کھو جائیے گا ——— "پھر زندہ ہے اگر یار تو صحبت باقی"

صبا رشیدی ایم۔اے

میرے لئے

مژدۂ جاں بخش پیغامِ اجل میرے لئے
ہے فنا وجہِ حیاتِ بے خلل میرے لئے

آج بھی گذرا ہے سارا حسرتِ ایفا میں دن
دیکھئے ارشاد کیا ہوتا ہے کل میرے لئے

تا بشہرگ آ گئی ہے چل کے وہ شمشیرِ ناز
یہ خوشی سے جھومنے کا ہے محل میرے لئے

ذرے ذرے میں جمالِ سرمدی ہے بے نقاب
بن گیا ہے آئینۂ حسنِ ازل میرے لئے

میری فطرت ہے جہادِ زندگی میں سخت کوش
یعنی ہے ہر سانس پیغامِ عمل میرے لئے

چاہتا ہوں آپ کو پھر بے نیازِ عقل و ہوش
پھر ہی مے ساقیٔ بزمِ ازل میرے لئے

پہلے ہی مشقِ ستم کچھ کم نہ تھی صیاد کی
آفتِ تازہ ہوا بازوئے شل میرے لئے

داستانِ دردِ دل کہنے میں کٹ جاتا ہے وقت
ہے انیسِ رنجِ تنہائی غزل میرے لئے

بجھ گیا جب یاس کے جھونکوں سے پھر کس کام کا
ہے نہونے کیطرح دل کا کنول میرے لئے

تختۂ مشقِ حوادث بن گیا ہوں اے نہالؔ
غم سے خالی ہی نہیں ہے کوئی پل میرے لئے

نہال سیوہاروی

"سُونا پڑا ہوا ہے ——— دل کا نگار خانہ"

مستی نواز شوخی انداز کافرانہ
زُلفیں سیہ گھٹائیں آنکھیں شراب خانہ

اب اُس سے چاہتا ہے پھر اور کیا زمانہ؟
جس نے لُٹا دیا ہے اُمید کا خزانہ

پوچھو نہ ہمصفیرو! مجھ سے مرا فسانہ
جلتا رہا نشیمن دیکھا کیا زمانہ

کِس دُھن میں گا رہی ہے ای زندگی ترانہ
آواز دے رہا ہے گذرا ہوا زمانہ

ساقی تری نظر کا اللہ رے! فسانہ
ساغر میں آگیا ہے کھینچ کر شراب خانہ

نقشِ قدم پہ ساری دُنیا جھکی ہوئی ہے
ظالم تری خدائی! کافر ترا زمانہ

افسردگی کلی کی، افتادگی قدم کی
یہ بھی مری کہانی، وہ بھی مرا فسانہ

آ! اے نگارِ فطرت، روح و روانِ اُلفت
سُونا پڑا ہوا ہے دل کا نگار خانہ

اک تربتِ شکستہ نظروں کے سامنے ہے
وہ یاد کر رہے ہیں بھُولا ہوا فسانہ

سجدوں کا واسطہ بھی حائل نہیں رہا ہے
اب میں ہوں اور تم ہو، سر ہے نہ آستانہ

او خود پرست زاہد! تیرے حرم سے بڑھ کر
ہاں! ہاں! شراب خانہ، خاکِ شراب خانہ

آندھیوں کے جھونکے اُس کو اُڑا رہے ہیں
پھُولوں میں تُل رہا تھا کل تک جو آشیانہ

اللہ رے! چمن کا زینت طراز منظر
کرنوں کی ڈوریاں ہیں، پھُولوں کا شامیانہ

اک دل بھی آج قایم اپنی جگہ نہیں ہے
ممکن ہے چُوک جائے، قاتل ترا نشانہ

کلیوں کو گدگُدایا، سبزہ کو لہلہایا
بادِ صبا کی شاید فطرت ہے شاعرانہ

مل جائے مجھکو ماہر! اے کاش! زندگی میں
اک جذبِ والہانہ، اک سوزِ عارفانہ

ماہر القادری

محبت و معاشرت — ایک روسی عورت کے تجربات و نظریات

بسلسلہ کنول اگست ۱۹۳۶ء

اپنے دوست کے چلے جانے کے بعد سرج نے اُس کے متعلق میری رائے دریافت کی۔

مجھے خیال ہوا کہ اپنے حقیقی خیالات کے پوشیدہ رکھنے کے لئے میں اس کے خلاف کچھ کہوں لیکن اس وقت قدرتاً مجھے یہ محسوس ہوا کہ اس کے خلاف کچھ کہنا کافی نہ ہوگا، کیونکہ اگر سرج نے ہماری حالت کو دیکھ کر کچھ سمجھا ہے تو میرے بیان سے اس کے شبہ کو تقویت پہنچے گی، لہذا میں نے کہا:۔

"وہ ایک بہت اچھا آدمی اور خوش مزاج دوست ہے۔ اگرچہ وہ کسی قدر سادہ دل معلوم ہوتا ہے اور اپنے جذبات سے جلد مغلوب ہو جاتا ہے۔ تاہم وہ سنجیدگی سے محروم نہیں ہے۔ اُسکی گفتگو بھی دلچسپ تھی"۔

میں نے نہایت متانت کے ساتھ یہ رائے ظاہر کی اور ایسے انداز سے کی جس سے یہ ظاہر تھا کہ میرے لئے یہ بات کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی تھی۔

سرج نے کسی قدر مایوسانہ لہجہ میں کہا کہ "تم نے پورے طور پر اس کی قدر و منزلت نہیں پہچانی۔ بعض اوقات عورتیں ان باتوں کو اچھی طرح نہیں سمجھتیں"۔

"شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی خاص بات سمجھنے کے لئے نہیں ہوتی"۔ میں نے پہلے سے بھی زیادہ متانت کے ساتھ کہا۔ اب مجھے یہ معلوم ہو گیا کہ اس نے ہماری کوئی بات نہیں دیکھی تھی۔

سرج نے پھر کہا کہ "ممکن ہے ایسا ہی ہو گر میں ہمیشہ اس پر رشک کرتا رہا ہوں۔ کیونکہ اس میں بہت سی ایسی خصوصیتیں ہیں جن سے میں محروم ہوں"۔

میں نے غیر ارادی طور پر محسوس کیا کہ اُس کا بیان واقعی سچ ہے، لیکن کیا وہ اس کی انھیں خصوصیات کے متعلق کہہ رہا ہے جو میرے

دل میں ہیں۔ جب میں نے سرزح کا اس کے دوست کے ساتھ مقابلہ کیا تو سرزح کو فلسفیانہ متانت، ضرورت سے زیادہ علم اور کاہلی کے اوصاف سے متصف پایا۔ اس وقت میرے دل میں ایک ایسا جوش پیدا ہوا جو ایسے وقت میں عورت کے دل میں فطرۃً پیدا ہوتا ہے اور میں نے دلیری کے ساتھ زور سے کہا:-

"تو آخر سب آدمی اور اس معاملہ میں تم خود کیوں ان باتوں کی قدر کرتے ہو۔ جن سے تم محروم ہو اور وہ دوسرے اہرو دریں، لیکن حقیقت میں وہ باتیں قابلِ قدر ہیں۔ شاید تم کو یہ معلوم نہیں کہ ایک آدمی کی وفاداری و استواری عورت کے لئے کس قدر قیمتی ہوتی ہے۔"

میں نے وہ بات نہیں کہی جس کو میں محسوس کر رہی تھی۔ میں نے اُس شخص کو خوش کرنے کے لئے جھوٹ بولا جس سے مجھے محبت تھی۔ اگر میں حق و صداقت سے کام لیتی تو اُس سے وہی بات کہتی جو درحقیقت میرے دل میں تھی۔ میں کہتی کہ۔

"ذرا خیال تو کرو کہ تم کیسے ہو۔ میں تم سے زیادہ تمہارے دوست کو پسند کرتی ہوں۔ حالانکہ میں پہلی ہی بار اس سے ملی ہوں۔ مگر میرے دل میں ایسا جذبہ پیدا ہو گیا ہے جو تمہارے ساتھ برسوں تک رہنے سے کبھی پیدا نہیں ہوا۔ تم نے میری خوش طبعی کی باتوں سے لطف اُٹھایا جو میں نے تمہارے دوست کے سامنے کی تھیں مگر مجھے تو یہ بھی یاد نہیں کہ موضوعِ گفتگو کیا تھا۔ تم تو صرف باتیں کر رہے تھے مگر ہماری زندہ دلی و خوش طبعی صرف گفتگو سے متعلق نہ تھی بلکہ اس کا تعلق اس جذبہ سے تھا جو ہماری نگاہوں کے ملنے سے میرے دل میں پیدا ہو گیا تھا اور تم نے اس کو محسوس نہیں کیا تھا۔ میری خوش کلامی و نغز گفتاری تمہارے واسطے نہ تھی۔ بلکہ وہ تمہارے دوست کے لئے تھی۔"

میں یہ بھی کہتی کہ۔

"مجھے پہلے ہی سے یہ امید تھی کہ تم مجھ سے یہ دریافت کرو گے کہ تمہارے دوست کی ملاقات کا مجھ پر کیا اثر ہوا ہے اور میں نے یہ سوچ لیا تھا کہ کن الفاظ میں تم کو دھوکا دینا چاہئے۔ میں نے یہ طے کر لیا تھا کہ تعریف کے پردے میں اُس کے ساتھ اپنے اصلی تعلق خاطر کو تم سے پوشیدہ رکھوں گی مگر یہ تعریف محض رسمی اور معمولی ہوگی۔ اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ اپنی روح اور جسم کی خواہشات کو تسکین دینے کے لئے میں کس قدر آزاد ہوں۔ تم حاسدانہ طور پر میری نگرانی ہی نہ کرو گے بلکہ ناخوش بھی ہو گے۔ کیونکہ میں تمہارے ان جذبات سے متفق نہیں ہو سکتی جو اپنے دوست کے متعلق تمہارے دل میں ہیں۔ کسی دوسرے وقت تم کو مسکراتا ہوا دیکھ کر اور تمہاری وفاداری کو مدِ نظر رکھ کر شاید تمہاری محبت مجھے مجبور کر دے کہ میں تمہاری جانب ملتفت ہو جاؤں مگر اس وقت جبکہ میں ایک دوسرے شخص سے تمہاری سیرت کا مقابلہ کرتی ہوں تو تمہارے اوصافِ حمیدہ کا خیال کر کے پریشان ہو جاتی ہوں۔ تمہارا لطف و کرم۔ میری روح میں کوئی زندگی پیدا نہیں کرتا بلکہ اس کو ایک بیجان تنگ قفس میں محبوس کر دیتا ہے۔"

میں سب کچھ اس سے کہتی، لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ جس شخص سے تم کو محبت ہے۔ اس سے تم ایسی باتیں کہہ سکتی ہو؟
واقعہ یہ ہے کہ جس شخص سے تم کو محبت ہوتی ہے اور جس کے ساتھ تم رہتی ہو اپنی زندگی کو اُس کی نصف زندگی سمجھنے کی تم اس قدر خوگر ہو کہ اس کا خیال کرنے سے بھی تم خوف زدہ ہو جاتی ہو چہ جائیکہ اس سے کوئی ایسی بات کہو جس سے اُس کی دلشکنی ہونے کا اندیشہ ہو۔ اس طرح گویا تم اپنے شوہر سے بے وفائی کرتی ہو۔ تم کو اس شخص کی حالت پر رحم آتا ہے۔ جس کے ساتھ تم کو رہتے ہوئے چند سال ہو جاتے ہیں اور تم میں اتنی ہمت نہیں ہوتی کہ اس سے ایسی بات کہو جس کی اُس کو اُمید نہ ہو۔
تم ہمیشہ جھوٹ بولتی ہو اور اظہار حقیقت میں اس قدر تاخیر کرتی ہو کہ تمہارے دل میں جوش و نفرت کا ایک طوفان اُٹھنے لگتا ہے اور اپنے شوہر کے لئے تمہارے دل میں کوئی جذبۂ محبت نہیں رہتا۔ اس وقت تم اس کے روبرو تمام خوفناک صداقت ظاہر کرتی ہو۔ گویا تم اس وقت کی منتظر رہتی ہو جبکہ تمہارے دل میں نفرت کا ایک انبار جمع ہو جاتا ہے اور جب یہ بار ناقابل برداشت ہو جاتا ہے تو تم ہمت و جرارت بلکہ بے شرمی کے ساتھ اس شخص سے سب کچھ سچ سچ کہدیتی ہو جس سے تم کو محبت ہوتی ہے۔
میں ان باتوں کو اچھی طرح سمجھتی تھی مگر اس پر بھی میں ہر بات میں جھوٹ بولتی رہی۔ میں سمجھتی ہوں کہ مجھے اپنے آپ کو تنبیہ کرنی چاہئے تھی کہ جھوٹ اور فریب کو جلد ختم کر دینا چاہئے مگر میں اپنے دل سے ایسا نہ کہہ سکی اور اظہار حقیقت سے گریز کرتی رہی۔ میں صرف اس بات کی دلدادہ رہی جو مجھے دلکش معلوم ہوئی اور میں نے کسی دوسری بات کی طرف توجہ نہ کی۔
آخر یہ کیا بات تھی؟ ایک نئی زندگی حاصل کرنے کی بیجا خواہش یا حقیقت یا زندگی و زندہ دلی سے محروم رکھنے کے لئے میری فطرت کی مخالفت؟
میں نہیں جانتی کہ میں اپنے دل کو اس سوال کا کیا جواب دوں، لیکن مجھے اس امر کا اعتراف کرنا چاہئے کہ میں صرف ایک خیال پر زندہ رہی کہ وہ یعنی سرج کا دوست پھر بھی ہمارے یہاں آئے گا یا نہیں اور اگر وہ آیا تو کیا صورت پیش آئے گی؟ میں نے سرج سے اس کے دوست کے متعلق کبھی کوئی گفتگو نہیں کی۔ اور جب ایک روز اُس نے خود مجھ سے یہ کہا کہ کیا ہم اُس کو اپنے یہاں آنے کی دعوت دیں تو میں نے بے التفاتی کے ساتھ اس کو یہ جواب دیا کہ

"تمہاری مرضی۔ بلاؤ تو اچھا نہ بلاؤ تو بہتر"

راز چاندپوری

صبحِ چمن

یہ وقتِ صبح یہ سماں یہ دیدہ زیب گلستاں
یہ دلفریب گلستاں
طیور کے یہ چہچہے یہ دل لگی یہ قہقہے
یہ مالنیں یہ باغباں
بہارِ جنتِ نظر طرب فزا ہے کس قدر
درخت ہیں ادھر اُدھر
عجب فضائے نور ہے سرور ہی سرور ہے
نہیں ہے کون شادماں
زمیں سے تا بہ آسماں جمالِ دوست ضوفشاں
ملے جو چشمِ عارفاں
چلے مری زبانِ دل بنوں میں ترجمانِ دل
سناؤں رازِ قدسیاں

فضا بہار خیز ہے ہوا سرور ریز ہے
چمن مجھے عزیز ہے
نثارِ دل بہار پر نگاہ مرغزار پر
یہ کیفِ دل یہ بوستاں
نظارہ باز ہیں کہاں دکھا رہا ہے آسماں
نظر فروز سرخیاں
ظہورِ نور سے تجل رہیں گے صرف کور دل
کرو نگاہیں تو مستیاں
خیال بادہ ریز ہے یہ بادہ کیف خیز ہے
چمن بھی خاص چیز ہے
گرہ کشائے شوقِ دل اثر فزائے ذوقِ دل
یہ وقتِ صبح یہ سماں

سید علی منظور حیدرآبادی

عشق کی شکست

(۱)

صبح کے زرّیں اور منور جلوے اُفق کائنات پر مستولی ہوا ہی چاہتے تھے، صحنِ چمن میں نسیمِ سحر نکلنا ہی چاہتی تھی کہ گلاب کے ایک پھُول سے عشق کا دیوتا کیوپڈ اور چمپا کے ایک پھُول سے حسُن کی دیوی سائکی پیدا ہوئی۔ مُسکراتی ہوئی نگاہوں اور شگفتہ ہوتے ہوئے لبوں کے ساتھ ایکنے دوسرے کو دیکھا، چمن کی تمام کلیاں شگفتہ ہوگئیں، لطافتِ نظارہ سے سبزہ جھُومنے لگا کہ آج "حسُن و عشق" روحِ گلستاں بنے ہوئے تھے۔

سائکی نے کہا۔ کیوپڈ گلاب کی آغوش میں کیوں چھپے بیٹھے تھے، کیا تمہارے ترکش کے تیر ختم ہوگئے؟

کیوپڈ نے کہا، گلاب کی آغوش تو میری خلوت گاہ ہے اور میرے ترکش کے تیر میری زندگی کے ساتھ ختم ہوں گے سائکی، مگر تم چمپا میں کیوں آرام کررہی تھیں۔

سائکی نے بڑی بیباکی کے ساتھ کہا۔ تمہارے لئے صرف گلاب ہی خلوت گاہ ہوسکتا ہے۔ مگر تمھیں اسکا علم نہیں کہ چمن کے تمام پھُولوں اور کلیوں پر میری حکمرانی ہے، کیا بھُول گئے کیوپڈ میں حسُن ہوں "حسُن"

"حسن ہو! بیشک تم حسن ہو" کیوپڈ نے مسکراتے ہوئے کہا، مگر تمھیں تباہ کرنے والا بھی تو میں ہی ہوں۔

"کیا کہا حسُن کو تباہ کرنے والے تم ہو" سائکی نے خودداری کے انتہائی لہجہ میں کہا۔ رہنے دو خدا کے لئے ان لنترانیوں کو رہنے دو، بھولے کیوپڈ تم حسُن کی فطری جولانیوں کو کیا جانو۔

"اچھا تو پھر مقابلہ ہوجائے" کیوپڈ نے اپنا ترکش سنبھالتے ہوئے کہا۔

سائکی بولی۔ مقابلہ! مقابلہ تو بارہا ہوچکا ہے اور تم ابھی تک اپنی لاتعداد شکستوں کی تلافی بھی نہیں کرسکے ہو۔ اچھا آج پھر سہی۔ سنو کیوپڈ اسی چمپا کے سائے میں قبیلۂ بنی ہاشم کا جواں سال و جواں بخت شہزادہ عمرؔان روزانہ صبح کے اوّلین لمحات بسر کرتا ہے تم

اس پر اپنے تیر برساؤ، میں تمہارے مقابلہ کے لئے عمران کے سامنے اسی قبیلے کی سب سے خوبصورت دوشیزہ جمالہ کو پیش کروں گی یاد رکھو جمالہ کے بھیس میں سائکی ہوگی نہیں اپنے ترکش کی قسم تم اپنے تیروں کو خوب خوب صرف کرنا میں دیکھوں گی تم کس طرح نازش و افتخار کے ساتھ کامیابی سے ہمکنار ہوتے ہو۔

کیوپڈ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ سائکی تیتری بن کر اڑی اور چمپا کے پھول میں غائب ہوگئی۔ کیوپڈ نے بھی ایک جست کی اور گلاب کے پھول میں پوشیدہ ہوگیا۔

(۲)

اب صبح ہوچکی تھی پھولوں پر شگفتگی اور کلیوں پر جوانی برس رہی تھی۔ سبزہ اپنے فطری بانکپن کی آغوش میں جھول رہا تھا اور صحنِ چمن نکہت و عطر سے لبریز تھا۔

جوانی کا زندہ دیوتا، اپنے قبیلہ کا مشہور ترین جوانِ رعنا، قصرِ شاہی کا گویا خندان ماہتاب عمران، باغ کی سیر سے لطف اندوز ہوتا ہوا جب اپنے محبوب درخت چمپا کے قریب پہونچا تو اس کی پتی پتی اور کلی کلی پر اپنے لبوں سے بوسے ثبت کئے اور اس کے گھنیرے سائے میں بیٹھ گیا۔

آج اس کے پاس عرب کے ایک مشہور شاعر کی بیاضِ شعر تھی، وہ بڑی دلچسپی کے ساتھ اس کا مطالعہ کر رہا تھا۔ اشعار کی لطافتوں، شیریں بیانیوں، اور بیخود بنادینے والی کیفیات میں وہ اس قدر گم ہوا کہ سورج کی سنہری کرنیں بھی اسے نہ چونکا سکیں۔ نغمہ سنجانِ چمن کے وجدانی ترانے بھی اسے اپنی طرف متوجہ نہ کرسکے ——— دس بج گئے۔ اور اب اسے اصولاً باغ سے رخصت ہوجانا چاہئے تھا۔ کیونکہ محل سرا کی کنواریاں اپنی ہمجولیوں اور سہیلیوں کے ساتھ باغ میں آنے والی تھیں۔

باغ کے تمام دروازے بند ہوگئے، عفت و عصمت کی دیویوں کی نگرانی کے لئے دربانِ فلک نے پردے ڈال دیئے اور محافظ فرشتے اپنی اپنی جگہ ہوشیار ہوگئے۔

شہنائی سے دوشیزگی کی خوشبو میں بسا ہوا نغمہ بلند ہوا اور محلسرا کی کنواریاں اپنے لباسوں کو سنوارتی ہوئی باغ میں داخل ہوگئیں۔ آج ان کے ساتھ وزیر سلطنت کی سب سے چھوٹی سب سے خوبصورت اور سب سے جمیل شہزادی جمالہ بھی آئی تھی اور شہزادیوں کیساتھ شریک تفریح تھی۔

جمالہ حقیقت میں جمالہ تھی، اس کا شباب اپنی جگہ ایک ایسا آئینہ تھا۔ جس میں دنیا بھر کی کنواریوں کا شباب جگمگا رہا تھا۔ وہ فطرت کی بانسری کا ایک گیت معلوم ہوتی تھی، ایسا گیت جو ترنم بھی تھا اور خاموش بھی۔

اس کی ہر ادا میں جنت کی بہاریں، اس کی ہر جنبشِ لب میں کچی کلیوں کی عطریت اور اس کی ہر نوا میں وجدانی نغمے چھپے ہوئے

تھے۔ وہ انسانی پیکر میں دستِ فطرت کا ایک ایسا اعجاز تھی، ایک ایسا اختراع تھی، ایک ایسی صناعی تھی جس پر حوریں رشک کرتی تھیں اور عرب کا خاندانِ شاہی ناز کرتا تھا۔ خود وزیرِ سلطنت کو فخر تھا کہ وہ ایک ایسی بنت الجمال کا باپ ہے۔ جواپنا جواب نہیں رکھتی۔

محل کی شہزادیاں جو اپنی اپنی جگہ باغِ جوانی کی منہ بند کلیاں تھیں۔ جب جمالہ کی معیت میں باغ میں داخل ہوئیں تو بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چاند زمین پر اُتر آیا ہے اور اس کے چاروں طرف عقدِ ثریا کے تارے بکھرے ہوئے ہیں۔ جیسے ہی وہ سب باغ کی ایک روش سے گزریں ریحانہ بولی۔

"کیوں نہ ہم پہلے چمپا کے پھُول توڑ لیں"

ریحانہ نے کہا۔ "اور کیا جمالہ بھی تو چمپا کے پھُولوں کو پسند کرتی ہیں"

دوسرے ہی لمحے میں منہ بند پھولوں کا یہ گلدستہ چمپا کے درختوں کی طرف جارہا تھا۔

سائکی چمپا کے پھول سے خوشبو بن کر اُڑی اور جمالہ کے قلب میں گُم ہوگئی۔ اس سے پہلے کہ جمالہ حسن کے جمیل انبوہ کے ساتھ چمپا کے درختوں کے قریب آئے کیوپڈ گلاب کے پھول سے نکلا۔ جلدی سے اپنا ترکش سنبھالا، اور اپنے شکار کو مجروح کرنے کے لئے بالکل تیار ہوگیا۔

جمالہ جو بہت زیادہ شوخ و شریر تھی تیزی کے ساتھ چمپا کے درخت کی طرف بڑھی اُسی درخت کی طرف جس کے فردوسی سائے میں عمران بیٹھا ہوا محبت آمیز اشعار پڑھنے میں سبزے کی خوابیدگی کی طرح محو تھا۔ جیسے ہی وہ کچھ آگے بڑھی عمران کی عبائے زمردیں سے اُس کے پاؤں مس ہوئے اور اس سے پہلے کہ اُس کی نگاہیں چمپا کا پھُول تلاش کرنے میں کامیاب ہوں، دفعتاً نیچے کی طرف جھکیں وہ بالکل ایسے ہی چونک پڑی جیسے اُس کے دل میں کسی نے چٹکی لے لی، ایک لطیف چیخ کے ساتھ وہ پیچھے کی طرف لوٹی اور جیسے ہی وہ لوٹی ایک کیاری سے اُس کا پاؤں ٹکرایا اور وہ لڑکھڑا کر گر پڑی۔ بالکل ایسے ہی جیسے آسمان سے شہاب ثاقب گرتا ہو۔

عمران اُچھل پڑا، اُس نے مُڑ کر دیکھا تو ایک جمیل گروہ اُس کے سامنے تھا۔ اس سے پہلے کہ اُسے کوئی دیکھتا جمالہ کو اُس نے دیکھ لیا بالکل اس طرح جیسے چودھویں کا چاند آسمان سے اُتر کر اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ نگاہ کے سامنے آجائے۔ اُس کی آنکھیں خیرہ ہوکر رہ گئیں۔ اور اُس کی ہی آنکھیں خیرہ نہیں ہوئیں۔ خود کیوپڈ بھی مجروح ہوکر رہ گیا۔ اُس کا ترکش ہاتھ سے گر پڑا اور وہ تیر جو عمران کو شکار کرنے کے لئے جوڑا گیا تھا۔ خود اس کے دل میں ترازو ہوکر رہ گیا۔

عمران بہت جلد سنبھل گیا، اُسے سنبھل جانا ہی چاہئے تھا کیونکہ وہ عرب کا ایک شجاع اور بہادر جوان تھا۔ ایک ادائے منفعل کے ساتھ وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور معذرت آمیز چند جملے کہنے کے بعد باغ سے باہر چلا گیا۔ اُس کے پیچھے پیچھے کیوپڈ بھی سر جھکائے ہوئے جارہا تھا۔

سائکی نے ایک قہقہہ بلند کیا۔ سورج مکھی کے پھولوں کی لسنتی پنکھڑیاں کچھ اور لسنتی ہوگئیں۔ چمپاکے پھولوں کی پنکھڑیاں کچھ زیادہ رونق پر آگئیں۔

جمالہ بہت ہی عجوب انداز کے ساتھ اپنی جگہ سے اُٹھی، اُس کے پاؤں لغزیدہ تھے۔ دردانہ اور رعنانہ نے دوسری لڑکیوں کے ساتھ اُسے سنبھالا اور یہ کہتے ہوئے اُسے گود میں اُٹھا کرلے گئیں۔

"جمالہ ملول نہ ہو تم کسی اجنبی کے سامنے نہیں آئی ہو وہ تو شہزادہ عمران تھے عمران" جمالہ بے اختیار ہنس پڑی اُس نے ان کی گود سے نکلتے ہوئے کہا "عمران!!! ہمارے شہزادے صاحب" اور پھر ہنسنے لگی۔ اب اُس کے ساتھ تمام لڑکیاں بے اختیار ہنس رہی تھیں اور تمام باغ دوشیزگی کے زمزمہ ریز قہقہوں سے گونج رہا تھا۔

(۳)

کئی دن کے بعد جب ایک صبح سائکی چمپاکے پھولوں کا رس اپنی جبینِ منور میں جذب کررہی تھی۔ اُس نے دیکھا کیوپڈ سرنگوں چلا آرہا ہے۔ اُس نے وہیں سے ایک قہقہہ بلند کیا اور انتہائے تمکنت کے لہجہ میں کہا۔

"کہو کیوپڈ کیا ہوا؟ کیا اپنی شکست کا ماتم کررہے ہو؟"

کیوپڈ جو اپنی اتفاقی شکست سے بہت ہی ملول تھا۔ سائکی کے اس حملے کو برداشت نہ کرسکا جوشِ غضب میں تیر کی طرح اُڑا اور سائکی سے قریب تر ہوکر کہنے لگا۔

"سائکی غرور نہ کرو تمہیں اس جنگ میں میرے سامنے جھکنا پڑے گا، تم سمجھتی ہو مجھے شکست ہوئی؟ بالکل غلط، جاؤ جمالہ کی خبر لو یقیناً اُس کی راتیں آہ وزاری میں گذر رہی ہونگی، جبتک تم مجھ سے معافی نہ مانگو گی عمران کبھی جمالہ کی طرف متوجہ نہ ہوگا، وہ متوجہ نہیں ہوسکتا۔"

سائکی ہنسی، اُس نے کہا "کیوپڈ روتے کیوں ہو۔ جاؤ یہاں سے جلدی جاؤ عمران کی دلجوئی کرو وہ جمالہ کے ایک ہی جلوے سے اتنی بُری طرح زخمی ہوا ہو کہ اب اُس کا جینا دشوار ہے۔ میرے غرور کو غرور نہ سمجھو، یہ تمہارے دعوے کا جواب ہے۔ اس جنگ میں مجھے اپنے سامنے سرنگوں دیکھنا چاہتے ہو؟؟ کیوپڈ پاگل تو نہیں ہوگئے ہو، یاد رکھو جبتک تم اپنی شکست کا اعتراف نہیں کروگے عمران زندہ نہیں رہ سکتا، جمالہ کو اس کا خیال بھی نہیں ہے، اور عمران کا کیا حال ہے؟ —— جاؤ جاؤ خود جاکر دیکھو۔ سائکی نے یہ کہا اور ایک طرف پرواز کرگئی۔

کیوپڈ پھر سرنگوں نظر آرہا تھا، سرنگوں اور گریاں،

عمران حسن کا فرکے بالکل پہلے حملے سے اسقدر مرعوب تھا اتنا متحیر اور متاثر ہوا تھا کہ اُس کی دنیا بدل گئی تھی۔ یہی عمران

جو آج سے دو دن قبل حُسن کو قابلِ اعتنا نہ سمجھتا تھا۔ آج حسن کے ہاتھوں مغلوب ہو چکا تھا، مجروح ہو چکا تھا، مفتوح ہو چکا تھا۔ اس کی تمام مردانہ الوالعزمیاں، بہادرانہ ولولے اور جوشِ سربلندی ایک پارۂ برف کی طرح سرد ہو کر رہ گیا تھا۔

وہ اپنے دل میں ایک ایسی دُکھن، ایک ایسی تڑپ، اور ایک ایسی خلش محسوس کر رہا تھا جسے باوجودِ کوشش وہ بیان نہیں کر سکتا تھا۔ اُس کی اوّلین کوشش تھی کہ وہ اس حادثۂ جمیل کو بھول جائے، بالکل ایسے ہی جس طرح جوانی کے طلوع کے بعد بچپن اُسے بھول گیا۔ مگر اس سلسلے میں اُس کی ہر کوشش بیکار، رائیگاں اور فضول تھی، وہ جمالہ کو جس قدر بھلانا چاہتا تھا اتنی ہی وہ اُس کے دل و دماغ پر چھائی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔

شہزادے کے اس انقلابِ زندگی نے اُس کے رفیقوں میں ہلچل ڈال دی وہ سب اپنی اپنی جگہ حیران تھے کہ آخر شہزادہ کو دفعتاً کیا ہو گیا۔ اب نہ باغ کی سیر ہے، نہ شکار، نہ مشقِ سپہ گری، حتیٰ کہ عمران ہم میں سے کسی ایک سے ملنا بھی پسند نہیں کرتا۔ عمران چاہتا تھا کہ اپنی موجودہ حالت پر بالکل ایسے ہی قابو یافتہ ہو جائے جس طرح دورانِ شکار میں چلتے چلتے اپنے شکار پر دسترس حاصل کر لینا اس کے لئے آسان تھا، مگر وہ یہ بھی نہ کر سکا۔ اس وقت اس کی حالت بالکل اس مجروح پرندکی سی تھی جو شکاری کے حملے سے مجروح ہو چکا ہو اور پرواز سے مجبور ہو کر دم توڑنے پر آمادہ ہو، اُس کی آنکھوں سے بے اختیارانہ آنسو بہے اور اُس کے رخساروں پر جم کر رہ گئے۔ یہ آنسو کیوپڈ کے آنسو تھے جو اس وقت عمران کے دل میں بیٹھا ہوا اپنے آنسوؤں سے جمالہ کی تصویر کو اس کے دل سے محو کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ تمام ارکینِ سلطنت، محلسرا کی رہنے والیاں، اور خود والیٔ سلطنت عاصم، بیحد پریشان تھا کہ اس کا جوان شہزادہ بیمار ہے۔ عمران حقیقتاً بیمار تھا۔ اس کے لئے جمالہ کے حُسن بے پناہ کا تصور ایک مستقل خلش میں تبدیل ہوتا جا رہا تھا اور وہ کسی سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ کس وجہ سے تحلیل ہو رہا ہے۔

شاہی طبیب اپنی تمام مساعی ختم کرنے کے بعد بھی شہزادے کے مرض کو نہ پہچان سکے اور اُن کی کوئی تجویز کامیاب ثابت نہیں ہوئی۔ خاندانِ شاہی کے تمام افراد اس کے لئے دست بدعا تھے اور محل کے گوشے گوشے میں یہی ذکر اور یہی چرچا تھا "آج شہزادہ بہت ہی نڈھال ہے۔" رعبانہ نے اپنی کبھی نہ رونے والی آنکھوں سے آنسو بہاتے ہوئے کہا۔

جمالہ، جو شہزادے کی پرسش کے لئے اپنی مادرِ محترم کے ساتھ آئی ہوئی تھی۔ اس اطلاع سے بہت افسردہ ہوئی وہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ رُکی نے جو ہر وقت اس کے دل کی نگرانی کر رہی تھی اُس کی زبان بند کر دی۔

"خدا کرے شہزادہ جلد تندرست ہو جائے۔" دردانہ نے کہا۔ زنانہ نشست سے بالکل قریب دوسرے کمرے میں شہزادے کی آرامگاہ تھی۔ آپس میں باتیں کرنے والی عورتوں نے ایک دلشکن کراہ کی آواز سُنی۔

"آہ ——— جمالہ ———"

دفعتاً سب اُدھر متوجہ ہو گئیں، رعبانہ جس نے صاف سُن لیا تھا "آہ جمالہ" "ایں یہ کیا" کہتی ہوئی جلدی سے پردہ ہٹا کر عمران کے پلنگ کے قریب پہونچ گئی اور اس کے پیچھے دردانہ، جمالہ اور دوسری خواتین بھی۔

اس وقت عمران کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ خود نہیں رو رہا تھا بلکہ کوئی خصوصی جذبہ اُسے رونے پر مجبور کر رہا تھا۔ کئی دن کے بعد اس وقت اُس نے آنکھیں کھولیں اور جیسے ہی اُس کی نگاہ اُٹھی جمالہ اُس کے سامنے تھی۔ آنکھوں سے آنکھیں ملیں اور ایک بجلی سی کوند گئی۔ سب نے دیکھا کہ شہزادے کے خشک ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مُسکراہٹ نمودار ہوئی اور غائب ہو گئی۔ شہزادے نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔

رعبانہ جس کے کانوں میں "آہ جمالہ" گونج رہا تھا۔ سب کچھ سمجھ گئی تھی۔ آپس میں کچھ سرگوشیاں ہوئیں اور سب ایک دوسرے کو خاموش رہنے کا اشارہ کرکے وہاں سے ہٹ گئیں۔

بالکل اسی وقت جب جمالہ دوسری مرتبہ عمران کے سامنے آئی تھی۔ سائکی چمپا کے نو شگفتہ پھولوں سے کھیلتی ہوئی نظر آئی۔ اس کی نگاہوں کے بالکل سامنے سبزے پر کیوپڈ بیٹھا ہوا تھا، اُس نے کہا۔

"کیوپڈ کیا حال ہے" کیوپڈ نے کوئی جواب نہ دیا۔ سائکی اڑ کر اُس کے قریب پہونچ گئی اور بہت ہی نرم لہجے میں پھر کہا "کیوپڈ کیا حال ہے؟"

کیوپڈ نے بہت ہی افسردہ لہجے میں کہا۔ "سائکی واقعی تم بڑی شریر ہو میں تمھیں اس جنگ میں فاتح کی حیثیت دیتے ہوئے مجبور کروں گا کہ خدا کے لئے شہزادے کی جان بچاؤ کیا تمھیں معلوم نہیں خاندانِ شاہی کی سب سے محبوب ہستی صرف شہزادہ ہے"

"شہزادہ ہے" معلوم ہے کیوپڈ مجھے سب کچھ معلوم ہے اچھا تو پھر تم اپنی شکست مانتے ہو؟

کیوپڈ ہنسا، "شکست!" عشق کی شکست!! یہ تو نہیں مان سکتا مگر ہاں ....

"مگر ہاں" کہو کیوپڈ کیا کہنا چاہتے ہو؟

"یہی کہ میں اسے ایک "غلطی" کہہ سکتا ہوں"

"غلطی" سائکی ہنسی، لیکن غلطی اور شکست ایک ہی لفظ کے دو مفہوم ہیں۔ اچھا جاؤ۔ اب میں حالات میں انقلاب پیدا کرتی ہوں تم بہت ہی احتیاط سے شہزادے کے دل کی دھڑکنوں میں اپنی گرمیاں بھرتے رہو۔ اثرِ غم سے وہ بہت کمزور ہو گیا ہے۔

کیوپڈ نے کہا، ہاں سائکی شہزادے پر رحم کرو اور "چمپا کے سائے" کے افسانے کو جلد ختم کر دو۔

(۴)

"لیکن میں تو اب اس راز کو نہیں چھپا سکتی" رعبانہ نے بڑے استقلال کے ساتھ کہا۔

"مگر انکشافِ راز کے بعد کامیابی یقینی کہاں ہے" دردانہ نے کہا۔

"کامیابی!!" کامیابی تو بہر حال یقینی ہے۔ وزیرِ سلطنت کو اس معزز رشتے سے کبھی انکار نہ ہوگا۔ رعبانہ نے کہا۔

دردانہ ہنسی، "بھولی رعبانہ تمھیں جمالہ کی شادی کی شرط بھی معلوم ہے؟"

"کیسی شرط؟" رعبانہ نے تیوریاں چڑھاتے ہوئے کہا، ہمارے شہزادے کے لئے کوئی شرط نہیں ہوسکتی۔

"ناممکن"، جبتک اس شرط کی تکمیل نہ ہو جمالہ شادی نہیں کرسکتی۔ کیا تمھیں معلوم نہیں وہ قبیلۂ عرب کی سب سے ممتاز "صاحبِ جمال" خاتون ہے۔ دردانہ نے کہا۔

"ہونے دو، ہمارا شہزادہ بھی کچھ کم حسین نہیں ہے"

"مگر اب تو اُس کا حُسن بیماری کے حملوں سے افسردہ ہوگیا ہے"

"یہ افسردگی بالکل عارضی ہے۔ جب شہزادے کو اس کا علم ہو جائے گا کہ جمالہ اُس کی زندگی کا چاند بننے والی ہے تو اُس کا حُسن دیکھ لینا جمالہ کے حُسن سے زیادہ جگمگانے لگے گا۔

"اگر تم کامیابی کا یقین رکھتی ہو رعبانہ، تو اس راز کے انکشاف میں جلدی کرو، ورنہ........

"ورنہ" کسی نے پردے کے پیچھے سے پُر جلال آواز میں کہا، اور دفعتًا ان دونوں کے سامنے آگیا۔ یہ کون تھا؟ عاصم والئی سلطنتِ عرب، دردانہ اور رعبانہ کانپ گئیں، ان کے جسم جلالِ شاہی سے لرزنے لگے، وہ کچھ کہنا چاہتی تھیں مگر اُن کی قوتِ گویائی سلب ہو کر رہ گئی۔

"میری بچیو" شاہانہ آواز گونجی" ڈرو نہیں میں نے تمہاری سب گفتگو سُن لی ہے، آج ہی وزیرِ سلطنت کو بلا کر شہزادے کے متعلق پیام دیتا ہوں" پردہ کو جنبش ہوئی، عاصم رخصت ہوگیا۔

دردانہ گُم سُم کھڑی تھی مگر اُس کی نگاہیں مسرت کے بے پایاں سمندر میں تیرتی ہوئی نظر آرہی تھیں۔ اور رعبانہ، رعبانہ تو بالکل تصویرِ نشاط معلوم ہو رہی تھی جیسے اُس کی آنکھوں میں مسرت کی دیوی نے جنم لیا ہو، اُس کے ہونٹوں پر تبسم بالکل اسی طرح کھیل رہا تھا جیسے کوئی کلی پھول بننے ہی والی ہو،

ابھی رعبِ شاہی کے الوداعی لمحے ختم بھی نہ ہوئے تھے کہ دونوں بے اختیار ہنسنے لگیں۔ اس وقت انکی ہنسی میں بیمار شہزادے کے مستقبل کی دیوی مسکرا رہی تھی۔

دوسرے ہی دن تمام اعیانِ سلطنت اور رعایا میں یہ خبر بجلی کی طرح دوڑ گئی کہ شہزادہ عمران کی شادی شہزادی جمالہ کے ساتھ ہونے والی ہے۔ اپنی اپنی جگہ ہر شخص مسرت و ابتہاج سے ہمکنار نظر آرہا تھا۔

(۵)

وزیرِ سلطنت نے عمران کا پیام منظور کر لیا۔ لیکن ساتھ ہی جمالہ کی شرطِ شادی بھی پیش کر دی۔ جمالہ کی شادی کی شرط معمولی شرط نہ تھی اُس کا اعلان تھا کہ "میرا رفیقِ حیات صرف وہ شخص ہو سکتا ہے جو میرے محل کے سب سے بلند مینار کے خطِ سرخ کے نقطۂ آخر کو قریبی میدان کے نشیب سے نشانہ بنا سکے۔"

اس شرط کا اعلان بہت عرصہ پہلے کیا جا چکا تھا اور مقابلے کے لئے تاریخ بھی مقرر ہو چکی تھی ——— لیکن شہزادہ بیمار تھا اور مقابلے کی تاریخ بہت قریب تھی۔ عاصم نے وزیرِ سلطنت سے تاریخِ مقابلہ کی توسیع کے لئے کہا مگر یہ سُن کر اُسے بڑی مایوسی ہوئی۔ کہ مقابلے کی تاریخ کا اعلان تمام قریبی سلطنتوں میں بھیجا جا چکا ہے اور اب اس کا التوا یا توسیع کم از کم قبیلۂ بنی ہاشم کے آئین کے مطابق بالکل ناممکن ہے

شہزادے کو اس کی اطلاع ہو گئی کہ جمالہ اُس کی زندگی کی رفیقِ حقیقی بننے والی ہے۔ اس کے ساتھ ہی شرطِ شادی بھی اُس نے سُن لی، اس اطلاع کے دوسرے ہی لمحے سے اس کی زندگی میں انقلاب شروع ہو گیا۔ بیماری کا ظاہری فریب جو محض ایک تخیل کا درجہ رکھتا تھا رفتہ رفتہ کم ہونا شروع ہوا اور جیسے جیسے عمران اپنے کو جمالہ سے قریب سمجھتا گیا اُس کی صحت صبح کے نور کی طرح نکھرتی چلی گئی۔

لیکن عام طور پر کسی کو یقین نہ تھا کہ شہزادہ مقابلہ میں کامیاب ہو سکے گا۔ کیونکہ مقابلہ کی تاریخ میں صرف "دو دن" باقی تھے۔

سائکی نے جمالہ کے پاؤں کی چوٹ کو تازہ کر دیا۔ چوٹ کی کسک کے ساتھ ہی اُسے شاہی باغ کا واقعہ یاد آ گیا اور اس یاد کے ساتھ ہی عمران کی تصویر اُس کی نگاہوں میں پھر گئی۔ سائکی نے اس تصویر کو کچھ اور نمایاں کر دیا۔ اب جمالہ کے تصورات میں عمران کے شباب منور کی تصویر جگمگاتی چلی جا رہی تھی۔ سائکی کا مقصد بھی یہی تھا۔

ادھر سے فارغ ہونے کے بعد سائکی کیوپڈ سے ملی جو بدستور عمران کے دل کی حفاظت کر رہا تھا، اُس نے کہا۔

"کیوپڈ اب تم اپنا ترکش سنبھالو، تمہارے شہزادے کی کامیابی کی آخری منزل قریب ہے۔ مقابلے کے میدان میں تمہارا کام صرف یہ ہو گا کہ جیسے ہی شہزادے کی کمان سے تیر اڑے تم اُسے خطِ سُرخ کے نقطۂ آخر تک پہونچا دینا۔ سمجھ گئے چُوکنا نہیں" ہاں دیکھو جمالہ کے چکا چوند پیدا کرنے والے جلووں سے پھر کہیں مسحور نہ ہو جانا۔

کیوپڈ ہنسا۔ اُس نے کہا "سائکی اطمینان رکھو میں تمہارے ہر حکم کی تعمیل احتیاط سے کروں گا۔"

(۶)

آج مقابلہ کا دن ہے قرب و جوار کی تمام سلطنتوں سے نوجوانانِ عرب آئے ہوئے ہیں۔ وزیرِ سلطنت کے محل کا سب سے بلند مینار خوب خوب سجایا گیا ہے اور خطِ سُرخ کے نقطۂ آخر پر طلائی حرفوں سے لکھا ہوا ہے ——— "جمالہ" ———

"مقابلہ کس وقت شروع ہوگا" کسی نے دریافت کیا۔
"ٹھیک گیارہ بجے"۔
دس بج چکے تھے اور تمام شرکائے مقابلہ میدان میں جمع ہو چکے تھے مگر عمران ابھی تک نہیں آیا تھا۔ لوگوں کا خیال تھا وہ بیماری سے بہت کمزور ہو چکا ہے، شاید مقابلے میں شریک نہ ہو۔
وقت کی سوئی نے گیارہویں گھنٹے کا آخری منٹ ختم کیا اور نقارے کی بلند آواز کے ساتھ مقابلے کی ابتدا ہو گئی۔ پردہ نشین خواتین کے دل سینوں میں دھڑکنے لگے۔ جمالہ بھی اپنی جگہ کچھ پریشان سی نظر آ رہی تھی۔ اُس کی نگاہِ مسرت میدانِ مقابلہ میں عمران کو تلاش کر رہی تھی اور عمران کا وہاں کہیں پتہ نہ تھا۔
نصف سے زیادہ تیر آزما اپنے اپنے تیر آزما چکے مگر کوئی کامیاب نہیں ہوا۔ اب عرب کے سب سے مشہور تیر آزما عامر کی باری تھی۔ سب کو یقین تھا کہ اس کا تیر بلند سے بلند اور قریب سے قریب نشانے پر کبھی خطا نہیں ہوتا۔ اُس نے ترکش سنبھالا اور سب کی نگاہیں مینار کی آخری حد تک پہونچ گئیں۔
ایک دم شور ہوا "افسوس افسوس" تیر خالی گیا اور عامر ایک کھسیانی ہنسی کے ساتھ جھنجھلا کر ایک طرف بیٹھ گیا۔
عاصم اور وزیر سلطنت شہزادہ عمران کے انتظار میں بےچین تھے کہ دُور سے سپید گھوڑے پر ایک جوان آتا ہوا نظر آیا۔ یہ عمران تھا، وہ بالکل ایسے ہی آ رہا تھا، جیسے کوئی فرشتہ اڑتا ہوا چلا آ رہا ہو۔ تمام مجمع میں بیداری کی لہر دوڑ گئی۔ "شہزادہ آگیا" مگر کسی کو وہم بھی نہ تھا کہ عمران کامیاب ہو سکے گا۔ سب جانتے تھے کہ وہ ایک طویل بیماری کے بعد تندرست ہوا ہے۔
شہزادے نے اپنے سر کے بالوں کو ایک طرف کرتے ہوئے ترکش سنبھالا اس وقت اس کا چہرہ کندن کی طرح دمک رہا تھا اور سورج کی زرّین شعاعیں اس کے سنہری بالوں کو منور بنا رہی تھیں کہ اُس نے اپنے ترکش سے تیر چھوڑ دیا۔
سارے مجمع کی نگاہیں مینار کے نقطۂ آخر کی طرف اُٹھیں اور سب نے دیکھا کہ تیر "نقطہ کو چھیدتا ہوا پار نکل گیا"
"واہ واہ" کا طوفان چاروں طرف برپا ہو گیا داد و تحسین کے نعرے بلند ہونے لگے۔ وزیر سلطنت نے بڑھکر عمران کو گلے سے لگا لیا۔ عاصم نے اُس کی جبینِ منوّر پر بوسہ محبت ثبت کیا اور کامیابی کی دیوی نے مسرت کے پھول برسائے۔
کیوپڈ جو اس وقت شہزادے کا معاونِ خصوصی تھا مینار کی بلند چوٹی پر بیٹھا ہوا ہنس رہا تھا، ہنس رہا تھا اور گا رہا تھا۔

"عشق فتحمند ہے، عشق فتحمند ہے"

دفعتاً سائکی تیتری کی طرح اُڑتی ہوئی آئی۔ اُس نے کہا، کیوپڈ کیا گا رہے ہو، کیوپڈ جھینپ سا گیا۔

سائکی نے کہا "ہاں کیوپڈ کہو "عشق کی شکست" اور کیوپڈ نے بادل ناخواستہ کہا "ہاں عشق کی شکست"

سائکی نے مسرّت کا گیت گایا، اور اپنی کامیابی پر مسکراتی ہوئی ایک طرف پرواز کر گئی، کیوپڈ بھی اپنا ترکش اُٹھا کر ایک طرف چل دیا۔

دوسرے دن شہزادہ عمران اور رجالہ وابستہ حیات کر دئے گئے اور ایک لطیف عشرتِ حقیقی کے آغاز کے ساتھ حسن و عشق کی جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔

منظر

سیاہ ساڑی

معروفِ سیرِ شام لبِ بام ہے کوئی
یا صبحِ حسن، شام بر اندام ہے کوئی

خود جلوۂ صبیح ہے، ساڑی سیاہ ہے
پتلی میں جیسے آنکھ کی نورِ نگاہ ہے

لبسِ سیہ میں حسنِ فراواں چمک رہا
ظلمات میں ہے چشمۂ حیواں چمک رہا

فانوسِ شب میں جیسے ہو شمعِ خیالِ دوست
یعنی شبِ فراق میں یادِ جمالِ دوست

ابرِ سیاہ رنگ میں بجلی کی سی چمک
فردِ سیاہ کار میں رحمت کی اِک جھلک

اک آفتاب کالی گھٹا کے ہے دوش پر
دیوی ہے شام کی کہ خداوندۂ سحر

قسمت چمک اُٹھی ہے لباسِ سیاہ کی
روشن ہو جیسے رات کسی کے گناہ کی

رنگیں اُدھر شفق سے جو بادل کی گوٹ ہے
زرّین جدول اس طرف آنچل کی گوٹ ہے

رُخ پر اُڑائے جاتی ہے آنچل کو یوں ہوا
جس طرح چاند پر سے ہو بادل گذر رہا

او پیکرِ صبیح! لباسِ سیاہ میں
کافر تجھی سے آئی ہے لذّت گناہ میں

ہے عشقِ سادہ حسن سے مجبورِ معصیت
شاید بنا تجھی سے ہے دستورِ معصیت

پیدا تجھی سے دلیں ہے امکانِ آرزو
نظّارۂ جمال ہے اعلانِ آرزو

او کعبۂ نگاہِ تمنّا، سلامِ شوق
پہنچا رہی ہیں تجھ کو نگاہیں پیامِ شوق

بسمل سعیدی

حدیثِ ناز و نیاز

وہی ہم بھی ہیں، وہی تم بھی ہو، وہی آسماں ہے، وہی زمیں
وہی صبح بھی، وہی شام بھی، وہی کہکشاں کا خطِ مبیں

وہی گل میں حسن کی مستیاں، وہی رنگ و بو کا حسیں جہاں
وہی عندلیب غریب کا کبھی شب میں نالۂ آتشیں

وہی سوز بھی، وہی ساز بھی، وہی ناز بھی، وہ نیاز بھی
وہی نجد بھی، وہی قیس بھی، وہی بزمِ لیلیٰ دلنشیں

وہی سوزِ عشق کا زمزمہ ہے رباب دل میں چھڑا ہوا
وہی شاعرِ الم آشنا، وہی شورشِ غزل آفریں

وہی شوق دیدۂ تر میں ہے، وہی تشنگی سی جگر میں ہے
وہی دل بھی ہے، وہی آرزو، وہی وقفِ سجدہ سرِ جبیں

مری آرزو کا حسیں جہاں وہ طلسم خواب و خیال کا
وہ تصوراتِ جمیل کا مرے نقشِ صفحۂ اوّلیں

وہ تخیلات کی انجمن، مری شاعری کا حسیں چمن
مری بیخودیٔ نیاز کا وہ نظامِ گلکدہ حسیں

جسے دل کے ذرّوں سے میں نے آہ بنا بنا کے بسایا تھا
مری کائناتِ اُمید کا وہ نگار خانۂ نقش چیں

مگر آہ آج اُجڑ گیا، یہ چلی کہاں سے نئی ہوا
کہ تمھیں خیال بناؤ کا مرے جان ہائے ذرا نہیں

جو رہی سہی بھی تھیں حسرتیں اُنھیں آہ تم نے مٹا دیا
مری آرزوئے غریب کو یونہی خاک و خوں میں ملا دیا

وہ تخیلات کی سرزمیں، وہ تمھارا زمزمہ حسیں
وہ خروشِ بربطِ آتشیں جسے کہئے شورِ دلِ حزیں

وہ پیامِ شوق کی ابتدا، وہ وفائے عشق کا ولولہ
وہ شبابِ شعر کی بیخودی، وہ تمھارا جذبۂ اوّلیں

وہ حجابِ حسن میں چھپ کے اُف مرے سازِ شوق کو چھیڑنا
وہ "تلاش" دل کی حسین لے، وہ "صدائے" دل کہ نہیں نہیں

وہ ہر ایک چیز کہ جس سے تھی مری آرزوؤں کی زندگی
وہ ہر ایک بات کہ جس سے تھی مرے دل کو تازگیٔ نویں

وہ تمھارے سارے معاہدے، وہ تمام وعدے نباہ کے
وہ فسانے خواب و خیال کے وہ فریب خوردگیٔ یقیں

تمھیں یاد ہائے ذرا نہیں، یہ فرامشی یہ فرامشی
وہ کہانی اُلفتِ حسن کی وہ حدیثِ ناز و نیاز کی

صبا رشیدی ایم۔ اے

ایک آل انڈیا مشاعرہ

موہن پور ممالک متحدہ کی شمالی مغربی سرحد پر ایک بڑا قصبہ ہے جہاں زیادہ تر جولاہے اور کاشتکاری پیشہ جاٹ آباد ہیں یا پٹھانوں اور بنیوں کی آبادی ہے۔ بنئے عموماً دوکان داری اور قرض کا لین دین کرتے ہیں خان صاحبان بیس سال قبل اس قصبے کے مالک تھے اور اب سود خور بنیوں کے باجگذار اور برائے نام زمیندار ہیں۔ قصبے کی خدائی کا نظام، تحصیلدار، نائب تحصیلدار تھانے دار، پٹواری اور سیٹھ مدن لال بوہرے پر مشتمل ہے۔ حاکم پرگنہ خان بہادر یوسف علی خاں صاحب عنقریب دورے پر تشریف لانے والے ہیں اس لئے تحصیلدار رائے صاحب مٹھن لال کو خیال آیا کہ ایک مشاعرہ کر دیا جائے۔ خان بہادر صاحب کو شعر شاعری سے بھی ذوق ہے ادہر ابھی تحصیل کا کام بھی بے قاعدہ پڑا ہوا ہے۔ لہذا مولوی طٰہٰ علی خاں صاحب احساس گگے زئی مدرس ٹاؤن اسکول سے مشورہ کر کے ایک جلسہ کیا گیا جس میں قصبے کے خاص خاص دوکان دار، چودہری، مکھیا اور زمیندار صاحبان کو مدعو کیا گیا۔ سیاسی اور اقتصادی ترقی پر مولوی صاحب نے تقریر فرمائی، تحصیلدار صاحب کے محامد بیان کئے گئے اور طے ہوا کہ ایک آل انڈیا مشاعرہ ہو، جس میں ملک کے مشاہیر شعرا مدعو کئے جائیں۔ قصبے والوں کو درمے سخنے قدمے امداد کرنی چاہیے چنانچہ پٹواری جی محصل چندہ، تھانے دار صاحب، خزانچی اور مولوی طٰہٰ مشاعرہ کے سکرٹری مقرر ہوئے۔ زمینداروں اور بنیوں سے اُن کی حسب حیثیت مزدوروں پر فی گھر اور کاشتکاروں پر فی ہل ایک رقم عائد کی گئی جو لگان آبپاشی اور تعزیری ٹیکس کی طرح وصول کی گئی اہلکاروں کو بھی تنخواہ میں سے کچھ رقم مجرا دینی پڑی۔ سیٹھ جی نے بہ تن واحد دو سو روپیہ عنایت فرمائے۔ تمام مشاہیر شعرا کو مدعو کیا گیا اور پوسٹروں سے قصبے کے تمام در و دیوار ڈھانک دیئے گئے۔ خدا خدا کر کے مشاعرے کی تاریخ آئی صبح سے قصبے کے تمام اکے گاڑیاں شاعروں کے لئے مخصوص ہیں ریل سے جتنے دوسرے مسافر اُترے کسی کو سواری نہ ملی مولوی طٰہٰ صاحب مع شاگردوں کی بھیڑ کے جھنڈیاں لئے سینوں پر نشان لگائے صبح سے مصروف ہیں

شاعروں کے قیام کا انتظام ٹاؤن اسکول کی عمارت میں ہے۔ یہ جگہ تحصیل سے تین میل کے فاصلے پر ہے مشاعرہ تحصیل کے سامنے میدان میں ہوگا۔ جہاں ایک روز قبل سے شامیانہ لگا ہوا ہے۔ آج سر شام سے ہی دیہاتی شامیانے کے چاروں طرف جمع ہیں۔ فرش پر اہل کاران اور شرفائے کرام رونق افروز ہیں۔ صدر میں ایک بڑا تخت بچھا ہوا ہے۔ جس پر قالین گاؤ تکیہ،

لگا ہوا ہے مشاعرہ کا وقت اگرچہ ۹ بجے کا مقرر رہتا مگر ابھی مقامی شعرا بھی تشریف نہیں لائے جبتک شاعر آئیں مجمع شعرا پر نقد و تبصرہ کرتا رہا شکل و صورت کی زیبائی آرٹ کی رعنائی اور آواز و ترنم کی خوبی پسندیدگی کا معیار تھا۔ اتنے میں شعرا کی جماعتیں آنی شروع ہوئی عموماً ایک ہاتھ میں ٹوپی دوسرے میں جوتا اور لکڑی، بکھرے ہوئے بال، شیروانی کے بٹن کھلے ہوئے چہرے سُتے ہوئے ایک ایک قدم کوتل گھوڑوں کی طرح رکھتے ہوئے رونق افروز مشاعرہ ہوئے۔ آپس کی سلام دُعا مزاج پرسی سب میں تعریف اور اپنی برتری کی نمائش کی گئی۔ ٹھیک ۱۱ بجے خان بہادر صاحب تشریف لائے، ہیٹ بغل میں دبائے، دو انگلیوں میں سگریٹ لئے ہوئے تین انگلیوں اور کبھی گردن کے اشارے سے سلام لیتے ہوئے آکر تخت کے قریب بیٹھ گئے۔ سکرٹری صاحب کھڑے ہوئے ایڈورڈ ہشتم کی حمد و ثنا کی۔ پھر حکام ضلع خصوصاً خان بہادر صاحب تحصیلدار کی منقبت فرمائی اور خان بہادر صاحب سے صدارت قبول کرنے کی دُعا مانگی، تحصیلدار اور تھانے دار صاحب نے تائید فرمائی اور تالیوں کے شور میں جناب صدر تخت پر جلوہ افروز ہوئے کھڑے ہوکر حاضرین کہا پھر کچھ سوچتے رہے اس کے بعد شکریۂ صدارت اور اپنی نالائقی کے اظہار کی رسم ادا فرمائی پھر اُردو کی تاریخ، توصیف اور ضرورت پر وقت کی تنگی کا عذر فرماتے ہوئے مختصر تبصرہ فرماکر بقیہ معلومات کا اظہار فردا ئے شب کے وعدے پر ملتوی کردیا۔ اس کے بعد مشاعروں کی ضرورت اور اہمیت پر زور دیا کہ یہی واحد ذریعہ قومی ترقی کا ہے لہٰذا امید ظاہر کی کہ یہاں ہر سال ایک مشاعرہ اسی شان سے ہو اور دوسرے قصبے اور شہر یہاں کی مثال سے فائدہ اُٹھائیں۔ آخر میں حضرات شعرا کا شکریہ ادا کیا گیا اور دوبارہ شکر صدارت کے بعد بیٹھ گئے۔ سکرٹری صاحب نے عرض کیا حضرات اب مشاعرہ شروع ہوتا ہے۔ دو چار آوازیں بلند ہوئیں ارشاد فرمائیے۔ بسم اللہ، ارشاد ہوا حضرتِ نوشہ صاحب تشریف لائیں، آواز ختم ہونے سے پہلے ایک نوعمر صاحبزادے سبز ریشم کی شیروانی پہنے ہوئے آدمیوں کو پھلانگتے ہوئے نظر آئے اور چشم زدن میں تخت پر صدر صاحب کے برابر جلوہ آرا ہوئے۔ ٹوپی درست کی شیروانی کے بٹن لگائے۔ پانی مانگا۔ پھر شیروانی کے بٹن کھولے حاضرین کو دیکھا پھر صدر صاحب کو مخاطب کرکے مطلع الاپا شعر تو کچھ تھا یا نہیں مگر کیا پاکیزہ آواز تھی صورت کی طرح پاکیزہ مشاعرہ اُڑ گیا ایک ایک شعر دس دس مرتبہ پڑھوایا گیا صدر صاحب نے ہر شعر پہ پیٹھ ٹھونکی نوشہ صاحب نے گھوم کر کھڑے ہوکر ہر زاویے سے سلام کیا ہاتھ جوڑے اور چوکی سے اتر آئے اس کے بعد دو بجے تک مشاعرہ میں کسی کا رنگ نہ جانہ کوئی خاص بات قابلِ ذکر ہوئی۔ سوائے اسکے کہ کسی صاحب نے چودہ پندرہ شعر سے کم کی غزل نہ پڑھی حالانکہ دعوت نامے میں لکھنے کے علاوہ مشاعرے میں بار بار اعلان کیا جارہا تھا کہ کوئی صاحب نو شعر سے زیادہ پڑھنے کی زحمت گوارا نہ فرمائیں۔ ہندوستانی ایثار کا یہ مظاہرہ برابر جاری رہا۔ آئندہ لازم ہے کہ "زحمت گوارا نہ فرمائیں ..... کی بجائے زحمت نہ دیں" لکھا جائے کیونکہ ہر شاعر کو یہ سمجھنے کا حق ہے کہ اتنی تعداد میں صاحبانِ ذوق میرا کلام سننے یا کم سے کم میرا ہی کلام سننے آئے ہیں پھر میں ذرا سی زحمت بھی گوارا نہ کروں۔

اسی دوران میں بعض شعرا مستقابلِ ذکر ہیں ایک سکرٹری کاکوروی احساس صاحب جنھوں نے اپنی غزل میں سو فیصدی ہندی لفظ

استعمال فرمائے تھے ہندی کہنا بھی غلط ہے سنسکرت کہنا چاہیے کیونکہ ایک دفعہ اگر کوئی ایک مصرع کو صحیح ملفظ سے دہراتا تو پیٹ میں درد ہونے لگتا۔ خود ہندی داں بھی نہ سمجھ سکے البتہ تحصیلدار صاحب برابر داد دیتے رہے اس کے تھوڑی دیر بعد کوئی صاحب پنڈت میلارام صاحب وطن تشریف لائے ہندی میں غزل تحریر فرمائی تھی ایک مصرع تو ہچکیاں لے لے کر پورا کر لیا مگر دوسرے مصرع پر اٹک کر رہ گئے بہت کاغذ لوٹا پھیرا کھانسے تھوکا مگر مصرع حل نہ ہوا آخر کاغذ ہاتھ سے پھینک کر ایک طویل قہقہہ مار کر فرمایا "میں کیا کروں بھوگام کا نام ہی خراب ہے" یہ کہکر مشاعرے ہی سے رخصت ہو گئے۔

اب مشاہیر شعرا کا نمبر آیا، دور جدید کے شعرا نے اکثر نظمیں پڑھیں جن کے بیشتر عنوان کسان، ریل کا ڈبہ، کوئلے کی کان، مزدور تھے سب سے بہتر نظم "تراکم جذبات" تھی جس میں ثریا کو مخاطب کیا تھا آسمان کا منظر صبح کا سہانا وقت، آفتاب اور ثریا کا ساتھ ساتھ طلوع، غرض خوب نظم تھی ایک اور جوان شاعر فرقومی فضائی نے نغمہ اور ریاست کے عنوان سے ایک نظم گائی قوم کی حالت کا کس دردناک طریقے سے نقشہ کھینچا تھا۔ کاشتکار کی خستہ حالی، لیڈروں کی عیاری، مولوی پنڈتوں کی مکاری غرض سب کو ہی راہ راست دکھانے کی کوشش کی تھی آخر میں بتایا تھا کہ اگر قوم زندہ رہنا چاہتی ہے تو شاعر کے سوا کسی کی آواز نہ سنے، مشاعروں کے علاوہ کوئی کام نہ کرے اور شاعر کے سوا کسی کو زندہ نہ چھوڑے نہ چندہ دے کہ یہی روح کائنات، ترجمانِ حقیقت، تمام سیاسی مشکلات اور اقتصادی امراض کا امرت دھارا، اور عاقبت میں شفاعت کا وسیلہ ہے اب اساتذہ کا نمبر آیا سب سے پہلے یوپی کے ایک کہن سال استاد حضرت فتنہ مدظلہ سے گذارش کی گئی فرمایا میرا ابھی نمبر نہیں ہے۔ آپ فرقِ مراتب بھی نہیں سمجھتے ہیں چالیس سال سے جھک مار رہا ہوں بڑی خوشامد سے تقصیر معاف کرائی گئی اس کے بعد پنجاب کے مشہور شاعر حضرت ضعیف صاحب کو آواز دی گئی معلوم ہوا موجود نہیں ہیں رضاکار دوڑے معلوم ہوا دروازے کے باہر کھڑے ہوئے سکرٹری صاحب کو یاد فرمارہے ہیں سکرٹری سے فرمایا مجھے صرف پچاس روپیہ کی ضرورت ہے ورنہ نظم پڑھنے سے معذور رہوں غریب سکرٹری نے بہ ہزار دقت تیس روپیہ حاضر کئے ہاتھ جوڑے اور سیکڑوں خوشامدوں کے بعد مشاعرے میں لائے نظم کیا تھی جادو تھا اور پھر پڑھنا تو ایسا کہ کلاونت کان پکڑلیں ایک بند یاد ہے آپ بھی سن لیجیے۔

جباب جو نُبار ہے شراب کامیاب ہے

رباب ہے جباب ہے، جباب ہے رباب ہے

خیال کی تجلیاں شرار کی تعلیاں

تعلیاں تجلیاں

شرار کی تعلیاں

بہار ہے حباب ہے شراب کامیاب ہے،

رباب ہے جباب ہے

اس کے بعد یوپی کے مشہور شاعر حضرتِ کمال کا نمبر آیا، سکرٹری نے دست بستہ التماس کی فرمایا۔ میں تو آپ کی خاطر سے حاضر ہو گیا ہوں، کئی روز سے زکام ہے کئی مشاعروں کا جاگا ہوا ہوں۔ غزل نہیں لکھ سکا للہ معاف کیا جاؤں۔ جانبین سے اصرار کی کھینچا تانی ہو رہی تھی

سکرٹری کے اصرار میں اہلِ محفل بھی شریک ہو چکے تھے پھر ارشاد ہوا حضرت قسم ہے خونِ حسینؑ کی ایک مصرع بھی نہیں کہا قسم سرِ عباسؑ کی کافر ہو جسے مرنے کی بھی فرصت ہو اب جناب صدر نے بھی اصرار کیا کہ حضرت کوئی غیر طرحی غزل ہی ارشاد فرما دیجئے، آخر بہ ہزار تامل استخارہ فرمایا اور انگرکھے کی جیب سے ایک پونگی نکالی جو اوپر ہی سے جھلک رہی تھی فرمایا حضرات دو چار شعر راستے میں ہو گئے تھے نظرِ ثانی بھی نہ کر سکا سب حضرات اپنے اپنے مقام پر ملاحظہ فرمائیں، ملاحظہ ہو یوں تو حضرت کمالؔ بیمار سے معلوم ہوتے تھے مگر سبحان اللہ اس نحافت پر بھی ایسے سے غزل پڑھی کہ جوانوں کے چھکے چھڑا دیئے، کیا کیا شعر نکالے ہیں بلا مبالغہ دو سو شعر پڑھے ہے، جنازے کا منظر سکرات کا عالم، موت کی ہچکیاں، زخمی ہونے، پنجرے میں بند ہونے باغ میں ذبح ہونے اور پر نوچے جانے کے حادثات و مصائب آشیانے کی تباہی کا حال قید خانے کی سختیاں، دل کے چھالے اور زخموں میں نشتر سے عملِ جراحی کے تجربات کیا کیا مضامین لکھے تھے، ایک ایک مضمون کئی کئی طرح اور ایک ایک قافیہ متعدد پہلوؤں سے باندھا تھا۔ غرض غزل جس مشکل سے شروع ہوئی تھی اُس سے زیادہ مشکل سے ختم ہوئی۔ غزل پڑھ چکے تو غش آ گیا پنکھے جھلے گئے، پانی چھڑکا گیا، تب کہیں ہوش آیا، جب تک غزلیں پڑھی گئیں منہ بسورے ہوئے روٹھے ہوئے سے بیٹھے رہے اللہ اللہ کر کے صبح آٹھ بجے مشاعرہ ختم ہوا سکرٹری نے جناب صدر شعرا و حاضرین کا شکریہ ادا کیا، خاص خاص حضرات کے نام لئے اور جلسہ برخواست ہوا سب سے پہلے سکرٹری صاحب اور منتظمین مشاعرہ رخصت ہوئے، ہر شاعر نے سب سے اوّل اپنے جوتوں اور اس کے بعد سکرٹری صاحب کی تلاش شروع کی، جوتے تو اکثر حضرات کو مل بھی گئے مگر سکرٹری صاحب نہ ملے آخر کو بعض جلد بعض بہ دیر پیادہ پا سکرٹری صاحب کی شان میں قصیدے پڑھتے ہوئے روانہ ہو گئے۔ جائے مشاعرہ سے جائے قیام اور جائے قیام سے اسٹیشن تک تمام مراحل حضرات شعرا کو بغیر امداد غیر طے کرنے پڑے۔ تف ہے ناقدر دان زمانے پر مصلحین قوم کے ساتھ ہمیشہ اسی قسم کے تکالیف دہ برتاؤ ہوتے رہے ہیں۔ آہ غریب شاعر! کل ایک فاتح جنرل کی طرح تو اس قصبے میں داخل ہوا تھا اور آج اس طرح واپس جا رہا ہے جیسے تعزیئے کربلا سے واپس آتے ہیں، وہ نازک دماغ شاعر جس نے کل پاسنگ شو سگریٹ کا ڈبہ ایک رضاکار کے منہ پر کھینچ مارا تھا۔ یہ سگریٹ شریف آدمیوں کے پینے کے ہیں، بلا کر توہین کرتے ہو، عنقریب اس پر آرٹیکل لکھوں گا، کی قسم کی دو ہزار صلواتیں سنائی تھیں آج کس طرح جا رہا ہے۔ زمین دھکے دے رہی ہے، در و دیوار مذاق اُڑا رہے ہیں۔ شہرت کی خواہش، غریبِ کمال کی نمائش کا جنون ان تمام ذلتوں کا ذمہ دار ہے۔ مگر انصاف یہ ہے کہ شاعر کچھ نقصان میں نہ رہے اس بے روزگاری کے زمانے میں آمد و رفت کا کرایہ اور دو تین وقت کا کھانا کیا بُرا ہے۔ البتہ کسان اور اس قسم کے دوسرے غریب بے وجہ نقصان میں رہے اور سب سے زیادہ فائدہ سیٹھ مدن لال کو ہوا کہ دو سو روپیہ میں اپنے فرضی کھاتے اور جعلی دستاویزوں پر رجسٹری کرا لی اب کس کی مجال ہے جو اُن کے خلاف سانس لے سکے تحصیل اُن کی تھانہ ان کا، تمام اہلکار ان کے، غریب رضاکاروں کی حالت البتہ قابلِ رحم ہے کہ دن رات بھاگے پھرے جھڑکیاں سُنیں للکارے کھائے، شامیانے اُٹھائے اور ریاکار کے اعمال کی طرح ساری محنت رائگاں گئی۔ رہے خان بہادر صاحب تو باہر کے چند بھلے آدمیوں سے تعارف ہو گیا، مشاعرہ شائع ہو گیا تو تھوڑے دن نام رہ جائے گا۔ ویسے چار اہلکاروں یا غریب کاشتکاروں کے سوا کون ان کی عزت کرتا ہے آجکل یوں بھی غریب ٹوڈی بچہ کہلاتے ہیں

میکش اکبر آبادی

مشاہدات

تمہیں اے اہلِ دل میں کیا بتاؤں کون ہوں کیا ہوں
نظر کا یہ بھی اک دھوکا ہے قطرہ ہوں نہ دریا ہوں

صفائے دل، فراوانیٔ جلوہ، اب یہ حیرت ہے
کہ میں آئینہ ہوں، یا خود کسی کا روئے زیبا ہوں

انہیں گر دیکھنا ہو، مجھ کو دیکھو، دیکھنے والو!
تجلّی گاہِ نورِ سرمدی ہوں اُن کا جلوا ہوں

جو تم کہتے ہو "میں ہی میں ہوں" پھر اتنا تو فرماؤ!
کہ میں ہوں، یا نہیں ہوں، اور جو ہوں تو آخرش کیا ہوں

جنابِ خضر! کچھ مجھ ناتواں پر بھی کرم کیجیے!
تلاشِ دوست میں مدّت سے، میں بھی جادہ پیما ہوں

نہ دیکھو مجھ کو میرا حوصلہ دیکھو نظر والو!
جو ہے چشمک زنِ خورشید وہ ناچیز ذرّا ہوں

مری مجبوریوں نے آخرش یہ کر دیا ثابت
فقط اتنی حقیقت ہے مری "میں اُن کا منشا ہوں"

سکونِ دل میں اک طوفانِ بیتابی کیا برپا
کسی نے بھولے پن سے پوچھ کر مجھ سے کہ "میں کیا ہوں"

فرشتو! مشقِ نازِ یار ہونا میرا حصہ ہے
نکل کر روضۂ رضواں سے، دنیا میں جو رسوا ہوں

سمجھ میں آئی کچھ اپنی حقیقت تو یہی آئی
تخیّل کی ہوں بستی اور تمنّاؤں کی دنیا ہوں

بھری محفل ہے شاہد تیرے جلنے کی تو پروانے
کسی کو کیا خبر، میں کس لئے، کس طرح جلتا ہوں

غزل گوئی مری ہے وارداتِ قلب کا قصّہ
حکیم اس میں ہنر کیا ہے جو سہتا ہوں وہ کہتا ہوں

حکیم اورنگ آبادی

ایکناتھ ـــــــ "مرہٹی زبان کا محسن اور کامیاب شاعر"

(میں اس مضمون کے لئے اپنے ایک مرہٹی داں عنایت فرما کا ممنون ہوں .... عشرت تیموری)

پیدائش ایکناتھ ۱۵۴۸ء میں بمقام پٹن (ضلع اورنگ آباد) پیدا ہوا۔
اس کا سلسلۂ نسب مہاراشٹر کے مشہور سادھو بھانوداس سے ملتا ہے۔ جنھیں بھگتوں کا سرتاج اور قابلِ تعظیم سمجھا جاتا تھا۔ ایکناتھ بچپن ہی میں والدین کے سائے سے محروم ہوگیا۔ لیکن اُس کے سرپرستوں میں اُس کی دادی اور دادا ابھی تک زندگی کی دشوار گذار منزلوں کو طے کر رہے تھے۔ ہمارا ہیرو بہت ناز و نعم سے پلا کیونکہ دادا دادی مرحوم بیٹے کی نشانی کو بہت عزیز رکھتے تھے اس کا دادا گرم و سرد روزگار سے واقف تھا اور اس کی دوربین نگاہوں نے یہ معلوم کیا تھا کہ یہ ہونہار و اقبال مند بچہ ضرور کسی رشی کی خاک سے پیدا ہوا ہے۔ چنانچہ اس کی نگہداشت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہوا۔ جب ایکناتھ نے چھٹے سال میں قدم رکھا تو اُس کے دادا نے اُسے سنسکرت پڑھوانا شروع کرایا۔ اب ایکناتھ کی طبیعت کے جوہر کھلنے لگے۔ پنڈت جو اسے تعلیم دیتا تھا ہمیشہ اسکی ذہانت اور ترقی پسند طبیعت کا ثنا خواں رہتا تھا۔
زمانے کا اسپ تیز رفتار آناً فاناً میں کہیں سے کہیں پہونچ جاتا ہے۔ ایکناتھ کی زندگی کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ یعنی حصولِ علم کا ذوق۔ اس کی عمر صرف بارہ سال کی تھی جبکہ اُس نے کسی علمی سرچشمہ سے اپنی تشنگی کو تسکین میں تبدیل کرنے کی ٹھانی اور ترکِ وطن کیا۔

ترکِ وطن ایکناتھ اپنے دادا دادی کا اُن کے حسنِ سلوک کی وجہ سے والہ و شیدا تھا۔ اُس کا دل نہ چاہتا تھا کہ ترکِ وطن کرے۔ لیکن فانی محبت پر ابدی محبت غالب آئی اور وہ ترکِ وطن کر کے سیدھا دولت آباد (دیوگری) پہونچا جو اس زمانے میں سفینۂ علم و فضل تھا۔

جنار دہن یہاں ایک شخص بہت عالم، فاضل، متقی اور صاحبِ دل جنار دہن نامی رہتا تھا۔ جس وقت ایکناتھ دولت آباد

پہونچا وہ صیغۂ حساب میں کسی خدمت پر مامور تھا۔

سُنا جاتا ہے کہ جنار دھن کسی مسلمان بزرگ سے علم باطنی کے نکات حاصل کیا کرتا تھا۔ اور ایک مخصوص پہاڑ پر جمعہ کے دن اُن بزرگ سے ملتا تھا۔

ایکناتھ جنار دھن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب جنار دھن کو اُس کے علمی ذوق کا حال معلوم ہوا تو بہت خوش ہوا اور اُسے اپنے پاس رکھ لیا۔

ایکناتھ برابر چھ سال تک جنار دھن کی خدمت کرتا رہا۔ اور ایسی ریاضتیں کیں کہ وہ بھی قائل ہو گیا۔ ایک دن جنار دھن نے ایکناتھ کو بلایا اور اُس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"اب وہ وقت آ گیا ہے کہ میں تجھے اپنے مرشد کی خدمت میں پیش کروں"

ایکناتھ اس خوشخبری سے جو اُس کی محنتوں کا صلہ تھی۔ بہت مسرور ہوا اور اُس کی آنکھوں میں عقیدت کے آنسو جھلک آئے۔ وہ جمعہ کا انتظار بڑی بے چینی سے کر رہا تھا۔ اسے ایک ایک دن ایک ایک برس معلوم ہو رہا تھا۔ خدا خدا کر کے وہ دن بھی آ گیا اور ایکناتھ جنار دھن کے پاس پہونچا اور اُس کا وعدہ یاد دلایا۔ جنار دھن فوراً ایکناتھ کو لیکر ایفائے عہد کے لئے چل کھڑا ہوا۔

ملاقات اس ملاقات کے متعلق کئی دلچسپ روایات مشہور ہیں لیکن یہاں صرف ایک پر اکتفا کی جاتی ہے۔

ایکناتھ اور جنار دھن اُس مخصوص پہاڑی پر پہونچے۔ تھوڑی دیر بعد وہ بزرگ بھی تشریف لے آئے اُن کے ساتھ ایک گائے بھی تھی۔ انھوں نے جنار دھن کو دودھ دوہنے کا اشارہ کیا۔ جنار دھن نے فوراً لُٹیا میں دودھ دوہنا شروع کیا۔ جب دوہ چکا تو لُٹیا اُن بزرگ کے سامنے رکھدی۔ اُنھوں نے ایک روٹی نکالی، اسے مسلا اور دودھ میں ڈال کر کھانا شروع کر دیا اور جنار دھن کو بھی ساتھ شریک کر لیا۔ کھانے کے بعد جھوٹی لُٹیا ایکناتھ کے حوالے کی کہ دھو ڈالے۔ ایکناتھ فوراً ایک چشمہ کے کنارے گیا۔ لُٹیا میں پانی ڈالا خوب ہلایا اور یہ کہہ کر پی گیا۔

"یہ ساغر جس میں اُلفت بھری ہے مجھے پینے دو۔ مجھے آج ان کٹھن مصائب سے نجات ملی ہے جو منزلِ مقصود تک پہونچنے میں پیش آتے ہیں۔ میں نے نجات کا پُرسکون اور سیدھا راستہ پالیا آج تمام کائنات میں مجھ سے زیادہ خوش نصیب اور کوئی نہیں"

جنار دھن نے مرشد سے ایکناتھ کی ہاتھ جوڑ کر سفارش کی۔ ایک ہلکی سی مسکراہٹ اور ایک خفیف جنبش سر نے ایکناتھ کو حلقۂ مریدین میں داخل کر لیا۔

ایکناتھ پر ایک خود فراموشی اور سرمستی کا عالم طاری ہو گیا۔ اُس کی آنکھیں نیم وا تھیں اور لب جنبان تھے۔ اس وقت

جو جملے اُس نے کہے وہ یہ تھے

"تعریف کرتا ہوں میں جس ایک کی اُس کو اپنے ظاہر و باطن میں دیکھتا ہوں۔ وہ ایک خاص رنگ میں ہے۔ کسی رنگ میں بھی نہیں اور پھر ہر رنگ میں۔ وہ دنیا میں ہے۔ بیابان میں بھی اور بن میں بھی"۔

طویل سفر ایکناتھ نے جناردہن کے کہنے سے ایک طویل سفر کیا اور ہندوستان کی تمام زیارت گاہوں پر گیا۔ اب اس کے سرپرستوں (دادا دادی) کا حال سنئے یہ بہت حیران و پریشان رہے۔ آخرکار پتہ لگ گیا کہ ایکناتھ جناردہن کے پاس ٹھیرا ہوا ہے۔ وہ سیدھے اس کے پاس پہونچے لیکن ایکناتھ روانہ ہو چکا تھا۔ گو جناردہن نے انھیں بہت کچھ سمجھایا کہ ایکناتھ ضرور پٹن آئے گا۔ اُس کی آخری زیارت گاہ پٹن ہی ہوگی۔ لیکن انھیں یقین نہ ہوا۔ آخرکار جناردہن نے ایکناتھ کے نام ایک خط لکھا اور اُن لوگوں کے حوالے کیا۔ یہ دونوں محبت کے مارے پٹن واپس گئے اور ایکناتھ کا انتظار کرنے لگے۔ اتفاق کی بات ہے ایک دن ایکناتھ گوداوری میں اشنان کر رہا تھا۔ کہ اُس کے بڈھے سرپرست آنکلے اور اُسے پہچان لیا۔ جناردہن کا خط پڑھنے کے بعد ایکناتھ نے پٹن میں اپنی تمام عمر گذارنے کا مصمم ارادہ کرلیا۔

شادی اس کے بعد اُس کی شادی ایک لڑکی گرجا بائی نامی سے کردی گئی۔ اور یہ خدا کی قدرت تھی یا ایکناتھ کو اُس کے مقاصد میں کامیاب کرنا تھا کہ یہ لڑکی بالکل اُس کے ہم خیال تھی۔ ایکناتھ کی شادی کے موقعہ پر چند اقارب جو بیجاپور میں رہتے تھے ایک شخص بدھا نامی کے ساتھ آئے۔ یہ شخص ایکناتھ کا اتنا معتقد ہوا کہ تادمِ زیست اس کا خدمت گذار رہا۔ شادی کے بعد اُس کی زندگی اطمینان سے گذر رہی تھی کہ دو حادثے بہت سخت ظہور پذیر ہوئے۔

انتقال تھوڑے عرصے بعد ایکناتھ کے بوڑھے اور شفیق سرپرستوں نے اس فانی دُنیا سے کوچ کیا اور ابھی یہ غم تازہ ہی تھا کہ مہربان استاد جناردہن نے بھی ہمیشہ کے لئے مفارقت اختیار کی۔ اسوقت ایکناتھ کے دل کی حالت کیا ہوگی، اسے وہ ہی خوب جان سکتا ہے۔ جس کا دل اس قسم کے زخموں سے چور رہو۔

اولاد ایکناتھ کا ایک لڑکا ہری پنڈت تھا جو سنسکرت کا جیّد عالم تھا۔ اس کے علاوہ اس کی دو لڑکیاں اور تھیں ایک کا نام گنگا اور دوسری کا گوداتھا۔ گودا پٹن کے ایک برہمن سے بیاہی گئی اور گنگا کرناٹک میں بیاہی گئی۔ گودا کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام مکتیشور تھا جو مرہٹی زبان کا اچھا شاعر مانا جاتا ہے۔ اس کا کلام سلیس اور پاکیزہ ہونے کی وجہ سے خاص وعام میں مقبول ہے۔

انکسار ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایکناتھ گوداوری سے اشنان کرکے آرہا تھا کہ کسی مسلمان نے اس پر غلطی سے تھوک دیا یہ دوبارہ واپس گیا اور اشنان کیا۔ لیکن تھوکنے والے سے کچھ نہ کہا۔

ایکناتھ کا مرہٹی زبان پر احسان

ایک کام ایکناتھ نے ایسا کیا جو اُسے قیامت تک زندہ رکھے گا اور وہ یہ ہے کہ مذہبی علوم کی کتابیں جو صرف سنسکرت میں تحریر تھیں۔ مرہٹی میں منتقل کرنے لگا۔ کیونکہ عوام سنسکرت نہ جاننے کی وجہ سے (سنسکرت صرف برہمن پڑھ سکتے تھے) مذہب کے اصولوں سے قطعاً بے بہرہ تھے۔ سوائے اس کے کہ برہمن بھی مہاراج کے بتائے ہوئے چند رسوم پر عمل کریں وہ اپنے مذہب کے متعلق کچھ نہیں جانتے تھے۔ جب اُس نے پوشیدہ مذہبی حقائق کو منظرِ عام پر لانا چاہا تو تمام مذہبی عالم اور سادھو اُس کے جانی دشمن ہو گئے۔ کیونکہ برہمنوں کی پھر کوئی حاجت باقی نہ رہتی تھی اور برہمنوں کا زبردست مالی نقصان بھی تھا۔ ایکناتھ کے دشمن صرف جنوبی ہند میں ہی نہ تھے بلکہ شمالی ہند میں بھی پیدا ہو گئے تھے۔ یہانتک کہ اُس کا بیٹا ہری پنڈت تک اس سے سخت ناراض تھا۔ آخرش اُس نے بھی باپ سے قطع تعلق کر لیا اور بنارس چلا گیا۔

لیکن ایکناتھ کے استقلال میں کوئی فرق نہ ہوا اور وہ برابر کام کرتا رہا۔ مرہٹی زبان اُس کے احسانِ عظیم سے سبکدوش نہیں ہو سکتی۔

بردباری

اسی زمانے کا ایک عجیب واقعہ سنئے۔ ایک برہمن جو مفلس تھا اپنے لڑکے کے منجھ کے رسوم ادا کرنے پٹن آیا۔ شہر کے دو باشوں کو ایکناتھ سے خواہ مخواہ کا بیر تھا۔ اُنھوں نے اس غریب برہمن کو لالچ دلایا کہ اگر ایک برہمن ایکناتھ کو غصہ دلا دے تو دو سو روپیہ ہم تیری نذر کریں گے۔ لالچ میں اندھا برہمن وعدہ کرکے سیدھا دندناتا ہوا ایکناتھ کے گھر میں پہونچا اور ایکناتھ کے زانو پر جا بیٹھا۔ ایکناتھ اس عجیب و غریب حرکت پر متعجب تو ہوا لیکن اُس نے بردباری سے کام لیکر کہا "مہاراج میں آپکی پُرخلوص محبت کا احسان مند ہوں"۔ برہمن نے دیکھا کہ یہ وار بھی خالی گیا تو فوراً اُچھل کر گرجا بائی کی پیٹھ پر جا بیٹھا جو اس وقت کھانا چُننے کے لئے جھکی ہوئی تھی۔ ایکناتھ اور بھی حیران ہوا لیکن اُس نے دوبارہ کہا "دیکھو کہیں مقدس برہمن نہ گر پڑے"۔ یہ سن کر گرجا بائی نے جواب دیا "آپ فکر نہ کریں مجھے اپنے بیٹے ہری کو پیٹھ پر بٹھا کے کام کرنے کی عادت ہے۔ میں اِن مہاراج کو اس سے بھی زیادہ عزیز رکھتی ہوں"۔

اب تو مہاراج سٹ پٹائے فوراً ایکناتھ کے قدموں پر گر پڑے اور سارا حال کہہ سُنایا۔

ایکناتھ نے مسکرا کر کہا "یہ بات تم نے پہلے ہی کیوں نہ کہی مفت میں دو سو روپیہ مل جاتے"۔

ایکناتھ کے کرتن

کرتن اس وعظ کو کہتے ہیں جو نظم میں لکھا جائے۔ ایکناتھ کے کرتن سلیس اور شیریں زبان میں ہوتے تھے۔ جب ایکناتھ تبلیغی دورے کرتا تھا تو اپنے کرتن سُنایا کرتا تھا اور جہاں جاتا اپنی پُرخلوص محبت کا نقش چھوڑ جاتا تھا۔

ایکناتھ کی موت سنہ ۲۵۲۱ شکے میں پھاگن کی پانچویں رات کو ایکناتھ نے کرتن کیا۔ اور آخر میں اُس نے کہا "پیارے اور عزیز از جان دوستو! فرقت کی گھڑی آپہونچی کل میں تم سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جاؤں گا" اس منحوس خبر کو سننے کے بعد مجمع سے آہ وزاری اور ہچکیوں کی آواز بلند ہوئی۔

دوسرے دن صبح ہی ایکناتھ بیدار ہوا۔ اشنان کیا اور گوداوری کی طرف چلدیا۔ راستے میں ہزاروں آدمی جمع تھے۔ کیونکہ یہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی تھی اور ہر ایک اُس کو آخری بار دیکھنے کا متمنی تھا۔ راستہ میں عود وعنبر اور پھولوں کی بارش ہوتی تھی۔ گوداوری کے کنارے ایکناتھ ٹھہر گیا۔ اور اپنا ایک ابھنگ سُنایا۔ اس ابھنگ میں اُس نے اپنا مقصدِ حیات بیان کیا تھا۔ یدھا نے اس ابھنگ کو لکھ لیا تھا۔ اس وجہ سے وہ مرہٹی زبان میں محفوظ رہ گیا۔ اس کے بعد اُس نے سب کو سلام کیا اور کہا "بھائیو! میں اپنے آخری سفر پر روانہ ہوتا ہوں مجھ پر مہربانی کی نظر رکھنا" یہ کہہ کر وہ پانی میں داخل ہو گیا۔ اس وقت لوگوں کی گریہ و زاری اور "ایکناتھ کی جے" کے نعروں نے سخت سے سخت دلوں کو ہلا دیا۔ تھوڑی دیر بعد اُس کی لاش نکالی گئی اور اُسے نذرِ آتش کر دیا گیا۔

تصانیف ایکناتھ کی حسب ذیل کتابیں مرہٹی ادب کے جواہر پاروں میں شمار ہوتی ہیں۔ (۱) چتوشلوکی بھاگوت (۲) ابھنگ (۳) ہستامامک (۴) اسوکاشتک (۵) اسواتما سکھ (۶) آنند لہری (۷) انوبھوانندیا یا انوبھاؤ (۸) رکمنی سویمورا (۹) بھاگوت (۱۰) بھاورت راماین۔

یہ وہ تصانیف ہیں جن کی وجہ سے ایکناتھ کا نام ہمیشہ احترام و عزت کے ساتھ لیا جائے گا۔

عرشس تیموری

افسانہ بنادے

اے شوق مرے عشق کا افسانہ بنادے — جو سننے کو آئے اُسے دیوانہ بنادے
اے مستیٔ دل دیکھ مرے ظرف کی وسعت — دنیا کے ہر اک ذرّے کو میخانہ بنادے
ممکن ہے مری خاک کو ہو کیف میسّر — پیمانہ بنادے کوئی میخانہ بنادے
فطرت مری پُرسوز ہے ہستی مری پُرسوز — یا رب تو کسی شمع کا پروانہ بنادے
ہے جذبۂ تعمیر کرشمہ ہے نظر کا — ذرّے سے کوئی چاہے تو بتخانہ بنادے
ممکن ہے کہ آئے کوئی گھر اپنا سمجھ کر — دل کو کسی انداز سے کاشانہ بنادے
کوثر ہے ترا عشق بھی اک جذبۂ کامل — چاہے تو اسے قیس کا افسانہ بنادے

کوثر سیمابی میانوی

حُبِّ وطن ——— "ایک طوطے کی جلاوطنی"

(ٹامس کیمبل کی ایک شاہکار نظم کا ترجمۂ منظوم)

(۱)
جذبۂ حبِّ وطن ہے بخششِ عامِ خدا
صرف انسان کے لئے اُس کو نہیں مختص کیا
دل میں ہر ذی روح کے ہر وقت ہے اس کا وطن
ہے یہ پوری شان سے حیواں میں بھی جلوہ فگن

(۲)
ایک طوطا جس کے پر تھے سبز و سرخ و خوشنما
خطۂ مقبوضۂ ہسپانیہ سے بے نوا
ہو گیا عہدِ جوانی میں گرفتارِ قفس
ساحلِ مُلّا میں پہنچایا گیا بے پیش و پس

(۳)
وہ وطن کے پُرفضا رشکِ جناں گلزار سے
آسمانِ صاف، زنگار رنگ برگ و بار سے
جس میں اسکے پر ہوئے تھے رنگ سے حُسن آشنا
با غم و حسرت ہمیشہ کے لئے رخصت ہوا

(۴)
اب بجائے رنگ باریِ گلستانِ وطن
فرش چٹانوں کا، بحرِ پُرغضب امواج زن
ہر طرف پیشِ نظر ویرانیاں تھیں دور تک
کوہ و دود و دخار و خس، ویراں زمیں، اغبر فلک

(۵)
ایسے ویران ملک کی آب و ہوائے سرد میں
سالخوردہ ہو گیا آخر وطن کے درد میں
صرف حسنِ داشت سے وہ کچھ دنوں گویا رہا
رنگ طوطے کے سوا پنکھی پروں کا اُڑ گیا

(۶)
ہو گیا وہ رنجِ پنہاں سے بظاہر کور و کر
اتفاقاً ایکدن اس واقعہ سے بے خبر
بات کی اچھی بُری اُس نے نہ خندہ زن ہوا
ایک ہسپانی مسافر کا وہاں مسکن ہوا

(۷)
اُس نے ہسپانی زباں میں جب سلام اسکو کیا
پھر خوشی سے وہ قفس میں پھڑپھڑا کر چیخ اُٹھا
کچھ جواب اس کا دیا طائر نے بھی با چشمِ تر
گر پڑا اور کر گیا اس دارِ فانی سے سفر

(۸)
جذبۂ حبِّ وطن ہے رحمتِ خاصِ خدا
ہمدمِ عیش و نشاط و مونسِ رنج و بلا
ہر گھڑی ہر دل کی گہرائی میں ہے جلوہ فگن
قبر تک رہتا ہے یہ غمخوارِ مہجورِ وطن

(۹)
برقؔ سن کر دیس کی بولی وہ شیدائے وطن
کس قدر دلیس ہوئی گھر کی محبت موجزن
کس قدر مضطر ہوا، یاد آگیا جس دم دیار
کر گئی پرواز فرطِ غم سے اُسکی جانِ زار

برقؔ صدیقی فتحپوری

طرزِ نگارش

زبان و طرزِ بیان کی خامیاں اور اُنکی اصلاح

اردو زبان کے تمام مصنفین اور ادبا، کو دعوتِ غور و فکر

(بارھویں قسط)

اس وقت اُردو کی ترقی کے لئے جو کوششیں کی جارہی ہیں اور جو سرگرمی نظر آرہی ہے وہ اگرچہ بے ضابطہ سہی مگر پھر بھی غنیمت ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ آج نہیں تو کل ضرور کسی منظّم لائحۂ عمل کے ماتحت میں باقاعدہ کام بھی شروع ہوجائے گا، اسوقت اردو کی ترویج اور اُسے اغیار کی ریشہ دوانیوں سے بچانے کے لئے جو چیز سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ اردو داں طبقے کی بے حسی کو دور کرنے کی کوشش کیجائے بے حسی سے میری مراد اُس بے التفاتی سے ہے جو عام طور پر ادبِ اُردو کے ساتھ کی جارہی ہے۔ اگر ملک کے کامیاب اور اچھے جرائد و رسائل کو اُردو نواز اور اُردو کے سرپرست حضرات کی اعانت حاصل ہوجائے تو میرے نزدیک خادمانِ اُردو کی حوصلہ افزائی ہونے کے ساتھ ساتھ اردو ادب کی کافی خدمت بھی ہوسکتی ہے۔ میں اس ذیل میں ادبِ اُردو کے تمام سرپرست حضرات سے اُردو کو بامِ ترقی تک پہونچانے اور خادمانِ اُردو کی ہمت افزائی کے لئے بطورِ خاص استدعا کرتا ہوں۔

اُردو کی خامیوں کو دور کرنے کے لئے طرزِ نگارش کا سلسلہ جس قدر مفید ثابت ہوا ہے۔ اس سے میں بیحد مطمئن ہوں "کنول" کی طرح اب دوسرے رسائل بھی اس طرف توجہ کرتے جارہے ہیں۔ اکتوبر کے "شاہکار" میں سوال و جواب کے تحت میں اس موضوع پر چند سوال اور ان کے معقول جواب شایع ہوئے ہیں۔ بڑی ضرورت ہے کہ دوسرے ممتاز رسائل بھی اس طرف خاص طور پر توجہ فرمائیں "کنول" کے اکثر معاونین نے مجھے توجہ دلائی ہے کہ طرزِ نگارش کے تمام سلسلے کو کتابی صورت میں شایع کرکے اسکولوں اور کالجوں کے لئے اسے منظور کرالیا جائے تاکہ طلبا کو اُردو کی تحصیل میں آسانی ہو اور وہ محاورات و مصطلحات کے ساتھ ساتھ طرزِ تحریر کے اصولوں سے بھی واقف ہوتے جائیں۔ رائے تو معقول ہے اور میں تو بہرصورت خواہ اسکولوں کے لئے منظور ہو یا نہ ہو اس سلسلے کو کتابی صورت میں شایع کرنے کا فیصلہ کرچکا ہوں۔ کوشش کررہا ہوں کہ جنوری ۳۷ء تک طرزِ نگارش کا ایک حصہ شایع ہوجائے۔ محکمۂ تعلیمات کے ذمہ دار حضرات کو بھی اس طرف توجہ دلائی جارہی ہے۔

زبان و بیان کی خامیاں	تصحیح	تصریح
حیرت انگیز نصیب وری گرم سلائی پھرادی جائے	حیرت انگیز خوش نصیبی گرم سلائی پھروادی جائے	

اصل	اصلاح	حاشیہ
پہلوان کو مار سکتا ہے[۱]	پہلوان کو گرا سکتا ہے۔	۱ "مار سکتا ہے" کی داد نہیں دی جا سکتی
تیز آوازی سے کے ساتھ	تیز آواز کے ساتھ	
گوالے نے گائیوں[۲] کو ہانک لگائی	گوالے نے گائیں ہنکائیں	۲ "گائے" کی جمع "گائیں" تو ہو سکتی ہے مگر گائیوں نہیں ہو سکتی۔
تمام طرف سے اکٹھے ہو کر	سب طرف سے جمع ہو کر	
چھت میں لٹکتا ہوا	چھت میں لٹکا ہوا	
ایسی وحشیوں سی شکل کرکے	ایسی وحشیوں کی سی شکل بنا کر	
دو سالوں کا کام	دو سال کا کام	
بی۔ اے کے نتیجہ کی انتظار[۳] تھی	بی۔ اے کے نتیجہ کا انتظار تھا	۳ "انتظار" مذکر ہے
اسکول ابتک بھی چل رہا تھا	اسکول برابر چل رہا تھا	
چھاتا اور لالٹین پکڑ[۴] لیتی ہے	چھاتا اور لالٹین لے لیتی ہے	۴ ناقابلِ معافی غلطی ہے اور بدترین اندازِ بیان
چلو اب چپ کرو	چلو اب چپ رہو	
مسافر کی گود سے نکلتی ہے	مسافر کی گود سے اٹھتی ہے	
ملازمہ سے اندر اپنا کارڈ بھیجا	ملازمہ کے ہاتھ اندر اپنا کارڈ بھیجا	
اہمیت زیادہ بنا دی ہے	اہمیت زیادہ بڑھا دی ہے	
بہت دوڑ بھاگ کی	بہت بھاگ دوڑ کی	۵ آواز مؤنث ہے۔
باہر کسی کی آواز[۵] سنا	باہر کسی کی آواز سنی	۶ "ریکارڈ" کا ترجمہ "توا" میری سمجھ میں نہیں آیا بعض جگہ "تہ" بھی کہتے ہیں مگر یہ دونوں لفظ بیکار ہیں، آخر ہم ریکارڈ کو ریکارڈ ہی کیوں نہ کہیں جس طرح انگریزی کے اور بہت سے الفاظ اردو میں گھل مل کر بالکل اردو ہو گئے ہیں اسی طرح اسے بھی سمجھنا چاہیے۔
باجے سے توا[۶] اترتے ہی	باجے سے ریکارڈ اترتے ہیں	
ساس کو جا کر کہہ دیا	ساس سے جا کر کہہ دیا	
تارے ہر رات اگتے ہیں	تارے ہر رات چمکتے ہیں (یا نکلتے ہیں)	
آنکھیں نیند سے بھری پڑتی تھیں۔	آنکھیں نیند سے جھکی جاتی تھیں	
کسی گذرے ہوئے ایام کی یاد	اپنے گذرے ہوئے ایام کی یاد	۷ "کسی" سے جملہ شروع کرنے کے بعد "ایام" کا استعمال غلط ہے۔ اس لئے کہ ایام جمع ہے
ایک موہومہ[۸] سی امید پر	ایک موہوم سی امید پر	
اپنی ساڑھی سے سرخ گلاب کا پھول اتارا	اپنی ساڑھی سے گلاب کا پھول نکالا	۸ ماشاء اللہ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ
اس کی طبیعت پریشان کر دی ہے	اس کی طبیعت کو پریشان کر دیا ہے	
میں نے ان کو دل و جان سے محبت کی	میں نے ان سے دل و جان سے محبت کی	
کئی طریقوں سے دلائیں	کئی کئی طرح دلائیں	
اسے تمام عورت[۹] کی جنس سے	اسے عورتوں کی جنس سے	۹ سبحان اللہ کیا اردو ہے

منظر

نقد و نظر

شعلۂ طور حضرتِ جگر مرادآبادی ایک خوش فکر اور اپنی طرز کے خصوصی شاعر ہیں آپ کے قدیم و جدید کلام کا مجموعہ "شعلۂ طور" کے نام سے شایع ہوا ہے، جگر صاحب کی شاعری کے متعلق کچھ لکھنا کوئی نئی بات نہ ہو گی کیونکہ آپ کافی زمانے سے ملک کے گوشے گوشے میں متعارف ہیں۔ کہنہ مشق ہونے کے ساتھ ساتھ آپ صحیح معنوں میں وجدانی شاعر ہیں اور اس وقت آپ کے کلام کو جو قبولِ عام حاصل ہے اُس نے اُردو شاعری میں آپ کو بہت ممتاز کر دیا ہے

ابتدا میں جگر صاحب نے اپنے کلام کے متعلق خود اظہارِ خیال فرمایا ہے اس کے بعد محترمی سید سلیمان ندوی کا تعارف ہے۔ اس تعارف کے متعلق ملک کے اکثر سنجیدہ رسائل میں معقول رائے زنی کی جا چکی ہے۔ اس کے لئے یہاں نئی کوئی رائے پیش کرنے سے بہتر صرف یہ لکھنا مناسب سمجھتا ہوں کہ سید صاحب کچھ نہ لکھتے تو بہتر تھا۔ کیونکہ جو کچھ انھوں نے لکھا ہے۔ کلامِ جگر پر اس سے کوئی روشنی نہیں پڑتی۔ اس کے بعد جگر کے ہر دور کا کلام ترتیب کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ آخر میں کچھ نظمیں ایک مثنوی اور فارسی کی بھی کچھ غزلیں ہیں۔ اور بحیثیتِ مجموعی ایک یادگار چیز ہے

شعلۂ طور کا سب سے بڑا نقص کلامِ جگر کا بغیر انتخاب شایع ہونا ہے اگر یہی چیز بعد انتخاب پیش کی جاتی تو بہت اچھا ہوتا اور جگر کے کلام کو یکجائی طور پر دیکھنے والے آسانی کے ساتھ جگر کو سمجھ سکتے۔ اگر آئندہ اس کا خیال رکھا جائے تو بہت اچھا ہو۔ طباعت و کتابت اچھی ہے ضخامت ۲۵۴ صفحات، جگر کا ایک اسکیچ بھی شاملِ کتاب ہے جو بہت خوب ہے، جلد خوبصورت اور سنہری قیمت عمر ہے ملنے کا پتہ۔ مکتبۂ جامعہ اسلامیہ دہلی۔

شاعر آگرہ نمبر شاعر ایک عرصے سے سرزمینِ اکبرآباد سے شایع ہو رہا ہے اور تمام ہندوستان میں اپنی قسم کا پہلا فنی اور اصلاحی ماہنامہ شمار کیا جاتا ہے۔ ہر سال اس کے دو ایک خاص نمبر شایع ہوتے رہتے ہیں۔ ابھی جولائی میں "آگرہ نمبر" شایع ہوا ہے۔ جس کے مرتب محترمی مولوی مفتی انتظام اللہ صدیقی الشہابی اکبرآبادی ہیں۔ اکبرآباد جو کسی زمانے میں ادبِ اُردو کا مرکز تھا۔ مگر اب یارانِ وطن کی "خود پرستیوں" کا شکار ہو رہا ہے۔ لیکن پھر بھی روایاتِ کہن کو زندہ رکھنے اور ادبی مرکزیت کو قائم رکھنے والی کچھ محترم ہستیاں یہاں موجود ہیں جن کی وجہ سے آگرہ کی ادبی حیثیت بڑی حد تک زندہ ہے۔ خدا کرے میر و غالب اور نظیر اکبرآبادی

کے پرستار اپنے وطن کی لاج رکھنے کے لئے اس حیثیت کو ہمیشہ زندہ رکھ سکیں۔

"آگرہ نمبر" میں قریب قریب اکبرآباد کے تمام شعرا کا بالتفصیل یا مختصر ذکر ہے، اساتذہ کے حالات اور دوسرے اہم ترین مضامین بھی جو صرف اکبرآباد کے شعرا، ادبا اور مصنفین کے متعلق لکھے گئے ہیں پڑھنے کے قابل ہیں۔ غرضکہ ہر اعتبار سے شاعر کا آگرہ نمبر، اکبرآباد کی ادبی تاریخ کا درجہ رکھتا ہے۔ متقدمین اور دورِ حاضر کے بہت سے شعرا کی تصاویر بھی دی گئی ہیں۔ ان میں میر کی تصویر نوادرات سے ہے۔ طباعت کتابت نفیس و خوبصورت ہے، حجم ۱۲۲ صفحات قیمت ۸؍ قارئینِ "کنول" ۶؍ مع محصولڈاک۔ ار کے ٹکٹ روانہ کر کے طلب فرما سکتے ہیں۔ ملنے کا پتہ۔ منیجر ماہنامہ شاعر قصر الادب آگرہ۔

نفرت کا بیج (ڈراما) پروفیسر اشتیاق حسین صاحب قریشی ایم۔ اے جو ایک مشہور ادیب اور قابل مصنف ہیں۔ اصلاحی ڈرامے لکھنے میں بڑی حد تک کامیاب ہیں آپ کا یہ ڈراما بھی اصلاحی ہے اور ایک ایسے موضوع پر لکھا گیا ہے جس کا تعلق ہماری موجودہ سوسائٹی سے بہت زیادہ ہے۔

اس ڈرامے میں دکھایا گیا ہے کہ کس طرح خود غرضی پر دوستی کو قربان کر دیا جاتا ہے اور کس طرح دوست دشمن بنکر نفرت کا بیج بوتے ہیں اور پھر انجام کس قدر اندوہناک ہوتا ہے۔ ڈرامہ شروع سے آخر تک بیحد مؤثر اور نتیجہ خیز ہونے کے ساتھ ساتھ سبق آموز اور عبرتناک ہے۔ زبان اندازِ بیان دلنشیں اور عام فہم، طباعت و کتابت حسین اور خوبصورت حجم ۷۰ صفحات قیمت ۸؍ ملنے کا پتہ مکتبہ جامعہ اسلامیہ دہلی

نوعمر بچوں کے لئے جامعہ اسلامیہ دہلی کی نئی کتابیں

مرغی اجمیر چلی اس کتاب میں جانوروں کی کہانیاں بہت دلچسپ لکھی گئی ہیں، زبان بالکل آسان اور سادہ ہے رقیہ ریحانہ اس کتاب کی مرتب ہیں قیمت ۲؍

شہزادی گلنار مسٹر عطاءاللہ پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڈھ نے ایران کی ایک فرضی شہزادی کی کہانی بہت اچھی لکھی گئی ہے۔ جو نتیجہ خیز بھی ہے اور بچوں کے لئے کارآمد بھی۔ زبان عام فہم ہے قیمت ۴؍

نیت کا پھل "بکری دو گانوں کھا گئی، پھر وہ کیونکر ملے؟" مرزا سیفی دہلوی کا لکھا ہوا ایک سبق آموز قصہ ہے جو بچوں کے لئے بہت دلچسپ چیز ہے قیمت صرف ۲؍

شیدلا پروفیسر محمد مجیب صاحب نے مختصر روسی کہانیوں کا ترجمہ آسان اور سلیس زبان میں بچوں کے لئے کیا ہے کہانیاں نصیحت کا پہلو لئے ہوئے ہیں اور دلچسپ ہیں۔ قیمت ۳؍

م۔ ص۔ ا

"ہندوستانی صنعتِ فلم سازی پر ماہانہ ایک نظر"

مرتبہ :- منظر اکبر آبادی

ہندوستانی ایکٹر اور ایکٹریس

یہ بالکل حال ہی کا واقعہ ہے کہ جب لیو ٹالسٹائی کے شہرۂ آفاق ناول اینا کرینینا کو فلمی صورت میں پیش کرنے کا فیصلہ ہوا تو امریکہ کے قابل ڈائرکٹروں نے اینا کے کردار کے لئے فلمی دنیا کی مشہور اور کامل ترین ایکٹریس گریٹا گاربو کو انتخاب کیا۔ اس انتخاب کی ایک خاص وجہ یہ بھی تھی کہ گاربو تقریباً اسی ملک کی رہنے والی ہے جس سے اس ناول کے پلاٹ کا تعلق ہے۔ لیکن گاربو کو یورپ چھوڑے کافی عرصہ ہو چکا تھا۔ اس لئے اُس نے اس فلم کی کامیابی اور خصوصاً اپنے ایکٹنگ کی کامیابی کو مدنظر رکھتے ہوئے یہی فیصلہ کیا کہ وہ زرِ کثیر صرف کرکے امریکہ سے یورپ پہنچے اور وہاں اس ملک کے باشندوں میں کچھ عرصہ رہے جس ملک سے اینا متعلق تھی۔ آخر کار ایسا ہی کیا گیا اور جن لوگوں نے اینا کرینینا نامی فلم کو ناول، تاریخ اور آرٹ کے نقطۂ نظر سے دیکھا ہے۔ وہ سمجھ گئے ہیں کہ ایسا کرنے سے گریٹا کی کامیابی کتنی یقینی ہو گئی ہے۔

امریکہ کے فلموں کی کامیابی کا راز زیادہ تر وہاں کے ایکٹر اور ایکٹرسوں کی خداداد ذہنیت پر منحصر ہے۔ جس طرح امریکن فلمساز کمپنیاں فلم بناتے وقت محض اس چیز کو پیشِ نظر نہیں رکھتی ہیں کہ اس فلم سے اُن کو کتنی آمدنی ہوگی۔ بالکل اسی طرح انکے ایکٹر اور ایکٹرسیں بھی مالی فائدہ کو نظر انداز کرتے ہوئے خود کو آرٹ کی تکمیل میں کھو دیتے ہیں۔ حالانکہ ہر شخص اچھی طرح جانتا ہے کہ جس قدر روپیہ اس وقت امریکہ فلم کے ذریعہ پیدا کر رہا ہے اور کوئی ملک اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

اگرچہ ہندوستان میں بھی فلم تیار کئے جاتے ہیں اور ہندوستانی فلمسازی کو شروع ہوئے کافی عرصہ ہو چکا ہے لیکن یہ معلوم کہ

تعجب ہوتا ہے کہ ہندوستان ابھی تک اُس فلمی ذہنیت سے محروم ہے جو فلمی کامیابی کی ذمہ دار ہے۔ وہ ہندوستانی فلمساز کمپنیاں ہوں یا کیمرے کے سامنے کام کرنے والے انسان ابھی تک دونوں کو اپنے فرائض کا احساس نہیں ہوا اور دونوں میں سے کوئی یہ نہیں سمجھا کہ فلم کی کامیابی اُن سے کس چیز کا تقاضا کرتی ہے۔ چند ایکٹر اور ایکٹریس جمع کر کے ان کی مسلسل تصویریں کھینچ لینے سے تو ایک فلم تیار نہیں ہو جاتا۔ فلم کی تکمیل صرف اس وقت ممکن ہو سکتی ہے جب وہ آرٹ کا ایک منہ بولتا بہترین مرقع بن جائے۔ یہ واقعہ ہے کہ آرٹ کا نام سُن کر ہندوستانی فلمساز کمپنیاں ہوش کھو دیتی ہیں اور نہیں چاہتیں کہ کوئی شخص اُن سے ایسے فلموں کا مطالبہ کرے جو آرٹ کے معیار پر پورے اُتر سکیں۔ اِس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ فلمسازوں کو فلم کی تیاری کے دوران میں لاتمناہی مصائب اور پریشانیوں سے گذرنا پڑتا ہے علاوہ ازیں اگر وہ پبلک کے عامیانہ مذاق سے ہٹ کر کوئی فلم تیار کریں تو اس کا لازمی نتیجہ یہی ہو سکتا ہے کہ وہ دوسرا فلم بنانے کی اُمید سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جائیں۔ کتنی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ ہندوستان کے خداوندانِ فلمسازی اگر ذرا بھی وسعتِ نظر سے کام لیا جائے تو انھیں معلوم ہو جائیگا کہ ان کا ایسا سمجھنا اور سوچنا اُن کی ناعاقبت اندیشی کا بین ثبوت ہے اگر امریکہ، فرانس، اٹلی، انگلینڈ وغیرہ ممالک فنی (Artistic) فلم بنا کر روپوں میں کھیل رہے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہندوستان ان کے راستے کو اختیار کر کے گھاٹے میں رہے۔ اس کے علاوہ اس بات پر بھی تو غور کرنا چاہیئے کہ اگر امریکن اور ولایتی فلم ہندوستانیوں کو پسند آتے ہیں تو وہ ہندوستانی فلموں کو کیوں پسند نہیں کریں گے جبکہ وہ بھی اسی معیار کو لئے ہوئے ہوں۔ اگر اس بات کی سچائی کا اندازہ کرنا ہو تو "راج رانی میرا" "سیتا" "دیوداس" اور "امر جیوتی" جیسے ہندوستانی فنی فلموں کی کامیابی کے اسباب پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

اس چیز سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کسی فلم کی کامیابی کا دار و مدار اُس فلم میں کام کرنے والے ایکٹروں اور ایکٹرسوں پر ہے۔ سیٹنگ، ڈائرکشن اور پروڈکشن چاہے کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو۔ جب تک ایکٹر اور ایکٹرس حقیقی طور پر اچھے نہ ہوں گے فلم کامیاب نہیں ہو سکتا۔ گو یہ بالکل صحیح ہے کہ ایکٹنگ بھی دوسرے فنونِ لطیفہ کی طرح ایک خداداد نعمت ہے اور بعض خاص انسانوں کے حصّے میں آتا ہے۔ تاہم اس خداداد نعمت کو منظرِ عام پر لانے کے لئے بہت سے دنیاوی لوازمات کی ضرورت ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ گرٹیا گاربو ایک فطری ایکٹرس نہیں ہے تو بھی اسے اپنے ایکٹنگ کو کامیاب بنانے کے لئے وہ تمام باتیں کرنی پڑتی ہیں جن سے ہندوستانی ایکٹر اور ایکٹریس خود کو مستثنیٰ تصور کرتے ہیں۔ یہاں تو یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جہاں دو ایک ریہرسل ختم ہوئیں ایکٹر اور ایکٹرس کیمرے کے سامنے آنے کے قابل ہو گئے۔ کیمرے کے سامنے آکر ہاتھ پاؤں کو بے معنی جنبش دینا اور مُنہ سے ازبر کئے ہوئے الفاظ ادا کرنا ہندوستانی اداکاری کی انتہائی کامیابی خیال کی جاتی ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ فلم اس وقت تک کامیاب نہیں ہوتا جبتک وہ اپنے ماحول کا اثر صحیح طور پر دیکھنے والوں پر نہ ڈال سکے فلمی ماحول پیدا کرنا ہی فلمی ذہنیت کا نصب العین ہے اور اسی دوڑ میں ہندوستانی فلم سب سے پیچھے ہیں۔

Mrs. Leela Mishra

gives us some fine performance in the comming Onkar-Lalit picture "SHYAMA."

The heroine in " SHYAMA "

یہ واقعہ ہے کہ شیکسپیر مرچکا ہے لیکن اُس کے پیدا کئے ہوئے کردار ابھی تک زندہ ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اُس نے اپنے کرداروں میں ایسی ابدی روح پھونکدی ہے جو مٹانے سے بھی نہیں مٹ سکتی۔ دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ شیکسپیر نے ایسے کردار پیش کئے جو حقیقی زندگی کے آئینہ دار ہیں اور جب تک دنیا قائم ہے وہ اپنے کام کو پورا کرتے رہیں گے۔ فلمی ایکٹروں اور ایکٹرسوں کی حیثیت بھی بالکل ایسی ہی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ شیکسپیر نے اپنے کرداروں کو تحریر کے ذریعہ امر بنایا۔ جبکہ فلمی ایکٹر اور ایکٹرس اُن کو اپنے ایکٹنگ کے ذریعہ زندہ جاوید بناتے ہیں۔ تحریر اور ایکٹنگ میں بھی زیادہ فرق نہیں ہے۔ ایک روایت مشہور ہے کہ چارلس ڈکنس کسی بات کو قلمبند کرنے سے پیشتر اس کو پہلے اپنے ذہن میں اور پھر بلند آواز سے دہرایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اُس کے کمرے میں شور و غل سُن کر جب لوگوں نے اُس کو دروازہ کھولنے پر مجبور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ اپنے ایک ناول کا ایک سین ایکٹ کر رہا تھا۔ کسی فلم میں فلمی ماحول اس وقت پیدا ہو سکتا ہے جب اُس میں کام کرنے والے ایکٹر و ایکٹرس اپنی ہستی کو اپنے کرداروں کی ہستی میں جذب کردیں اور یہ صرف اُسی ذریعہ سے ممکن ہے جو گریٹا گاربو اور بیلا لوگوسی نے آجتک استعمال کیا ہے۔ ہندوستان میں ایسے کتنے ایکٹر اور ایکٹریس ہیں جو اس راستے پر گامزن ہیں؟

اس سلسلے میں ایک اور بات بھی خاص طور پر قابلِ غور ہے۔ اپنے ڈرامے لکھتے وقت شیکسپیر ہمیشہ اس چیز کو بھی مدنظر رکھتا تھا کہ ان ڈراموں کا ایکٹ کرنے والے کون لوگ ہیں۔ اسی طرح امریکہ کے ڈائرکٹر بھی یا تو اپنے ایکٹروں کے مطابق کہانی کا پلاٹ سوچتے ہیں۔ یا کہانی کے پلاٹ اور ماحول کے مطابق ایکٹر اور ایکٹریسوں کا انتخاب کرتے ہیں۔ ہندوستان میں ان دونوں میں سے ایک چیز بھی نہیں پائی جاتی۔ یہاں تو کوئی کہانی اور کوئی ایکٹر مل جانا چاہئے۔ پھر فلم کی تیاری میں کوئی دشواری نہیں اکثر و بیشتر فلموں میں دیکھا گیا ہے کہ ایکٹر اپنے فلمی ماحول سے بالکل جدا ہوتے ہیں۔ نیو تھیٹرز جو ہندوستان کی بہترین فلمازکمپنیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس غلطی سے نہیں بچ سکا۔ کاروانِ حیات میں شیاما زتشی کو ماں کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے حالانکہ اہلِ نظر سمجھتے ہیں کہ شیاما ابھی کسی فلم میں ماں بننے کی اہلیت نہیں رکھتی اور کاروانِ حیات میں تو یہ چیز بہت ہی مضحکہ خیز معلوم ہوتی ہے۔

لیکن یہ مسئلہ ایسا ہے۔ جس پر خود ایکٹروں اور ایکٹرسوں کو فوری توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ یہ سوال اُن کی اپنی شہرت اور بہبود کا ہے۔ اگر وہ اپنے نام کو قایم رکھنے کے خواہشمند ہیں تو اُن کو ایسے فلموں میں کام کرنے سے انکار کردینا چاہئے۔ جن کے ماحول سے وہ خود کو وابستہ نہیں کرسکتے۔ اگر ایسا ہو جائے تو ڈائرکٹر اور فلماز خود بخود مجبور ہو جائیں گے کہ ایسے غلط انتخابات کرکے وہ اپنا اور ہندوستانی فلمی ذہنیت کے مذاق اُڑانے کا دوسروں کو موقع ہی نہ دیں۔

ناقد واسطی

ہندوستانی متکلم فلموں کے مکالمے اور انکے مکالمہ نویس

متکلم فلمیں خاموش فلموں کی نسبت نہ صرف اس لئے بہتر ہیں کہ وہ اس صنعت کی ایک ارتقائی صورت ہیں اور اداکاروں کو ناطق صورت میں ہمارے سامنے پیش کرتی ہیں، جس کے باعث ہم اصلیت کے زیادہ قریب ہوگئے ہیں، بلکہ اس لئے بھی بہتر ہیں کہ ان کے مکالمے ہماری ذہنی، علمی و اخلاقی تربیت کی بڑی حد تک رہنمائی کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج مکالمے ٹاکی فلموں کی روحِ رواں سمجھے جاتے ہیں۔ اور اُن کی اچھائی اور بُرائی فلم کی کامیابی و ناکامی پر پورا اثر ڈالتی ہے

مکالمے گویا بولتے ہوئے انسانی جذبات و خیالات ہیں، چنانچہ اُن کی سلیس و عمدہ زبان اور اِن کا موزوں اور مناسب استعمال رفعتِ جذبات و خیالاتِ انسانی کی وہ منزل ہے۔ جس پر پہنچ کر ناظرین وجد و کیف کے عالم میں مبہوت ہو جاتے ہیں۔

ہندوستانی زبان کے فلمی مکالمہ نویس کی دقتیں باآسانی اندازہ نہیں کی جا سکتیں —— ہندوستان میں جس طرح مذاہب و ملل کی کثرت ہے اُسی طرح یہاں ہر تو میل کے بعد زبان بدلجاتی ہے۔ ہندوستان کی سب سے زیادہ شیریں، لوچدار اور عام فہم زبان اُردو ہے جو اس ملک کی بجا طور پر مشترک زبان کہی جا سکتی ہے۔ اس زبان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں غیر زبانوں کے الفاظ جذب کرنے کی بدرجۂ اتم صلاحیت ہے۔ پھر اظہارِ خیال جتنی تکمیل کے ساتھ اردو زبان میں ہو سکتا ہے کسی دوسری ہندوستانی زبان میں ممکن نہیں، ہندی میں یہ بات بھلا کہاں، اور پھر سنسکرت سے جو ہندوستان کی ایک مُردہ زبان ہے، اُس کا قریبی تعلق ہونے کے باعث، اُس کے غیر مانوس "شبد" (الفاظ) عام فہم نہیں ہیں۔ چنانچہ بہترین ترکیب ہے کہ عربی و فارسی کے نامانوس الفاظ سے قطع نظر اگر سلیس و آسان اُردو الفاظ و محاورات ہندی کے روزمرّہ فقرات میں پرو دیئے جائیں تو ہم اُس زبان کو باآسانی پیدا کر سکیں گے۔ جسے ملک کا ہر فرد و بشر سمجھ سکے اور جو ہمارے دیس کی مشترک زبان ہو۔ چنانچہ ہم اسے نہ تو اُردو اور نہ ہندی بلکہ "ہندوستانی" کہیں گے رسم الخط کی بحث ایک مضحکہ خیز حماقت ہے۔ ہر شخص اپنے اُس رسم الخط کو قائم و جاری رکھے، خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان، جسے وہ اور اُسکے بزرگ استعمال کرتے چلے آئے ہیں۔ یا یہ امر انفرادی پسندیدگی پر چھوڑ دیا جائے۔ البتہ "مہاسبھا" "کانگریس" یا "ہندی ساہتیہ سمیلن" جیسے منظم اداروں کا بجبر کسی ایک رسم الخط کو عام کرانے کی جد و جہد کرنا محض تعصب اور ناعاقبت اندیشی پر مبنی ہے جس کا نتیجہ ملک میں افتراق و ناچاقی کے جراثیم پھیلانا ہے "ہندوستانی" (سلیس و آسان اُردو اور ہندی کا اشتراک) ملک بھر کی قومی اور مشترک زبان ہونی چاہیے اور تمام فلمی مکالمے اسی ملحوظِ نظر کے ماتحت لکھے جانے چاہئیں۔

شکسپیرِ ہند حضرت آغا حشر مرحوم کے بعد ہندوستان کی ڈرامہ نگاری اور مکالمہ نویسی بیکس نظر آتی ہے۔ مگر پنڈت بیتاب اور پنڈت اندرا کا دم اب غنیمت ہے۔ پنڈت بیتاب نے جتنے کامیاب مکالمے رنجیت فلم کمپنی بمبئی کے دو فلموں "دیویانی" اور "رادھا رانی" میں لکھے ہیں۔ ویسے وہ آج تک نہ لکھ سکے۔ پنڈت اندرا ایک مشہور فلمی فسانہ نویس و مکالمہ نگار ہیں، صرف یہی نہیں بلکہ وہ ایک کامیاب ڈراماٹسٹ اور شاعر بھی ہیں —— آغا حشر

مرحوم فلمی فسانہ نگاری و مکالمہ نویسی کی نسبت ڈرامائسٹ کی حیثیت سے زیادہ کامیاب تھے مگر دنیائے ڈرامہ میں بیتاب اُن کے سامنے طفلِ مکتب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔

کیدار شرما کا نمبر ان کے بعد آتا ہے۔ مگر وہ بعض اوقات اپنے مکالموں کی لپیٹ میں آ کر پلاٹ سے غیر متعلق ہو جاتے ہیں۔

حکیم احمد شجاع کے اندر فلمی فسانہ نویسی اور مکالمہ نگاری کے بڑے جوہر نہاں ہیں۔ "کاروانِ حیات" میں وہ چنداں کامیاب نہیں ہے۔ مگر ہمیں اُن سے نا اُمید ہونے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔

منشی پریم چند جی ہندوستان کے نہایت معروف ناولسٹ، اور فسانہ نگار ہیں۔ مختصر افسانہ نگاری میں ان کو خاص ملکہ حاصل ہے مگر فلمی دنیا میں اگر وہ ہاتھ نہ ڈالیں تو اُن کی ادبی شہرت کے لئے مناسب ہوگا

عباس علی سے بڑھ کر سوائے حضرت آغا حشر کے کوئی اور ڈرامائسٹ نہ تھا۔ "ستی منجری" اس کا شاہد ہے۔ مگر سوناتی فلم کمپنی بمبئی کی فلم "افضل" میں اُن کے مکالمے اُن کے لئے باعثِ فخر و مباہات نہیں۔

فلم کی ادبی دنیا کی بدقسمتی اور پربھات فلم کمپنی پونا کی ستم ظریفی و بوالعجبی دیکھئے کہ "امر جوتی" جیسے فلم کے مکالمے وگانے نروتم ویاس نے لکھے ہیں اس عظیم الشان فلم کی شہرت و عظمت کو ان ناکارہ مکالموں اور واہیات گانوں سے بڑا نقصان پہنچا ہے۔

واقف مرادآبادی بھی فلمی افسانہ نگار و مکالمہ نویس ہیں اور اُن کے لئے اسقدر کہنا کافی ہے کہ وہ جو کچھ لکھ سکتے ہیں اس سے زیادہ بہتر لکھنا انکی لیاقت و اختیار سے باہر ہے

گوری شنکر لال اختر بھی اپنا اُلو سیدھا کر لیتے ہیں اور بس ——

شیو کمار خاصہ لکھ لیتے ہیں اور محنت کریں تو زیادہ ترقی کر سکتے ہیں۔ مگر ان کی عبارت میں رنگینی و شگفتگی ناپید ہے۔ شاعری کی ٹانگ وہ اگر نہ توڑیں تو اس غریب پر عنایت ہوگی

سید امتیاز علی تاج ہندوستان کے ہونہار نوجوان ادیب ہیں اور بمصداق "ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات" شہرت و ناموری اُن کا راستہ دیکھ رہی ہے۔ صاف نظر آ رہا ہے کہ اگر اُن کی مساعی مسلسل جاری رہیں تو وہ ایک روز اِس صنف میں بامِ عروج پر نظر آئیں گے۔ "انارکلی" اُن کا بڑا کارنامہ ہے۔

کشیپ کو متذکرہ صدر ڈرامائسٹ، افسانہ نگاروں، مکالمہ نویسوں اور شاعروں کی صف میں چاہے وہ صفِ آخر ہی کیوں ہو کھڑا کرنا بھی غلط ہے۔ اُن میں اہلیت ہی نہیں کہ وہ سنسکرت کے اجنبی الفاظ کے استعمال کے بغیر کوئی سلیس عام فہم فقرہ بھی لکھ سکیں رہی شاعری تو خدا اُن سے اس غریب کو دور ہی رکھے!

ڈائرکٹر رفیع ایم چودہری بھی خاصہ لکھ لیتے ہیں۔ امپیریل فلم کمپنی کے ڈائرکٹر چودہری حسن اور موہن لال والے اگر ان ادبی تجربات میں نہ پڑیں تو مناسب ہے

"پربھات"، پونا سب سے پہلی فلم کمپنی ہے جو اپنے مکالموں کی بہتری کی بہت کوشش کرتی ہے مگر بدقسمتی سے اُن کے پاس کوئی اچھا آدمی نہیں۔ اسکے بعد نیو تھیٹرز، کلکتہ کا نمبر ہے اور وہ اس معاملہ میں بڑی حد تک کامیاب ہیں۔ کسی زمانے میں رنجیت فلم کمپنی بمبئی بھی۔ اس سلسلہ میں خلوص سے کام لیتی تھی مگر اب وہ قصہ قصۂ پارینہ ہو چکا۔ "ساگر فلم کمپنی بمبئی" والے اچھی اور بری زبان میں بدقسمتی سے تمیز کرنے سے معذور ہیں۔ امپیریل فلم کمپنی بمبئی کی فلمیں مشہور ہیں کیونکہ اُن کے مکالمے اپنی نوعیت کے بدترین ہوتے ہیں۔ رہیں دوسری فلم کمپنیاں "مدن"، کلکتہ، "سروج" بمبئی وغیرہ تو ان کا ذکر

کنول کے فلمی ضمیمے کے متعلق ضروری باتیں

میں نے گذشتہ اشاعت میں "کنول" کے فلمی ضمیمے کے متعلق اظہارِ خیال کرتے ہوئے بعض اصولی باتیں پیش کی تھیں اور وعدہ کیا تھا کہ آئندہ نمبر میں بھی کچھ لکھوں گا اسوقت ہندوستانی صنعتِ فلم سازی میں جس انقلاب کی ضرورت ہے وہ بیحد ضروری اور بدرجہا اہم ہے۔ جبتک ہندوستانی فلم فرسودہ بد مذاقی اور پست لٹریچر سے پاک نہ ہونگے کسی انقلاب کا ہونا ممکن نظر نہیں آتا۔ اسوقت دو چار فلم کمپنیوں کو چھوڑ کر عام طور پر تمام فلم کمپنیوں کا مطمعِ نظر ہندوستانی کلچر کو پیش کرنا نہیں ہے بلکہ صرف دولت حاصل کرنا ہے اور یہی وہ بدترین خامی ہے جو ہندوستان میں اس صنعت کو فروغ نہیں پانے دیتی۔

صاحبانِ نظر اور دنیائے فلم کے ماہرینِ فن سے یہ چیز پوشیدہ نہیں کہ وہ کس قسم کے فلم پیش کرکے ہندوستان میں اس صنعت کو کامیاب بنا سکتے ہیں لیکن وہ سب خاموش ہیں اور صرف اس لئے کہ "مالکانِ کمپنی" اپنی دولت پرستی کے نشے میں اُن کی زبانوں پر مُہرِ خاموشی لگائے ہوئے ہیں۔ لیکن اب خاموش رہنے سے کام نہیں چل سکتا۔ اسوقت ناکارہ فلم کمپنیوں اور حیاسوز فلموں کے خلاف زبردست احتجاج کرنے کی ضرورت ہے، گو احتجاج تو اب بھی ہو رہا ہے مگر نہ ہونے کی طرح۔ اگر متفقہ کوشش کیجائے اور مسلسل لکھا جائے تو ضرور کچھ کامیابی ہوسکتی ہے

"کنول" میں ہندوستانی صنعتِ فلم سازی کو معیار پر لانے اور پست مذاقی سے بلند کرنے کے لئے مضامین کا سلسلہ شروع کیا جاچکا ہے، اگر دوسرے فلمی رسائل بھی اسطرف توجہ کریں تو اچھا ہے۔ کیونکہ متفقہ کوششیں ہی نتیجہ خیز ہوسکتی ہیں۔ مجھے مسرت ہے کہ "فلم نگار" کا خیر مقدم بہت اچھا ہوا، بعض حضرات نے میری حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے مضامین لکھنے کا بھی وعدہ کیا ہے۔ آئندہ نمبر سے تنقیدوں کا سلسلہ بھی شروع کیا جائے گا۔

منظر

ہندوستانی نگارخانے

"کہاں کیا ہو رہا ہے؟" — فلمی نامہ نگار کے قلم سے"

نیو تھیٹرز "مایا" کو مکمل کرنے کے بعد ایک نئے فلم کا کام شروع کر دیا گیا ہے۔

بمبئی ٹاکیز "اچھوت کنیا" کے بعد "جنم بھومی" تقریباً تیار ہوچکا ہے اور عنقریب بمبئی میں شروع ہوگا۔

منروا فلم کمپنی "صیدِ ہوس" کے بعد "پریم سنیاس" کی شوٹنگ شروع ہوچکی ہے۔

سنگیت فلم کمپنی "ہردے منتھن" "یا دل کی پکار" مکمل ہوچکا ہے اور بمبئی میں دکھایا جا رہا ہے۔

للت پکچرز لمیٹیڈ کا تازہ شاہکار "شیاما" مکمل ہوچکا ہے، سنا گیا ہے کہ یہ فلم اپنی بعض خصوصیات کے اعتبار سے لاجواب ہوگا، عنقریب شروع ہونے والا ہے۔

مختار فلم کمپنی "پریم کی آگ" تیار ہے، اس فلم کی بہت زیادہ تعریف سننے میں آرہی ہے۔ بہت جلد بمبئی میں دکھایا جائیگا۔

پربھات فلم کمپنی۔ اپنے لاجواب ترین فلم "امر جیوتی" کے بعد جسے تمام ہندوستان میں بہترین تسلیم کیا گیا ہے کسی دوسرے فلم کی تیاری میں مصروف ہے۔

امپیریل فلم کمپنی "شانِ ہند" کے بعد "سرلا" کی تیاری میں مصروف ہے۔ جس میں مشہور ترین فلم اسٹار "رتن بائی" بڑی دلچسپی اور خصوصیت کے ساتھ کام کر رہی ہیں

ایسٹ انڈیا فلم کمپنی "باغی سپاہی" کو مکمل کرنے کے بعد اب اپنے نئے فلم "سنہرا سنسار" کی تکمیل میں مصروف ہے۔

"نامہ نگار"

جریان۔ احتلام۔ نامردی اور سستی
کے مایوس مریضو
اگر آپ اشتہاری اور بازاری دوائیوں سے بدگمان ہو گئے ہیں
تو زیادہ نہیں صرف ایک روپیہ اور بھی خرچ کرکے ہمارے کارخانے کا تیار کیا ہوا
شربت اکسیر رجسٹرڈ
استعمال کرکے قدرتِ خدا کا تماشہ دیکھئے!
جریان۔ یعنی خواب میں احتلام ہو جانا۔ کمزوری اور سستی معلوم ہونا۔ پیشاب کے آگے یا پیچھے سفید قطرہ دھات کا گرنا۔ صحبت کے وقت جلد فارغ ہو جانا۔ یا بالکل رکاوٹ ہی نہ ہونا۔ اولاد کا پیدا نہ ہونا۔ بدن میں ناطاقتی۔ اور دماغ کا گھومنا۔ چہرہ زرد پڑ جانا۔ کام کاج میں جی نہ لگنا۔ ان میں سے اگر آپکو کوئی بھی شکایت ہو تو جریان کی لاثانی دوا شربت اکسیر کا استعمال شروع کر دیں۔
شربت اکسیر جریان کو جڑ سے کھو دیتا ہے سوکھے ہوئے ہلدی کی طرح زرد چہرہ میں خون دوڑنے لگتا ہے بدن میں پھرتی آجاتی دماغ کا گھومنا۔ یا آنکھوں تلے اندھیرا آجانا۔ بالکل جاتا رہیگا۔ بھوک خوب لگے گی۔ کھانا جلد ہضم ہوگا۔ بدن میں خون پیدا ہوگا۔ دھات (منی) گاڑھی ہو جائیگی۔ اور صحبت کے وقت لذت امساک پیدا ہو گی۔ دل کی مراد حاصل ہو جائے گی۔ قیمت فی شیشی ایک روپیہ۔ تین شیشی کی قیمت دو روپیہ بارہ آنہ۔ محصول علاوہ دینا ہوگا۔
تین برس کا جریان شربتِ اکسیر سے اچھا ہو گیا
جناب غلام محمد صاحب زمیندار لائل پور پنجاب سے تحریر فرماتے ہیں کہ میں مرض جریان میں عرصہ تین سال سے مبتلا تھا ہر طرح کا علاج کر لیا اور خوب روپیہ خرچ کیا۔ مگر کسی سے فائدہ نہ ہوا آخر آپکے کارخانہ سے تین شیشی شربتِ اکسیر منگا کر استعمال کیا۔ جس سے خدا نے فائدہ بخشا۔ میں دعا گو ہوں کہ خدا آپ کے کارخانہ کو ترقی دے واقعی آپکا شربت اکسیر مرض جریان کے لئے اکسیر ہے۔ فی الحال تین شیشی شربتِ اکسیر اور روانہ فرمائیے۔ ممنون و مشکور ہونگا۔
عضو خاص کی کمزوری اور لاغری کو دور کرنے والا
مرانہ یعنی امریکن طلا رجسٹرڈ
بچپن یا جوانی کی بدخیالی یا جلق لگانے کی وجہ سے آپکے عضو خاص میں کجی یا لاغری یا جڑ کے پاس پتلا یا ٹیڑھا ہو گیا ہو تو آپ امریکن طلا چند روز مالش کیجئے۔ آپ کی یہ سب شکایت دور ہو جائے گی۔
قیمت فی شیشی ایک روپیہ۔ علاوہ محصول۔
فرمائش لکھتے وقت "کنول" کا حوالہ ضرور دیجئے!
ملنے کا پتہ:۔ ایس۔ اے۔ بی بخشی۔ کمپنی۔ گھڑی والی کوٹھی نمبر ۳۲ کولو ٹولہ۔ اسٹریٹ کلکتہ۔

انشائے لطیف

ادیب العصر حضرت لطیف الدین احمد اکبرآبادی کے افسانے

اردو ادب میں صاحب "لالہ رخ" کا نام محتاج تعارف نہیں اور افسانہ نویسی کا جو معیار ل احمد نے پیش کیا ہے وہ اپنی جگہ تنہا ایک مثال ہے انکا افسانہ علم و حکمت، جذبات، واردات، اور نفسیاتِ حسن و عشق کے نازک ترین اشارات کا حامل ہوتا ہے۔ انکا طرزِ انشاء شعریت اور فلسفہ اردو ادب میں مستقل اضافات ہیں۔

ل احمد صاحب کے افسانے بلا شائبۂ تغلیط ترقی یافتہ زبانوں کے مقابلے میں رکھے جاسکتے ہیں۔ انشائے لطیف ل احمد صاحب کے پندرہ شہ پاروں کا مجموعہ ہے جو اکثر نگار اور دیگر مجلات علمیہ و ادبیہ میں طبع ہو کر مقبولیت دوام حاصل کر چکے ہیں۔ اس لئے :-

اگر آپ کو ملاست و نفاست زبان کے ساتھ نفسیاتِ شباب اور جذبات حسن و عشق کی صحیح نقاشی سے کوئی خاص لگاؤ ہے اگر آپ ادب و شعریت کا ذوقِ سلیم رکھتے ہیں تو اس مجموعہ میں آپ کو اپنی طلب و تشنگی کیلئے مکمل سامانِ سیرابی نظر آئیگا۔ طباعت و کتابت دلکش اور بہترین ہونے کے ساتھ کراؤن سائز پر تقریباً ڈھائی سو صفحات کی ضخامت نفیس جلد اور قیمت صرف دو روپیہ عہ/ علاوہ محصول

نغمات

"نثر کی شاعری"

ادب اردو میں جناب ل احمد کی تنہا وہ ہستی ہے جسنے حسن و عشق کی واردات اور نفسیات کو انتہائی مطالعۂ فکر کیا تھا اپنے ذاتی تاثرات و کیفیات کے ماتحت شعریت موسیقی یا موسیقیت شعر کی صورت میں صفحات سادہ کو عزودرِ خیال بنا دیا ہے اس مجموعہ میں جناب لطیف کے ساتھ مختصر ترین فسانے اور ادب پارے شامل ہیں جسے نثر کی شاعری کے شہ پاروں کا ایک وجد آفریں کارنامہ کہا جا سکتا ہے یہ کتاب بھی مکمل ترتیب و تہذیب کے بعد زیرِ طباعت ہے اگر آپ اپنی زبان کی نزاکت و لطافت کا اندازہ کرنا چاہتے ہیں تو اس کتاب کو ضرور طلب فرمایئے۔

قیمت صرف عہ/ علاوہ محصول

ملنے کا پتہ :-

منیجر کنول بکڈپو مرکز اشاعت ہینگ کی منڈی آگرہ

ارباب وطن لالہ لچھمی نرائن وکیل صدر شیخ محمد شفیع وکیل مولوی طفیل احمد خیر آبادی۔ مولانا شاہ محمد قاسم داناپوری۔ قاضی محمد کاظم علی وکیل منشی محمد مصلح الدین مدرس مدرسہ اکبرآباد۔ مفتی سید ولایت علی خاں صدر الصدور سے بے حد مراسم تھے۔ آخر میں مولوی نثار علی بیگ ڈپٹی کلکٹر و مرزا وقار علی بیگ ڈپٹی کلکٹر سے بہت تعلقات ہو گئے تھے۔ الہ آباد سے اگرہ آتے تو اپنے مکان میں نہیں ٹھہرتے بلکہ انہیں کے یہاں مقیم ہوتے۔ شیخ بلاقی سادہ کا رجو زرتخلص کرتے تھے ان کے گھر ضرور ہو آتے تھے۔ اپنے وطن سے باہر ہندوستان کے ہر حصہ میں آپ کے احباب فضلائے وقت سے تھے۔ خونابۂ جگر اور فغان بے خبر سے ظاہر ہے۔ حضرت غالب اکبرآبادی وطنی بھائی ہونے کی وجہ سے بے حد خواجہ صاحب کی قدر کرتے تھے اور اپنے احباب خاص سے سمجھتے تھے چنانچہ ایک رقعہ میں لکھتے ہیں۔

"ستر برس کی عمر ہے بے مبالغہ کہتا ہوں ستر ہزار آدمی نظر سے گذرے ہوں گے زمرہ خاص میں سے عوام کا شمار نہیں دو مخلص صادق الولا دیکھے۔ ایک مولوی سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ دوسرے منشی غلام غوث سلمہ اللہ العلی العظیم۔ لیکن وہ مرحوم حسن صورت نہیں رکھتا تھا اور خلوص اخلاص اُس کا خاص میرے ساتھ تھا۔ اللہ اللہ دوسرا دوست خیر خواہ خلق۔ حسن و جمال چشم بدور کمال مہر و وفا صدق و صفا نور علیٰ نور میں آدمی نہیں ہوں آدم شناس ہوں۔

مژدہ باد اہل ریا را کہ زمیداں رفتم ۔۔۔ نگہم مہمیز دبر ہا نخانہ دل

غائت مہر و محبت جس کے ملنے کا تم کو مالک سمجھتا ہوں وہ بہ نسبت اپنے اس قدر یقین کرتا ہوں کہ پہلے آدمیوں کو اپنے بعد اپنا ماتم دار سمجھا ہوا تھا ایک کو تو میں رو لیا اب اللہ آمین کا ایک دوست رہ گیا دُعائیں مانگتا ہوں کہ خدایا اسکا داغ نہ مجھے دکھائیو۔ اس کے سامنے مروں میاں تمہارا عاشق صادق ہوں علہ"

فکر آپ کو فارسی سے لگاؤ غالب تھا۔ اسمیں نتائج افکار ہیں اردو میں بھی کہہ لیا کرتے تھے۔ ایک شعر یاد آیا وہ پیش ہے۔

زخمی ہوئے ہیں آپکے تیر نظر سے ہم ۔۔۔ کیونکر خبر کریں گے کسی بیخبر سے ہم

تصانیف آپکی منثارت فارسی وکلام کا مجموعہ خونابۂ جگر ہے۔ رقعات اردو مولوی شاہ امیر الدین رئیس الہ آباد نے جمع کر کے ۱۸۹۱ء میں شایع کئے اس کے ابتدا میں خواجہ صاحب کے حالات بھی لکھدئے ہیں۔ انکے انتقال کے بعد آپ کے چچازاد بھائی خواجہ حسین الدین تحصیلدار (معزول ڈپٹی کلکٹر) نے بقیہ نظم و نثر کا مجموعہ رشک لعل و گوہر کے نام سے ۱۳۲۶ء میں شایع کیا جو اکسیر اعظم پریس بنارس میں طبع ہو چکا ہے۔

علہ اردوئے معلیٰ صفحہ ۲۴۲

آپ کے مزار پر یہ تاریخ کندہ ہے

آں خواجہ کہ بود بنام او غلام غوث — خوش رو و خوش لباس خوش اندام و خوش سرشت

روشن شد از سواد بیاض صفات او — توقیع دقعتی کہ بنامش قضا نوشت

در قیل و قال ہم نفس شاعران فرس — در وجد و حال ہم اثر خواجگان چشت

گوئی برنگ بوئے گل و چوں نسیم صبح — سوئے بہشت رفتہ و ایں کشت را بہشت

رضوان دیدہ گفت کہ ایں نو رسیدہ کیست

گفتند حوریان جناں خواجۂ بہشت

۱۳۲۲

(خواجہ عزیز الدین)

نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی ولد مولوی محمد بخش میرٹھی ۱۸۴۴ء میں پیدا ہوئے بعد تحصیل علم ۱۸۶۲ء میں عدالت جوڈیشل کمشنر اودھ کے ڈپٹی منصرم اور سیر سیتا پور کے تحصیل دار ہوئے۔ ۱۸۷۷ء میں سر سید احمد خاں مرحوم کے ذریعہ نواب محسن الملک کی ماتحتی میں نائب معتمد مال مقرر ہوئے۔ پھر ترقی کر کے ریونیو پولیٹکل سکریٹری ہو گئے۔ اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام۔ تحقیق الجہاد وغیرہ کتب کے مصنف تھے۔ عربی۔ فارسی۔ انگریزی۔ عبرانی۔ کالدی زبانیں جانتے تھے۔ بعمر ۵۵ سال بمبئی میں ۱۸۹۱ء میں انتقال کیا۔

امیر مینائی منشی امیر احمد خلف مولوی کرم محمد نبیرہ شاہ مینا لکھنوی۔ ۱۶ر شعبان ۱۲۴۴ھ کو پیدا ہوئے۔ عربی کے عالم اور درویش صفت بزرگ تھے۔ خاندان چشتیہ و صابریہ میں مرید و خلیفہ تھے۔ مشورہ سخن مظفر علی اسیر سے لیا ۱۲۶۹ء میں واجد علی شاہ کے دربار میں پہونچے بادشاہ کے ایما سے دو کتابیں۔ ارشاد السلطان و ہدایت السلطان تصنیف کیں۔ ۱۲۷۵ھ میں نواب یوسف علی کی طلبی پر رام پور گئے۔ نواب کلب علی خاں کے عہد میں بے حد قدر ہوئی۔ نواب شاعری میں ان کے شاگرد ہوئے۔ بعد نواب کے انتقال کے حیدر آباد گئے کچھ روز بھوپال میں بھی مقیم رہے۔ ۱۹ر جمادی الثانی ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۳ر اکتوبر ۱۹۰۰ء کو حیدر آباد میں انتقال کیا۔ مرآت الغیب۔ خمخانۂ عشق۔ محامد خاتم النبیین۔ تذکرہ شعرائے رام پور (انتخاب یادگار) امیر اللغات (دو جلد) یادگار سے ہیں۔

چودھری عبد الغفور سرور خلف چودھری کرم رسول بن محمد کرم اللہ زبیری مارہروی۔ علوم رسمی سے واقف تھے۔ فکر سخن میں تلمذ مرزا غالب سے تھا۔ بہارستان سرور تصنیف سے ہے۔ ۱۹۰۰ء کے بعد

جناب گمی نو وید بھوشن پنڈت ٹھاکر دت جی شرما وید موجد امرت دھارا و اشوگری شمالی ہندوستان کے مشہور و معروف فرزیشن

کی معرکہ خیز ایجادیں - انہیں سے جبکی ضرورت ہو منگوا کر فائدہ اٹھا دیں

امرت دھارا (رجسٹرڈ) اکسیر اعظم تقریباً ہر مرض کا یقینی علاج بنی نوع انسان کیلئے نعمت عظمیٰ ہے - قیمت فی شیشی دو روپیہ آٹھ آنہ (عہ) نصف شیشی ایک روپیہ چار آنے (عہ) نمونہ آٹھ آنہ (۸/)

اشوگری ذیابیطس و کمزوری باہ کا فوری و یقینی علاج قیمت چار روپیہ (للعہ) نمونہ ایکروپیہ (عہ)

میٹھا پھل (رجسٹرڈ) تعجب خیز ایجاد ہے - جن کے لڑکیاں ہی لڑکیاں پیدا ہوتی ہوں - صرف ایک خوراک حاملہ کو تیسرے ماہ کے آغاز میں کھلا دیں - پرماتما کی کرپا سے لڑکا ہی ہوگا - لڑکی پیدا ہونے کی صورت میں قیمت واپس -
قیمت دس روپے (عنہ)

پھولو پھلو (رجسٹرڈ) جب بچہ دن بدن سوکھتا جاتا ہو تو اس دوا کو اسکی پیٹھ پر مالش کر دیں - کچھ کیڑوں کا اخراج ہوگا اور بچہ موٹا ہونے لگیگا - قیمت پانچ روپے - غربا سے ایکروپیہ امر اسے

کرن جوانی (رجسٹرڈ) بوڑھوں کو جوان بنانیوالی اور جوانوں کی جوانی قایم رکھنے والی اکسیر - اسکے ہوتے ہوئے جانداروں کے غدود کھانے کی ضرورت نہیں رہتی ہے - قیمت ۲۴ گولی ایک روپیہ (عہ)

برہم پتر رس (رجسٹرڈ) **اٹھرا کی دوائی** جن مستورات کے بچے کسی خاص عمر کو پہنچ کر گذر جاتے ہیں وہ ایام حمل میں اس دوا کو کھا لیا کریں تو پرماتما کی کرپا سے اولاد بچ جاویگی - مکمل خوراک کی قیمت مبلغ دس روپے (عنہ)

مدہٹ (رجسٹرڈ) اگر اس دوا کو جانتے یا نہ جانتے ہوئے شراب میں گھول دیا جائے تو آہستہ آہستہ پینے والیکو اس سے نفرت ہو جاتی ہے پبلک کے فائدے کے لئے - قیمت صرف دو روپیہ (عہ)

بلا دور (رجسٹرڈ) بلا کسی تکلیف کے اسکا استعمال افیون کو چھڑا دیتا ہے قیمت فی شیشی ایک روپیہ آٹھ آنہ (عہ)

ایک کارڈ آنے پر کارخانہ امرت دھارا کی فہرست ادویات مفت بھیجی جاتی ہے

خط و کتابت و تار کا پتہ :- امرت دھارا ۱۳۴ لاہور

المشــــــــــــــتہر
منیجر امرت دھارا اوشدھالیہ - امرت دھارا بھون - امرت دھارا روڈ
امرت دھارا ڈاکخانہ - لاہور -

خیالات کی پریشانی اور پراگندگی آپکی تنزلی کی وجہ ہو جائے گی

یہ پریشانی اور پراگندگی۔ دل دماغ اور معدہ میں حرارت کی زیادتی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ گرم خوراک۔ چائے۔ بیڑی۔ سگریٹ

پان۔ تمباکو وغیرہ زیادہ استعمال کرنے سے خون اور منی میں تپش پیدا ہو کر جسم میں آتشیں مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور حرارت زیادہ ہو کر ہیلج پیدا کر دیتا ہے جس سے دل و دماغ پریشان ہو جاتے ہیں۔ ایسی حالت میں آپ اپنی حفاظت کے لئے صحت افزا۔ روح پرور جڑی بوٹیوں کے مرکب سے تیار شدہ امرتار نواولیہ کا استعمال کریں۔

امرتار نواولیہ جسم سے گرمی کی زیادتی دور کر کے آتشیں مادہ کو دور کر دیتا ہے امرتار نواولیہ دل و دماغ اور معدہ کو تراوت بخشتا ہے۔ امرتار نواولیہ خون اور منی بکثرت پیدا کر کے جسم کو فربہ اور مضبوط بناتا ہے امرتار نواولیہ۔ خیالات کی پراگندگی۔ اعضاء جسم کا ڈھیلا پن۔ چہرے کی بے رونقی۔ قوت ہاضمہ کی کمی۔ سستی کاہلی وغیرہ دور کر کے حیرت انگیز قوت فرحت اور رونق عطا کرتا ہے۔ ایک مرتبہ آزمائش کر کے اطمینان حاصل کریں۔ قیمت فی ڈبہ ۲ تولہ صرف دو روپیہ ۲ر علاوہ محصولڈاک

نہایت عمدہ مضامین سے مزین ۹۲ صفحات کی کتاب کام شاستر بالکل مفت منگوا کر ملاحظہ فرمادیں۔

المشتہر:۔ منیجر۔ آتنک نگرہ فارمیسی۔ جام نگر۔ (کاٹھیاواڑ)

شاعر کی راتیں

از شاعرِ انقلاب حضرت جوش ملیح آبادی

شاعرِ انقلاب حضرت جوش ملیح آبادی نے مختلف راتوں کی کیفیتوں کو وجد آفریں کیف آور الفاظ اور اپنے خاص انداز میں کچھ اس اسلوب سے نظم کیا ہے کہ یہ نظمیں تنوع حیث بندش اور لاجواب محاوروں سے مالا مال ہو گئی ہیں۔ ہر شعر مکمل جوش اور انتہائی تاثیر سے لبریز ہے جو والہانہ کیفیتیں طاری کئے بغیر نہیں رہتا۔ شاعر آپ کو شبِ ماہ میں بادہ سرجوش کی لہروں پر ساتھ لیتا حسین پیشانیوں کو چومتا۔ جواہرات کے فرش پر سیر کرتا، باغِ رضواں میں کوثر و تسنیم کی لہروں پر تیرا تا، زہرہ کی نگاہ سے نگاہ لڑاتا، مشکیں زلفوں میں الجھتا، راز و نیاز کے مزے لوٹتا اور شعر و شراب کے سمندر میں غوطے کھاتا، سینکڑوں پر سحر ظلمتوں کی سیر کراتا ہوا پھر اسی عالم میں واپس لے آئے گا۔ واپسی پر آپ اپنے تئیں کھویا ہوا سا پائیں گے۔ اور لازوال آسمانی لطف سے مسرور ہوں گے۔ راتوں کی تفصیل یہ ہے:۔

سنہری رات۔ مست رات۔ التفات کی رات۔ صلح کی رات۔ راز و نیاز کی رات۔ انتظار کی رات۔ شگون کی رات۔ برسات کی رات۔ وحشت رات

جوانی کی رات۔ خواب کی بے چین رات۔ اندھیری رات۔ چاندنی رات۔ تصور کی رات۔ بھیگی ہوئی رات۔ شعر گوئی کی رات۔ جدائی کی رات۔

عبرت کی رات۔ سرشار رات۔ شادی و غم کی رات۔ غربت کی رات۔ ربودگی کی رات۔ بیخودی کی رات۔ پیا بن ناگن کالی رات۔ قیمت دس آنے علاوہ محصولڈاک۔ بارہ آنے کے ٹکٹ روانہ فرمایئے۔ وی۔ پی منگانے سے خواہ مخواہ چھ آنے کا اور زیر بار ہونا پڑے گا۔

پتہ:۔ کلیم بکڈپو۔ گلی کندلہ کشان فتحپوری دہلی

انتقال ہوا۔

پنڈت رتن ناتھ سرشار لکھنوی کشمیری ان کے چھوٹے بھائی بشمبر ناتھ ڈپٹی کلکٹر تھے۔ عربی۔ فارسی۔ انگریزی سے واقف تھے۔ ضلع اسکول کچہری میں ٹیچر ہوئے۔ ۱۸۷۸ء میں انگریزی کتابوں کا ترجمہ کیا۔ نام شمس الضحیٰ رکھا۔ اودھ اخبار کے ایڈیٹر رہے۔ پھر ہائی کورٹ میں مترجم ہوگئے۔ اس کے بعد حیدرآباد چلے گئے وہیں ۱۹۰۳ء میں انتقال کیا۔

نواب محسن الملک بہادر نواب محسن الملک بہادر کا اصلی نام سید مہدی علی ہے ان کا سلسلۂ نسب سادات کے مشہور خاندان بارہہ سے ملتا ہے۔ لیکن ان کے اجداد کئی پشت سے اٹاوہ میں رہنے لگے تھے۔ جہاں سید مہدی ۹ار دسمبر ۱۸۳۷ء کو پیدا ہوئے۔ ماں کی طرف سے ان کا سلسلہ شیخوپور (فرخ آباد) کے خاندان سے ملتا ہے۔ اونکی تعلیم اس زمانہ کے مطابق صرف عربی۔ فارسی۔ میں ہوئی تھی۔ انگریزی تعلیم سے وہ بالکل بے بہرہ تھے۔ مگر زمانہ کے ان لوگوں میں جنہوں نے انگریزی تعلیم حاصل ہنیں کی بہت کم لوگ ان سے لگا کھا سکتے تھے بلکہ انگریزی خوانوں میں بھی بہت کم۔ عربی۔ فارسی کی تعلیم انہوں نے قصبہ پھپوند (اٹاوہ) کے عالم مولوی عنایت حسین سے پائی تھی۔ وہ بچپن ہی سے ایسے ذہین تھے کہ لوگ ان کے والد سے کہا کرتے تھے کہ تمہارا بیٹا جید مولوی ہوگا۔ بلکہ ملک اور قوم کی اعلیٰ خدمت انجام دے گا۔ اگرچہ اون کے خاندان میں سرکاری ملازمت کا رواج نہ تھا اور سوائے سید ظہور علی کے جو صدرالصدور اور ریاست ٹونک کے وزیر ہوئے اور کسی نے ملازمت نہ کی تھی۔ لیکن سید مہدی علی تلاش معاش کے لئے مجبور ہوئے اور کلکٹری اٹاوہ میں دس روپیہ ماہوار کی ملازمت اختیار کرلی۔ لیکن اون کے شریفانہ برتاؤ سے مسٹر ایلین ہوم صاحب کلکٹر اٹاوہ ایسے خوش ہوئے کہ ان کو ۱۸۵۷ء میں اہل دربار کردیا۔ اسی عرصہ میں غدر پڑ گیا۔ اگرچہ اٹاوہ میں باغیوں نے قبضہ کرلیا تھا اور انکی حکومت بھی کچھ روز شہر پر رہی۔ مگر سید مہدی علی اور ان کا خاندان سرکار انگریزی کا دم بھرتے رہے۔ جب غدر فرو ہوگیا اور انگریزی تسلط از سر نو ہوا تو مسٹر ہوم نے انہیں پیشکار کردیا۔ اور ۱۸۶۱ء میں تحصیلدار ہوگئے۔ اس زمانہ میں انہوں نے اٹاوہ کی حالت میں بڑی ترقی کی۔ متعدد سڑکیں اور پبلک عمارتیں بنوائیں۔ انہوں نے کئی قانونی رسالے اردو زبان میں اعلیٰ درجہ کے تصنیف کئے۔ ۱۸۶۳ء میں ڈپٹی کلکٹری کے لئے مقابلے کے امتحان میں شامل ہوئے اور بہت سے انگریزوں سے اعلیٰ درجہ کی کامیابی حاصل کی اور اوّل رہے انہیں تحصیلداری کے زمانے میں ڈپٹی کلکٹری کے اختیارات مل گئے تھے۔ جو اونکی قابلیت کا بین ثبوت ہے۔ ۱۸۶۷ء میں وہ مرزاپور کے ڈپٹی کلکٹر ہوئے جہاں وہ ریاست دودہی کے سپرنٹنڈنٹی اور دراج برہل کے کورٹ

آف وارڈ کی مینجری بھی ایسی کامیابی کے ساتھ کرتے رہے کہ مرزاپور کے کلکٹر نے اپنی رپورٹ میں لکھا تھا۔ کہ میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ مہدی علی سے زیادہ کوئی مستعد اور ایمان دار ملازم ممالک مغربی شمالی صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ) میں نہیں ہے" اس عرصہ میں اون کی انتظامی قابلیت کا آوازہ ضلع اور صوبہ سے گذر کر ریاست حیدرآباد کے مشہور مدبر سالار جنگ اعظم کے کانوں تک پہنچ چکا تھا۔ چنانچہ ۱۸۷۴ء میں سالار جنگ اعظم نے انہیں اپنے ہاں طلب کرکے انسپکٹر جنرل مال مقرر کیا۔ جہاں وہ اپنی خدا داد قابلیت کے زور سے بہت جلد کمشنر محکمہ بندوبست و پیمائش ہوگئے۔

۱۸۷۶ء میں ہزآنر سر اسٹوارٹ لفٹننٹ گورنر بنگال نے اُنہیں لکھا تھا کہ تم نے مالگذاری کا انتظام ایسے عمدہ اصول پر کیا ہے کہ حضور نظام کے ہاں میں تمہارے منتظمانہ کارناموں کو صرف وزیر اعظم سے دوسرے درجہ پر شمار کرتا ہوں۔ سنہ مذکور ہی میں وہ سر سالار جنگ کی مال سکرٹری مقرر ہوئے۔ سر سالار کہا کرتے تھے کہ اس شخص کی رائے پر مجھے جتنا بھروسہ ہے اتنا کسی اور کی رائے پر نہیں ہے۔

۱۸۸۱ء میں حیدرآباد کے پولیٹیکل سکرٹری ہوگئے۔ اور اوس زمانہ میں وہ اپنے اختیارات کو ایسی موزونیت سے کام میں لائے کہ حضور نظام نے اونکی خدمات کے صلہ میں منیر نواز جنگ محسن الدولہ کا خطاب عطا فرماکر تنخواہ اٹھائیس سو روپیہ ماہواری کردی۔

لندن کی اسپیشل کمیٹی کے روبرو ریاست حیدرآباد کے ملک سندھ کی پیروی کے لئے جس میں سردار دلیر جنگ عبدالحق موجود تھے وہ ولایت کو بھیجے گئے۔ جہاں اُنہوں نے اپنے فرائض کو ایسی لیاقت اور ہوشیاری سے انجام دیا کہ حضور نظام بے حد مسرور ہوئے۔ ولایت میں اُنہوں نے منجملہ دوسرے بڑے لوگوں کے مسٹر گلیڈ اسٹون سے بھی ملاقات کی تھی۔ مسٹر گلیڈ اسٹون جب تک زندہ رہے نواب محسن الملک مرحوم سے پرائیوٹ خط و کتابت جاری رکھی۔ سر سالار جنگ اعظم کی وفات کے بعد ریاست میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک پارٹی فیلنگ کا زور ہوگیا جس کے اثر سے نواب محسن الملک مرحوم بھی نہ بچ سکے۔ اور آخر کار ۱۸۹۳ء میں انہیں ریاست حیدرآباد کو خیرباد کہنا پڑا۔ ریاست سے ان کے لئے ۸ سو روپیہ ماہوار پنشن مقرر ہوگئی۔ اور وہ علی گڈھ میں سر سید کے پاس رہنے لگے۔ نواب محسن الملک مرحوم کے سر سید کے ساتھ مذہبی تحریری و تقریری مباحثے مشہور ہیں۔ جب سر سید نے تہذیب الاخلاق نکالا اور نواب محسن الملک مرحوم نے اس میں مضامین لکھنے شروع کیئے تو اُن کے زور قلم اور تحقیق کی ایک سرے سے دوسرے سرے تک دھوم مچ گئی۔ بقول مولانا حالی مدظلہ "لوگ اونکے مضامین کو پڑھتے اور سر دُھنتے تھے"۔ دسمبر ۱۸۹۳ء کے اجلاس کانفرنس منعقدہ علی گڈھ میں اُنہوں نے

ناظرین "کنول" کے لئے ایک نادر تحفہ

اپنے جیون کی "پریم بٹی"

طاقت کا ایک عجیب و غریب لاثانی نسخہ

ناظرین! میں ایک زمیندار کا اکلوتا لڑکا تھا بری صحبت کے باعث جریان و احتلام کے خطرناک امراض میں مبتلا ہو گیا پہلے تو میں نے ایک دو سال شرم و حیا ننگ و ناموس کیوجہ سے اپنا حال چھپائے رکھا مگر کچھ عرصہ بعد بیماری نے خطرناک صورت اختیار کرلی۔ تب میری آنکھیں کھلیں اور میں نے علاج معالجہ شروع کیا روپیہ کی افراط تھی اسلئے بڑے بڑے ڈاکٹروں وید و حکیموں اور نامی دواخانوں سے دوائیں منگوائیں مگر بقول شخصے "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ میں اپنی زندگی سے بیزار ہو گیا اور خودکشی کے منصوبے باندھنے لگا۔ ہمارے گاؤں کے پاس ایک میل کے فاصلہ پر اونچا ایک اونچا کھیڑا ہے۔ اس کھیڑے پر کبھی کبھی کوئی سادھو مہاتما آ گزرتے ہیں اتفاق سے اسی کھیڑے پر کاٹھیاواڑ کے ایک بزرگ فقیر آ گزرے اور ایک جھاڑی میں آسن لگا کر بیٹھ گئے۔ گاؤں کے لڑکوں نے جب ان کو دیکھا تو انہوں نے گاؤں میں شہرت پھیلا دی کہ کھیڑے پر ایک کامل بزرگ فقیر آئے ہوئے ہیں۔ چنانچہ شہرت سنکر لوگ جوق جوق انکے دیدار و قدمبوسی کو آنے لگے رفتہ رفتہ انکی شہرت سارے علاقہ میں پھیل گئی ان کی اس قدر شہرت سنکر میرے جیسا مایوس و ناامید آدمی بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ آخر چار و ناچار بادل ناخواستہ انکی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان کی نورانی صورت دیکھ کر میں حیران سا رہ گیا اور دل ہی دل میں اپنی حماقت پر پچھتانے لگا۔ مگر جوں ہی میں نے ان کے چہرے کے جمال کو دیکھا دل باغ باغ ہو گیا۔ لیکن یہ حالت بہت دیر تک قائم نہ رہ سکی۔ جب انھوں نے نظر اٹھا کر میری جانب دیکھا تو میں مارے شرم کے زمین میں گڑنے لگا۔ مگر مہاتما میرے دلی جذبات بھانپ گئے اور اس طرح گویا ہوئے "بیٹا تم بڑے کمزور اور دکھی معلوم ہوتے ہو۔ طبیعت کیسی ہے" یہ الفاظ مجھ پر جادو کی طرح اثر کر گئے۔ یہ سنتے ہی میں بیاختہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ انھوں نے نہایت شفقت سے مجھے دلاسا دیا اور کہا بیٹا فقیر تمہارے لئے جو کچھ کر سکتا ہے اس سے دریغ نہ کریگا۔ اس پر میں نے بیماری کا سارا حال بلا تامل کہہ سنایا چنانچہ انھوں نے مجھے تسلی دیتے ہوئے نہایت شفقت سے ایک نسخہ تجویز کر کے دیا۔ جو میں نے بنا کر استعمال کیا اور اب بالکل تندرست و توانا ہوں۔ **نسخہ**۔ اصلی ترپھلا کا چورن ۵ تولہ۔ اصلی سورج تاپی سلاجیت ڈھائی تولہ۔ اصلی ہنگ بھسم چھ ماشے۔ اصلی سورج چھاپ کیسر چھ ماشہ۔ اصلی عنبر قرحا چھ ماشہ۔ اصلی نیپالی کستوری نورتی۔ ان سب ادویات کو کوٹ چھان کر کھرل میں ڈال کر اوپر سے سنبل چینی کا تیل تیس بوند۔ بیروزہ کا تیل بیس بوند۔ صندل آئل بیس بوند ڈالکر تازہ برہمی بوٹی کے عرق میں بارہ گھنٹے گھوٹ کر جھربیری کے بیر کے برابر گولیاں بنا کر سایہ میں سکھالیں۔ بس دوائی تیار ہے۔ **ترکیب استعمال**۔ ایک گولی صبح ایک گولی شام پاؤ بھر دودھ میں مصری یا چینی ڈال کر کھائیں۔ اس دوا کے استعمال سے میں بیس روز میں بالکل تندرست ہو گیا۔ یہاں تک کہ اب ایک مدت گزر گئی ہے پھر کوئی شکایت نہیں ہوئی۔ اور اس قادر مطلق خداوند کی مہربانی سے اب میرے تین بچے ہیں جو بالکل تندرست و توانا ہیں۔ اسوقت سے میں یہی نسخہ بنا کر دور و نزدیک کے لوگوں کو دام کے دام پر دے رہا ہوں جس سے سینکڑوں ناامیدوں کی امیدیں بر آئیں۔ اور کئی ناامید فیضیاب ہوئے یہ دیکھکر ان لوگوں نے جنکو اس دوا سے امید سے زیادہ فائدہ ہوا میری توجہ اس فرمان کی جانب مبذول کرائی جو اس کامل بزرگ سنیاسی نے نسخہ دیتے ہوئے میرے ذمہ کیا تھا۔ کہ اگر میں تندرست ہو گیا تو رفاہ عام کے لئے اسکو اخبارات میں مشتہر کر دونگا۔ تاکہ ہر ایک آدمی اس سے فیضیاب ہو سکے اس لئے میں اعلان کرتا ہوں تاکہ تمام لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ نسخہ اوپر درج کر دیا گیا ہے۔ ناظرین بنا کر فائدہ اٹھائیں۔ یہ دوا منی کے پتلاپن بیسیوں قسم کے جریان احتلام پیشاب کیساتھ چونے کی طرح دھات کا خارج ہونا۔ پاخانہ کیوقت دھات کا گرنا۔ خواب میں دھات کا چل جانا۔ سوزاک۔ کمزوری۔ ذیابیطس۔ جوانی میں بڑھاپے کی سی حالت۔ اصلی طاقت کی کمی معلوم ہونا۔ سوچنے کی طاقت کا کم ہو جانا وغیرہ نامردی کو دور کر کے انتہائی طاقت پیدا کرتی ہے۔ اور رگ رگ میں جوانی کا مزہ بجلی کی طرح پیدا کر دیتی ہے۔ اس لئے جو بھائی بنانا چاہیں نسخہ اوپر درج ہے۔ بنا کر فائدہ اٹھائیں۔ مگر جن کو کچھ دقت معلوم ہو یا بوجہ عدیم الفرصتی یا اصلی ادویات نہ ملنے کی باعث دقت محسوس کرتے ہوں اور اس کے حیرت انگیز معجزے دیکھنا چاہیں وہ ہم سے بنی بنائی منگا کر اس کے جادو اثر معجزے دیکھیں۔ اور ہماری محنت کی داد دیں۔ چالیس گولی کی قیمت دو روپیہ عہ علاوہ محصولڈاک اور اسی گولی کی قیمت چار روپیہ للعہ محصولڈاک معاف۔

ملنے کا پتہ:۔ بابو شیام لال رئیس پریم بٹی آفس نمبر ۴۰۵ بازار کنجوسی۔ ضلع اٹاوہ (یو۔پی)

۴۹۹۵

کنول کا سالنامہ

بڑی آب و تاب اور انوکھی شان حسین ترین رنگین و سادہ تصاویر، کوثر بار نظموں دلنشین فسانوں اور بہترین علمی ادبی اور تحقیقی مضامین کے ایک جمیل مجموعہ کی صورت میں جنوری ۳۷ء کے شروع میں شایع ہو جائے گا۔

اگر آپ

کنول کے خریدار نہیں ہیں تو آج ہی خریدار ہو جائیے، مستقل خریداروں کو سالنامہ مفت دیا جائیگا۔

مشتہرین

کے لئے نادر موقع ہے، سالنامہ کم سے کم پانچ ہزار شایع ہوگا اور تمام اشتہار بہترین ڈیزائن کے ساتھ رنگین شایع ہونگے۔ آج ہی خط لکھئے۔

منیجر

پبلیکیشن نمبر ۵۵۶۶

بارسال ہندوستانی دواخانہ دہلی

خون

کی خرابی سے پیدا ہونے والی ہر بیماری کے لئے مصفّی ایک لاثانی دوا ہے جس کو ہندوستانی دواخانہ دہلی نے ایک خلاصہ (ایکسٹریکٹ) کی شکل میں پیش کیا ہے، ایک شیشی میں پانچ تولہ (دو اونس) ایکسٹریکٹ ہے۔ جس پر بارہ خوراکوں کے نشان لگے ہوئے ہیں اور ایک خوبصورت بکس میں پیک ہے۔ قیمت ~~صرف آٹھ آنہ (۸؍)~~ ۱۲؍

مگر خیال رہے

ایک شیشی کی فرمایش بیکار ہے۔ خون کی اصلاح جلد نہیں ہوتی، کم از کم پانچ شیشیاں طلب کیجئے جو ایک ماہ کے لئے کافی ہیں۔ مندرجہ ذیل امراض کی

سرکوبی

خوب کرتی ہے۔ داد، کھجلی، چھیپ، جسم کے سیاہ داغ، ایگزیما، بواسیر، نواسیر، آتشک و سوزاک، برص (سفید داغ) جذام (کوڑھ)، عرق النسا، ایڑی کا درد، پلکوں کا گرنا (بامھنی) گھانجنی۔ مصفّی کا استعمال جبکہ

انجکشن

بیکار ثابت ہو چکے ہوں، ضرور کیجئے اور فخر کیجئے کہ ہندوستان نے ایک ایسی دوا پیش کی ہے جس کا جواب یورپ پیدا نہیں کر سکا۔

نوٹ۔ ہندوستانی دواخانہ کی کوئی شاخ (برانچ نہ دہلی میں ہے اور نہ دہلی سے باہر کسی شہر یا قصبے میں ہے تمام کاروبار مرکز (دہلی) سے ہوتا ہے

ملنے کا پتہ:- **منیجر ہندوستانی دواخانہ پوسٹ بکس ۲۲ دہلی**

(جس کو حکیم اجمل خاں صاحب نے سنہ ۱۹۰۳ء میں ملک کی خدمت کے لئے بنایا)